حقائق الفرقان

حضرت حاجی الحرمین مولانا نور الدینؓ
خلیفۃ المسیح الاوّل کے درس ہائے
قرآن کریم، تصانیف اور خطبات سے مرتّبہ

تفسیری نکات

جلد ششم

سورۃ المعارج تا سورۃ النّاس

ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD

حقائق الفرقان

(جلد ششم)

Haqaa'iqul - Furqaan (**Urdu**)

A collection of the Commentary of the Holy Quran compiled from the Durusul-Quran, sermons, speeches, and writings of Hazrat Khalifatul-Masih I, Maulana Hakeem Noor-ud-Deen, may Allah be pleased with him.
Volume – 6
(Complete Set — Volumes 1-6)

First Edition Published in 1991-1995 (4 Volumes Set)
Reprinted in Qadian, India, 2005
Present Digitally Typeset Edition (Vol. 1-6 Set) Published in the UK, 2024

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey GU9 9PS, UK

Printed at:

Pelikan Basim, Turkey

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-275-9 (Set Vol. 1-6)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم سے جو غیر معمولی عشق اور اس کے علوم کے ساتھ جو فطری مناسبت تھی اس کا ذکر امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدّد تصانیف میں فرمایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

مَا اٰنَسۡتُ فِیۡ قَلۡبِ اَحَدٍ مَحَبَّۃَ الۡقُرۡاٰنِ کَمَا اَرٰی قَلۡبَہٗ مَمۡلُوۡءًا بِمَوَدَّۃِ الۡفُرۡقَانِ

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸۶)

میں نے کسی کے دل میں اس طرح قرآن کریم کی محبت نہیں پائی جس طرح آپ کا دل فرقانِ حمید کی محبت سے لبریز ہے۔

وَ لِفِطۡرَتِہٖ مُنَاسَبَۃٌ تَامَّۃٌ بِکَلَامِ الرَّبِّ الۡجَلِیۡلِ وَ کَمۡ مِنۡ خَزَآئِنٍ فِیۡہِ اُوۡدِعَتۡ لِھٰذَا الۡفَتَی النَّبِیۡلِ۔ (صفحہ ۵۸۷)

آپ کی فطرت کو ربِّ جلیل کے کلام سے کمال مناسبت ہے۔ قرآن کریم کے بے شمار خزائن اِس شریف نوجوان کو ودیعت کئے گئے ہیں۔

وَلَہٗ مَلِکَۃٌ عَجِیۡبَۃٌ فِیۡ اِسۡتِخۡرَاجِ دَقَائِقِ الۡقُرۡاٰنِ وَبَثِّ کُنُوۡزِ حَقَائِقِ الۡفُرۡقَانِ۔

(صفحہ ۵۸۴)

آپ کو قرآن کریم کے دقائقِ معرفت اور باریک نکات کے استخراج اور فرقانِ حمید کے حقائق کے خزائن پھیلانے کا عجیب مَلکہ حاصل ہے۔

اِسی طرح آپ کی تصانیف کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

مَنْ اَرَادَ حَلَّ غَوَامِضِ التَّنْزِیْلِ وَاسْتِعْلَامَ اَسْرَارِ کِتَابِ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ فَعَلَیْہِ بِاِشْتِغَالِ هٰذِهِ الْکُتُبِ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸۴)

جو شخص قرآن کریم کے عمیق مطالب کو حل کرنے اور ربِّ جلیل کی کتاب کے اسرار جاننے کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ کرے۔

آپ کو قرآن کریم سے جو محبت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں:۔

''مجھے قرآنِ مجید سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں لگتی۔ ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں ان سب میں مجھے خدا کی ہی کتاب پسند آئی۔'' (بدر ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷)

''قرآن میری غذا، میری تسلّی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک اس کو کئی بار مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔''

(ترجمۃ القرآن شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ ۴۶)

اور فرمایا کرتے تھے۔

''خدا تعالیٰ مجھے بہشت اور حَشر میں نعمتیں دے تو میں سب سے پہلے قرآن شریف مانگوں گا تا کہ حَشر کے میدان میں بھی اور بہشت میں بھی قرآن شریف پڑھوں، پڑھاؤں اور سنوں۔''

(تذکرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۲۴۶)

آپ نے ساری عمر قرآن کریم کے علوم کے اکتساب میں گذاری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر جب آپ ہجرت کر کے قادیان دارلامان تشریف لائے تو اُس دن سے وفات تک نہایت یکسوئی اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے میں اپنی زندگی کے اوقات صَرف فرمائے۔ قادیان میں رمضان المبارک کے خصوصی درس کے علاوہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی سارا سال قرآن کریم کا باقاعدگی سے درس دیتے تھے۔

ہزاروں صلحاء نے آپ کے درسوں سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے درس القرآن کے سلسلہ میں حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت اقدس علیہ السلام بار بار مجھے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تفسیرِ قرآن آسمانی تفسیر ہے۔ صاحبزادہ صاحب! ان سے قرآن پڑھا کرو اور ان کے درسِ قرآن میں بہت بیٹھا کرو اور سنا کرو۔ اگر تم نے دو تین سیپارہ بھی حضرت مولوی صاحب سے سنے یا پڑھے تو تم کو قرآن شریف سمجھنے کا مادہ اور تفسیر کرنے کا ملکہ ہو جائے گا۔ یہ بات مجھ سے حضرت اقدس علیہ السلام نے شاید پچاس مرتبہ کہی ہوگی۔'' (تذکرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۲۴۴)

یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے اِن درسوں کا خلاصہ سلسلہ کے اخبارات بدرؔ اور الحکمؔ میں ساتھ کے ساتھ آئندہ کے لئے محفوظ ہوتا چلا گیا۔

علوم و معارف کا یہ قیمتی خزانہ اخبارات کی فائلوں میں منتشر اور نایاب کتب کے صفحات میں بند تھا اور نئی نسل کے لئے اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ خلیفۃ المسیح الرابع حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں اِن گراں بہا دفینوں کو باہر نکال کر از سرِ نَو مرتّب کیا گیا اور الحکم اور بدر میں وعیدین۔ خطباتِ نکاح اور تقاریر سے اِس نادر تفسیری مواد کو الگ کر کے جمع کیا گیا اور پھر اسے ترتیب دے کر احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرقان حمید کے ان حقائق کو پڑھنے اور استفادہ کرنے کی ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے اور اُن تمام احباب کو جنہوں نے اس کارِ خیر میں تعاون فرمایا اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین

سید عبد الحی

ناظر اشاعت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرضِ حال

سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو کلام اللہ سے والہانہ محبت اور بے پناہ عشق تھا۔ اس عاشقانہ محبت کی وجہ سے آپ قرآن کریم پر غور و فکر میں عمر بھر مشغول و مصروف رہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے حقائق و معارف آپ پر کھولے گئے اور معانی و مطالب قرآن سے آپ کو آگہی بخشی گئی۔ آپ نے زندگی کا ہر دقیقہ خدمتِ قرآن میں گذارا۔ اس برکت سے آپ کو نور اور فیض عطا ہوا۔ آپ نے اس کو پھیلانے کی ہر دم کوشش جاری رکھی اور قرآن کریم کی تشریح و تفسیر کے لئے درس دیئے۔ الحکم اور بدر کے ایڈیٹرز نے اس علم لدنیہ کے خزانے کو شائع کر کے انہیں محفوظ کرنے کی سعادت پائی۔ **جزاھم اللہ احسن الجزا۔**

ایڈیٹر صاحب البدر فرماتے ہیں۔

اس جگہ اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگرچہ میں نے بہت دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح کا درس سنا ہے۔ تاہم ان نوٹوں کی طیاری میں یادداشتوں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بعض دیگر دوستوں کی نوٹ بکیں بھی دیکھی ہیں۔ جن میں سے قابلِ ذکر میرے مکرم دوست جناب اکبر شاہ خاں صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور انہیں دینی دنیوی حسنات سے مالا مال کرے اور اس کے علاوہ دو تین تفسیروں کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ جن میں سے اس جگہ قابلِ ذکر شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر الحکم کی تالیف کردہ تفسیر بنام ترجمۃ القرآن ہے جسے میں نے بہت مفید اور کارآمد نکات اور لطائف کا مجموعہ پایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر ۹؍نومبر ۱۹۱۱ء نمبر ۲، ۳، ۱۱)

یہ روحانی مائدہ متفرق اور منتشر مقامات پر موجود تھا۔ افادۂ عام کے لئے اس کو یکجا کیا گیا تھا جو حقائق الفرقان کے نام سے کتابی صورت میں شائع شدہ تھا۔

اب جبکہ حقائق الفرقان کو دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کتب ورسائل کو ایک دفعہ پھر اس نکتہ نظر سے دیکھ لیا جاوے تا اگر کہیں کمی بیشی ہو تو وہ مکمل ہو جائے۔

چنانچہ نئے سرے سے تمام کتب ورسائل واخبارات کو پڑھا گیا جس کے نتیجہ میں

۱۔ کئی مزید حوالہ جات اس نئی اشاعت میں شامل ہیں۔

۲۔ پہلے حوالہ جات میں بعض جگہوں پر جو کمی بیشی تھی اسے مکمل کر دیا گیا ہے۔ جس سے مضمون زیادہ واضح اور قابلِ فہم ہو جاتا ہے۔

۳۔ بعض جگہ حوالہ جات درست نہ تھے انہیں بھی درست کر دیا گیا ہے۔

۴۔ عربی عبارات اور فارسی اشعار کا ترجمہ جو پہلے شامل نہ تھا اُسے بھی دے دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرقانِ حمید کے ان حقائق کو پڑھنے اور استفادہ کرنے کی ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے اور اُن تمام کارکنان کو جنہوں نے اس کارِ خیر میں تعاون فرمایا اپنے فضلوں سے نوازے۔

ناشر

الفہرس

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ہم سورۂ معارج کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے۔

۲۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔

ترجمہ۔ طلب کیا ایک طالب نے ایسا عذاب جو ہونے والا ہے۔

تفسیر۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے صفات کو نہیں جانتے۔ وہ اپنے چھوٹے دماغ پر اترا کر اس سے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان کاموں کو ناپنا چاہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی نادانی سے شاندار صداقتوں کی پھر تحقیر کرنے لگتے ہیں۔ طبعیات کے جاننے والے کے دماغ میں جب خداوند تعالیٰ کی بعض باتیں نہیں آتیں تو وہ حقارت سے کہہ دیتا ہے کہ یہ بات علم طبعیات کے خلاف ہے۔

کفار اور مشرکینِ عرب عذاب کی پیشگوئیاں سنتے تو تعجب کرتے کہ یہ کیونکر ہوگا اور کس طرح ممکن ہے کہ یہ جماعت ہم پر غالب آئے گی اور سوال کرتے کہ وہ عذاب کب واقع ہونے والا اور کس طرح ہے؟ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۶)

۳۔ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔

ترجمہ۔ کافروں کو جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ عذاب اٹل ہے۔ اس کو تم دفع نہیں کر سکتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۶)

۴۔ مِنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ۔

ترجمہ۔ اللہ کی طرف سے جو عروج کا مالک ہے۔

تفسیر۔ ذِی الْمَعَارِجِ۔ وہ عذاب اس خدا کی طرف سے آنے والا ہے جو کہ صاحبِ مرتبت، بہت بڑائیوں والا، بہت بلندیوں والا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ قادیان مورخہ ۱۵/دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۶)

۵۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

ترجمہ۔ فرشتے اور کلام اس کی طرف چڑھیں گے اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔

تفسیر۔ تَعْرُجُ۔ زمین کی تدبیر کے واسطے جو معاملات اوپر پیش ہوتے ہیں۔ان کا ذکر ہے۔

فرشتوں کے چڑھنے اترنے کا ذکر توریت کتاب پیدائش میں بھی ہے۔ باب ۲۸ میں لکھا ہے ’’سو یعقوب بیر سبع سے نکل کے حاران کی طرف گیا۔ اور ایک جگہ میں اترا اور رات بھر وہاں رہا۔ کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا۔ اور اس نے اس جگہ کے پتھروں میں سے اٹھا کر اپنا تکیہ کیا اور وہاں لیٹ کے سو گیا اور اس نے خواب دیکھا اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر دھری ہے۔ اور اس کا سرا آسمان کو پہنچا ہے۔ اور دیکھو۔ خدا کے فرشتے اس پر چڑھتے اترتے ہیں‘‘

آسمانی کتب اور پیشگوئیوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے تغیرات کے مختلف دورے ہوتے ہیں۔ ایک دورہ پچیس سالہ ہوتا ہے، ایک پچاس سالہ، ایک صد سالہ (جو مجدد کا دَورہ ہے) ایسا ہی ہزار سالہ اور پچاس ہزار سالہ دَورے بھی ہوتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں ان تغیرات زمانہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک دور تیس۳۰ سال کا تھا۔ جبکہ خلافت راشدہ ختم ہوئی۔ پھر ایک ساٹھ سالہ انقلاب تھا جبکہ امیر معاویہ کا انتقال ۶۰ھ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) میں ہوا اور اس کے بعد کوئی صحابی بادشاہ نہ ہوا۔

ایسا ہی ایک دور سو سال کے قریب قریب کا ہے۔ جس میں روایت بلا واسطہ ختم ہو گئی اور ایک دور پانچ سو سال کا ہے۔ جب کہ سلطنتِ عرب کا خاتمہ ہو گیا اور اسی طرح ایک دور ہزار سال کا ہے۔

جس کے بعد اہلِ یورپ کو کمپنیاں بنانے اور تجارت وغیرہ کے لئے باہر نکلنے کا خیال شروع ہوا۔ اور یاجوج ماجوج کے غلبہ کی ابتدا ہوئی۔

اسی طرح ایک دَور پچاس ہزار سال کا بھی ہے۔ جس پر ایک انقلاب عظیم واقعہ ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک حکم پر پچاس ہزار سال گئے اس کی مثالیں خود دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی مقدمہ ہو تو محکمہ پولیس میں اس کی کارروائی فوراً ہو جاتی ہے۔ مجسٹریٹ ضلع مہینوں کی تاریخ دیتا ہے اور چیف کورٹ میں سالوں کی تاریخ ملتی ہے۔ پریوی کونسل میں اس سے زیادہ۔

ایسا ہی قدرت میں اس کا نظارہ موجود ہے۔ بعض اناج تین ماہ میں پکتے ہیں، بعض چھ ماہ میں، آم سال کے بعد، کھجور کئی سال کے بعد، بعض سینکڑوں یا ہزاروں سالوں کے بعد پکتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۶، ۲۸۷)

۹، ۱۰۔ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۔ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔

ترجمہ۔ جس دن ہو جائے گا آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح۔ اور پہاڑ رنگین دھنکی ہوئی اُون کی طرح۔

تفسیر۔ سَمَاء۔ بادل۔ یوم بدر کی طرف اشارہ ہے۔

جِبَال۔ کانگڑے کے پہاڑی باغوں کو دیکھ لو کہ زلزلے میں ان کا کیا حال ہوا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۷)

۱۲۔ یُبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِ۔

ترجمہ۔ حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ مجرم آرزو کرے گا کہ کاش دے دے اس عذاب سے چھڑوانے کے لئے اپنے بیٹوں کو۔

تفسیر۔ مُجْرِمُ ۔ خدا سے بے تعلق رہنے والا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۷)

۱۸ تا ۲۲۔ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی۔ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰی۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۔ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا۔

ترجمہ۔اس کو پکارتی ہے جس نے منہ پھیرلیا (ذکرالٰہی سے) اور پیٹھ پھیرلی (حق سے)۔اور مال جمع کیا اور پھر اس کو جمع رکھ چھوڑا۔بے شک آدمی پیدا کیا گیا ہے گھبرانے والا کچے دل کا۔جب اس کوکوئی مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرتا ہے۔

تفسیر۔ اَوْعٰی۔ چھپا کررکھا۔ اَلْاِنْسَان۔ نکمے انسان۔

هَلُوْعًا۔ کچا۔بے صبر۔بلکہ اس کی تفسیر آگے آتی ہے۔

اس جگہ اہلِ نار کی سات صفات بیان کی ہیں۔

۱۔ اَدْبَرَ۔ حق کو پیٹھ دی۔ ۲۔ تَوَلّٰی ۔ حق سے منہ پھیرلیا۔

۳۔ جَمَعَ ۔ مال جمع کیا۔ ۴۔ فَاَوْعٰی ۔ پھر اس مال کو چھپا رکھا۔

۵۔ هَلُوْعًا ۔ بےصبر۔ ۶۔ جَزُوْعًا ۔ تکلیف میں اضطراب کرتا ہے۔

۷۔ مَنُوْعًا۔ آرام کی حالت میں نیکی نہیں کرتا۔دولت مند ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے اُسے خرچ نہیں کرتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۷)

۲۳ تا ۳۵۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔ وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔

ترجمہ۔مگر نمازی لوگ (ایسے نہیں ہوتے)۔جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں۔اور جن کے مال میں حصہ معیّن ہے۔سائل کا (مانگنے والوں کا) اور محروم کا (اور جو مانگتے نہیں چپ رہتے ہیں اور اس میں

کتے بلی وغیرہ بھی داخل ہیں)۔اور جو یقین رکھتے ہیں قیامت کا۔اور جو اپنے رب سے خائف اور ترساں اورلرزاں ہیں۔بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔اور وہ لوگ جو اپنے شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔مگر اپنی بیبیوں اور باندیوں سے تو ان کو کچھ ملامت نہیں کہ جو کوئی چاہے اس کے سوا کچھ اور تو یہی لوگ حد سے باہر نکلنے والے ہیں۔اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنی بات کو نباہتے ہیں۔اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔اور وہ جو اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں۔

تفسیر۔ اس کے بعد اہل جنت کے صفات بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ مُصَلِّيْنَ ۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والا۔

۲۔دَآئِمُوْنَ ۔ نماز کے پابند۔یہ نہیں کہ کبھی پڑھی ، کبھی نہ پڑھی۔بلکہ ہمیشہ پڑھتے ہیں۔

۳۔حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۔ اللہ تعالیٰ کے راہ میں باقاعدہ چندہ مقرر کرتے ہیں۔

۴۔السَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۔ مانگنے والے کو بھی دیتے ہیں اور نہ مانگنے والے کو بھی دیتے ہیں۔ محروم سے مراد بے زبان جانور بھی ہے۔

۵۔يَوْمِ الدِّيْنِ کی تصدیق کرتے ہیں۔

۶۔ مُشْفِقُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں ہے۔

۷۔لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔ اپنی شرم گاہوں کی محافظت کرتے ہیں۔

۸۔ امانت میں خیانت نہیں کرتے ہیں۔

۹۔ عہد کی رعایت رکھتے ہیں۔

۱۰۔شہادت پر قائم رہتے ہیں۔

۱۱۔صَلٰوۃ ۔ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ ۔ جو اس کے سوائے اور چاہے۔وہ اس کے لئے جائز نہیں۔اس آیت کے رو سے متعہ، لواطت ، جلق ، مساحقت (چپٹی) سب کے سب حرام ثابت ہو گئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۷)

۳۷ تا ۳۹۔ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُھْطِعِیْنَ۔ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ۔ اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیٍٴ مِّنْھُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّۃَ نَعِیْمٍ ۔

ترجمہ۔ کیا ہو گیا ہے کافروں کو کہ تیری طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے ٹکڑیاں کی ٹکڑیاں۔ کیا اس میں سے ہر ایک شخص اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ نعمت کے باغوں میں داخل کیا جائے۔

تفسیر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھانے کے واسطے عرب کے بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ ان کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی قومیت اور وجاہت کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ وہ لوگ اس قدر متکبر تھے کہ عرفات میں عوام عرب کے ساتھ کھڑے بھی نہ ہوتے تھے۔ بعض لوگ آزادی کو پیش کر کے اپنے آپ کو مذہب سے بے تعلق رکھنا چاہتے اور طرح طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بزعم خود سمجھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا ہے کہ ہم تو مشرق و مغرب کے مالک ہیں۔ جس طرح یہ لوگ مکہ میں بڑے بنے ہوئے ہیں۔ اُن جیسے ہم اور بڑے بڑے آدمی بنانے پر قادر ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہاں اہلِ عرب کے گمان میں تھا کہ ابوبکرؓ بڑا آدمی بن جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے بڑے بادشاہ ہو جائیں گے۔

(ضمیمہ اخبار البدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵ ؍ دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۷)



سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

ہم سورۂ نوح کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

<u>ترجمہ</u>۔ ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے کہ آ جاوے ان پر ٹیس دینے والا عذاب۔

<u>تفسیر</u>۔ نُوْحًا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ملک دجلہ، نینوا اور فرات کے درمیان تھا۔

عبرانی زبان میں نوح (נוח ☆) آرام اور امن کو کہتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کا زمانہ بڑے آرام کا تھا مگر لوگوں نے اس آرام کی قدر نہ کی۔ اور اس کے حکموں کی نافرمانی کی اور شرارتوں پر کمر باندھی۔ تب ان پر سخت عذاب آیا۔

موجودہ زمانہ بھی حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح پُرامن زمانہ ہے۔ لوگ عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خداوند تعالیٰ نے ایک نوحؑ بھیجا ہے۔ اور اس نے ایک کشتی تیار کی ہے مبارک ہیں وہ جو اس میں سوار ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہماری موعظت کے واسطے کیا ہے۔

دنیا میں انسان چاہتا ہے کہ اس کی لمبی عمر ہو۔ اس واسطے طب کا علم ایجاد ہوا اور اسی حفاظت کے واسطے مکان، لباس، خوراک، مضبوط قلعہ، فوجی سامان وغیرہ سب مہیا کئے جاتے ہیں۔ بوڑھے بھی

☆ عبرانی

چاہتے ہیں کہ اَور مدت زندہ رہیں۔ پھر انسان چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ پھر چاہتا ہے کہ اسے مال ملے۔ پھر چاہتا ہے کہ اس کے دشمن ہلاک ہوں تا کہ وہ امن سے زندگی بسر کرے۔ یہ سب انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اوران کو پورا کرنے کا نسخہ بتلانے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول دنیا میں آئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ البرکات، ایسے ہی شاندار نبی حضرت نوح علیہ السلام اپنے زمانہ میں تھے اورانہوں نے کامیابی کا جو نسخہ اپنی قوم کے سامنے پیش کیا اس کا ذکر اس سورۃ شریف میں ہے۔

عذاب کے بھیجنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول دنیا میں بھیجا تا کہ وہ اس کی بات مان کر عذاب سے بچ جاویں۔

اِنَّآ۔ ہم نے ہی حضرت نوحؑ کی رسالت کی صداقت کو لفظ اِنَّآ کی تاکید کے ساتھ ظاہر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جیسا کہ نوحؑ کے مخالفین بچ نہ سکے۔ ایسا ہی........ نبی کریم رسول خاتم النبیین سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالفین بھی نہ بچیں گے۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

۴۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ۔

ترجمہ۔ عبادت کرو اللہ کی اور اسی کو سپر بناؤ اور میرا کہا مانو۔

تفسیر۔ عذاب الٰہی سے بچنے کے واسطے تین گُر حضرت نوحؑ نے پیش کئے جو ہمیشہ سے سچے ہوتے چلے آتے ہیں۔ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اتَّقُوْهُ۔ اس سے ڈرو۔ اَطِيْعُوْنِ۔ میری پیروی کرو۔

اَطِيْعُوْنِ کا لفظ ان خیالات کے لوگوں کا رد کرتا ہے جن کے نزدیک رسولؐ کی اطاعت ضروری نہیں۔ اس آیت میں حضرت نوحؑ نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمہارے تقویٰ اللہ کی حقیقت تب متحقق ہوگی۔ جب تم میری اطاعت کرو۔ یہ اطاعتِ رسولؐ کے لئے ایک زبردست دلیل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

۵۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ۔ وہ تم کو بخش دے گا۔ تمہاری کمزوریاں ڈھانپ دے گا اور تم کو ایک وقت مقرر تک مہلت دے گا۔ اللہ کا وقت جب آجاتا ہے تو اس میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ کیا اچھا ہوتا اگر تم جانتے۔

تفسیر۔ ان تین[1] باتوں کے کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا۔

۱۔ تمہارے گناہ بخشے جائیں گے۔ بدعملی کی سزا سے نجات پاؤ گے۔

۲۔ تمہاری عمر لمبی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجل جب آجاتی ہے تو نہیں ٹلتی لیکن آ چکنے سے قبل دعا وصدقہ وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔ حضرت نوحؑ کی لمبی عمر ان کے دعوے کے واسطے کافی دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑی خیرخواہی اور دردمندی کے ساتھ اپنی قوم کو سمجھاتے تھے کہ تم ایمان واطاعت کے قبول کرنے میں سستی نہ کرو۔ ورنہ پھر یہ موقع ہاتھ نہ لگے گا۔ رباعی

؎ روزے کہ اجل در آید از پیش و پشت شک نیست کہ مہلت نہ دہد یک نَفَسَت
یاری نہ رسد در آں دم از ہیچ کست برباد شود جملہ ہواؤ ہَوَسَت[2]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

۶۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا۔

ترجمہ۔ نوح نے کہا اے میرے ربّ! میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی۔

تفسیر۔ لَيْلًا وَّنَهَارًا۔ انبیاء رات دن اپنی امت کی اصلاح کی فکر میں رہتے ہیں۔ کیسا ہمدرد اور خیرخواہ انسانی گروہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

---

[1] ۱۔ عبادت الٰہی ۲۔ تقویٰ اللہ ۳۔ اطاعتِ رسولؐ (ناشر)
[2] جس دن تیری موت ہر جگہ سے تجھ پر وارد ہو جائے گی تو اس وقت تجھے ایک سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ اس وقت تیری کوئی مدد نہیں کر پائے گا اور تیری سب ہوا و ہوس ختم ہو جائے گی۔

۸۔ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔

ترجمہ۔ اور میں نے جب جب ان کو دعوت دی کہ تو ان کو بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں میں چھپ گئے اور ضد کی اور بڑا ہی غرور کیا۔

تفسیر۔ نبیؑ کی بات لوگ سننا بھی پسند نہ کرتے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے علماء پبلک کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ مرزا کی کتاب نہ پڑھو۔ اُس کے گاؤں میں نہ جاؤ۔ اُس کے مریدوں سے ملاقات نہ کرو۔ یہ بھی ایک تکبر ہے۔

اِسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ ۔ اپنے دلوں کو انہوں نے ڈھانک رکھا ہے۔ ثیاب کے معنے دل کے بھی آئے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

۱۰۔ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔

ترجمہ۔ پھر میں نے ان کو ظاہری طور پر بھی سمجھایا اور پوشیدہ طور پر بھی سمجھایا چپکے سے۔

تفسیر۔ اَسْرَرْتُ ۔ چپکے چپکے سنایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

۱۱ تا ۱۳۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا۔ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔

ترجمہ۔ پھر میں نے کہا معافی مانگو تمہارے رب سے بے شک وہ تو بڑا غفار ہے۔ تم پر وہ بھیج دے گا آسمان سے موسلا دھار بارش۔ اور تمہاری مدد فرمائے گا مالوں سے اور بیٹوں سے اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

تفسیر۔ اِسْتَغْفِرُوْا۔ استغفار کے برکات اور نتائج ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام نے انسانی ضروریات کی جہت سے بیان فرمائے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لو۔ کیا انسان کو انہیں چیزوں کی ضرورت دنیا میں نہیں ہے؟ پھر ان کے حصول کا علاج استغفار ہے۔ (اخبار بدر جلد ۷ نمبر ۹ مورخہ ۵؍مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

سَمَآء کے معنے بادل کے ہیں۔

بارانِ رحمت ہوگی۔غلہ اور ہر شئے ارزاں ہوگی۔

سَمَآء کے معنے بارش کے بھی آئے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے۔

اِذَا نَزَلَ السَّمَاءُ بِاَرۡضِ قَوۡمٍ رَعَیۡنَاہُ وَ اِنۡ کَانُوۡا غِضَابًا[1]

یُمۡدِدۡکُمۡ ۔ بڑھائے گا۔مال اور بیٹے بہت ہوں گے۔

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تم استغفار کرو تو سب برکتیں حاصل ہوں گی۔گناہ بخشے جائیں گے۔بارش ہوگی۔ہر شے ارزاں ملے گی۔مال و دولت بہت ہوگی، اولاد کی کثرت ہوگی، باغ ہوں گے، نہریں جاری ہوں گی۔ان آیات سے استغفار کی فضیلت ظاہر ہے۔

استغفار کیا ہے؟ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پچھلے گناہوں کی سزا سے بچنے کی توفیق طلب کرنا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۸)

روایت ہے کہ ایک دن حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص گیا اور قحط کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا کہ استغفار کرو۔ پھر ایک اور شخص گیا۔اُس نے کہا۔یا حضرت! مَیں محتاج ہوں فرمایا استغفار کرو۔ایک تیسرے نے کہا کہ میرے اولاد نہیں ہوتی۔اُسے بھی استغفار کرنے کا حکم دیا۔چوتھے نے پیداوارِ زمین کی کمی کا گلہ کیا۔اُسے بھی استغفار کی تاکید فرمائی۔حاضرِ مجلس ربیع بن صبیح نے عرض کی کہ آپ کے پاس مختلف لوگ آئے اور مختلف چیزوں کے سائل ہوئے مگر آپ نے جواب سب کو ایک ہی دیا۔اس کے جواب میں حسن بصری نے قرآن شریف کی یہی آیات پڑھیں۔

جماعت احمدیہ کو بھی استغفار کی تاکید ہر روز بار بار کی جاتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا۔یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا۔وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا (نوح:۱۱ تا ۱۳) یعنی استغفار

[1] جب کسی قوم کی زمین پر بادل برستا ہے (اور اس سے گھاس اور روئیدگی پیدا ہوتی ہے) تو ہم اسے چراتے ہیں خواہ وہ قوم اس پر ناراض اور غصہ ہو۔

کرنے سے اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا اور تمہیں مال اولاد دے گا۔ باغ اگائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔ جماعت کو چاہیے کہ درود شریف، استغفار اور الحمد شریف کا کثرت سے وظیفہ رکھیں۔

(الحکم جلد ۱۶ نمبر ۱۹ مورخہ ۲۸ رمئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۹)

۱۴، ۱۵۔ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔

ترجمہ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کا لحاظ نہیں رکھتے (یعنی بڑی امیدیں اللہ سے نہیں رکھتے)۔ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا طرح طرح سے (یا طرح طرح کا)۔

تفسیر۔ تَرْجُوْنَ۔ تَخَافُوْن ع

اِذَا لَسَعَتُهُ النَّحْلِ لَمْ يَرْجُ لَسْعَهَا (ھذلی)[1]

خدا تعالیٰ کی بڑائی سے کیوں نہیں ڈرتے۔

اَطْوَارًا۔ انسان کو پیدائش کے وقت مختلف صورتوں میں سے گزارا ہے۔ نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ۔ کیا یہ تفرقہ اور امتیاز کسی علیم و قدیر ہستی کا کام نہیں؟ یہی خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل ہے۔ (ضمیمہ اخبار البدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸ رجنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۱۶۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔

ترجمہ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان چوڑے چوڑے۔

تفسیر۔ اس آیت میں آسمان کے سات طبقوں کا ذکر کیا ہے۔

جس طرح ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک پہنچنے کے لئے رستے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بھی راستوں کی ضرورت ہے جو بنے ہوئے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار البدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸ رجنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۱۷۔ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔

ترجمہ۔ اور ان میں چاند کا اُجالا بنایا اور آفتاب کو جلتا ہوا چراغ بنایا۔

تفسیر۔ جس طرح کہ انسان چراغ اور روشنی کا محتاج ہے۔ اور چاند اور سورج کا محتاج ہے۔ اسی

---

[1] جب شہد کی مکھیاں اسے ڈنک ماریں وہ ان کے ڈنک مارنے سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔

طرح روحانی ہدایت کے واسطے وحی الٰہی ،انبیاء اور کتب الٰہیہ کا محتاج ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر جلد قادیان ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۱۸۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔

ترجمہ۔ اور اللہ نے تم کو اُ گایا زمین سے جما کر۔

تفسیر۔ نَبَاتًا۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات کو پیدا کیا ہے۔زمین کی روئیدگی انسان کے نشوونما کا موجب ہے اور یہی اغذیہ بالآخر نطفہ کی صورت میں متشکل ہو کر انسان بنتا ہے۔

اسی طرح انعاماتِ الٰہیہ بتلا کر حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر جلد ۱۱ نمبر ۱۶ قادیان مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۲۰،۲۱۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۔ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔

ترجمہ۔ اور اللہ ہی نے بنا دیا تمہارے لئے زمین کا بچھونا۔تا کہ اس کے چوڑے چوڑے راستوں میں چلو۔

تفسیر۔ بِسَاطًا۔ آرام گاہ۔پھیلا ہوا۔

سُبُلًا ۔ ایسا ہی دل کے واسطے بھی راستے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر جلد قادیان ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۲۲، ۲۳۔ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا۔ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا۔

ترجمہ۔ نوح نے عرض کی اے میرے ربّ! انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور ایسوں کی پیروی کی جو ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کچھ نہ بڑھا سکے۔اور انہوں نے ایک منصوبہ کیا بہت ہی بڑا منصوبہ۔

تفسیر۔ اپنے خیر خواہوں پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو سب سے اول یہ خیر خواہی ماں یا دودھ پلائی سے شروع ہوتی ہے۔دودھ پلانے والی کو بھی بچہ ماں کہہ کر پکارتا ہے۔اسی وجہ سے بچے تکالیف کے

وقت ماں کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر بڑے ہو کر باپ کو خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ پھر جوانی میں دوست پیدا ہو جاتے ہیں اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ یہ انسان کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے سوا اور بھی خیر خواہ ہیں۔ لیکن یہ سب خیر خواہ غلطی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ ان سب سے اعلیٰ مخلوق کا خیر خواہ انبیاء کا گروہ ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) جو کبھی غلطی نہیں کرتے۔ اور ان کو مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ انبیاء کی باتوں کو نہیں مانتے۔ ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام دردِ دل کے ساتھ اپنے رب کے حضور میں شکوہ کرتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا پر وہ میری بات نہیں مانتی۔

اس زمانہ میں لوگ بہ سبب امن عامہ کے عیش و عشرت کی غفلت میں گرے ہوئے تھے۔ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بدی ہوتے تھے۔ تب خدا نے چاہا کہ انسان کو اس زمین میں سے مٹا ڈالے۔ پر خدا نے ایک دفعہ پھر ان پر رحم کیا۔ اور اپنے بندے نوحؑ کو جو صادق اور کامل تھا اور خدا کی راہ پر چلتا تھا۔ اور اس واسطے اس پر خدا کی مہربانی کی نظر تھی۔ ان لوگوں کی طرف بھیجا کہ انہیں آنے والے عذاب سے ڈرائے۔ حضرت نوحؑ نے خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی۔ مگر قوم نے نہ مانا۔ اور موردِ عذابِ الٰہی ہوئی۔

(ضمیمہ اخبار بدر جلد قادیان ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹)

۲۴۔ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا۔

ترجمہ۔ اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور کبھی نہ چھوڑنا وُدّ اور نہ سوَاع کو اور نہ یَغُوث کو اور نہ یَعُوق کو اور نہ نَسر کو۔

تفسیر۔ یہ ان کے بتوں کے نام ہیں۔

ا۔ وَدًّا ۔ محبت اور خواہش کا دیوتا۔ جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ارادے سے ایجادِ عالم کا باعث ہوا۔ اس کو مرد کی صورت پر بنایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں اس کے بالمقابل برہما ہے۔

۲۔ سُوَاعَ ۔ بقائے عالم کا بت جو عورت کی شکل میں ہوتا ہے ۔ اس کے مقابل ہندو میتھالوجی میں بِشن ہے۔

۳۔ یَغُوْثَ ۔ حاجت روائی اور فریادرسی کا دیوتا۔اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔شاید اس واسطے کہ فریادرسی کے لئے تیز رفتاری کی ضرورت ہوتی ہے۔اس طرح ہندوؤں میں اِندر دیوتا ہے۔

۴۔ یَعُوْقَ ۔ عوق سے مشتق ہے۔بمعنے روکنا اور دفع کرنا یہ مصیبتوں اور دشمنوں کے روکنے کا بت تھا۔بشکل شیر۔ہندوؤں میں اس کے بالمقابل شنگھ اوتار دیوتا ہے۔

۵۔نَسْرًا۔ طولِ عمر کا دیوتا بشکل باز بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہی بت اس قوم کی ہلاکت کا موجب ہوئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰)

۲۷۔ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔

ترجمہ۔ اور نوح نے عرض کی اے میرے ربّ! نہ چھوڑ خاص زمین پر کافروں کا کوئی گھر بسنے والا۔

تفسیر۔ حضرت نوحؑ نے آخر تنگ آ کر اپنی قوم کے حق میں بددعا کی۔انبیاء کی بددعا سے ڈرنا چاہیے یہ بہت خوفناک بات ہے۔حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے حق میں بدُعا کی۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سخت تکالیف اٹھانے کے کبھی اپنی قوم کے حق میں بددعا نہیں کی۔ بلکہ یہی دعا کرتے رہے کہ رَبِّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْن۔اے میرے رب میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صبر، حوصلہ، رحم اور ہمدردی بہت بڑھی ہوئی ہے۔اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آخر ساری قومِ عرب ہدایت یافتہ ہوگئی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰)

بہت سے وجوہات ہیں جو ہم پر حمدِ الٰہی کو فرض ٹھیراتے ہیں۔منجملہ جنابِ الٰہی کی حمدوں کے یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ ایسا وسیع نہیں کہ وہ ساری دنیا سے تعلق رکھے اور محبت کر سکے۔نبیوں اور رسولوں

کو بھی جب تباہ کار سیہ روزگار شریروں نے دُکھ دیا تو آخر اُن میں سے ایک بول اُٹھا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔

فی الحقیقت اُن پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ شریر نفوس کی حیاتی بھی پسند نہیں کرتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا اتنا حوصلہ کہاں ہوسکتا ہے کہ سارے جہان سے اس کا مخلصانہ تعلق ہو۔ پس اس سلسلہ کو وسیع کرنے کے باوجود محدود کرنے کے لئے نکاح کا ایک طریق ہے جس سے ایک خاندان اور قوم میں ان تعلقات کی بناء پر رشتۂ اخلاص اور محبت پیدا ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۵ مورخہ ۲۶؍فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

۲۸۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔

ترجمہ۔ بے شک اگر کہیں تو ان کو چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے اور جو جنیں گے وہ تو بدکار کٹّا کافر ہی ہوگا۔

تفسیر۔ اگر تُو چھوڑے تو یقیناً بہکا دیں تیرے بندوں کو۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۳۱۶ حاشیہ)



سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ جن کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے۔

۲۔ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔

ترجمہ۔تو سنا دے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ مجھے (قرآن) پڑھتے سن گئے ہیں چند جنّ پھر انہوں نے کہا ہم نے عجیب ہی قرآن سنا ہے۔

تفسیر۔ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ۔ جنّ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔جیسے ملائک وغیرہ اوراس کی مخلوق ہیں۔ میں ہرگز ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ جنّ اور ملائکہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ میں دونوں کا قائل ہوں۔لیکن ہرجگہ جنّ کے لفظ کے وہی ایک ہی معنی نہیں۔اور جو خیال کیا جاتا ہے کہ بعض عورتوں بچوں کو جنّ چمٹ جاتے ہیں۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں۔لغت کے رو سے جنّ ان باریک اور چھوٹے چھوٹے موذی حیوانات کو بھی کہتے ہیں جو غیر مرئی ہیں اور صرف خوردبینوں سے ہی دکھائی دے سکتے ہیں۔طاعون کے باریک باریک کیڑے بھی جنّ کے نام سے موسوم ہیں۔اسی لئے حدیث شریف میں طاعون کو وَخْزُ اَعْدَائِکُمْ مِنَ الْجِنِّ فرمایا ہے۔(اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَشْعَرِیْ۔ طَبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ)۔وَخْزٌ کے معنے نیش زنی اورطعن کے ہیں۔جنّ لُغت میں بڑے آدمیوں کو بھی کہتے ہیں۔جِنُّ النَّاسِ مُعَظَّمُھُمْ شاید بڑے پیسے والے ساہوکاروں کو بھی مہاجن اسی واسطے کہا گیا ہے۔کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے انسان کو بھی ’’جنّ‘‘ کہا ہے۔

سورہ احقاف رکوع ۴ میں ایک قوم کا ذکر ہے۔وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔[۱] (الاحقاف:۳۰) اس قوم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن شریف سن کر اِنَّا

۱؎ اور جب ہم نے پھیرا تیری طرف جنّوں میں سے چند آدمیوں کو کہ وہ سننے لگے قرآن کو۔

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى [1] (الاحقاف:۳۱) کہا۔جنّ کے مدمقابل انسان ہیں۔انس غریب لوگ۔جنّ بڑے لوگ۔

سورۃ الحجر ۱۹ع۲ میں انسان اور ''جانّ'' دونوں کی پیدائش کا ذکر ایک ساتھ ایک ہی آیت میں یکے بعد دیگرے آیا ہے۔وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۔ [2] (الحجر:۲۷۔۲۸) آدم سے پہلے جانّ اور اس کی ذریت تھی۔اس سے کسی طرح انکارنہیں ہوسکتا۔اوراب بھی جنّات غیر مرئی طور پر موجود ہیں۔

کارخانۂ قدرت کا انتظام اور انحصار محسوسات اور مرئیات تک ہی محدود نہیں ہے۔اس لئے غیر محسوس اور غیر مشہود وغیر مرئی عالم کا انکار محض حماقت اور نادانی ہے۔اس لئے کہ جوں جوں سائنس ترقی کرتا جاتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جو اس سے پہلے ماننی مشکل تھیں۔ دوربین اور خوردبین کی ایجاد نے بتادیا ہے کہ اس کرہ ہوا میں کس قدر جانور پھر رہے ہیں۔ایسے ہی پانی کے ایک قطرے میں لاانتہا جانور پائے جاتے ہیں۔حیواناتِ منویہ۔ایک قطرہ منی میں دیکھے جاتے ہیں۔اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق اور انواعِ مخلوق کی حد بندی محض ناممکن ہے۔اور صرف اپنے محدود علم کی بناء پر انکار محض نادانی ہے۔اس لئے اوّلاً جنات کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ ہم کسی ایسی مخلوق کا جو انسانی نوع سے نرالی ہو انکار کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔اور ہم یہ کہنے کی وجوہات رکھتے ہیں کہ جنّ اللہ تعالیٰ کی ایسی قسم کی مخلوق ہے جن کو انسان کی ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔اس لئے کہ ان کی مادی ترکیب نہایت ہی لطیف اور ان کی بناوٹ غایت درجہ کی شفاف ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے انسان ان ظاہری آنکھوں سے انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ان کے دیکھنے کے لئے ایک دوسری حِس یعنی روحانی آنکھ کی ضرورت ہے۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور مومنین صادقین ملائکہ وغیرہ غیر مرئی مخلوق کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔نہ صرف دیکھ لیتے ہیں بلکہ ان سے باتیں بھی

---

[1] ہم نے ایک کتاب سنی جو نازل ہوئی ہے موسیٰ کے بعد [2] بے شک ہم نے آدمی کو بنایا کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جس پر کئی برس گزرے ہوں سیاہ کیچڑ بُودار سے۔اور جن کو انسان سے پہلے ہم نے پیدا کیا لُو کی آگ سے۔

کر لیتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی مخلوق کو جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔انکار کرنا دانشمندی نہیں۔ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کی ایسی مخلوق دنیا میں موجود ہے جو انسانی نظروں سے پوشیدہ ہے۔اور اسی وجہ سے اسے جنّ کہتے ہیں۔کیونکہ عربی میں جنّ اسے کہتے ہیں۔جس میں خفا اور نہاں ہونا پایا جاتا ہے۔جنّت۔انسانی نظر سے پوشیدہ ہے۔جُنَّۃٌ (ڈھال) جو انسان کو چھپا کر تلوار کے حملہ سے محفوظ رکھتی ہے۔جنین۔وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے پوشیدہ ہے۔جنون۔عقل کو چھپانے والا مرض۔جنّ۔انسانی نظر سے چھپی ہوئی مخلوق۔پس جنّ وہی مخلوق ہے جو عام انسانی نظر سے پوشیدہ ہو۔خواہ وہ کسی قسم کی مخلوق ہو۔غرض جنّ ایک مخلوق ہے۔

ایک اور بات بھی یہاں بیان کر دینے کے قابل ہے کہ احادیث میں جنّ کا لفظ سانپ، کالے کتے، مکھی، بھوری چیونٹی، وبائی جرمز، بجلی، کبوتر باز، زقوم، بائیں ہاتھ سے کھانے والا، گدھا، بال پراگندہ رکھنے والا، غراب، ناک یا کان کٹا، شریر، سردار وغیرہ پر بھی بولا گیا ہے۔ان توجیہات پر غور کرنے سے ان مفاسد اور مضاد کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔جو جنون سے منسوب کی جاتی ہے۔

اب اس بیان کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں یہاں جو ذکر کیا گیا ہے۔اس سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔نصیبین ایک بڑا آباد شہر تھا۔اور وہاں کے یہود جنّ کہلاتے تھے اور سوق عکاظ (ایک تجارتی منڈی کا نام ہے) میں آیا کرتے تھے۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے شریروں نے آپ کو دُکھ دیا۔آپؐ عکاظ کو آ رہے تھے۔راستہ میں بمقامِ نخلہ یہ لوگ آپؐ سے ملے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔قرآن مجید کو سن کر وہ رقیق القلب ہو گئے۔سب کے سب ایمان لے آئے اور جا کر اپنی قوم کو بھی ہدایت کی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰)

۳،۴۔ يَهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا۔

ترجمہ۔ جو نیک راہ سکھاتا ہے تو ہم نے تو اسے مان لیا اور ہم تو کبھی شریک نہ ٹھہرائیں گے اپنے ربّ کا کسی کو۔ اور یہ کہ بہت اونچی شان ہے ہمارے رب کی نہ تو کوئی اس کی جورو ہے نہ بیٹا۔

تفسیر۔ اب جنات نے اِس قرآن کو قبول کرنے اور ایمان لانے کے دلائل بیان کئے۔ جن میں سے پہلی دلیل یہی ہے کہ وہ توحید کا مذہب ہے۔

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا۔ یہ دوسری دلیل ہے۔ اور عیسائیوں کے اس صاحبہ اور ولد والے ناپاک عقیدہ کی نفی کرتے ہوئے قرآن شریف سے ماقبل تورات ہی کا ذکر کیا۔ انجیل کا ذکر نہیں کیا۔ فرمایا۔ ولد تو صاحبہ کا نتیجہ ہے۔ جب صاحبہ نہیں تو ولد کہاں سے آیا۔ چوتھی صدی تک یہود عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۶، ۲۵ مورخہ ۱۸؍جنوری ۱۹۱۲ء و ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰، ۲۹۱)

۵۔ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا۔

ترجمہ۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم میں کے بے وقوف لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کیا کرتے تھے۔

تفسیر۔ سفاہت۔ موٹی سمجھ سفیہ، موٹی عقل والا۔ سفاہتؔ کے معنے اضطراب، ضعیف الرائے ہونا۔

شَطَطًا۔ دروغ گوئی، بڑھ بڑھ کر باتیں کرنا، زیادتی کرنا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۶۔ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔

ترجمہ۔ اور یہ ہمارا خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے انسان اور جنّ اللہ پر کوئی جھوٹی بات۔

تفسیر۔ وہ کہتے ہیں۔ ہمارا تو خیال تھا کہ کوئی امیر یا غریب ایسا نہیں کرسکتا کہ خدا پر جھوٹ بولے مگر افسوس ہے کہ قرآن اور اس کے رسولؐ کے متعلق جو خبریں لوگوں نے مشہور کر رکھی ہیں۔ وہ جھوٹی نکلیں اب خود قرآن کے سننے سے معلوم ہوا کہ وہ سچی کتاب ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۷۔ وَ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۔

ترجمہ۔ اور یہ بھی کہا کہ بہت سے بنی آدم مردوں میں سے جنات مردوں کی پناہ لیا چاہتے تھے تو ان آدمیوں نے جنات کا غرور زیادہ کیا۔

تفسیر۔ عوام۔ خواص کے رعب میں آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس واسطے خواص کا تکبر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۹۔ وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا۔

ترجمہ۔ اور ہم آسمانی باتوں کی طرف غور کرتے رہے ہیں۔ تو اس کو پایا بھرا سخت چوکیداروں اور انگاروں سے۔

تفسیر۔ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ ۔ مس اور التماس ایک ہی مادہ سے ہیں۔ التماس کے معنے طلب کرنا، ڈھونڈنا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منجم تھے۔ آسمانی حالات کو دریافت کیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں بھی ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ دیکھو آسمان سے تو کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی۔

مَسْنَا ۔ طلباء نے آسمانی باتوں کے پتہ لگانے کی کوشش کی مگر صرف روشن ستارے ہی نظر آئے۔

حَرَس۔ حفاظت (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۱۰۔ وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۔

ترجمہ۔ اور ہم جا بیٹھا کرتے تھے خاص خاص موقعوں پر سنا کرتے تھے۔ تو جو کوئی اب سننے کا قصد کرے تو اپنے لئے انگاروں کو تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔

تفسیر۔ مَقَاعِدَ ۔ رصدگاہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ستارے بہت گرے تھے۔

رَصَدًا ۔ تاک لگائے ہوئے انتظار میں لگے ہوئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

تحقیق ہم بیٹھتے تھے بیٹھنے کی جگہوں میں سننے کے لئے۔ پس اب اگر کوئی بات سننا چاہے پاتا ہے اپنے لئے شہاب انتظار میں۔ (نورالدین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۶۸)

۱۱۔ وَ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔

ترجمہ۔ اور ہم نہیں جانتے کہ کچھ برائی پہنچانی منظور ہے زمین کے رہنے والوں پر یا ان کے حق میں بھلائی پہنچانے کا ارادہ فرمایا ہے (اللہ نے)۔

تفسیر۔ یعنی ستاروں کے گرنے کو دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آیا زمین والوں کے لئے تباہی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے انہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے۔

(نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۶۸)

اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ ۔ اَرَادَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ نہیں کہا۔ اُرِیْدَ کہا۔ اُرِیْدَ میں ادب کو ملحوظ رکھا اور شر کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ حدیث میں بھی اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ بِیَدَیْكَ وَ الشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ۔[۱] آیا ہے۔

رَشَدًا ۔ میں رشد کا ارادہ کرنے والا رب کو بتایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۱۴ تا ۱۶۔ وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا۔ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۔ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔

ترجمہ۔ اور ہم نے جب کامیابی کی بات سنی تو اسے مان لیا۔ تو جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی نقصان کا خوف کرے گا اور نہ ظلم کا۔ اور ہم میں سے بعض تو فرمانبردار ہیں اور بعض نافرمان ہیں پس جو فرمانبردار بنا تو انہوں نے راہِ راست کا ارادہ کر لیا۔ اور جو نافرمان ہیں وہ

[۱] تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور شر تیری طرف سے نہیں ہے۔

جہنم کی لکڑیئیں ہیں۔

تفسیر۔ بَخْسٌ۔کمی ۔ رَھَق۔ زیادتی۔ تَحَرَّوْا۔ ڈھونڈا ۔ حَطَب۔ ایندھن

اَلْقٰسِطُوْنَ۔ قَاسِطٌ کی جمع ہے۔قَاسِط کے معنے ظالم۔قَسَطَ اَیْ جَارَ وَ اَقْسَطَ اَیْ عَدَلَ یعنی لفظ قسط کو اگر ثلاثی مجرد میں استعمال کریں تو اس کے معنے جور وظلم کے ہو جاتے ہیں اور اگر باب افعال میں لے جاویں تو عدل وانصاف کے معنے ہوتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۱۷۔ وَ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔

ترجمہ۔(اور تم کہہ دو اے محمدؐ کہ میری طرف بھی وحی آئی ہے) کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو ضرور سیراب کر دیتے وسعت دے کر۔

تفسیر۔ مَآءً غَدَقًا۔ عَيْشًا رَغَدًا۔ دنیا میں وسعت دینا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۱۸۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا۔

ترجمہ۔ تا کہ اس میں ان کا امتحان اور تمیز کریں تو جو شخص منہ موڑے اللہ کے ذکر سے تو وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

تفسیر۔ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ تا کہ ہم ان کو کندن کریں۔

عَذَابًا صَعَدًا۔ صعود کا عذاب یعنی چڑھائی کا عذاب۔ایسا عذاب جس سے سارے بدن کو تکلیف ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۱۹ تا ۲۴۔ وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا۔ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا۔ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ

يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔

ترجمہ۔ اور مسجدیں تو اللہ ہی کے ذکر کے لئے ہیں تو اس کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو۔ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت کرنے کو تو وہ جمع ہو جاتے ہیں اس پر ڈٹ کے ڈٹ (جمگھٹا کرنے کو)۔ کہہ دے کہ میں تو اپنے ہی رب کی طرف بلاتا ہوں اور اس کا کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا۔ کہہ دے نہ تو میرے ہی اختیار میں ہے تم کو کچھ ضرر پہنچانا اور نہ راہِ راست پر لے آنا۔ تو کہہ دے مجھ کو ہرگز پناہ نہ دے گا اللہ کے عذاب سے کوئی بھی اور میں اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ بھی نہ پاؤں گا۔ مگر (ہاں میں اپنا فرض منصبی ادا کرتا ہوں) یعنی خبر پہنچانا اللہ کی طرف سے اور اس کے پیام اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ کی اور رسول کی تو بے شک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے وہ مدتوں اس میں رہیں گے۔

تفسیر۔ اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے۔ سومت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اس کو پکارتا۔ لوگ کرنے لگتے ہیں اس پر ٹھٹھا۔ تو کہہ مَیں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو۔ تو کہہ میرے ہاتھ میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں سرک رہنے کو جگہ۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۱۸ حاشیہ)

مستحقِ عبادت اسلام کے نزدیک صرف وہ ہے۔ جو خود موجود، کل کے نفع وضرر کا مالک و مختار ہو اور اس کا نفع وضرر کسی سے ممکن نہ ہو۔ وہی جس کا کمال جلال و جمال ذاتی ہو۔ اور تمام اس کے سوا اپنے وجود و بقا میں اسی کے محتاج۔ سب کے کمالات جمال وجلال اسی کے عطا ہوں۔ اور ایسی چیز اللہ تعالیٰ کے ماسوا اہلِ اسلام کے نزدیک کوئی بھی نہیں۔

سب سے افضل، اکمل، اتم، حضرت سید ولدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود ہے۔ ان کی پاک جناب کو بھی اسلامی اللہ کا بندہ، اللہ کا رسول ہی اعتقاد کرتے ہیں۔ اسلام کا اعتقاد ہے کہ ایک ذرہ کے بنانے کا بھی اختیار انہیں نہیں۔ ایک رتی برابر کسی کے نقصان دینے کی قدرت نہیں۔ آپؐ

خالقِ کائنات نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ ......اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ(الجن : ۱۹تا۲۴)

اور مسجدیں اللہ کے لئے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے اُٹھا۔ تو اس پر ٹوٹ پڑنے لگے۔ کہہ مَیں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ کہہ میں تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ کوئی مجھے خدائی عذاب سے پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میرے لئے اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ ہے۔ میرا کام تو صرف خدا کے پیغام پہنچا دینا ہے۔ (نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۳۶ '۱۳۷)

وَّ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا۔

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے اٹھا۔ قریب تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔

(نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۳۱)

قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ ۔ عبداللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرمایا۔ منازلِ فلکی پر عروج کے وقت آپؐ اسی نام سے پکارے گئے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔[۱] (بنی اسرائیل:۲) نزولِ قرآنِ پاک کی شان کے وقت بھی آپؐ اسی نام سے پکارے گئے۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ ۔[۲] (الفرقان:۲)

کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا۔ کَادُوْا کی ضمیر جنّ اور انسؔ، کفار اور مومن سب کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ لِبَدٌ. لَبِدَۃٌ کی جمع ہے۔ اور لَبَدَہ کے معنے بعض کو بعض پر لپیٹنا۔ لُبَدَ بضَمِّ اللَّامِ وَ فَتْحِ النَّاھِی[۳] قرأت ہے۔ معنے یہ ہوئے کہ کفار مشرکین قرآن سنانے کے وقت مخالفت پر آمادہ ہو کر نبی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مومن مسلمین بھی اطاعت، انقیاد اور حفظ کلام کی نیت سے مسابقت کرتے ہیں۔

۱؎ وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے پیارے محمدؐ کو راتوں رات۔ ۲؎ بڑی بابرکت ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔ ۳؎ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے۔ لُبَدَ بضَمِّ اللَّامِ وَ فَتْحِ الْبَاء بھی قرأت ہے۔

جنوں کی طرف بھی اسی اعتبار سے کَادُوْا کا مرجع ہوسکتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب عبادت میں مشغول ہوتے۔تو بہت سے لوگ آپؐ کے پاس جمع ہوجاتے۔انبیاء کا طریق کہ ہرایک معاملہ میں نصیحت کا موقع نکال لیتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کو اس موقع پر بھی سمجھانا شروع کیا کہ اتنا بڑا علم جو خدا نے مجھے دیا اس واسطے ہے کہ میں موحد ہوں۔شرک نہیں کرتا اور نمازوں میں دعائیں کرتا ہوں اور ان دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہوں۔مگر تم ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہو۔

پھر فرمایا۔میں اتنا بڑا دعویٰ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھے مکالمہ حاصل ہوتا ہے۔لیکن باوجود اس کے میں تمہارے نفع اور ضرر اور راہ نمائی کا مالک نہیں ہوں یہ آیت آنحضرتؐ کی سچائی کی بڑی گواہ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

مجھے تو اپنی ذات کے ضرر و نفع کا کوئی بھی اختیار نہیں ہاں جو چاہے اللہ۔(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۸۱)

۲۵۔حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا۔

اَضْعَفُ ۔آج تو یہ لوگ دعوے کرتے ہیں کہ ہم جتنے ہیں۔بڑے ہوئے ہیں لیکن چند روز کے بعد ان کو پتہ لگ جاوے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار البدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱)

۲۷، ۲۸۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔

ترجمہ۔وہ بڑا غیبوں کا جاننے والا ہے پس وہ خبر نہیں دیتا اپنے غیب کے بھید کی کسی کو۔مگر جس کو اپنے رسولوں میں سے چاہے تو وہ اس کے آگے اور پیچھے لگا دیتا ہے محافظ۔

تفسیر۔ غیب کی خبروں پر اظہار علی الغیب کے طریق سے یعنی متحدیانہ طور پر سوائے رسولؐ کے دوسرا کوئی قادر نہیں ہوسکتا۔اگرچہ پیش گوئیوں کے مفصل اجزا نظری اور تعبیر طلب بھی ہوتے ہیں۔مگر نفس پیشگوئی جو ایک غیب کی بات پر مشتمل ہوتی ہے۔اس پر رسول اور نبی کو ایسا وثوقِ کامل ہوتا ہے کہ

اس اظہار علی الغیب کی بناء پر رسول کی طرف سے متحدیانہ دعوٰی ہوتا ہے۔ اور درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ؎

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

غرض کہ تحدی کرنا اور اس میں پورا اترنا یہ نبی کا خاصہ ہے۔ غیر نبی کو اظہار علی الغیب میں دخل نہیں۔ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۔ رَصَد ، نگہبان ، پہرے دار ، فرشتوں کی حفاظت۔ سورۃ الشورٰی میں وحی اور کلام الٰہی کو تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۔[1] (الشورٰی:۵۲)۔

عوام الناس وحی کا نام سن کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔ حالانکہ تینوں قسم کو وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وحی کے لفظی معنے صرف اشارہ کے ہیں۔ اِلَّا وَحْيًا میں عام خوابوں کو بیان فرمایا ہے۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۔ یہ بھی ایک قسم کی وحی ہے۔ جو اولیاء اور اہل اللہ کی وحی ہے۔ جن کے اکثر مکاشفات وغیرہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ جب تک تعبیر کا وقت نہ آوے۔ ان پر حجاب ہوتا ہے۔ تیسری قسم وحی يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۔ یہ وحی وحی متلو ہے۔ اس کی عبارت بھی اگلے دو قسموں کی وحی سے زیادہ ہیں۔ اس میں احکامات اوامر نواہی ہوتے ہیں۔ اس وحی میں کسی قسم کے مغالطے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کی پوری حفاظت کرتا۔ ملائکہ کا پہرہ ساتھ ہوتا ہے۔ شیاطین کا دخل، قوت فکریہ، وہمیّہ، خیالیہ، عادات وطبائع اس میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرسکتی۔ رَصَدًا کے لفظ میں کلام اور مہبط کلام دونوں کی حفاظت کا بیان ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۱، ۲۹۲)

---

[1] اور کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے (یعنی روبرو) مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے (رؤیا وکشف کے ذریعہ سے) یا کسی رسول وفرشتے کو بھیج دے۔ پھر وہ پہنچادے اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے۔

سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

ہم سورۂ مزمّل کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جس نے عابدوں کو پہلے ہی
سے سمجھ دے رکھی ہے اوران کی سچی کوشش کا بدلہ بھی دینے والا ہے۔

۲ تا ۱۱۔ یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۔قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔نِّصْفَہٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ
قَلِیْلًا ۔ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا
ثَقِیْلًا ۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ۔ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ
سَبْحًا طَوِیْلًا ۔ وَ اذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ
الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۔ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اھْجُرْھُمْ
ھَجْرًا جَمِیْلًا ۔

ترجمہ۔ اے قرآن کے اٹھانے والے نبوت کی خلعت پہننے والے۔ کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑی ہی رات۔ نصف یا اس میں سے کچھ کم کر۔ یا آدھی سے کچھ بڑھا دے اور قرآن کو آہستہ آہستہ پڑھا کر سوچ سمجھ کر۔ قریب ہی ڈال دیں گے تجھ پر بھاری بوجھ۔ رات کا جاگنا نفس کے کچلنے کے لئے سخت تر ہے اور اس میں بات پکی نکلتی ہے۔ تجھ کو دن میں بڑے بڑے کام رہتے ہیں۔ اور اپنے رب کا نام لے اور اسی کی طرف سب سے ہٹ کر جھک جا۔ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے کوئی بھی سچا معبود محبوب نہیں اس کے سوا تو تُو اسی کو اپنا ضامن اور کارساز بنا لے۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور عمدگی کے ساتھ ان سے الگ ہو جا۔

تفسیر۔ مُزَمِّلٌ ’’ز‘‘ کے شدّ کے ساتھ اور بغیر شدّ دونوں طرح آیا ہے۔ تَزَمُّلٌ کے معنے کپڑے میں لپیٹنے کے ہیں۔ زَمَّلْتُہٗ بِثَوْبِہٖ تَزْمِیْلًا فَتَزَمَّلَ۔

مُزَمّل۔ جب تخفیف ’’ز‘‘ پڑھا جاوے گا تو اس وقت معنے حمل اور بوجھ کے ہوں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مُزَمِّلُ کے نام سے خطاب کرنے میں چند معانی ہیں۔ ایک یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جو مہربانی اور تلطف اللہ تبارک وتعالیٰ کو تھا اس کا اظہار مقصود تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کو ایک روز مسجد میں خاک پر لیٹے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے ازراہِ مہربانی وتلطف ان کو یَا اَبَاتُرَاب فرمایا۔

دوسرے یہ کہ ساری رات کپڑا اوڑھ کر سونے اور ایسی ہی حالت میں رات گزار دینے سے متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جس حالت میں کہ بارِ نبوت کو اٹھانا آپؐ کا کام ہے تو لازم ہے کہ ساری رات خواب میں نہ گزارا جاوے بلکہ کچھ حصہ رات کا دعا اور نماز کے لئے بھی مخصوص کیا جاوے۔ غرض کہ مزمل کے لفظ میں تلطف اور تنبہ دونوں ہی مرکوز ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۲)

ہماری سرکار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ الٰہی کی عظمت اور جبروت کو دیکھ کر بہت گھبرائے بدن پر لرزہ تھا۔ گھر میں تشریف لائے اور اپنی بی بی سے کہا۔ دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ میرے بدن پر کپڑا ڈھانپ دو۔ انہوں نے اڑھائے۔ اس حالت کا نقشہ کھینچ کر جنابِ الٰہی فرماتے ہیں کہ تمہارا کام سونے کا نہیں۔ اٹھو اور نافرمان لوگوں کو ڈراؤ۔ اور اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارے بیان میں خدا کی عظمت اور جبروت کا ذکر ہو۔ اور قبل اس کے کہ دوسروں کو سمجھاؤ۔ اپنے آپ کو بھی پاک وصاف بناؤ۔ اس سورۃ میں یوں فرمایا کہ رات کو اٹھو۔ مگر کچھ حصہ رات میں آرام بھی کرو۔ رات کو قرآن شریف بڑے آرام سے پڑھو۔ میری (اپنی) فطرت گواہی دیتی ہے کہ جب کسی عظیم الشان انسان کو کوئی حکم آجاتا ہے اور اس میں کوئی خصوصیت بھی نہ ہو۔ تو چھوٹے لوگ بطریق اولیٰ اس حکم کے محکوم ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایک وہ لوگ ہیں۔ جو خود کپڑا پہننا نہیں جانتے۔ وہ دوسروں کو لباس تقوٰی کیا پہنائیں گے۔ پہلے لباس تو پہننا سیکھو۔ جب شرمگاہوں کو ڈھانک لوگے۔ تو تم پر رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کا حکم

جاری ہوگا۔عام طور پر مسلمانوں کو یہ موقع ملا ہوا تو ہے۔مگر وہ اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔مسلمان عشاء کے وقت تو سوتے ہی نہیں۔مگر اس کو بھی ضائع ہی کر دیتے ہیں۔اگر توبہ و استغفار کریں تو اچھا موقع ہے۔پھر اگر عشاء کے بعد ہی سو جائیں تو چار بجے ان کو تہجد اور توبہ کا موقع مل جائے۔بڑے بڑے حکمِ الٰہی آتے ہیں۔مگر مزہ ان میں تبھی آتا ہے۔جب ان پر عملدرآمد بھی ہو۔انگریزی خوان تو تین تین بجے تک بھی نہیں سوتے۔پھر بھلا صبح کی نماز کے لئے کس طرح اُٹھ سکتے ہیں۔او کپڑے پہننے والو! تم اتنا کام تو ہمارے لئے کرو کہ ہماری کتاب کے لئے کوئی وقت نکالو۔میرے بچے[1] نے کہا کہ ہم کو لیمپ لے دو۔ہم رات کو پڑھا کریں گے۔

مَیں نے اس کو بھی کہا کہ رات کو لیمپ کے سامنے پڑھنے کی ضرورت نہیں اس کے لئے دن ہی کافی ہوتا ہے۔رات کو قرآن شریف پڑھا کرو۔

رات کو اگر تم جناب الٰہی کو یاد کیا کرو۔تو تمہاری روح کو جنابِ الٰہی سے بڑا تعلق ہو جائے۔ مومن اگر ذرا بھی توجہ کرے۔تو سب مشکلات آسانی سے دور ہو جاویں۔

وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لو۔اور رات کو جہان سے منقطع ہو جاؤ۔

مومن کو حضرت یوسفؑ کے بیان میں پتہ لگ سکتا ہے کہ جس شخص کا کسی چیز سے محبت و تعلق بڑھ جاتا ہے۔تو وہ اپنے محبوب کا کسی نہ کسی رنگ میں ذکر کر ہی دیتا ہے۔میں جن جن شہروں میں رہا ہوں۔اپنی مجلس میں مجھے ان کی محبت سے کبھی نہ کبھی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مجلس میں دو شخص آئے اور کہا کہ ہم نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتلا دو۔آپؑ نے فرمایا۔کھانے کے وقت سے پہلے ہم آپ کو تعبیر بتلا دیں گے۔ پھر آپؑ نے کہا کہ دیکھو۔ہم کو علمِ تعبیر کیوں آتا ہے۔تم کو کیوں نہیں آتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے شرک کو چھوڑا تم بھی چھوڑ دو۔دیکھو دو گھروں کا ملازم ہمیشہ مصیبت میں رہتا ہے۔کام کے وقت ہر ایک

---

[1] مراد میاں عبدالحی ہیں۔مرتّب

یہ کہتا ہے کہ کیا تُو ہمارا ملازم نہیں؟ لیکن تنخواہ دینے کے وقت کہتے ہیں کہ کیا دوسرے کا کام نہیں کیا۔ اس لطیف طریقہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے شرک کی برائیاں بیان کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ انبیاء پر ایمان لانا اور خدائے واحد کو ماننا ضروری ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا کے یہی معنے ہیں کہ انسان دل میں بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہ رہے۔

وَاذۡكُرِ اسۡمَ۔ رات کو علیحدگی میں اپنے مالک کو یاد کرو۔ اگر تم کو یہ خیال پیدا ہو کہ ہم کو اس علیحدہ رہنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو یاد رکھو کہ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِيۡلًا۔ پس یاد رکھو کہ جس پاک ذات نے تجھ کو علیحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے۔ وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے۔ اس کو اپنا کارساز سمجھو۔ وہ تم کو سب کچھ دیگا۔

پس میرے بھائیو! غور کرو۔ تم نے دن میں بہت کام کیا ہے۔ رات ہوگی۔ سونا اور مرنا برابر ہے۔ ایسے وقت میں سوچو کہ تم نے جنابِ الٰہی کی کس قدر یاد کی ہے۔

(بدر حصّہ دوم ۲۸ر نومبر ۱۹۱۲ء کلام امیر صفحہ ۸۷، ۸۸)

نِصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ۔ چونکہ راتیں بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں۔ اس لئے متوسط راتوں میں نصف شب سے اور چھوٹی راتوں میں نصف سے کم کر کے اور بڑی راتوں میں نصف سے زیادہ بھی قیام کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اور چونکہ ایک حکم قطعی نہیں ہے۔ بلکہ دو جگہ اَوْ ، اَوْ فرما کر اختیار دیا ہے۔ اس طبیعت کے نشاط پر بھی اس قیام کو حوالے کر دیا گیا ہے۔ یعنی چھوٹی راتوں میں بحالتِ نشاط اگر قیام زیادہ کرلے اور بڑی راتوں میں بوجہ عدم نشاط طبیعت اگر قیام کم کرلے تو یوں بھی اختیار ہے۔ مگر چونکہ قُمْ بصیغہ امر ہے۔ اس لئے قیامِ لَیل آپؐ پر فرض تھا جب کبھی بعض راتوں میں قیامِ لَیل آپؐ سے رہ گیا ہے تو آپؐ نے اس کو بعد طلوعِ آفتاب ادا فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن شریف یاد کرنے والوں اور قیامِ لَیل کرنے والوں کو اَشۡرَافُ اُمَّتِیۡ فرمایا ہے۔ شرف کے لغوی معنے بلندی کے ہیں۔

رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا۔ اَیۡ بَيِّنۡهُ تَبۡيِيۡنًا وَ فَصِّلۡهُ تَفۡصِيۡلًا۔ کسی نے حضرت اُمِّ سلمہؓ

سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت کی کیفیت دریافت کی۔ فرمایا کہ آپؐ ہر ایک آیت کو جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ کے چار ٹکڑے کرتے اور ہر ایک ٹکڑے کو علیحدہ علیحدہ پڑھتے۔ ابوداؤد میں روایت ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ پیدا ہوں گے۔ جو قرآن کو تیر جیسا سیدھا کریں گے۔ وہ بہت جلد پڑھیں گے نہ ٹھہر ٹھہر کر۔ دوسری روایت میں ہے کہ قرآن شریف ایسے لوگوں کے گلے سے نہیں اُترے گا۔ ایک اور روایت میں لَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ آیا ہے۔ ایک اور روایت میں فرمایا ہے کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن شریف کو ختم کیا، وہ نہ پڑھا، نہ چپ رہا۔ لَا قَرَاءَ وَ لَا سَكَتَ۔ اب تو بعض تراویح کے پڑھانے والے قاری ایک ہی شب میں جس کو وہ شبینہ کہتے ہیں۔ قرآن شریف کو ختم کر دیتے ہیں۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا میں قولِ ثقیل قرآن کریم کی متواتر پے در پے وحی کو فرمایا ہے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز نہایت شدت سے سردی تھی۔ آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کی پیشانی مبارک سے وحی کی شدت کی وجہ سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسی طرح اگر آپؐ کسی اونٹ پر سوار ہوتے اور وحی کا نزول شروع ہو جاتا تو اس کے پاؤں بوجہ ثقل وحی ٹیڑھے ہونے لگتے اور اگر کسی صحابیؓ کی ران پر آپؐ کا سر مبارک ہوتا یا تکیہ لگائے ہوتے اور ایسی حالت میں وحی کا نزول ہونے لگتا۔ تو اس صحابیؓ کو اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خوف ہوتا اور ایسی حالت میں آپؐ کا چہرہ مبارک زیادہ منور اور روشن ہو جاتا۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا۔ نَاشِئَةَ بروزن عَاقِبَةٌ مصدر نَشَاَ بمعنی قَامَ لِلْمُذَكَّرِ نَاشِئٌ وَالْمُؤَنَّثُ نَاشِئَةٌ۔

اگرچہ عام طور پر امور حادثہ فی اللیل کو ناشئہ کہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہاں ذکر قیامِ لیل کا ہے۔ اس لئے نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد اول شب سو رہنے کے بعد قیامِ نماز کے لئے اٹھنا نتشأۃ اور نشاۃ[1] ہے وَطْئًا مصدر بمعنی موافقت ہے۔ کقولہ تعالیٰ لِيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۔ اَیْ لِيُوَافِقُوْا

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ بمطابق لغت نِشْأَةً اور نَشَاءَةً مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اِنَّ فِی اللَّیْلِ سَاعَۃً لَا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرًا مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَ ذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ۔ یعنی رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر مسلمان بندہ اس کے موافق پڑ جاتا ہے۔ تو خدائے تعالیٰ سے دینی و دنیاوی بھلائی مانگتا ہے۔ دیا جاتا ہے۔ اور وہ ساعت کسی رات کے لئے خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہر رات میں ہوا کرتی ہے۔ ع

ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

اَقْوَمُ قِیْلًا ۔ قول بمعنے فعل زبانِ عرب میں کثرت سے آتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ دینی و دنیوی سب کام تہجد گزار عابد انسان کے درست ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اَقْوَمُ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس لئے بڑے بڑے مشکلات اس ذریعہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ بارِ نبوت کے ثقل اٹھانے کے لئے قیام لَیل کو اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فرض کیا۔ امت کو بھی اس میں بہت بڑی تعلیم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَشَدُّ الْبَلَاءِ اَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ [1]

عموماً الہامی کتب اور احوال انبیاء و اولیاء سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ رات کے وقت کو انتشارِ روحانیت اور جذب برکات یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ جس کی وجہ غالباً وہ تنہائی اور سکونِ قلب ہے۔ جو رات کی خاموشی اور علیحدگی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

سبح۔ کے اصلی معنے چلنے پھرنے اور گردش کرنے کے ہیں۔ اسی واسطے پیراک کو سَابِح کہتے ہیں کہ وہ پیرتے وقت ہاتھ پیر مارا کرتا ہے۔ اور یہاں سَبْحٌ سے تصرف فی الحوائج یعنی اِشْغَال۔ اِدْبَار اِقْبَال اور آمدورفت مراد ہے۔ نمازوں کا پڑھنا، مریضوں کی عیادت کرنا، جنازوں کی متابعت کرنا، فقراء ومہاجرین کی اعانت، طالب علموں کی تعلیم، مستفتیوں کو فتوٰی دینا، صلح کرانا، کافروں کا مقابلہ، اپنے ذاتی حوائج پورے کرنے، بیبیوں کی ضروریات کو مدنظر رکھنا۔ یہ سب امور آپؐ کے لئے سَبْحًا طَوِیْلًا تھے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۔[2] رات ساری تو قیامِ لَیل میں گزری اور دن سارا سَبْحًا طَوِیْلًا ۔ نبوت کے فرائض کی ادائیگی میں ختم ہو۔ اب بالطبع خیال پیدا ہوسکتا ہے

---

[1] سب سے زیادہ انبیاء آزمائش میں مبتلاء کیے جاتے ہیں پھر ان کے مثل اور پھر ان کے مثل درجہ بدرجہ۔

[2] وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہی۔ پس اسے ہی بطور کارساز پکڑ۔

کہ روزی رزق کی کیا سبیل ہو۔ تو اس کے لئے ربوبیت کو یاد دلا کر اسی کو اپنا کارساز سمجھنے کی طرف اس آیت میں توجہ دلائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مَنۡ جَعَلَ الۡهُمُوۡمَ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَى اللّٰهُ هَمَّ دُنۡيَاهُ. وَمَنۡ تَشَعَّبَ بِهِ الۡهُمُوۡمُ اَحۡوَالَ الدُّنۡيَا لَمۡ يُبَالِ اللّٰهُ أَيَّ وَادِيۡتِهَا هَلَكَ۔

جس شخص نے اپنے تمام فکروں کو اکٹھا کر کے ایک آخرت ہی کی فکر بنا ڈالا تو کارساز ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تفکرات کا۔ لیکن جس کو پریشان کر رکھا ہے اس کے دنیا کے احوال نے جو اسی میں مستغرق ہے تو خدا کو بھی پروا نہیں کہ دنیا کے کسی خاردار جنگل جھاڑیوں میں وہ ہلاک ہو جاوے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۲، ۲۹۳)

۱۳، ۱۴۔ اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا۔ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا۔

ترجمہ۔ ہمارے پاس نکیل ہے بیڑیاں اور دوزخ ہے۔ اور گلا گھونٹنے والا کھانا ہے اور ٹیس دینے والا عذاب ہے۔

تفسیر۔ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ۔ وہ طعام ہے۔ جو گلوگیر حلق میں پھنسنے والا ہو۔

غُصَّۃٍ۔ یہ عربی لفظ اللہ تعالیٰ کے غضب پر قرآن شریف میں کہیں نہیں بولا گیا۔ یہ ہماری زبان کا نقص ہے جو غضبِ الٰہی کے معنے خدا کے غصّہ کے کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۳)

۱۶، ۱۷۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا۔ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا۔

ترجمہ۔ ہم نے تمہاری طرف ویسا ہی رسول بھیجا ہے۔ جو تم پر نگران ہے جیسا کہ فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔

تفسیر۔ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ۔ اس آیت شریفہ میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو

مثیلِ موسیٰؑ قرار دیا ہے۔اور آیت استخلاف سورہ نور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔[1] (النور:۵۶) فرما کر خلفائے امت مرحومہ کو خلفائے موسوی کا مثیل قرار دیا ہے۔ چونکہ خاتم الخلفاء موسوی مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور ان کی بعثت موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو برس بعد چودھویں صدی موسوی پر ہوئی تھی۔اس لئے مماثلت کی مطابقت کے لئے ضروری تھا کہ مثیلِ موسیٰؑ کا خلیفہ چودھویں صدی پر محمدیؐ خلفاء کا خاتم مسیحؑ کے نام پر آوے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ /مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۳)

مثلیت موسیٰؑ۔موسیٰؑ کی پانچویں کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۲۲ ملاحظہ کرو۔

اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا۔سو اچھا کہا۔

میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی بر پا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے کہوں گا۔وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔نہ سنے گا۔تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاوے گا۔اور اگر تُو اپنے دل میں کہے۔میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے۔پورا نہ ہو یا واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے۔تو اس سے مت ڈر۔

اس بشارت کا بیان دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔اول حصے میں اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ بشارت خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔اور دوسرے حصے میں یہ بیان کریں گے کہ جن لوگوں نے اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں مانا۔ان کے اعتراض صرف دھوکا ہیں۔

---

[1] ان کو ضرور خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسے کہ خلیفہ بنایا ان سے پہلے والوں کو۔

حصہ اول۔ اس پیشین گوئی میں موسیٰؑ نے بڑا بسط کیا ہے۔ اور جہاں تک ممکن تھا۔ اس نبی کا نشان ظاہر کیا۔

اوّل۔ اُس نبی کی قوم کو بتایا کہ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے ہوگا۔

دوم۔ وہ نبی مجھ سا ہوگا (تشبیہ محل تاَمل کہ کس امر میں موسیٰؑ سا ہوگا)

سوم۔ خدا کا کلام اس کے منہ میں ہوگا۔

چہارم۔ جو کچھ باری تعالیٰ اُس سے فرمائے گا۔ وہ سب کچھ کہہ دے گا۔

پنجم۔ جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا۔ اور کہا نہ سنے گا۔ وہ سزایاب ہوگا۔

ششم۔ اگر وہ نبی بدوں حکم باری تعالیٰ کے کچھ کہے تو وہ مارا جائے گا۔

ہفتم۔ وہ نبی توحید کا واعظ۔ غیر معبودوں کی پرستش کا مانع ہوگا۔ اگر غیر معبودوں کے نام سے کچھ کہے گا تو مارا جائے گا۔

ہشتم۔ اس کی پیشین گوئیاں پوری ہوں گی۔ اور جھوٹے نبی کی کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوگی۔ ’’کچھ‘‘ کے لفظ پر غور کرو۔ جو بشارت کے اس فقرے میں ہے (جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے)۔

نہم۔ سچا اس قابل ہے کہ تُو اس سے ڈرے۔ اِلَّا جھوٹا نبی چونکہ جلد ہلاک ہو جاوے گا۔ تُو اس سے مت ڈر۔

یہی چند باتیں اس پیشینگوئی میں ہیں جن پر ناظرین کو غور کرنا چاہیے۔

موسیٰؑ نے اپنی مثلیت کے لئے اپنی کوئی خاص صفت اُن امور کے سوا بیان نہیں کی۔ گو موسیٰؑ میں ہزاروں اور صفات ہوں۔ اِلَّا یہ امر کہ وہ نبی مجھ سا کِن صفات میں ہوگا۔ سوائے امور مذکورہ پیشین گوئی کے بیان نہیں فرمایا۔ پس ہم یقین کرتے ہیں اور ہر منصف تسلیم کرے گا کہ انہیں امور میں تشبیہ اور مثلیت موسیٰؑ کو مقصود تھی۔ علاوہ بریں جب کسی چیز کو کسی چیز کا مثل کہا جاتا ہے تو صرف چند امورِ محققہ میں تشبیہ مطلوب ہوتی ہے۔ اب ہم دکھلاتے ہیں کہ قرآن نے اس پیشین گوئی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہونے کا صرف دعوٰی ہی نہیں کیا۔ بلکہ کل مدارج طے کر کے سچا کر

دکھایا اور تمام امور مندرجۂ پیشین گوئی کو تسلیم کر کے بڑے دعویٰ سے کہا کہ آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی اس کا مصداق ممکن نہیں۔

امر اول۔ بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ دیکھو قرآن میں آنحضرتؐ کو حکم ہوا۔
وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعرآء:۲۱۵)[۱] اس پر آنحضرتؐ اپنی قوم کو حکم دیتے ہیں۔

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ (الحج:۷۹)[۲]

۲۔ رَبَّنَاۤ اِنِّيْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ[۳] (ابراھیم:۳۸)
دیکھو۔قرآن نے صاف بتایا۔قرآن نے صریح کہا۔قریش لوگو! تم اپنے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو اختیار کرو۔

امر دوم۔ وہ نبی موسیٰؑ کا سا ہوگا۔اور قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔
۱۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل:۱۶)[۴]

۲۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ (الاحقاف:۱۱)[۵]

شَاهِدٌ کی تنوین واسطے تفخیم و تعظیم کے ہے۔اور لفظ مِثْلِهٖ قابلِ غور ہے۔

۱؎ اور ڈر سنادے اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو۔ ۲؎ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیے اُس کی محنت۔اُس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی دین میں تم پر کوئی مشکل۔دین تمہارے باپ ابراہیمؑ کا۔اس نے نام رکھا تمہارا حکم بردار پہلے سے۔ ۳؎ اے رب میں نے بسائی ہے ایک اولاد اپنی میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہے تیرے ادب والے گھر کے پاس۔ ۴؎ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول۔
۵؎ تو کہہ۔بھلا دیکھو تو۔اگر یہ ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اس کو نہیں مانا۔اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی۔پھر وہ یقین لایا۔

۳۔قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الاحقاف:۳۱)[۱]

نوٹ: حضرت موسیٰ کا قصہ بتکرار و کثرت قرآن میں مذکور ہونا اس امر کا اشارہ اور اظہار کرتا ہے کہ قرآن اپنے رسول نبی عربی کو مثیلِ موسیٰ ثابت کرتا ہے۔

امر سوم کی نسبت فرماتا ہے:

۱۔وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔(النّجم:۴،۵)[۲]

۲۔لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ۔(القیامۃ:۱۷تا۲۰)[۳]

۳۔وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَ ادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرۃ:۲۴)[۴]

نوٹ۔ کلام منہ میں ڈالنا یا دل میں ڈالنا۔اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کلام اُس نبی کے قلبِ نبوّت پر لفظاً یا معناً بہ ہمیں ترتیب بلا تقدم وتاخر خدا کی طرف سے ڈالا گیا ہے۔

آیت دوم میں خداوند خدا قرآن کا جامع اور قاری اپنی ذاتِ مقدس کو ٹھہراتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کو صرف پڑھ سنانے والا مقرر فرماتا ہے۔ یہ بڑا بھاری اشارہ پیشینگوئی کے امر سوم کی طرف ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں دوں گا۔

---

۱ بولے اے قوم ہماری۔ہم نے سنی ایک کتاب جو اُتری ہے موسیٰ کے پیچھے۔سچا کرتی ہے سب اگلیوں کو۔ سمجھاتی سچا دین اور راہ سیدھی۔ ۲ اور نہیں بولتا ہے اپنے چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو بھیجتا ہے۔ ۳ نہ چلا تو اُس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے۔اس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھانا۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ۔تو اس کے پڑھنے کے۔پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا۔ ۴ اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لاؤ ایک سورت اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے۔اگر تم سچے ہو۔

امرِ چہارم۔ حجۃ الوداع یعنی آخری حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ چنانچہ چند الفاظ اس طویل خطبے کے آخر سے نقل کئے جاتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ فَقَالَ النَّاسُ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔[1]

۱۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:۴)[2]

نوٹ ۔ یہ آیت اور وہ حدیث باظہارِ حق و باقرارِ عباد گواہی دیتی ہے کہ آنحضرتؐ نے سب کچھ بتلایا۔

امرِ پنجم۔ تمام مکہ اور حجاز کے گھر گھر کو دیکھو تمام مخالفوں اور اس کا کہا نہ ماننے والوں کا نام ونشان ہی نہ رہا۔ اور دیکھو کہ آیت اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر:۴)[3] کی پیشین گوئی کیسی پوری ہوئی۔ اہلِ حجاز پر ہی کیا منحصر ہے۔ تمام عرب اور بلادِ شام پر غور کرو۔ جو خدا کی خاص چھاؤنی اور کل انبیائے بنی اسرائیل کا ہیڈ کوارٹر اور کالج ہے۔ دیکھو اسی پیشین گوئی کے مطابق قرآن فرماتا ہے۔

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا۬ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا۔ (المزمّل:۱۶۔۱۷)[4]

۲۔ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَ اٰمِنُوْا بِہٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءُ ط

---

[1] اے میرے پروردگار کیا میں نے سب کچھ پہنچا دیا۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ میرے تو گواہ رہ۔ [2] آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی۔ [3] بے شک جو بیری ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔ [4] ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون کے پاس۔ پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو پکڑ وبال کی۔

اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔(الاحقاف:۳۲۔۳۳)[1]

امر ششم۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ۔ فَمَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْہُ حٰجِزِیْنَ ۔(الحاقۃ:۴۵تا۴۸)[2]

۲۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فَلَا تَمْلِکُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰہِ شَیْـًٔا ۔(الاحقاف:۹)[3]

۳۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدۃ:۶۸)[4]

امر ہفتم کی نسبت تمام قرآن مالا مال ہے۔فروگزاشت کے خوف سے چند آیات مرقوم ہیں۔

آیات منعِ شرک

۱۔قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔(آل عمران:۶۵)[5]

۲۔قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ (الانعام:۱۵۲)[6]

۱؎ اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو کچھ تمہارے گناہ اور بچاوے تم کو ایک دُکھ کی مار سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اُس کو اُس کے سوائے مددگار وہ لوگ بھٹکے ہیں صریح۔ ۲؎ اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اس کا داہنا ہاتھ۔ پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ۔ پھر تم میں کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔ ۳؎ کیا یہ لوگ کہتے ہیں۔ یہ بنا لایا تو کہہ اگر میں بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کر سکتے اللہ کے سامنے کچھ۔ ۴؎ اے رسول پہنچا جو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تُو نے کچھ نہ پہنچایا اُس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے۔ ۵؎ تو کہہ اے کتاب والو! آؤ۔ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی چیز کو اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوائے اللہ کے۔ ۶؎ تو کہہ آؤ میں بنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے ربّ نے کہ نہ شریک کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے نیکی۔

۳۔قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ مَا بَطَنَ وَ الۡاِثۡمَ وَ الۡبَغۡیَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا وَّ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (الاعراف:۳۴)[۱]

۴۔وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡـًٔا (النساء:۳۷)[۲]

۵۔اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا۔(النساء:۴۹)[۳]

۶۔وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا وَّ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوۡرًا (الفرقان:۴)[۴]

۷۔وَ اِذَا رَاَوۡکَ اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَکَ اِلَّا ہُزُوًا ؕ اَہٰذَا الَّذِیۡ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوۡلًا۔ اِنۡ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِہَتِنَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَیۡہَا ؕ وَ سَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ حِیۡنَ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا۔(الفرقان:۴۲۔۴۳)[۵]

امر ہشتم۔ اس پر ہم نے برہانِ نبوت کے واسطے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے۔اور مفصل مضمون لکھا ہے۔..............مگر اس جگہ مختصراً اُس مضمون کی تجدید کی جاتی ہے۔

اول اول آنحضرتؐ نے مکے میں موسیٰؑ کی مثلیت کا دعویٰ کیا اور☆ اپنے مخالفین کو آنے والے

۱؎ تو کہہ میرے رب نے منع کیا بے حیائی کے کام کو جو کھلے ہیں اُن میں اور جو چھپے ہیں اور گناہ اور زیادتی ناحق کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو معلوم نہیں۔ ۲؎ اور بندگی کرو اللہ کی اور ملا وَمت اس کے ساتھ کسی کو۔ ۳؎ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑیے اور بخشتا ہے اُس سے نیچے جس کو چاہے اور جس نے ٹھہرایا شریک اللہ کا اُس نے بڑا طوفان باندھا۔ ۴؎ اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس سے وَرے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنے ہیں۔اور نہیں مالک اپنے حق میں ہیں۔ بُرے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے اور نہ جی اُٹھنے کے۔ ۵؎ اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرتے۔ کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر۔ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا وے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے۔ کبھی ہم نہ ثابت رہتے اُن پر۔اور آگے جائیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب۔کون بچلا ہے راہ سے۔

☆۔ اس مقام پر آنحضرتؐ کا خط جو انہوں نے خیبر کے یہود کو لکھا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سے غرض یہ

عذاب سے مخالفت کے باعث ڈرایا۔ اس پر کفار مکہ نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اُس کا نشان ہمیں دکھا کہ ہم پر عذاب آوے۔ چنانچہ قرآن مجید اس معاملہ کی اس طرح خبر دیتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (الانعام:۶۔۷)[۱]

اس آیت میں بدوں میعادِ معینہ کے مطلق تکذیب پر ہلاکت کی خبر دی۔ پھر فرمایا۔

وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّ سَوْفَ

بقیہ حاشیہ۔ ہے کہ آپؐ بڑے استقلال اور قوی یقین سے مثلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور آپ کے مخاطبین تعصّب اور حسد کے سوا انکار کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے تھے۔ (ابن ہشام)

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبِ مُوْسٰى وَاَخِيْهِ وَالْمُصَدِّقِ لِمَا جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى، اَلَا اِنَّ اللهَ قَدْ قَالَ لَكُمْ يَامَعْشَرَ اَهْلِ التَّوْرَاةِ! وَ اِنَّكُمْ لَتَجِدُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِكُمْ۔ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ۔ وَ اِنِّيْ اَنْشُدُكُمْ بِاللهِ اَلَا اَخْبَرْتُمُوْنِيْ هَلْ تَجِدُوْنَ فِيْمَا اَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِكُمْ فَلَا كُرْهَ عَلَيْكُمْ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

ترجمہ: محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے جو موسیٰؑ کا مثیل اور اس کا بھائی اور اس کی تعلیمات کو سچا کرنے والا ہے۔ اے گروہ اہلِ تورات! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرمایا۔ اور تم اس بات کو اپنی کتاب میں پاتے ہو ''محمد اللہ کا رسول ہے'' اور میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ بتاؤ تو سہی جو کچھ اللہ نے تم پر اتارا۔ تم اس میں یہ نہیں لکھا پاتے کہ تم لوگ محمد پر ایمان لاؤ؟ اگر تم اپنی کتاب میں نہیں پاتے ہو تو مَیں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ ضلالت اور ہدایت ممتاز ہو چکی ہے۔ (ابن ہشام جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۶)

[۱] جھٹلا چکے حق بات کو جب ان تک پہنچی۔ اب آگے آوے گا اُن پر حق اُس بات کا جس پر ہنستے تھے۔ کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے اُن سے سنگتیں۔ ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان برستا اور بنا دیں نہریں بہتی ان کے نیچے۔ پھر ہلاک کیا ان کو ان کے گناہوں پر اور کھڑی کی ان کے پیچھے اَور سنگت۔

تَعْلَمُوْنَ ۔(الانعام:۶۷۔۶۸)[1]

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ ۔(الانفال:۳۳۔۳۴)[2]

اس آیت میں یہ بات بتائی کہ تیرے یہاں ہوتے ہوئے یعنی مکّے میں وہ عذاب نہیں آئے گا۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۔(النمل:۷۲۔۷۳)[3]

اس میں بتایا کہ یہ عذاب کچھ حصہ اس عذاب موعود کا ہوگا۔ اور تمہاری تباہی اور استیصال کا شروع ہوگا۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۔(سبا:۳۰۔۳۱)[4]

نوٹ۔ نبوت کا دن ایک برس کا ہوتا ہے جیسے دن جو ساتھ صبح اور شام کے نبوت میں لکھا ہو یا شام یا صبح سے شروع کرے تو چوبیس گھنٹے کا شمار ہوتا ہے ورنہ ایک سال کا (دیکھو اندرونہ بائیبل صفحہ ۳۱۳)

پادری صاحبان غور کرو۔ قرآن نے کیسا معجزہ دکھلایا کہ ان کے زوال کا وقت بھی بتا دیا۔ اور یہ وعدہ جنگ بدر میں پورا ہوا۔ کیونکہ بدر کی لڑائی ٹھیک ایک برس بعد ہجرت کے واقع ہوئی یعنی ۱۵؍جولائی ۶۲۲ء کو آنحضرتؐ مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے اور ۶۲۳ء میں

---

[1] اور تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ یہ حق ہے۔ تو کہہ دے۔ اے محمدؐ میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔ ہر ایک خبر کے لئے ایک وقت مقرر ہے پس عنقریب تم جان لوگے۔ [2] اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دینِ حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا آسمان سے پتھر یا لا ہم پر دکھ کی مار اور اللہ ہرگز عذاب نہ کرتا ان کو جب تک تُو تھا اُن میں۔

[3] اور کہتے ہیں کہ کب ہے یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ شاید تمہاری پیٹھ پر پہنچی ہو۔ بعض چیز جس کی شتابی کرتے ہو۔

[4] اور کہتے ہیں۔ کب ہے یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ تم کو وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہ دیر کروگے اُس سے ایک گھڑی۔ نہ شتابی۔

قریش سے جنگِ بدر☆ ہوئی اور اس بدر کی لڑائی کو قرآن نے آیت یعنی بڑا نشان ٹھہرایا جو کامیابی اسلام کا گویا آغاز ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۔(آل عمران:۱۴)[1]

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران:۱۲۴)[2]

یہاں وہ پیشگوئی جو یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ سے شروع ہوتی ہے پوری ہوئی۔

’’عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے دوانیوں کے قافلو! پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرتے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھنچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدّت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک برس۔ ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا‘‘

اس لڑائی میں قیدار کے اکثر سردار مارے گئے اور وہ کامیابی جو سچائی کا معیار ہوتی ہے۔ ظاہر ہو گئی۔ اور یہ بدر کی فتح اسلام کے حق میں ایسی ہی اکسیرِ اعظم ہوئی۔ جیسی جنگ ملوین☆ برج کی فتح

☆ دیکھو سنین اسلام جلد اول مصنفہ ڈاکٹر لیٹز صفحہ ۷۲ مطبوعہ انجمن پنجاب لاہور۔

[1] ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے۔ یہ اُن کو دیکھتی ہے اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے۔ [2] اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا۔ جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو آنکھ ہے۔ اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے۔ شاید تم احسان مانو۔ ☆ یہ لڑائی ۳۱۲ء میں قسطنطین اعظم اور میگزینٹش قیصر میں ہوئی تھی اور قیصر مذکور کو جو اس میں شکست ہوئی اس کو عیسائی فتح مبین اپنے دین کی سمجھتے ہیں۔

دینِ عیسوی کے حق میں۔

نویں امر کی نسبت قرآن فرماتا ہے۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر :۳)[۱]

توارات میں بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سچے نبی سے ڈریں لیکن اُن لوگوں نے کفارِ مکہ کی طرح نبیٔ برحق کی مخالفت کی۔ وعیدِ الٰہی سے نڈر ہوگئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نضیر (بنی اسرائیل) ویران اور تباہ ہو کر مدینہ سے نکل گئے۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ یہ بشارت مسیحؑ کے حق میں ہے۔ پر یہ دعویٰ ان کا صحیح نہیں کیونکہ مسیحؑ اور موسیٰؑ کے حالات میں کسی قسم کی مماثلت جو پیشین گوئی میں مندرج ہے۔ ہرگز نہیں پائی جاتی۔

وجہ اوّل یہ ہے کہ مسیحؑ صاحبِ شریعت نہ تھے۔ بلکہ شریعتِ موسوی کے پیرو تھے چنانچہ اُن کے بپتسمہ لینے، ختنہ کرانے، یروشلم میں آنے سے ظاہر ہے۔

دوم۔ مسیح نے خود بھی تو دعویٰ نہیں کیا کہ بشارتِ مثلیت میرے حق میں ہے۔ اور نہ ان کے حواریوں نے اس بشارت کو اُن کی طرف منسوب کیا۔ بلکہ اعمال باب ۳۔ ۱۹ سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح اس کا مصداق نہیں۔ ’’پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تا کہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آویں اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے۔ جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے لئے رہے اُس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا۔ اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسیٰؑ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میرے مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے۔ اس کی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اُس نبی کی نہ سنے۔ وہ قوم سے نیست کیا

---

[۱] اور ڈالی اُن کے دلوں دھاک۔ اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ سو دہشت مانو اے آنکھ والو۔

جاوے گا۔

بلکہ سب نبیوں نے سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا۔ اُن دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے ہو کہ خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابراہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔ تمہارے خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو اٹھا کے پہلے بھیجا کہ تم میں سے ہر ایک کو اُس کی بدیوں سے پھیر کے برکت دے‘‘ اس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّل: مسیح کی آمد اول کے بعد اور آمدِ ثانی سے پہلے اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ضروری ہے۔

دوم: موسیٰؑ کے بعد یوشعؑ اور اس کے بعد کے انبیاء اور سموئیل سے لے کر پچھلوں تک کوئی بھی اس کا مصداق نہیں ہوا۔

سوم: حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو سوائے ارسال اُن انبیاء کے جو بنی اسرائیل میں سے مرسل ہوئے کوئی خاص خصوصیت اُس نبی سے ہے۔

چہارم: مسیح اُس نبی سے پہلے آیا اب اُس دوسرے کی ضرورت ہوئی۔

پنجم: حواری کے قول سے ظاہر ہے کہ اس بشارت کا مصداق نبی مسیحؑ سے پہلے نہیں گزرا اور خود مسیحؑ بھی نہیں۔ اس لئے اس نبی کے آنے تک ضرور ہے کہ آسمان مسیح کو لئے رہے۔

سوال: اگر کوئی شخص کہے کہ بنی عیسو اور بنی قطورا کیوں اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

جواب: اول ان میں سے کسی نے اس پیشین گوئی کو اپنے حق میں ثابت نہیں کر دکھایا۔

دوم: پولوس نامہٗ رومیاں۔ ۹ باب۔ آیت ۱۳ میں فرماتا ہے خداوند نے یعقوبؑ سے محبت کی اور عیسو سے عداوت۔

سوم: عیسو نے مسور کی دال پر اپنی نبوت بیچ دی۔ پیدائش ۲۵ باب ۳۲۔ ۳۳

چہارم: یعقوب نے فریب سے نبوت کا ورثہ اس سے لے لیا۔ پیدائش ۲۷ باب ۳۵

بنو ابنائے قطورا زندگی ہی میں خارج ہو چکے تھے۔ مرتے وقت صرف اسمٰعیل اور اسحٰق پاس

تھے۔ پیدائش ۲۵ باب لغایت ۹۔

حل الاشکال میں اس پیشین گوئی پر اعتراض کیا کہ بشارت میں ’’تجھ میں سے‘‘ کا لفظ وارد ہے۔

جواب: (۱) خدا کے اس کلام میں جو موسیٰؑ نے نقل کیا یہ لفظ نہیں۔

(۲) یہ لفظ ’’تجھ میں سے‘‘ اعمال باب ۳۔۲۲ میں نہیں۔

(۳) یونانی ترجمے میں نہیں۔

دوسرا اعتراض: مسیحؑ نے اس بشارت کو اپنی طرف نسبت کیا۔

جواب: (۱) چونکہ مسیحؑ بقول آپ کے مصلوب و مقتول ہوئے تو اس کے مصداق نہ رہے۔

(۲) اس بشارت کو مسیحؑ نے بالتخصیص اپنی طرف نسبت نہیں کیا۔ دیکھو۔ یوحنا باب ۵۔۴۶ تخصیص بشارت کا پتہ ہی نہیں دیا۔ اور یوں ہی گول مول رہنے دیا۔

(۳) صاحبِ حل الاشکال نے میزان میں فصل ۳۔ باب ۲ میں لکھا ہے کہ پیدائش باب ۳۔۱۵ میں مسیح کی بشارت ہے۔ پھر یہی یوحنا باب ۵۔۴۶ میں کیوں نہیں۔

(۴) یوحنا باب ۱۔۲۰۔۲۵۔ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں تب انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو اور کون؟ کیا تو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تُو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔

یوحنا انجیلی۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت میں لکھتا ہے کہ نہ وہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی اور ریفرنس میں وہ نبی کا نشان استثناء باب ۱۸۔۱۵ و ۱۸ دیا ہے یعنی موسیٰؑ کے مثل نبی۔ اور وہ صرف نبی عربی ہے۔

پادری عماد الدین نے ’’تحقیق الایمان‘‘ میں اور پادری ٹھاکر داس نے ’’عدم ضرورت قرآن‘‘ میں مماثلت پر گفتگو کی ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ جسے دیکھ کر ان کی ناکامیاب کوششوں پر سخت افسوس آتا ہے پادری عماد الدین نے بچوں کا قتل ، چالیس دن کا روزہ ، معجزات اور شریعتِ روحانی (معدوم الوجود) بمقابلۂ شریعتِ موسوی کے وجہ مماثلت ٹھہرائی ہے۔

تعجب کی بات ہے۔ کیونکہ موسیٰ کے وقت بچوں کا قتل ہوا ہی نہیں۔ بلکہ فرعون نے حضرت موسیٰ سے پہلے بنی اسرائیل کی کثرت کے خوف سے یہ کارروائی کی تھی۔ اور چالیس دن کا روزہ تو ایلیا نے بھی رکھا۔ دیکھو اوّل سلاطین ۱۹ باب آیت ۸۔ رہے معجزات ایلیا نے بھی مردے زندہ کئے۔ دیکھو اوّل سلاطین ۱۷ باب ۲۲، ۲۳ و دوم سلاطین باب ۴۔ ۳۵۔ ایلیا نے دریا کے دوحصّے کر کے زمین خشک نکالی اور دریا پار ہوا۔ دیکھو دوم سلاطین باب ۲۔ ۸۔ ایلیا نے دوسروں کو معجزات کے لائق بنایا۔ دوم سلاطین باب ۲۔ ۱۰۔ ایلیا جسم سے آسمان پر چلا گیا۔ دوم سلاطین باب ۲۔ ۱۱۔ ایلیا نے تیل کو بڑھایا۔ دوم سلاطین باب ۴۔ ۳۔ ایلیا کی روح سے الیشع نے کوڑھ اچھا کیا۔ دوم سلاطین باب ۵۔ ۱۰ و ۱۴۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۱۹۵ تا ۲۰۶)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۔[1]

اس جگہ باری تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ہاں صادق کلام میں نبی عرب کو موسیٰ کا مثیل ونظیر فرما کر اہلِ عرب سے خطاب کرتا ہے کہ جیسے فرعونی موسیٰ کے عصیان کے باعث تباہ ہوئے۔ ویسے ہی اس نبی کے عاصی اور مخالف بھی تباہ اور ہلاک ہوجائیں گے اور پھر فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ (الانفال: ۳۴)[2]

پھر اس پیشین گوئی کا وقت صاف صاف بتا دیا اور اس کی حد باندھ دی کہ حد ہی کر دی۔ فرمایا

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ ☆ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (سبا: ۳۱)[3]

۱؎ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ گواہ تم پر جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ پس فرعون نے اُس رسول کا کہا نہ مانا۔ پھر ہم نے اس کو ہلاک کرنیوالی پکڑ سے پکڑا۔ ۲؎ جب تک تو اے رسول ان میں ہے۔ اللہ ان پر عذاب نہ لاوے گا۔ ☆ یوم۔ دن۔ الہامی کتابوں میں نبوت کا ایک دن بمعنی سال بھی مستعمل ہوتا ہے۔ لغات عرب اس کے شاہد ہیں اور عیسائی علماء اس کے مقر ہیں۔ دیکھو اندرونہ بیبل عبداللہ آتھم۔ صفحہ ۶۹ و ۱۳۳۔ ۱۲۔ ۳؎ تُو کہہ دے (اے محمدؐ) تمہارے واسطے ایک سال کی میعاد ہے کہ اس سے ایک ساعت اِدھر اُدھر نہ کرسکو گے۔

پھراورتوضیح وتصریح کی۔فرمایا۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۔(بنی اسرائیل:۷۷)[۱]

اللہ اللہ یہ پیشین گوئی کیسی پوری ہوئی۔عادت اللہ قدیم سے اس طرح پر جاری ہے کہ جن قوموں نے ہادیانِ برحق کے نصائح نہ سُنے اوران کے دِل سوز مشفقانہ کلام پر دھیان نہ کیا۔ضرور وہ کسی نہ کسی تباہی میں گرفتار ہوئے اورجھوٹے نبی کا نشان یہ دیا گیا ہے کہ وہ قتل☆ کیا جاوے گا۔اور جوکوئی اس نبی کی بات نہ مانے گا سزا پائے گا۔اب کفارِعرب اس سچے رؤف ورحیم ہادی کوجھٹلا چکے ہیں۔طرح طرح کی اذیتیں دل کو کپکپا دینے والے آزار دے چکے ہیں۔چونکہ وہ نبی صادق ومصدوق ہے اوروہ نبی وہ ہے جس کی نسبت موسیٰؑ وعیسٰیؑ بڑے فخر سے بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔اب خدائی غضب امنڈ آیا۔کلمۃ اللہ برسرِ انتقام آمادہ ہوا کہ ان کے دشمنانِ دینِ حق کو ہلاک کیا جاوے۔مگر باری تعالیٰ بایں ہمہ اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے کہ جب تک تو ان لوگوں میں موجود ہے(یعنی سرزمینِ مکے میں) اُن پر عذاب نہ ہوگا۔اور عالم الغیب حق تعالیٰ ایک سال اس کی میعاد مقرر فرماتا ہے کہ یقیناً اس عرصے میں بلا تقدم وتاخر ایک ساعت کے یہ واقعۂ زوال وقوع میں آئے گا۔قدرتِ حق کا کرشمہ مشاہدہ فرمایئے کہ کیونکر یہ وعدہ ایک سال بعد پورا ہوتا ہے۔اب کفارِعرب نے جن کا سرغنہ ابوجہل تھا آنحضرتؐ کے قتل کی مشورت کی۔اسی واسطے ۱۵/جولائی ۶۲۲ء جمعہ کے دن آپؐ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ منورہ کو چلے گئے۔دوسرے سال یعنی ۶۲۳ء میں بدر کا معرکہ ہوا جس میں وہ سب معاندین اورمخالفین تباہ اورعذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ دوم صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱)

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا١ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔

---

[۱] یقیناً یہ لوگ(اہلِ مکہ) تجھے(محمدؐ) اس زمین(مکہ) سے نکال ڈالنے والے ہیں۔جب تو تیرے بعد یہ لوگ بھی تھوڑی ہی دیر رہیں گے۔☆ استثناء باب ۱۸۔۲۰

بیشک و ریب ہم نے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تمہاری طرف بھیجا بڑا عظمت والا رسول نگران تم پر۔ اور یہ رسول اس رسول کی مانند ہے جس کو ہم نے فرعون کے پاس بھیجا۔

فَكَيۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ كَفَرۡتُمۡ ۔ منکرو! بتاؤ تو تم کیسے بچو گے عذاب سے اگر تم نے اس رسول کا انکار کیا۔ کیا معنی۔ اگر فرعون موسیٰ علیہ السلام کے انکار سے سزایاب ہوا۔ تو تم منکرو! کیونکر بچ سکتے ہو۔ یہ آیت شریف کتاب استثناء کے ۱۸ باب ۱۸ کی طرف راہنمائی فرماتی ہے۔

غرض اسی طرح کی بہت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں اور اُن آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے حضور علیہ السلام کو اپنی رسالت، نبوت، راستی اور راست بازی پر پورا اور اعلیٰ درجہ کا یقین تھا۔ اور اولڈ ٹیسٹمنٹ اور نیو ٹیسٹمنٹ کے ماننے والا بعد انصاف ہرگز انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ استثناء ۱۸ باب ۱۸ میں اور اعمال ۳ باب میں صاف لکھا ہے کہ ایک نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند آنیوالا ہے اور توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی جو از راہِ کذب وافتراء اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کہے مارا جاوے گا۔

حضور (فِدَاہُ اَبِیۡ وَ اُمِّیۡ) نبیٔ عرب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند رسول ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ جیسا گزرا۔ اور آیت شریف وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:۶۸) جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچالے گا پڑھ کر پہرہ اور حفاظت کو بھی دور کردیا۔ مدینہ کے یہود اور عیسائی قوم کو صاف صاف سنادیا کہ میں قتل نہ کیا جاؤں گا۔ اور اللہ کے فضل سے قتل سے بچ رہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

عیسائی صاحبان! اگر نبیٔ عرب ؐ اس دعویٰ نبوّت میں (اور نبوت کا بھی وہ دعویٰ میں كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا فرما کر استثناء ۱۵ باب ۱۸ اور اعمال ۳ باب والا دعویٰ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ نبیٔ عرب ؐ قتل نہیں کئے گئے)۔ کاذب ہیں (معاذ اللہ) تو توریت کتاب مقدس نہیں بلکہ بالکل غلط اور کذب ہے کیونکہ کتاب استثناء کے ۱۸ باب ۱۸ میں لکھا ہے۔ جھوٹا نبی مارا جاوے گا۔ لاکن توریت شریف اگر الہامِ الٰہی سے ہے اور سچ تو ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول اور فِي نَفۡسِ الۡاَمۡر استثناء ۱۸ باب والے رسول ہیں۔

اسی واسطے قرآن کریم بار بار حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ اور اپنے آپ کو مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ ۔ (البقرۃ:۴۲) فرماتا ہے۔کیا معنے؟ قرآن کریم اور نبیٔ عرب نے اپنے ظہور اور حفاظت اور قتل سے بچ کر توریت کو سچا کر دکھایا۔ (ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۸ تا ۱۰)

سورہ مزمل مکہ معظّمہ میں اتری۔ جب حضور علیہ السلام بظاہر نہایت کمزوری کی حالت میں تھے اور بظاہر کوئی سامان کامیابی کا نظر نہ آتا تھا۔قرآن نے صاف صاف جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا۔ یہ رسول اس رسول کی مثل ہے جو فرعون کے وقت برگزیدہ اور بنی اسرائیل کا ہادی بنایا گیا۔جس طرح اس رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن بے نام ونشان ہو گئے۔ایسے ہی اس رسول کے دشمن معدوم ہوں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا۬ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا۔ فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ ۔[1]

اور جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم دشمنوں سے نجات پا کر آخر معزز اور ممتاز اور خلافت اور سلطنت سے سرفراز ہوئی اسی طرح ٹھیک اسی طرح لاریب اسی طرح اس رسول کے اتباع بھی موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کی طرح بلکہ بڑھ کر ابراہیمؑ کے موعود ملک بالخصوص اور اپنے وقت کے زبردست بادشاہوں پر علی العموم خلافت کریں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔(النور:۵۶)[2]

۱؎ ہم نے ہی بھیجا تمہاری طرف رسول نگران تم پر جیسے بھیجا تھا فرعون کو رسول۔ پھر جب نافرمانی کی فرعون نے اس رسول کی تو سخت پکڑ لیا ہم نے اسے۔ پھر تم اگر اس رسول کے منکر ہوئے تو کیونکر بچو گے۔ ۲؎ وعدہ دے چکا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تم میں سے جو ایمان لائے اور کام کئے انہوں نے اچھے ضرور خلیفہ کر دے گا ان کو اس خاص زمین میں (جس کا وعدہ ابراہیمؑ سے ہوا)۔ جیسے خلیفہ بنایا ان کو جوان اسلامیوں سے پہلے تھے۔اور طاقت بخشے گا انہیں اس دین پھیلانے کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمایا اور ضرور ہی بدل دیگا انہیں خوف کے بعد امن سے۔

آخر دیکھ لو۔اس فطرت کے قاعدہ نے اس الٰہی سنت یا عادۃ اللہ نے ناظرین کو وہی نتیجہ دکھایا جو ہمیشہ اہلِ ایمان کے ساتھ ان کے بے ایمان مخالفوں کے بے جا حملوں کے وقت دکھاتی چلی آتی ہے۔

ہمارے ہادی، بلکہ ہادیٔ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں۔نہیں،نہیں۔آپؐ کے مولد، مسکن اورآپؐ کے ملک میں آپ کا کوئی دشمن نہ رہا۔دشمن کیسے؟ ان کے آثار بھی نہ رہے! مکّہ معظّمہ نہیں بلکہ جزیرہ نمائے عرب پر نگاہ کرلو۔تمام عرب آپ کے خدام یا خدام کے معاہدین کی جگہ ہوگیا۔

اللہ اللہ!!! جیسے آپؐ بے نظیر ہیں۔ویسے ہی آپؐ کی کامیابی بھی بے نظیر واقع ہوئی۔ناظرین! ایسی کامیابی کسی ملہم، کسی مدعیٔ الہام، کسی ریفارمر، کسی مصلح، کسی رسول یا کسی بادشاہ کو کبھی ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں۔کس مقتدا نے، کس بادشاہ نے۔نام تو لو۔

(تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۳، ۱۴)

۱۸۔ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔

ترجمہ۔ پس اگرتم نے بھی کفر کیا تو تم بھی کیسے بچو گے اس دن جو چھوکروں کو (بسبب فکر کے) بوڑھے بنادے گا۔

تفسیر۔ شِيْبًا۔ اَشْيَبْ کی جمع ہے۔کثرتِ ہم وغم بڑھاپے کا باعث ہوجاتا ہے۔سورۃ ھود میں جب قوموں کی ہلاکت کا بیان نازل ہوا۔اورساتھ میں آپ کو بھی حکم ہوا کہ

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔[1] (ھود:۱۱۳)

توآپؐ نے فرمایا کہ شَيَّبَتْنِيْ (سورۃ ھود)۔[2]

متبعین کی استقامت چونکہ اپنے اختیار کی نہیں ہوتی۔اس لئے یہ ارشاد آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت ہی رنج وغم کا باعث ہوا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۳)

۱۔ تومضبوط جمارہ پکّی استقامت پر جیسا تجھ کو حکم ہو چکا ہے اوروہ لوگ بھی جنہوں نے تیرے ساتھ رجوع بحق کیا۔

۲۔ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ (ترمذی کتاب القرآن سورۃ واقعہ) مجھے (سورۃ) ھود نے بوڑھا کردیا ہے۔

۲۱۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

ترجمہ۔ تیرا رب جانتا ہے کہ تُو قریباً رات کی دو تہائی اور کبھی نصف اور کبھی ایک تہائی کھڑا رہتا ہے اور تیرے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت۔ اور اللہ تعالیٰ تو رات اور دن کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ تم اس کو نبھا نہ سکو گے تو اس نے تمہاری طرف رجوع فرمایا تو قرآن جتنا میسر ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ ان کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور فکر تلاشِ معاش میں بعضے پھریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے تو جتنا ہو سکے قرآن میں سے پڑھ لیا کرو اور نماز کو ٹھیک درست رکھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کے لئے اچھا مال الگ کر لیا کرو اور تم جو کچھ بھی اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ یہ بہت بہتر ہے اور اجر کے لحاظ سے بہت بڑا ہے اور اللہ سے کمزوریوں کے دور ہونے کی دعا مانگو اور اللہ بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا بڑا ڈھانپنے والا، سچی کوشش کا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر۔ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى۔ اَنْ کے معنے اَنَّهٗ کے ہیں۔ یعنی تحقیق بات یُوں ہے کہ ضرور تم میں بعض لوگ بیمار ہیں۔

اَقْرِضُوا۔ اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے الگ کر دو۔

هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا۔ خَيْرًا پر زبر اس لئے ہے کہ یہ تَجِدُوْهُ کا مفعول ہے۔

وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مجلس میں ستر ۷۰ سے لے کر سو تک

استغفار کیا کرتے تھے۔سورہ نوح میں استغفار کے کئی فائدے بیان فرمائے ہیں۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔[1] (نوح:۱۱ تا ۱۳)

حدیث شریف میں ہے کہ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کو کثرت سے پایا۔استغفار لفظ غَفَرَ سے نکلا ہے۔غَفَرَ کے معنے ڈھانکنا۔مِغْفَر ڈھال کو کہتے ہیں۔جو انسان کے منہ اور کچھ حصہ جسم کو ڈھانک لیتی ہے۔استغفار کے معنے ہوئے حفاظت طلب کرنا گناہوں سے اور اس کے بدنتائج سے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استغفار کے یہی معنے ہیں کہ اے اللہ تو مجھ کو آئندہ کی خطاؤں سے مصئون اور محفوظ رکھ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۳)



---

[1] معافی مانگو تمہارے رب سے بے شک وہ تو بڑا غفار ہے تم پر وہ بھیج دے گا آسمان سے موسلا دھار بارش۔اور تمہاری مدد فرمائے گا مالوں سے اور بیٹوں سے اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ہم سورۂ مدثر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جس نے عاشقوں کو پہلے ہی سے سمجھ دے رکھی ہے اور ان کو سچی کوشش کا بدلہ دینے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔

ترجمہ۔ اے خلعت نبوت پہننے والے (چادر پوش)۔ اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنا لباس صاف وستھرا رکھ۔

تفسیر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے بعد جو دوسری وحی ہوئی وہ یہی آیت ہے۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ ۔ مرسل کو جب وحی ہوتی ہے تو خدا کی کلام اور اس کی ہیبت کا ایک لرزہ مرسل پر آتا ہے۔ کیونکہ مومن حقیقت میں خدا تعالیٰ کا ڈر اور خشیت اور خوف رکھتا ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ ایک بازار یا سڑک پر سے گزرتا ہے۔ اس سڑک میں ایک زمیندار جاہل جو بادشاہ سے بالکل ناوقف ہے کھڑا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو نہ زمیندار ہے۔ پر صرف اس قدر جانتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے یا شاید حاکمِ وقت ہوگا۔ تیسرا وہ شخص کھڑا ہے کہ وہ منجملہ اہالیان ریاست ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ بادشاہ ہے اور ہمارا حاکم ہے اور چوتھا وہ شخص کھڑا ہے جو بادشاہ کا درباری یا وزیر ہے۔ اس کے آداب وقواعد وآئین وانتظام رعب وآداب، رنج اور خوشی کے سب قواعد کا واقف اور جاننے والا ہے۔ پس تم جان سکتے ہو کہ ان چاروں اشخاص پر بادشاہ کی سواری کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ پہلے شخص نے تو شاید اس کی طرف دیکھا بھی نہ ہو۔ اور دوسرے نے کچھ توجّہ اس کی طرف کی ہوگی اور تیسرے نے ضرور اس کو سلام بھی کیا ہوگا اور اس کا ادب بھی کیا ہوگا۔ پر چوتھے شخص پر اس کے رعب وجلال کا اس قدر

اثر ہوا ہوگا کہ وہ کانپ گیا ہوگا کہ میرا بادشاہ آیا ہے۔کوئی حرکت مجھ سے ایسی نہ ہوجاوے جس سے یہ ناراض نہ ہوجاوے۔غرض کہ اس پر ازحد اثر ہوا ہوگا۔ پس یہی حال ہوتا ہے۔انبیاء ومرسل علیہم السلام کا۔ کیونکہ خوف اور لرزہ معرفت پر ہوتا ہے۔جس قدر معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کو خوف اور ڈر زیادہ ہوگا اور وہ معرفت اس کو خوف میں ڈالتی ہے اور اس لرزہ کے واسطے ان کو ظاہری سامان بھی کرنا پڑتا ہے۔یعنی موٹے اور گرم کپڑے پہننے پڑتے ہیں۔جو لرزہ میں مدد دیں۔جب وہ انعام کی حالت جاتی رہی تو ان کے اعضاء اور اندام بلکہ بال بال پر ایک خاص خوبصورتی آ جاتی ہے۔پس اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ مخاطب فرما کر کہتا ہے کہ اے کپڑا اوڑھنے والے اور لرزہ کے واسطے سامان اکٹھا کرنے والے کھڑا ہوجا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سست مومن اللہ تعالیٰ کو پیارا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا حکم یہی ملا پس یہی وجہ ہے کہ آج تک مسلمان واعظ جب احکامِ الٰہی سنانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہوکر سناتے ہیں۔یہ اسی قُمْ کی تعمیل ہوتی اور اس میں نبی کریمؐ کی اتباع کی جاتی ہے۔بعض لوگ غافل اور سست نہ تو سامان بہم پہنچاتے اور نہ ان سامان سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں پر یہ ساری ضرورتیں جو ہم کو ہیں۔ نبی کریمؐ کو بھی تھیں۔بیوی بچے، اہل وعیال وغیرہ وغیرہ۔ پر جب اس قسم کا حکم آیا۔فوراً کھڑے ہوگئے۔اس لئے کہ بادشاہ رَبُّ الْعَالَمِیْن اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کا حکم تھا۔پھر کام کیا سپرد ہوا۔أَنْذِرْ ۔

لوگ دو باتوں میں گرفتار تھے اور ہیں۔اول خدا کی عظمت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور کھانے پینے عیش وآرام اور آسائش میں مصروف ہوگئے تھے۔دوسرا باہمی محبت ، اخلاص ، پیار نام کو نہیں رہی تھی۔دوسروں کے اموال دھوکہ بازی سے کھا جاتے۔جیسے مثلاً ہمارے پیشہ کی طرف ہی توجہ کرو۔ گندے سے گندے نسخے بڑی بڑی گراں قیمتوں سے فروخت کئے جاتے اور دھوکہ بازی سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے۔دوسروں کی عزت ،مال ، جان پر بڑے بے باک تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نابینا کی لکڑی ہنسی سے اٹھالینا کہ وہ حیران وسرگردان ہوسخت گناہ ہے۔پھر ہنسی ٹھٹھا پر کچھ پرواہ نہیں۔ بدنظری ، بدی ، بدکاری سے پرہیز نہیں۔کوئی شخص نہیں

چاہتا کہ میرا نوکر میرے کام میں سست ہو۔ پر جس کا یہ نوکر ہے۔کیا اس کے کام میں سستی نہیں کرتا؟ دوکاندار ہے، طبیب ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب پیسہ دینے والے کے دل میں یہ ہے کہ مجھے ایسا مال اس قیمت کے بدلہ میں ملنا چاہیے۔اگر اس کو اس نے نتیجہ تک نہیں پہنچایا تو ضرور حرام خوری کرتا ہے اور یہ سب باتیں اس وقت موجود تھیں۔

خدا کی پرستش میں ایسے سست تھے کہ حقیقی خدا کو چھوڑ کر پتھر، حیوانات وغیرہ مخلوقات کی پرستش شروع کی ہوئی تھی۔اس قوم کی بُت پرستی کی نظیریں اب موجود ہیں۔ابھی ایک بی بی ہمارے گھر میں آئی تھی اور میرے پاس بیان کیا گیا کہ بہت نیک بخت اور خدا رسیدہ ہے۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ کیا وظیفہ کرتی ہو؟ کہا مشکل کے وقت اپنے پیروں کو پکارتی ہوں۔ پس مجھے خیال ہوا کہ یہ پہلی سیڑھی پر خطا پر ہے یعنی خدا کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہے۔

پس رسول کریمؐ کے زمانہ میں ایک طرف خدا کی بڑائی دوسری طرف مخلوق سے شفقت چھوٹ گئی تھی۔اور خدا کی جگہ مخلوق کو خدا بنایا گیا تھا۔اور مخلوق کو سکھ پہنچانے کے بدلے لاکھوں تکالیف پہنچائی جاتی تھیں۔

اس لئے فرمایا۔ أَنْذِرْ ۔ڈرانے کی خبر سنا دے۔ جب مرسل اور مامور آتے ہیں تو پہلے یہی حقوق ان کو سمجھائے جاتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں امراضِ طاعون وغیرہ آتے، جنگ وقتال ہوتے۔ یہ ضرورت نہیں کہ اس مامور کی اطلاع پہلے دی جاوے یا ان لوگوں کو مامور کا علم ہو۔کیونکہ لوگ تو پہلے خدا ہی کو چھوڑ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

پھر کھڑا ہو کر کیا کرو۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔خدا کی بزرگی بیان کر۔ یہ حکم کی تعمیل تھی اکبرُ سے آگے بڑائی کا کوئی لفظ نہیں اور اس کے معنے ہی یہی ہیں۔ایک وقت آقا کہتا کہ میرا فلاں کام کرو۔دوسری طرف ایک شخص پکارتا کہ اللہ اکبر۔آؤ نماز پڑھو۔خدا سے بڑا آقا کوئی نہیں۔ایک طرف بی بی عید کا سامان مانگتی ہے۔ دوسری طرف خدا کہتا کہ فضولی نہ کر۔اب یہ کدھر جاتا ہے۔ نیک معاشرت، نیک سلوک، بی بی کی رضا جوئی اور خوش رکھنے کا حکم ہے اور مال جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری

طرف حکم ہے کہ ناجائز مال مت کھاؤ۔ایک طرف عفت اور عصمت کا حکم ہے۔ دوسری طرف بی بی موجودنہیں ناصح کوئی نہیں۔ اورنفس چاہتا ہے کہ عمدہ گوشت ، گھی ،انڈے ، زعفرانی تنجن ، کباب کھانے کے واسطے ہوں ۔ پھر رمضان میں اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں۔اب بی بی تو ہےنہیں۔علم اور عمدہ خیالات نہیں پس اگر خدا کے حکم کے خلاف کرتا اورنفس کی خواہش کے مطابق عمدہ اغذیہ کھاتا تو لواطت ، جلق ، زنا ، بدنظری میں مبتلا ہوگا۔اسی لئےتو اصفیاء نے لکھا ہے کہ انسان ریاضت میں سادہ غذا کھاوے۔

اس لئے ہمارے امام علیہ السلام نے میاں نجم الدین کوایک روز تاکیدی حکم دیا کہ لوگ جومہمان خانہ میں مجرّد ہیں عام طور پر گوشت ان کومت دو بلکہ دال بھی پتلی دو۔اوربعض نادان اس سرّ کونہیں سمجھتے اورشور مچاتے ہیں۔پس رسول کریمؐ نے وہ اللہ اکبر مکانوں اور چھتوں اور دیواروں اورمنبروں پر چڑھ کرسنایا پس شہوت اور غضب کے وقت بھی اس کو اکبرہی سمجھو۔

ایک شخص کوکسی شخص نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ بہت سخت ناراض ہوااوراس کی ناراضی امام کے کان تک پہنچی ۔آپ ہنس پڑے اورفرمایا۔کاش کہ اس قدرغضب کوترقی دینے کی بجائے اپنے کسی جھوٹ کو یاد کر کے اس کوکم کرتا۔حرص آتی اوراس کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہوتی اورضرورت کے وقت حلال حرام کا ایک ہی چھرا چلا بیٹھتا ہے ایسانہیں چاہیے۔ایک طرف عمدہ کھانا۔عمدہ نہیں چاہتا۔ دوسری طرف حکم کے خلاف ورزی، سستی کرتا اور یہ دونوں آپس میں نقیض ہیں۔ اس سے عجز اور کسل پیدا ہوتا ہے پس ایسی جگہ میں شہوت پرعفت اور حرص پرقناعت اختیار کرے اورمآل اندیشی کرلیا کرے۔

مال کی تحصیل میرے نزدیک سہل اورآسان امر ہے۔ ہاں حاصل کر کے عمدہ موقع پرخرچ کرنا مشکل امر ہے۔پس ایک طرف خداشناسی ہواوردوسری طرف مخلوق پرشفقت ہو۔

اللہ اکبر کا حصول۔ چار دفعہ تم اذان کے پہلے ہرنماز میں سنتے ہو۔اورسترہ دفعہ امام تم کونماز میں سناتا ہے۔ پھر حج میں ، عید میں ، رسول کریمؐ نے کیسی حکمِ الٰہی کی تعمیل کی ہے کہ ہروقت اس کا اعادہ

کرایا اور یہ اس لئے کہ انسان جب ایک مسئلہ کو عمدہ سمجھ لیتا ہے تو علم بڑھتا ہے اور علم سے خدا کے ساتھ محبت بڑھتی ہے۔ پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جاتا ہے جس کے معنے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبود ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر جس طرح خدا نے حکم دیا اُس طرح اس کی کبریائی بیان کر۔ جس طرح اس نے حکم دیا اسی طرح نماز پڑھ۔ اور اسی طرح اس سے دعائیں مانگ۔ پھر یہ طریق کس طرح سیکھنے چاہیے۔ وہ ایک محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اس سے جا کر سیکھو پھر جب ان احکام کی تعمیل میں تو مستعد ہو جاوے تو حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ آ نماز پڑھ کہ وہ تجھے بدی سے روکے۔ پھر نماز کی معانی سیکھنا کوئی بڑی بات نہیں۔ کودَن سے کودَن آدمی ایک ہفتہ میں یاد کر لیتا ہے۔

ایک امیر میرا مربی تھا۔ اس کے دروازہ پر ایک پوربی شخص صبح کے وقت پہرہ دیا کرتا تھا۔ ایک دن جو وہ صبح کی نماز کو نکلے تو وہ خوش الحانی سے گا رہا تھا۔ کہا۔ تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جواب دیا کہ پہرہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تمہارا پہرہ دن میں دو گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ ہم تمہارا پہرہ پانچ وقت میں بدل دیتے ہیں۔ تم تھوڑی تھوڑی دیر کے واسطے آ جایا کرو۔ اور نماز کے وقت میں پانچوں وقت اس کے وقت کو تقسیم کر دیا اور اس وقت جاتے جاتے اس کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے معنے سکھا دئے کہ میری واپسی پر یاد رکھنا۔ چنانچہ جب وہ نماز صبح پڑھ کر واپس آئے تو اس نے یاد کر لئے تھے۔ آ کر اس کو رخصت دیدی۔ پھر الحمد شریف کے معنے بتا دئے۔ غرض عشاء کی نماز تک اَلْحَمْد اور قُل کے معنے اُس نے پورے یاد کر لئے۔ ایک دفعہ کچھ عرصہ کے بعد اس کا پہرہ پچھلی رات میرے مکان پر تھا۔ مَیں نے سنا کہ وہ بارہویں پارہ کو پڑھ رہا تھا۔ غرض دریافت پر کہا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بارہ سپارہ بامعنی یاد کر لئے ہیں۔

پس قرآن کا پڑھنا بہت آسان ہے۔ نماز گناہ سے روکتی اور گناہ سے رکنے کا علاج ہے۔ مگر سنوار کر پڑھنے سے۔ غافل سوتے ہوئے اٹھ کر نجات کے طالب بنو۔ اور اذان کی آواز پر دوڑو۔ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ۔ ہاں بلانے والا پہلے اپنا دامن پاک کرے۔ پھر کسی کو بلاوے۔ جب اذان سن لے تو درود پڑھے کہ یا اللہ ہمارے نبیؐ نے کس جانفشانی اور محنت اور ہوشیاری سے خدا کی تکبیر سکھلائی

اور ہم تک پہنچائی ہے۔ اس پر ہماری طرف سے بھی کوئی خاص رحمت بھیج اور اس کو مقامِ محمود تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دیوے۔ والسلام

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳، ۴۴ مورخہ ۱۷ و ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۹)

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ مزمل اور مدّثر دونوں لفظوں کے معنے قریب قریب ایک ہیں۔ مدثر دثار سے مشتق ہے۔ دثار وہ کپڑا ہے جو شعار کے اوپر پہنا جاوے اور شعار وہ کپڑا ہے جو جسم سے ملا رہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَ النَّاسُ دِثَارٌ۔ [۱]

یہ سورہ شریف بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ابتدائی دعوت کے وقت کی وحی ہے۔ اور اس کی قوت وشوکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت اور قرآنِ پاک کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا نزول ابتدائی وقت میں ہے جبکہ کوئی جتھا آپؐ کے ساتھ نہ تھا۔

قُمْ فَاَنْذِرْ۔ سورۃ مزمل میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ اور تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا حکم ہوا تھا اور اس سورہ شریفہ میں ارشادو ہدایت خلق اللہ کا حکم فرمایا ہے پہلی شق مرتبہ کمال اور دوسری شق مرتبہ تکمیل کے متعلق ہے۔ اسی لئے مرتبہ کمال کو مرتبہ تکمیل پر مقدم رکھا۔ سورہ ماقبل میں قُمِ الَّیْلَ (مزمل:۳) فرمایا تھا اور اس سورۃ میں قُمْ فَاَنْذِرْ فرمایا۔ قُمِ الَّیْلَ اپنے کمالِ نفس کی تحصیل کی طرف اشارہ کررہا ہے اور قُمْ فَاَنْذِرْ تکمیل خلق اللہ کے حاصل کرنے کی جانب ایماء کررہا۔

رب کا لفظ تکمیل کو چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد ہے کہ اپنے ربّ کی عظمت بیان کر۔ جس وقت آپ مبعوث ہوئے اس وقت مشرکینِ عرب رب النوع کی پرستش کرتے تھے اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی عبادت ہوتی تھی۔ اس میں پیشگوئی ہے کہ اللہ اکبر کے نعروں کے بلند ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ اپنا آپ پاک بناؤ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴)

---

[۱] انصار شعار (بدن سے لگا ہوا وہ کپڑا جو کپڑوں کے نیچے پہنتے ہیں) اور دوسرے لوگ دثار (اوپر کا کپڑا جو کپڑوں پر لیا جاتا ہے) ہیں۔

یہ سورۃ المدثر کا ابتدا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ کس نے فرمایا ہے؟ تمہارے رب محسن، مربی، منعم اور بڑے بادشاہ نے فرمایا ہے۔ اُس مولیٰ نے جس نے تم کو ہاتھ، ناک، کان دیئے۔

ایسا محسن، مربی اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔ ہوا اور کھانے پینے کے بغیر کسی کا گزارہ نہیں ہوتا۔ مگر اب بھی ایسی قومیں ہیں کہ وہ کپڑے وغیرہ کا استعمال نہیں جانتیں۔ بنارس میں ایک ساد ہوتھا۔ وہ ننگا رہا کرتا تھا۔ لوگ اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ افریقہ میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ بیویوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ان میں وحشت ہے اور ننگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ہم نے تجھ کو لباس پہنایا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ اس لئے کھڑا ہو جا اور کھڑے ہو کر جو لوگ بدکار ہیں نافرمان ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کو ڈراؤ۔ میرا خیال ہے کہ جو حکم کوئی بادشاہ کسی جرنیل یا بڑے حاکم کو دیتا ہے۔ اس کی تعمیل اس کی سپاہ اور رعایا پر بھی فرض ہو جاتی ہے یہ حکم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اس لئے یہ ہم پر بھی فرض ہے۔ بہت سارے لوگ ایماندار بھی بنتے ہیں اور پھر شرک بھی کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا اگر تم حکم مانو گے تو وہ تم کو گمراہ کر دیں گے خدا کا حکم مانو۔

بادشاہ اور بڑے بڑے حکام لوگوں کی اصلاح کے لئے کیسے کیسے قانون بناتے ہیں۔ اور دو تین برس اس کی نگرانی کرتے اور پھر اس کو جاری کرتے ہیں۔ پھر اس پر نظر ثانی کر کے اصلاح کرتے ہیں۔ پھر اس کو شائع کرتے ہیں۔ غرض مقنّن اور تجربہ کار لوگ کیسی کیسی تکلیفیں لوگوں کی بھلائی کے لئے برداشت کرتے ہیں لیکن لوگ اس کی بھی نافرمانی کرتے ہیں۔ دیکھو! پولیس کیسی کوشش لوگوں کے امن وامان کے لئے کرتی ہے اگرچہ پولیس میں بھی بعض بدکار پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن تاہم وہ لوگوں سے چوری، بدکاری چھڑانے میں کوشاں رہتی ہے۔ لیکن جس قدر نئے نئے قانون وضع ہوتے ہیں۔ اسی قدر شریر لوگ شرارت کی راہیں نکال لیتے ہیں۔

اس لئے ہر ایک شخص کو تم میں سے چاہیے کہ وہ اٹھ کر ہر روز لوگوں کو سمجھائے۔ اگر کوئی کسی کی بات نہیں مانتا۔ تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ لوگ بادشاہوں، حکاموں اور دیگر اپنے بہی خواہوں کی

نافرمانی کرتے ہیں۔اس لئے خدا کا حکم ہے کہ تمہارا کام سمجھانا اور ڈرانا ہے۔تم اپنا کام کئے جاؤ۔ لوگوں کو سمجھاتے جاؤ اور ڈراتے جاؤ اور اس ڈرانے میں یہ کوشش کرو کہ

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۔

یعنی خدا تعالیٰ کی عظمت ، جبروت کا ذکر ہو اور اپنی غلطیوں کی بھی اصلاح کرو۔ چوری ، بدنظری ، بدکرداری اور دیگر تمام بدیوں کو پہلے خود چھوڑ دو اور یہ وعظ اس لئے نہ ہو کہ بس آپ کھڑے ہوئے یہ کہو۔کہ میرے لئے کچھ پیسے جمع کرو۔ بلکہ محض اللہ کے لئے کرو۔

میں سَاَلَ سَآئِلٌ کے لئے پکا تھا۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی کچھ اسی طرح تھا۔ یہ بڑا معرفت کا نکتہ ہے۔ جو میں نے تمہیں سنایا ہے۔ دوسروں کو ضرور ہر روز نصیحت کرو۔اس سے تین فائدے ہوتے ہیں۔اول خدا کے منکر ، نہی عن المنکر کی تعمیل ہوئی ہے۔ دوسرے ممکن ہے کہ جس کو نصیحت کی جائے۔اس کو نیک کاموں کی توفیق ملے۔تیسرے جب انسان اپنے نفس کو مخاطب کرتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے اور اس کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔تمہارے بیان بیان میں خدا کی عظمت اور اس کی قدرت وتصرف کا ذکر ہو۔اس کا تین طرح دنیا میں مقابلہ ہوتا ہے بعض لوگ تو منہ پر کہہ دیتے ہیں کہ نہ ہم مانتے ہیں اور نہ ہم سننا چاہتے ہیں۔اور بعض سنتے ہیں مگر عمل کرنے کی پرواہ نہیں کرتے۔اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ قسم قسم کے وجوہات نکال کر واعظ میں نکتہ چینی کرتے ہیں۔مگر واعظ کو چاہیے کہ اللہ کے لئے صبر کرے اور اپنا کام کرتا چلا جائے۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۱۸ مورخہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

اے لحاف میں لپٹے ہوئے (یہ اشارہ قبل نبوت کی حالت پر ہے) کھڑا ہو۔ پھر ڈرسنا۔اور اپنے رب کی بڑائی بول۔اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور کُتھری کو چھوڑ دو اور نہ کر کہ احسان کرے اور بہت چاہے اور اپنے رب کی راہ دیکھ۔

ثِیَاب کے معنی نفس اور دل کے بھی ہیں۔محاورہ ہے۔سَلِّيْ ثِيَابِيْ عَنْ ثِيَابِكِ اَیْ قَلْبِیْ عَنْ قَلْبِكِ۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ اول صفحہ ۲۴ حاشیہ)

۶۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔

ترجمہ۔ اور ہر قسم کی ظاہری اور باطنی برائی اور نجاست کو (اے مخاطب) چھوڑ دے۔

تفسیر۔ رُجز میں دو لغت بیان ہوئے ہیں۔ ایک رُجز اور دوسرا رِجز۔ معنے دونوں صورتوں میں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کما قال لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ۔[۱] (الاعراف:۱۳۵) اس آیت میں رِجز کے معنے عذاب کے ہیں اور بتوں کی پرستش اور شیطان کے مکروفریب کو اس واسطے رجز کہا جاتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب کی باعث ہیں اور اس حکم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی طہارت کی تعلیم فرمایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۷۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔

ترجمہ۔ اور اس خیال سے احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔

تفسیر۔ قرآن کریم کی تعلیم احکامِ الٰہی کی تبلیغ یا مالی احسان کر کے کسی کو بایں غرض منت واحسان نہ جتا کہ آپ اس سے کثرتِ مال، کثرتِ جاہ یا بہتر بدلہ طلب کرے۔ اور کوئی چیز کسی شخص کو بہ ایں نیت ہرگز نہ دے کہ وہ اس کا بدلہ زیادہ کر کے آپ کو دیوے کیونکہ یہ فعل تلویث باطن میں نجاست کا حکم رکھتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۹۔ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ۔

ترجمہ۔ پھر جب نرسنگا پھونکا جائے گا۔

تفسیر۔ نقر کے معنی کلامِ عرب میں آواز دینے کے ہیں۔ جب کوئی کسی شخص کو نام لے کر پکارتا ہے تو نَقَرَ بِاِسْمِ الرَّجُلِ کہتے ہیں۔ اعلان کے ساتھ کسی چیز کو ٹھونک بجا کر اطلاع دیتے ہیں۔ تو اس کو بھی اسی لئے نقارہ کی چوٹ سے یا ڈھنڈوری سے اطلاع عام دینا کہتے ہیں۔ جنگوں میں بھی

---

[۱] اگر تو نے ہٹا دیا ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور مانیں گے تجھ کو۔

نقارہ بجایا جاتا ہے۔ جنگوں کو بھی عذاب فرمایا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی ’’قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ‘‘۔[1] (التوبہ:۱۴) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۱۲۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا۔

ترجمہ۔ مجھے چھوڑ دے اور جس کو میں نے وحید و یکتا پیدا کیا۔

تفسیر۔ وَحِيْدًا کے معنی بے نظیر، اوصاف میں منفرِد۔ ولید بن مغیرہ کے دو لقب مکہ میں مشہور تھے۔ ایک وَحِيْد اور دوسرا رَيْحَانَةُ قُرَيْش۔ یہ اپنے شعر وسخن اور منظر کی خوشنمائی میں شہرت رکھتا تھا۔ مال وفرزند بھی اس کے زیادہ تھے۔ مگر بایں ہمہ پرلے درجے کا ناسپاس وناشکر گزار تھا۔ اس کی اولاد دس یا تیرہ مع الاختلاف تھی۔ خداوند تعالیٰ کا نپٹنا اس کے ساتھ اس طرح ہوا کہ ولید بن ولید، خالد بن ولید، ہشام بن ولید مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس کے چاہتے بیٹے اس سے بیزار ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ بعضے اس کی آنکھوں کے آگے کھپ گئے۔ مال ودولت میں پے در پے نقصان ہونے لگا اور آخرالامر خود آپ نہایت ذلت اور افلاس کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ نزول آیت کا اگرچہ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر اعتبار اس کا عام ہے۔ ہمارے اس زمانے میں بھی ایسی نظیریں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں جن کا بیان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب حقیقۃ الوحی میں نام بنام نمبروار درج ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيَرْجِعْ اِلَيْهِ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸/مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۱۹ تا ۲۵۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ ثُمَّ نَظَرَ۔ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔

ترجمہ۔ اس نے فکر کی اور اندازہ کیا۔ پھر وہ ہلاک ہوا۔ کیسا اندازہ کیا۔ پھر ہلاکت پر ہلاکت آئے۔

[1] تم ان سے لڑو تا کہ اللہ ان کو سزا دے تمہارے ہاتھوں سے۔

کیسا اس نے اندازہ کیا۔ جانچا۔ پھر نظر کی۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر سے اکڑا۔ اور کہا یہ تو وہی جادو ہے جو پسند کیا جاتا ہے۔

تفسیر۔ چونکہ نامی شاعر تھا اس لئے جب اس سے قرآن شریف کی نسبت لوگوں نے پوچھا تو اس نے اٹکل دوڑائی۔ خدا کی مار۔ اٹکلیں دوڑا کر کہا تو یہ کہا کہ یہ تو جادو بھرا مؤثر کلام ہے اور اس کلمہ کو تیوڑی چڑھا کر اور برا سا منہ بنا کر حقارت آمیز لہجہ میں ادا کیا کما قَالَ تَعَالٰی عَبَسَ وَ بَسَرَ ...... فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۳۰۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ۔

ترجمہ۔ چمڑے کو جھلس ڈالنے والی ہے۔

تفسیر۔ چونکہ کلام کے وقت منہ بنا کر بشرے سے حقارت آمیز ادا کو ظاہر کیا تھا اس لئے جَزَآءً وِّفَاقًا (النبا:۲۷) کے طور پر بشرے کو جھلس دینے والی آگ کا ذکر فرمایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۳۱۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔

ترجمہ۔ اس پر انیس ہیں (فرشتے موکل)۔

تفسیر۔ بتلایا گیا ہے کہ جہنم کے داروغے انیس [۱۹] ہیں۔ اس عدد میں ایک عجیب راز ہے۔ دانشمند غور کریں تو وہ اس قرآنی فلسفہ سے لطف اٹھائیں۔ انسان کے وہ اعضاء وقوٰی کہ جن سے خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ظہور ہوسکتا ہے۔ وہ بھی تعداد میں انیس ہی ہیں۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، زبان، دل، آلۂ تناسل، مقعد، پیٹ، منہ، حواس خمسہ، فکر، عقل، شہوت، غضب۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۳۲۔ وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۔

ترجمہ۔ فرشتے ہی ہیں اور ان کی گنتی کو کافروں کے لئے سزا دینے کا موجب بنایا ہے تا کہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ تو یقین کر لیں اور ایمانداروں کا ایمان اور بھی زیادہ ہو جائے اور جو اہل کتاب اور مومن ہیں ان کو کچھ شبہ نہ رہے اور جن کے دلوں میں کمزوری ہے اور کٹّے کافر کہنے لگیں کہ اللہ نے (بھلا) اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے۔ اسی طرح اللہ اس کو گمراہ کر دیتا ہے جو (گمراہی) چاہتا ہے اور اس کو ہدایت کرتا ہے جو (ہدایت) چاہتا ہے۔ اور تیرے ربّ کے لشکروں کو سوائے رب کے کون جانے۔ اور یہ تو بشر کے لئے محض ایک یادگار اور نصیحت ہے۔

تفسیر۔ مسیح علیہ السلام کے ماسوا کس قدر انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ کے مامور گزرے ہیں۔ کسی کا نسب نامہ قرآن کریم میں لکھا ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ پس سب کے وجود کا علم بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ وہ کس طرح پیدا ہوئے۔

(نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۴۱)

ذِكْرٰى ۔ یہ پیشگوئی ایک شخص کو تاریخی انسان بنانے والی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

مکذّب براہین احمدیہ نے لکھا

’’آریہ محمدی لوگوں کی طرح پانچ ہزار یا چھ ہزار سال سے خالق، رازق، مالک، رحیم، عادل اور قادرِ مطلق نہیں مانتے۔‘‘

اس کے جواب میں فرمایا:

’’تمام قرآن کریم اور حدیث نبی رؤف الرحیم میں سے یہ بات نکال دیجئے۔ کہاں اسلام نے کہا ہے کہ خدا پانچ چھ ہزار سال سے خالق، رازق، مالک، رحیم، عادل اور قادر مطلق ہے۔ خدا کے واسطے کچھ تو خوف الٰہی کو دل میں جگہ دو! عدالتِ الٰہی کا دھیان کرو! صرف نیشنیلٹی اور صرف دنیوی پالیسی کس کام آوے گی۔ باری تعالیٰ عالم الغیب اور انتریامی اور عادل ہے۔ علیم بذات الصدور ہے۔ راستی پر اپنے فضل سے آرام کا داتا ہے۔ مسلمان تو اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے خالق، رازق، مالک، عادل، رحیم، قادر یقین کرتے ہیں۔ بلکہ ایک جمِ غفیر مسلمانوں کا عینیتِ صفات کا قائل ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ صفات اپنے موصوف سے علیحدہ نہیں ہوسکتیں گو راقم عینیتِ صفات کا قائل نہیں۔ مگر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے کبھی خالی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کوئی موصوف کسی وقت اپنے لازمہ صفات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا خالق رازق ہونا بلحاظ انسانی پیدائش کے آپ لیتے ہیں۔ تو بتایئے مہا پرلے کے وقت انسان کہاں ہوتے ہیں۔ جن کا وہ خالق رازق ہوتا ہے۔

ہم زیادہ بحث نہیں کرتے۔ پانچ چھ ہزار برس سے کل مخلوق کی پیدائش کا زمانہ بلکہ انسانی پیدائش کا زمانہ قرآن کریم یا حدیث نبی رحیم سے نکال دیجئے۔ پس اسی پر فیصلہ ہے تعجب ہے کہ آپ نے خود صفحہ ۲۳ میں ارقام فرمایا ہے۔

’’یہ امر مسلّم فریقین ہے کہ پرمیشور اور اس کی سب صفات اور علم اور ارادہ قدیم ہیں۔ اس واسطے اس پر بحث کی ضرورت نہیں‘‘۔

پھر مَیں کہتا ہوں۔ اگر یہ بات مسلم فریقین ہے۔ تو آپ نے صفحہ ۲۲ میں کس بناء پر اسلام کو الزام لگایا کہ محمدی پانچ ہزار سال سے اللہ تعالیٰ کو خالق رازق جانتے ہیں۔ غرض اسلام تو اللہ تعالیٰ کی اتنی مخلوق کا قائل ہے جو حدو شمار سے باہر ہے۔ دیکھو قرآن کریم میں صاف موجود ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (المدثر:۳۲)[۱] وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ (البقرۃ:۲۵۶)[۲]

اور اسلامیوں کی مسلّم الثبوت اور اعلیٰ درجہ کی کتاب صحیح بخاری میں كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کے

۱؎ تیرے ربّ کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ ۲؎ اس کے کسی قدر علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔

یہ معنے لکھے ہیں۔

لَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یُرِدْ شَیْئًا اِلَّا اَصَابَ بِہِ الَّذِیْ اَرَادَ[1] (صحیح بخاری کتاب التفسیر زیر تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدہ) (تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۶۵۔۶۶)

۳۸۔ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔

ترجمہ۔ اس شخص کو جو تم میں سے چاہے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔

تفسیر۔ جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے اس کے لئے انذار مفید ہو سکتا ہے مگر جس کے دل میں جنبش ہی نہ ہو۔ نرا ٹھوس ہے۔ انذار اور عدم انذار کو دونوں ہی کو برابر سمجھتا ہے اور جگہ سے ہلنا ہی نہیں چاہتا ہے۔ اس کے لئے قرآن شریف کا اترنا اور نہ اترنا گویا دونوں برابر ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ ؍مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۴)

۳۹۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔

ترجمہ۔ ہر شخص اپنے کئے ہوئے میں پھنسا ہوا ہے۔

تفسیر۔ ہر شخص کو اس دنیا میں بھی اپنے اعمال کے موافق جزا سزا مل رہتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ ایک شخص نے ناجائز کمائی سے ایک مکان تعمیر کرایا۔ آخر نہ خود اس کو اُس مکان میں رہنا نصیب ہوا اور اُس کی اولاد بھی ایسے مکان میں نہیں رہتی۔ بخلاف صالح انسان کے کہ خدا اس کی اولاد کا بھی متکفل رہتا ہے۔ یتیم بچوں کا کوئی نیک عمل نہ تھا۔ مگر کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔[1] (الکھف: ۸۳) فرمایا اور باپ کی صلاحیت بیٹوں تک کو مفید ہوئی۔ یہی ہر شخص کا اپنے اعمال میں مرہون رہنا ہے۔ ایک شخص کے اگر آتشک ہوتی ہے تو کئی پشت تک یہ موذی مرض اس کی اولاد میں چلا جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵)

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا ہی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے۔ وہ کام ہو ہی جاتا ہے۔ ۲؎ اور ان دونوں کا باپ ایک نیک مرد تھا۔

۵۱۔ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ۔

ترجمہ۔ گویا وہ گدھے ہیں بِدکے ہوئے۔

تفسیر۔ حُمُرٌ جمع ہے حمار کی۔ حمار کو حمار اس مناسبت سے کہتے ہیں کہ اس کی چیخ پکار کے وقت اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر صادق کے مقابلہ میں گدھوں کی طرح مخالفوں کا سخت غیظ وغضب ہوتا ہے۔ جہاں سخت مخالفت ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل حق ضرور ہوتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

زِاوّل چُنیں مجوش ببین تاب آخرم[۱]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵)

۵۲۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ۔

ترجمہ۔ (چونکے ہوئے) بھاگے ہیں شیر سے۔

تفسیر۔ قَسْوَرَةٍ۔ قَسَرَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے قہر اور غلبہ کے ہیں۔ اہل عرب بولا کرتے ہیں۔ لُيُوْثٌ قَسَاوِرَة۔ لیوث جمع لَيْث کی ہے۔ لَيْثَ بمعنی شیر۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اَلْقَسْوَرَةُ هِيَ الْاُسُدُ۔ قسورۃ اُن تیر اندازوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں۔ جو جنگلی گدھوں کا شکار کرتی ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵)

۵۳۔ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً۔

ترجمہ۔ بلکہ چاہتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ اس کو دیئے جائیں صحیفے کھلے ہوئے۔

تفسیر۔ شاہ عبد القادر صاحب موضح القرآن حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

’’ہر کوئی نبی ہوا چاہتا ہے کہ کھلی کتاب پاوے آسمان سے‘‘

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵)

۵۶، ۵۷۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۔

ترجمہ۔ پس جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے۔ اور وہ یاد ہی نہیں کر سکتے بے مشیّتِ الٰہی۔ اس کی

[۱] میرا انجام دیکھے بغیر آغاز میں ہی میری مخالفت میں جوش نہ دکھلاؤ۔

شان ہے کہ اس سے ڈرنا چاہئے اور وہی بخشش فرمانے کے لائق ہے۔

تفسیر۔ معدوم کو موجود کرنا خدا کا کام ہے مخلوق میں۔ ہاں حیوان اور انسان کے دل میں کسی ارادے اور مشیت کا پیدا کر دینا بیشک باری تعالیٰ کا کام ہے۔ الّا ہر ایک منصف جانتا ہے کہ صرف مشیت اور ارادے کے وجود سے کسی فعل کا وجود ضروری اور لازمی امر نہیں۔ یقیناً قوائے فطری کا خلق اور عطا کرنا جن پر ہر گونہ افعال کا وجود و ظہور مترتب اور متفرع ہو سکتا ہے۔ خالق ہی کا کام ہے۔ اس لطیف نکتے کے سمجھانے کے لئے اور نیز اس امر کے اظہار کرنے کو کہ قوائے طبعی اور کائنات سے کوئی وجود اصل امرِ خلق میں شریک نہیں۔ سب اشیاء کی علۃ العلل میں ہی ہوں۔ باری تعالیٰ سب افعال کو بلکہ ان افعال کو بھی جو ہم معائنے اور مشاہدے کے طور پر انسان اور حیوان سے سرزد ہوتے دیکھتے ہیں۔ اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ کہیں قرآن میں فرماتا ہے۔ ہوا بادلوں کو ہانک لاتی ہے۔ کہیں فرماتا ہے۔ ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں۔ ہم ہی گایوں اور بھینسوں کے تھنوں میں دودھ بناتے ہیں۔ ہم ہی اناج بوتے ہیں۔ ہم ہی کھیت اگاتے ہیں۔ اور تامّل کے بعد یہ سب نسبتیں جو ظاہراً متضاد الطرفین ہیں۔ بالکل صحیح اور حقیقتہً بالکل صداقت ہیں۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۳۲۰)

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۔ هُوَ کو مقدّم اس لئے رکھا کہ سوائے ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرا کوئی اہل نہیں کہ اس پر جان فدائی کی جاوے جیسے فرمایا۔ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المومن:۶۶) تقوٰی کے ساتھ مغفرت کو اس لئے قرین رکھا کہ ہر نبی ولی نے تقوٰی کی تیز اور خونخوار راہوں میں اپنی بشری کمزوریوں کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت اقدس مرحوم ومغفور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

در کوئے تُو گر سرِ عشّاق راز نند اوّل کسے کہ لافِ تعشّق زند منم[1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵)

---

[1] اگر کبھی تیرے کوچہ میں عاشقوں کی گردن کاٹی جائے گی تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا۔

سُوۡرَۃُ الۡقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

ہم سورۃ قیامہ کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے اسم مبارک سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اس سورۃ شریف میں قیامت کے حق ہونے پر دلائل ہیں مکی سورتوں میں جو عظیم الشان پیشگوئیاں کی ہیں۔ وہ دراصل قیامت کے دلائل ہیں۔ کیونکہ وہ وعدے جو عالمِ آخرت سے متعلق ہیں۔ اس دنیا میں بھی ایک رنگ اور صورت میں پورے ہوئے تا کہ عالمِ آخرت کے وعدوں پر بطور دلیل ٹھہریں قرآن کریم کا یہ مضبوط قاعدہ ہے اور اس کی درحقیقت یہ یگانہ صنعت ہے کہ اپنے ہر ایک دعوٰے کے ساتھ دلائل بھی رکھتا ہے مگر ثبوت توحید اور اثبات الوہیت کے بعد بڑا بھاری مسئلہ جو سب مسائل کی روح رواں ہے۔ معاد اور وعد و وعیدِ معاد کا مسئلہ ہے دراصل آخرت کا یقین ہی تمام نیکیوں کا سچا محرک اور انکار آخرت تمام مفاسد کا باعث ہے دنیا کی تمام مذہبی کتابیں اس حقیقت کو بیان کرنے سے عاری ہیں یہ موقع نہیں کہ ان میں موازنہ کر کے دکھایا جاوے قرآن کریم نے مسئلہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد سب سے زیادہ اسی مسئلہ کو مدنظر رکھا ہے اور اس سورۃ میں خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کی قسموں کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ بدیہی امور کو نظریات کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے۔ یہاں یوم القیامتہ ہی کو قیامت کے ثبوت میں پیش کیا۔ گویا قیامت اور جزا و سزا کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے کہ انسان اس کا انکار ہی نہیں کرسکتا۔ اس پر پہلی دلیل انسان کے نفس لوامہ کی ہے جب کسی شریف الطبع انسان سے کسی بدی کا صدور یا ارتکاب ہوتا ہے تو نفس لوامہ فوراً اسے متنبہ اور آگاہ کرتا ہے اور صدور سے پہلے بھی دل میں ایک کھٹک اور خوف پیدا ہوتا ہے یہ ایک فطرتی امر ہے اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ انسانی فطرت میں یہ خوف کیوں ہے؟ اس کی جڑ یہی ہے کہ وہ جزائے اعمال کا یقین کرتی ہے اور انسان پکار اُٹھتا ہے کہ جزائے اعمال کا مسئلہ حق ہے۔ پس یہ فطرت

جونفس لوامہ کی صورت میں انسان کو دی گئی ہے جزا وسزا کی یہ بھی مثبت اور شاہد ہے۔اس فطرتی دلیل کے بعد منکرین قیامت کا اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مرگیا اور گل سڑ گیا تو اس کے ذرات الگ ہوگئے اب وہ کہاں جمع ہوں گے اور قیامت کیونکر ہوگی؟اس اعتراض کا جواب اس طرح پر دیا بَلٰی قَادِرِیْنَ الآیہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسا کرے گا ایک دعویٰ ہے اس کے دلائل آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں پہلے یہ بتایا کہ انسان انکار قیامت کرتا کیوں ہے؟ اس کی جڑ یہ ہے کہ وہ بدیوں اور بدکاریوں میں منہمک رہنا چاہتا ہے اور اسی بے باکانہ حالت میں پھر پوچھتا ہے اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ یعنی وہ قیامت کا دن کب آئے گا؟اس کے آثار اور علامات بتائے کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ دن ایسا روشن اور صاف ہوگا جیسے آفتاب کی تیز روشنی ہو اس میں کسی قسم کا خفا اور تاریکی نہیں رہ سکتی وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ یہ آیات اپنے ظاہر پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ بلکہ ایک رنگ میں ہو بھی چکا تاہم میرے فہم میں اس آیت میں ایک پیشگوئی اور بھی ہے اور وہ عرب اور ایرانی قوموں کے فتح ہونے کے متعلق ہے اہلِ عرب اور شامی قومیں اپنا تعلق چاند سے بتاتی ہیں اور دوسری سورج سے گویا یہ ایک واقعہ ہے کہ اسلام ان مذاہب پر غالب آجائے گا اور یہ مذاہب گہنا جائیں گے اور اس سے حجت نیرہ اور واضح قائم ہوجائے گی کہ پھر بھاگنے کی جگہ نہ ہوگی۔اور بالآخر اللہ تعالیٰ ہی طرف پناہ لینی پڑے گی یہ واقعات دنیا جانتی ہے ہوئے اور دوسرے ادیان مغلوب ہوئے اور اسلام کامیاب ہوا۔ باوجود اس کے ہم یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی دوسرے رنگ میں بھی جلوہ گری کرے گی اور اس دنیا کے واقعات اس قیامت کے لئے بطور دلیل اور ثبوت ٹھہریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو اسی فطرتی دلیل کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کی پاداش کے لئے خود اپنی ذات میں دلائل رکھتا ہے اور وہ آگاہ ہے اس کا نفس جانتا ہے کہ پاداش اعمال حق ہے اور یوں بے جا عذر و حیلے الگ امر ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی حقانیت پر ایک دلیل پیش کرتا جو بجائے خود قیامت کی بھی دلیل ہے اس لئے کہ وجود قیامت کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اب بتایا کہ

قرآن کریم کو محفوظ رکھنا اور اس کا جمع کرنا اور اس کو کھول کھول کر بیان کرنا یہ سب کام ہمارے ذمہ ہیں۔قرآن مجید کی ترتیب میں کوئی تحریف نہ ہو سکے گی۔کوئی امر اس کی اشاعت وحفاظت میں سدراہ نہ ہوگا اب دیکھ لو یہ عظیم الشان پیشگوئی کس طرح پر پوری ہوئی۔ ۲۳ سال کا متفرق کلام کس طرح باترتیب جمع ہوا۔اور اب تک کہ اس پر ۱۳ سو سے زیادہ سال گزر چکے کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا۔اور پھر اس کے بیان کے متعلق جو پیشگوئی تھی وہ بھی کس شان سے پوری ہوئی۔اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔اس کے بعد پھر انسانی فطرت کا نقشہ کھینچ کر بتایا کہ جلد باز انسان دنیا سے پیار کرتا اور آخرت کو چھوڑتا ہے۔اپنے اعمال کے نتائج سے غفلت کرتا ہے۔ مکہ والو! یاد رکھو ایک دن آتا ہے کہ بہت سے چہرہ خوش ہوں گے اور اس وقت بھی ان کا مقصود اور قبلہ حاجات وجہ اللہ ہوگا اس خوشی کی حالت میں بھی خدا کو بھول نہ جائیں گے۔اور بعض اداس اور غمگین ہوں گے پوری پوری تجلی اور ظہور اس کا قیامت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی ہوا۔کس طرح بدرؔ میں ہوا اور بالآخر فتح مکہ کا نظارہ کیا دل خوش کن تھا اس کے بعد بتایا کہ انسان جب مرض الموت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی اور اس کے ساتھ والوں کی کیا حالت ہوتی ہے اس وقت کا اضطراب اور موت سے بچنے کی آرزو اور خواہش بھی دراصل قیامت ہی کی دلیل ہے اندر ہی اندر قلب اپنے افعال پر نادم کرتا ہے اور جزا کا خیال ایک ہول اور غم دل پر ڈال دیتا ہے پھر بتایا کہ جلد باز اور مخمور انسان کس طرح خدا سے دور جا پڑتا ہے آخر میں قیامت کے حق ہونے پر ایک اور زبردست دلیل پیش کی میں نے پہلے بتایا ہے کہ قرآن کریم نے بعد لا الٰہ الا اللہ کے سب سے زیادہ اسی مسئلہ قیامت یا حشر اجساد کو نصب العین رکھا ہے اور اس کے دلائل میں اس نے انفسی اور آفاقی شہادتوں کو مقدم کیا یعنی انسان کی خلقت اور اس کے اعمال کے میلان اور غایت قانون الٰہی (فطرۃ اللہ (قانونِ قدرت) سے اقامت قیامت اور ثبوت حشر اجساد اور ضرورت یوم الدین پر جابجا بحث کی ہے چنانچہ اس جگہ فرمایا اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى الآیۃ۔اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انسان کی بناوٹ اور اس کی خلقت اور اس کا تسویہ اور اس کا دو مختلف نتیجوں اور کارروائیوں کی مخلوق یعنی نر و مادہ ہونا چاہتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ

جواب دہ ہستی ہے وہ اپنے اعمال اور افعال کی ذمہ وار ہستی ہے ایسا ہی آسمان سے پانی برسنے اور زمین پر نباتات اُگنے سے جابجا استدلال کیا ہے اب ان واقعات کو پیش کر کے کس طرح خدا تعالیٰ نے اسے پیدا کیا پھر آخر میں سوال فرماتا ہے اور اس بَلٰی قٰدِرِیْنَ کے دعویٰ جواب میں یہ تمام دلائل پیش کر کے پوچھتا ہے اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی اس مقام پر بے اختیار ہو کر انسانی فطرت اس امر کا اقرار کر اُٹھتی ہے۔بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (ترجمۃ القرآن مولفہ شیخ یعقوب علی صاحب)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۵،۲۹۶)

۲۔ لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

ترجمہ۔ قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔

تفسیر۔ لَا کو اکثروں نے زائد بتایا ہے۔اور حدیث شریف میں ہر ہر حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب مذکور ہے۔

جب بات سمجھ میں نہ آئی۔تو وہ زائد ہی ہوئی۔کفار کو جس قدر بعث بعد الموت کے مسئلہ پر انکار واصرار تھا۔ایسا کسی دوسرے مسئلہ پر سوائے شرک کے نہیں تھا۔چنانچہ نہایت ہی تعجب ہے۔کفار نے کہا۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔[1] (سبا:۸)

ادھر سے انکار پر اس قدر اصرار تھا اور ادھر اثبات بعث بعد الموت پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے۔اس ردّ و کد کو مدنظر رکھ کر مخاطب کے مافی الضمیر پر انکاری طریق سے کلام کا افتتاح ''لا'' کے لفظ سے فرمایا ہے۔یعنی قَوْلُه تعالیٰ۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا۔[2] (التغابن:۸) میں جو زعم کہ منکران بعث بعد الموت کے ضمیر میں رچا ہوا تھا۔اس کی نفی ''لا'' کے لفظ سے کرتے ہوئے کلام کو

---

[1] ہم تم کو بتائیں ایسا ایک شخص جو تم کو اطلاع دیتا ہے کہ جب سڑ گل کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے پھر تم کو ضرور نئے سرے سے پیدا ہونا پڑے گا۔ [2] منکر لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو ہرگز نہ اٹھایا جائے گا۔

شروع کیا۔اس قسم کا محاورہ ہر زبان میں ہوا کرتا ہے۔جس کو مخاطبِ سخن بلا شک وشبہ پہچان لیتا ہے کہ یہ ''لا'' میرے مافی الضمیر کا رد ہے۔اس کے یوم القیامہ اور نفسِ لوامہ کو بعث بعد الموت پر اس طور سے گواہ ٹھہرایا ہے کہ یوم القیام سے جنگ کی مصیبت کا دن اور اپنے نفس پر کفار کی ملامت کا اعتراف ثبوتِ دعوٰی بن گیا۔ دنیا میں جنگ کے لئے محشور ہونا آخرت کے حشر کے لئے اور دنیا کی شکستوں پر اپنے نفسوں کو ملامت کرنا آخرت کے جزا وسزا کے لئے ثبوت ٹھہرا۔

قِیَامَة ۔ کھڑا ہونا۔

۱۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَ قِیَامَتُہٗ۔[۱]

۲۔ قوم کی قیامت۔جیسا کہ بنواُمیّہ پر سو سال کے بعد قیامت آئی۔اور وہ زبان عربی کے بولنے والے حکام پر قیامت تھی۔

۳۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ ۔[۲] (الحج:۴۸)

حدیث شریف میں آیا ہے۔کیا میری امت آدھا دن نہ کاٹے گی۔اہلِ اسلام کا عروج قریب پانچ سو سال رہا۔

۴۔ ہزار سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بہت رَوْلا پڑ گیا۔یہ بھی ایک قیامت ہے۔

۵۔ یَوْمُ السَّاعَةِ۔

۶۔ یَوْمُ الْقِیَامَةِ۔ مصیبت کے وقت کو بھی کہتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۶)

اس سورۃ شریف میں اللہ تعالیٰ ایک فطرت کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتا ہے۔قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔مطلب یہ کہ تمہاری فطرتوں میں سب قسم کی نیکیوں کے بیج بودیئے تھے۔ان کو یاد دلانے اور ان کی نشوونما کے لئے قرآن کریم کو نازل کیا۔وہ جو فطرتوں کا خالق ہے اس

---

[۱] جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ [۲] بے شک ایک دن تیرے ربّ کے نزدیک ایک ہزار برس کے برابر ہے۔

نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔ مسیحی لوگوں کو ایک غلطی لگی ہے۔ پولوس کے خط میں ہے کہ یہ شریعت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے کہ وہ ثابت کرے کہ تم شریعت کی پابندی نہیں بجالا سکتے۔ گویا شریعت کو نازل کر کے انسان کی کمزوری کا اس پر اظہار کرتا تھا اس لئے پلید تعلیم دی گئی کہ نجات کی راہ شریعت کو نہ مانو۔ بلکہ کسی اور شے کو مانو۔ میں نے بعض مشنریوں سے پوچھا ہے کہ جب شریعت کی پابندی تم سے نہیں ہوسکتی۔ تو تمہارے جو اور قوانین ہیں۔ ان کی پابندی تم کیسے کرتے ہو۔ ہر ایک انسان جب بدی کرتا ہے تو اس بدی کے بعد اس کا دل اس کو ملامت کرتا ہے ہر سلیم الفطرت اس بات کی تصدیق کرے گا کہ ہر بدی کے ارتکاب کے بعد اس کا دل اس کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ گو کسی وقت ہو۔

میں نے لوگوں سے اور اپنے نفس سے بھی پوچھا ہے۔ چنانچہ جواب اثبات میں ملا۔ چور کو چوری کے بعد ایسی ملامت ہوتی ہے کہ وہ چوری کے اسباب کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اور قاتل دونوں ارتکابِ جرم کے بعد کہیں بھاگنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹا آدمی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کے بعد اس کو ملامت ہوتی ہے کہ یہ بات ہم نے جھوٹ کہی۔ غرض ہر بدی کے بعد ایک ملامت ہوتی ہے۔ جس بدی کو انسان کرتا ہے اسی بدی کے متعلق اگر اس سے تفتیش کی جائے تو ایک حصہ میں چل کر وہ منکر ہو جاتا ہے۔ میں نے بعض چوروں سے پوچھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی چوری میں مال پر ہاتھ تو مشکل سے پہنچتا ہے۔ پھر کسی کے ہاتھ سے نکلواتے ہو۔ کسی کے سر پر رکھتے ہو۔ کسی سنار کو دیتے ہو کہ وہ زیورات وغیرہ کی شکل و ہیئت کو تبدیل کر دے۔ اس نے کہا کہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم سنار کو سو روپے کی چیزیں پچھتر روپے میں دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر وہ سو روپے کی چیز ساٹھ روپے میں رکھ لے تو پھر تم کیا کرو۔ تو مجھے جواب دیا کہ ایسے حرام زادے بے ایمان کو ہم اپنی جماعت سے نکال دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ بے ایمان بھلا کیسے ہوا؟ کہنے لگا کہ چوری ہم کریں۔ مصیبت ہم اٹھائیں اور مال وہ کھا جائے۔ تو پھر بھی اگر بے ایمان نہ ہوا تو اور کیا ہوگا! میں نے کہا۔ اچھا وہ سنار تو صرف تمہاری اتنی ہی سی مشقت برداشت کی ہوئی دولت کو غبن کر کے بے ایمان اور

حرام زادہ ہو گیا مگر تم جو اوروں کی برسوں تک مصیبت اٹھا اٹھا کر جمع کی ہوئی دولت کو چرالاتے ہو۔ بے ایمان اور حرام زادے نہیں؟ اس کا جواب مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا!

اسی طرح میں نے ایک کنچن سے پوچھا کہ تم اس پیشے کو برا نہیں سمجھتے؟ کہا۔ کہ نہیں! میں نے کہا کہ اپنی بیوی سے زنا کرا سکتے ہو؟ کہا کہ غیر کی لڑکی کو خراب کرنا اچھا نہیں! میں نے کہا کہ تم نے خراب کا لفظ بولا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ جو لوگ تمہارے یہاں زنا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک وہ غیر کی لڑکی نہیں ہوتی؟

قیامت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ اگر جزا سزا نہ ہوتی تو نفسِ لوامہ تم کو ملامت ہی کیوں کرتا۔ نفسِ لوامہ قیامت کا ثبوت ہے۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکتے اور ہڈیاں تو الگ رہیں ہم تو پوروں کی ہڈیوں کو بھی جمع کر دیں گے۔ بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ہر ایک آدمی جب بدی کرتا ہے تو وہ اس کو بدی سمجھتا ہے۔ تب ہی تو اس کو غالباً چھپ کر کرتا ہے۔

ایک شہر میں ایک بڑا آدمی تھا۔ مجھ سے اس کی عداوت تھی۔ مجھے خیال آیا۔ میں اس کے پاس گیا۔ وہاں لوگ جمع تھے۔ جوں جوں لوگ کم ہوتے جاتے تھے۔ میں آگے بڑھتا جاتا تھا۔ جب سب لوگ چلے گئے۔ اور دو آدمی ایک اس کا منشی اور ایک اور شخص جو کہ میرے دوست تھے رہ گئے تو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ آج آپ کیسے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرنیوالا کوئی نہیں۔ کوئی ناصح تو آپ کو نصیحت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ بڑے آدمی ہیں مگر ہر ایک بڑے آدمی کے لئے اس کے شہر میں کچھ کھنڈرات اس کے لئے ناصح ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی یادگار نہیں؟ اس نے کہا کہ مولوی صاحب میرے آگے آئیے۔ میں بہت آگے بڑھا وہ مجھ کو اس کھڑکی کے بالکل پاس لے گیا۔ جس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ اور آگے ہو جیئے۔ میں اور آگے بڑھا۔ اس نے پھر کہا اور آگے ہو جیئے۔ اور آگے تو کیا ہوتا۔ میں نے اس کھڑکی میں اپنے سر کو بہت قریب کر دیا۔ اس نے کہا کہ یہ جو آپ کے سامنے ایک محراب دار دروازہ

نظر آتا ہے۔اس کا مالک میری قوم کا آدمی تھا اور وہ اتنا بڑا شخص تھا کہ ایک قسم کی سرخ چھتری جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا کرتا تھا تو اس کے اوپر لگا کرتی تھی اور میں سیاہ بھی نہیں لگا سکتا۔اب اس کی بیوی میرے گھر میں برتن مانجھنے پر ملازمہ ہے۔ یہ بھی سن لیجئے کہ میں اپنے اس تخت کو چھوڑ کر جو آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے ہمیشہ اس کھڑکی میں بیٹھا کرتا ہوں۔مگر اس تخت کو چھوڑنے اور اس کھڑکی میں بیٹھنے کی حقیقت مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ پھر جب کچہری کا وقت ہو گیا۔ میں اسی جوش میں کچہری گیا۔رئیسِ شہر اکیلا تھا۔ میں نے وہی بات اسے کہی تو رئیس نے مجھے ایک قلعہ دکھلایا اور کہا کہ یہ اس شہر کے اصل مالک کا ہے۔ جو اَب کسی ذریعہ سے ہمارے قبضہ میں آ گیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ یہ پہاڑ جو آپ کے سامنے موجود ہے۔اس کا نام دھارانگر ہے۔اس پر اتنا بڑا شہر آباد تھا کہ ہمارے شہر کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی یہ مجلس بھی میرے لئے ہر وقت نصیحت ہے۔اور جہاں ہم راج تلک لیتے ہیں وہاں تمام اردگرد کچّے مکانات اصل مالکوں کے ہیں اور یہ تین ناصح ہر وقت نصیحت کے لئے میرے سامنے موجود رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھے۔

جب خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھو جیسے گناہ کرتے ہو۔ان کی سزا پانیوالے تمہاری آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں۔ پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

ہمارے یہاں تمہارے جھگڑے فیصلہ نہیں پاتے۔ کچھ لوگوں نے عذر کیا ہے۔اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ (بدر حصّہ دوم کلام امیر ۲۸ /نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۵ تا ۸۷)

۷۔ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ۔

ترجمہ۔ پوچھتا ہے کہ کب ہوگا روز قیامت۔

تفسیر۔ اَیَّانَ کے لفظ میں بھی استعجاب اور استبعاد شدید کفار کی طرف سے بیان ہوا ہے۔یعنی کہاں ہوگی قیامت؟ ہوتی ہواتی کچھ نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۶، ۲۹۷)

۸ تا ۱۱۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۔ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ۔ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ۔

ترجمہ۔تو جب آنکھیں پتھرا جائیں (تمہاری آنکھیں متحیر ہوں گی)۔اور چاند گہن جائے۔ ورایک جگہ جمع کردیئے جائیں سورج اور چاند۔آدمی بول اٹھے گا اس دن کہ اب کہاں بھاگ جاؤں۔

تفسیر۔ برقِ بصر سے مراد تحیر وفزع ہے۔ جو انسان مصیبت کے وقت آنکھیں پھاڑ دیتا ہے مصیبت کا وقت آئے تو ساری تدبیریں الٹ پڑتی ہیں۔عقل ہوتے ہوئے عقل کام نہیں دیتی گویا کہ نورِ فراست کو بھی گرہن لگ جاتا ہے۔گرہن کی اصل بھی اقترانِ شمس وقمر ہے۔یعنی ایک کا وجود دوسرے کے بالمقابل حائل ہو جاتا ہے جو نور کے ہوتے ہوئے نور نظر نہیں آتا۔

یومِ بدر ظاہری طور پر بھی بجلی کوندی ،مینہ برسا ، تدبیریں کفّار کی ان پر اُلٹ پڑیں۔

اَیْنَ الْمَفَرُّ۔ کہنے سے بھی کام نہ چلا۔قرآن کریم چونکہ ذوالمعارف ہے۔لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ[1] اس کی شان حدیث شریف میں بیان ہوئی ہے۔اس لئے یہ پیشینگوئی اجتماع شمس وقمر کی گرہن کے ساتھ ہمارے اس زمانہ میں بھی مطابق حدیث دارقطنی جس میں لَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[2] ہے۔رمضان کے مہینہ میں ۱۸۹۴ء میں بڑی شان وشوکت سے مسیح موعود ومہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقِ دعوٰی کی علامت میں پوری ہوئی۔اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر جس طرح بدر کے شکست خوردوں کو اَیْنَ الْمَفَرُّ کہنا فائدہ نہ دیا اسی طرح اس وقت کے مخالفوں کو باوجود حدیث شریف کی فعلی شہادت کے ضعف حدیث کو اپنا فرضی مَفَرّ قرار دینا پڑا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۱۴۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ۔

ترجمہ۔ انسان کو جتا یا جائے گا اس دن جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔

تفسیر۔ متنبّہ کیا جائے گا انسان اُس دن اُن کاموں سے جو اس نے نہ کرنے تھے اور کئے۔اور نیز متنبّہ کیا جائے گا۔اُن کاموں سے جو اس نے کرنے تھے اور نہ کئے۔

۱؎ اس کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ ۲؎ اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمان اور زمین پیدا کیے یہ دو نشان ظاہر نہیں ہوئے۔

قَدَّمَ ۔ وہ کام جو نہ کرنے کے تھے۔کر لئے۔

اَخَّرَ ۔ وہ کام جو کرنے کے تھے۔نہ کئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

استغفار کیا ہے؟ پچھلی کمزوریوں کو جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً۔غرض مَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۔جو نہ کرنے کا کام آگے کیا اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے۔اپنی تمام کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی ساری نارضامندیوں کو مَا اَعْلَمُ وَ مَا لَا اَعْلَمُ کے نیچے رکھ کر یہ دعا کرے کہ میری غلطیوں اور آئندہ کے لئے غلط کاریوں کے بد نتائج اور بد اثر سے مجھے محفوظ رکھ اور آئندہ کے لئے ان بدیوں کے جوش سے محفوظ فرما۔یہ ہیں مختصر معنے استغفار کے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۵ مورخہ ۲۶؍ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

۱۵۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۔

ترجمہ۔ بلکہ انسان خود اپنے اوپر حجت ہے۔

تفسیر۔ دوسرے کی ملامت پر انسان عذر بتاتا ہے مگر خود اپنی حالت کو بہتر جانتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۱۷ تا ۲۰۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۔

ترجمہ۔ نہ ہلا قرآن پڑھنے پر اپنی زبان تا کہ تُو جلدی اس کو یاد کرے۔بے شک ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔پھر جب کہ ہم پڑھا چکیں تو اس کے بعد تو بھی پڑھا کر۔پھر اس کا سمجھانا ہم پر فرض ہے۔

تفسیر۔ نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے۔وہ تو ہمارا ذمہ ہے۔اُس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھانا۔پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ تُو اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۱۹۸ حاشیہ)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔آیت باب ذوالمعارف ہے اس کے دو ترجمے ہیں۔

ربط ماقبل کے لحاظ سے ایک معنے یہ ہیں کہ ’’اے معذرت کنندہ۔عذر بیان کرنے میں تیز زبانی نہ کر‘‘ اس صورت میں جَمْعَهٗ میں ہٗ کی ضمیر انسان کے اعمال کی طرف ہے۔دوسرے معنے یہ ہیں کہ پڑھنے والا جب قرآن شریف پڑھے تو جلدی نہ کرے۔لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن بتاتے ہیں۔یہ بات غلط ہے۔صرف عثمانؓ کے لفظ کے ساتھ قافیہ ملایا ہے۔ہاں شائع کنندہ قرآن اگر کہیں تو کسی حد تک بجا ہے۔آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا تھا۔اس لئے آپ نے چند نسخے نقل کرا کر مکہ، مدینہ، شام، بصرہ، کوفہ اور بلاد میں بھجوا دیئے تھے۔اور جمع تو اللہ تعالیٰ کی پسند کی ہوئی ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا تھا اور اسی پسندیدہ ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچایا گیا۔ہاں اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہم سب کے ذمّہ ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ہمارے ایک دوست حافظ محمد اسحاق صاحب کی الہامی دلیل ہے جو ان کو بذریعہ الہام کے بتلائی گئی کہ بدلیل اس آیت کے سورۃ الفاتحہ خلف امام سات آیتوں کے ہر ہر وقفے کے درمیان امام کے سکتے کے وقت مقتدی بھی اپنے منہ میں چپکے چپکے پڑھ لیا کرے۔حدیث شریف میں سورہ فاتحہ کو هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمِ[1] فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۲۱۔ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ۔

ترجمہ۔ ایسی بات نہیں بلکہ تم تو دوست رکھتے ہو دنیا ہی کو (جو جلد گزرنے والی ہے)۔

تفسیر۔ الْعَاجِلَةَ۔ جلدی کی بات جس کا نفع دمِ نقد موجود معلوم ہوتا ہے۔یعنی دنیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۲۴۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

ترجمہ۔ اور اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

تفسیر۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس آیت سے دیدارِ الٰہی بلاحجاب ثابت ہے۔حدیث شریف میں ہے۔اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ لَيْسَ دُوْنَهٗ حِجَابٌ۔[2]

---

[1] یہ بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآن عظیم۔ [2] جس طرح تم چودھویں کی رات کے چاند کو دیکھتے ہو اسی طرح تم اپنے رب کو بلاحجاب دیکھو گے۔

وَ یَرَوْنَہٗ سُبْحَانَہٗ مِنْ فَوْقِھِمْ نَظَرَ الْعِیَانِ کَمَا یُرَی الْقَمَرَانِ[1]
ھٰذَا تَوَاتُرٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَمْ یُنْکِرْہُ اِلَّا فَاسِدُ الْاِیْمَانِ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۲۵۔ وَ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَۃٌ۔

ترجمہ۔ اور بہت سے منہ اس روز بہت ہی بگڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر۔ بَاسِرَۃٌ۔گھبراسے بھرے ہوئے۔حواس باختہ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۲۶۔ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ۔

ترجمہ۔ یقین کریں گے کہ ان پر کمر توڑ دینے والی مصیبت ڈالی جائے گی۔

تفسیر۔ فَاقِرَۃٌ۔کمر توڑ مصیبت۔فَقَرَاتُ الظَّھْرِ۔ان ہڈیوں کے منکوں کو کہتے ہیں۔جو پُشت کی وسط میں اوپر سے نیچے تک ہوتے ہیں۔فقر اور فقیر بھی اسی سے مشتق ہے۔اس کا حال مسکین سے بدتر ہوتا ہے۔اسی واسطے مصارف صدقات میں فقیر کو مسکین پر مقدم رکھا۔اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ۔[2] (التوبہ:۶۰)فقیر کی ایک صفت ایک جگہ بَآئِسَ الْفَقِیْرَ[3] (الحج:۲۹)فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۲۷ تا ۳۱۔ کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ۔ وَ قِیْلَ مَنْ سکتۃ رَاقٍ۔ وَّ ظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ۔ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ۔ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ۣالْمَسَاقُ۔

ترجمہ۔ سن رکھو اصل یہ ہے کہ جب (جان گلے اور) ہنسلی تک آ پہنچے گی۔اور تلاش کرے گی کہ کوئی جھاڑ پھونکنے والا ہو یا کون اس کو لے جانے والے ہیں رحمت کے یا عذاب کے فرشتے۔اور اس نے یقین کر لیا کہ یہ جدائی ہے۔اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹنے لگے گی (یعنی سخت گھبراہٹ ہوگی)۔آج تیرے رب کی طرف جانا ہے۔

تفسیر۔ ایسا نہ ہوگا جس وقت سانس ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کون افسوس کرنے

---

[1] اور وہ اللہ سبحانہ کو اپنے روبرو دیکھیں گے جیسے سورج اور چاند دیکھے جاتے ہیں۔یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے روایت کی گئی ہے۔فاسد ایمان والے کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ [2] صدقات تو فقیروں اور بے سامانوں کا حق ہے۔ [3] مصیبت زدہ محتاجوں کو۔

والا ہے (جو اسے اب بچا لے) اور (مریض) یقین کرتا ہے۔ کہ اب جُدائی کا وقت ہے اور سخت گھبراہٹ اس پر طاری ہوتی ہے۔ اس وقت چلنا تیرے ربّ کی طرف ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۷۴ حاشیہ)

اَلتَّرَاقِیَ۔ گلے کی ہنسلی کی جگہ۔ رَقِیَ، یَرْقِیْ، رَقْیًا سے ماخوذ ہے۔

وَ قِیْلَ مَنْ سکتۃ رَاقٍ۔ اس کے کئی معانی ہیں۔ ایک تو یہ کہ رقیہ سے مشتق ہے۔ جیسے بِسْمِ اللّٰہِ اُرْقِیْکَ اس صورت میں جھاڑ پھونک کے معنے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ رَقِیَ یَرْقِیْ رُقِیًّا سے۔ اس صورت میں راقٍ کے معنے اوپر لے جانے کے ہوں گے اور اس کے کہنے والے فرشتہ ہوں گے۔ نہ میّت کے پاس والے۔ فرشتہ عذاب کے اور رحمت کے آپس میں پوچھیں گے کہ رحمت کے فرشتے روح کو آسمان پر لے چڑھیں گے یا عذاب کے۔

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ نزع روح کے وقت دنیا کا آخر اور آخرت کا اوّل وقت ملتا ہے۔ یہی لَفِّ سَاقَیْن ہے۔ حسن کہتے ہیں لَفِّ سَاقَیْن سے مراد کفن کا پنڈلیوں میں لپیٹنا مراد ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لَفِّ سَاق اصطلاح میں شدّت مصیبت سے کنایہ ہے۔ دنیا کی مفارقت کا غم اور آخرت کے حساب و کتاب کا جھگڑا۔ یہ دونوں مل کر لَفِّ سَاقَیْن ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷)

۳۲، ۳۳۔ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی۔ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى۔

ترجمہ۔ نہ تو تصدیق کی، نہ نماز پڑھی۔ بلکہ جھٹلاتا اور منہ پھیرتا رہا ہے۔

تفسیر۔ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی۔ تصدیقِ رسول کو نماز پر بھی مقدّم رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نماز می کنی و قبلہ رانمی دانی ندانمت چہ غرض زیں نماز ہا باشد[1]

جماعت میں جن احباب کو غیر احمدیوں کی امامت کے مسئلہ میں تحقیق منظور ہو۔ وہ اس آیت میں صلوٰۃ پر تصدیق کے مقدّم ہونے پر غور کریں۔ بعد تصدیقِ رسول یا امامِ زمان کے پہلی بات جس کا یوم القیامۃ حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ مِنْ اَعْمَالِهِ الصَّلٰوةَ

---

[1] تو نماز پڑھتا ہے لیکن قبلہ کا تجھے معلوم نہیں۔ تو نہیں جانتا کہ ان نمازوں کی کیا غرض ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود اوّلیں پرسش نماز بود[1]

نماز کے محافظ کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین و دنیا کے مشکلات میں اللہ تعالیٰ اس کا ساتھی ونصیر ہوگا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی " وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ ۔[2]
(المائدہ:۱۳) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸)

۳۴۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۔

ترجمہ۔ پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا۔

تفسیر۔ يَتَمَطّٰى ۔ مَطّ سے مشتق ہے۔ مَطّ کے معنے اکڑ بازی کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اِذَا مَشَتْ اُمَّتِیْ الْمُطَيْطَا ۔[3] موٹا ہو جانا اردو زبان میں غالباً مَطّ ہی سے بنایا گیا ہے۔ اکڑ باز انسان کو کہتے بھی ہیں کہ بہت مُٹیا گیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۸)

۳۵، ۳۶۔ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۔

ترجمہ۔ تجھ پر افسوس پھر افسوس۔ پھر افسوس پر افسوس (یعنی لگاتار خرابی ہو)۔

تفسیر۔ اَوْلٰى ۔ بمعنے ویل اور واویلا کے ہیں۔ سورہ محمدؐ رکوع ۳ میں ہے فَاَوْلٰى لَهُمْ (آیت:۲۱) چار مرتبہ اَوْلٰى اس لئے فرمایا کہ ترک تصدیق و ترک صلوٰۃ کے دو عذابِ قبر ہیں اور انہیں دو قسم کے دو عذاب یوم القیٰمۃ ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۸)

۴۱۔ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ۔

ترجمہ۔ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کر سکے۔

تفسیر۔ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ ۔ (الاٰیۃ) حدیث شریف میں اس آیت کے ختم پر ایک روایت میں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى[4] اور دوسری روایت بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[5] جواباً فرمایا ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۸)

---

[1] قیامت کے دن جو کہ بہت ہولناک ہوگا اس دن سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا۔ [2] اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں جب تم نماز کو قائم کرو۔ [3] اِذَا مَشَتْ اُمَّتِیْ الْمُطَيْطَا (الجامع الصحیح للسنن باب من علامات الساعۃ) جب میری امت کے لوگ اکڑ اکڑ کر چلیں گے۔ [4] تو پاک ہے اے اللہ کیوں نہیں۔ [5] کیوں نہیں یقیناً وہ ہر اس بات پر جس کا وہ ارادہ کرے پوری طرح قادر ہے۔

سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

سورۃ دہر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے اسم پاک سے جس نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا اور اس کے نیک اعمال کا نیک نتیجہ دینے والا ہے۔

۲ تا ۱۲۔ ھَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّھۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا۔ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡہِ فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا۔ اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا۔ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِیۡرًا۔ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوۡرًا۔ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوۡنَھَا تَفۡجِیۡرًا۔ یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا۔ وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا۔ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا۔ اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا یَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِیۡرًا۔ فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ وَ لَقّٰھُمۡ نَضۡرَۃً وَّ سُرُوۡرًا۔

ترجمہ۔ کیا انسان پر زمانہ کا ایک وقت نہیں آیا جب کہ اس کا کچھ ذکر نہ تھا۔ ہم نے پیدا کیا آدمی کو نطفہ سے جو (چند چیز) سے ملا تھا ہم اس کو آزمانا چاہتے ہیں، بڑھاتے ہیں (ہم اس پر انعام کرنا چاہتے ہیں) پس ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ دکھا دیا۔ کیا شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔ ہم نے تیار کر رکھیں ہیں کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ۔ بے شک نیک بندے (ایسے) جام پئیں گے جس میں آمیزش کافور کی ہوگی (زہروں کا دبانے والا شربت)۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے۔ وہ بہالے جائیں گے اس کی نالیاں۔ وہ منت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیلی

ہوئی ہوگی۔اور کھانا کھلاتے ہیں خود حاجت رکھ کر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔(اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خاص اللہ کے لئے کھانا کھلاتے نہ ہم تم سے بدلا چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ہم کو ڈر لگ رہا ہے اپنے رب کی طرف سے ایک اداس اور خطرناک اور لمبے دن کا۔تو اللہ نے ان کو بچا لیا اس روز کی سختی سے اور ان کو ملایا تازگی اور خوش حالی سے۔

تفسیر۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔(الدّھر:۲) انسان کی ہستی ہی کیا تھی کچھ بھی نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایک قطرہ سے ہاں ایک تھوڑی سی چیز سے بنا کر سمیع وبصیر بنا دیا ہے میں نے جب اس پر غور کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ علوم پہلے ہی بتا دیئے ہیں۔ابھی کہتے کہتے معلوم ہوا کہ تیرہ نہیں بلکہ ۱۴ علوم نہ ماں سکھاتی ہے نہ باپ نہ کوئی اور۔ان میں سے بعض علوم یہ ہیں:۔

اول دودھ کو چوسنے اور نگلنے کا علم ہے غور کرو کہ اگر کوئی بچے کو یہ علم سکھاتا تو کس طرح اور کس بولی میں سکھاتا۔

(۲) پھر ایک اور علم ہے جو بدیہات کہلاتی ہیں۔

(۳) بچہ کل اور جزو کو سمجھتا ہے۔ماں ایک چھاتی سے دودھ پلا رہی ہو اور ابھی اس میں باقی ہو جب وہ دوسری چھاتی پر لے جانا چاہے تو روتا ہے گویا کل اور جزو کو سمجھتا ہے۔ایسا ہی بچوں کو مٹھائی دے کر دیکھا ہے اگر سارے ٹکڑے میں سے آدھی کاٹ لی جاوے تو رو پڑتا ہے۔

(۴) طول اور عرض کو بھی سمجھتا ہے۔

(۵) اس بات کو سمجھتا ہے کہ دو مکان میں ایک جسم نہیں ہوسکتا۔ایک لڑکا اگر آ جاوے تو اسے دھکا دیتا ہے اور ایک پستان جو آپ پی رہا ہے دوسرے کو نہیں لینے دیتا۔

(۶) دو ضدوں کو خوب سمجھتا ہے کھڑا ہونے کو جی نہ چاہے تو نہیں اٹھتا' بیٹھنے کو نہ چاہے تو کھڑا ہو جائے گا۔

(۷) صدق وکذب کو خوب سمجھتا ہے مٹھائی نہ دو اور یونہی کہہ دو کہ تمہارے ہاتھ میں ہے کبھی

نہ مانے گا۔

(۸، ۹) مکان اور زمان کو بھی سمجھتا ہے۔

(۱۰) سمعیات کی سچائی کو جانتا ہے جو تمہیں کہتے سنتا ہے اسی کو یقین کر کے ان چیزوں کو اسی نام سے پکارتا ہے جس سے تم پکارتے ہو۔

(۱۱) یہ بھی جانتا ہے کہ علم غیب نہیں۔

(۱۲) یہ بھی مانتے ہیں کہ فعل بدوں فاعل کے نہیں ہوتا۔ غرض اس قسم کے بہت سے علوم فطرتاً دیئے جاتے ہیں۔ پس تم اگر ان فطرتی علوم سے کام لو تو اللہ تعالیٰ پھر نفس مطہر دے کر خود قرآن مجید سکھا دیتا ہے۔ غرض تم اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو یاد کرو کہ تم باہم اعداء تھے اس نے تمہیں بھائی بنا دیا اس اخوت کی قدر کرو اور سچے دل سے قدر کرو۔ (الحکم جلد ۱۶ نمبر ۳ مورخہ ۲۱؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷)

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ۔ ہر ایک انسان کا اپنی عمر کے پہلے قطعاً مذکور نہیں ہوا۔ انسان کا ذکر تو اس وقت ہوا۔ جب وہ ہمارے سامنے آیا۔ اس میں کسی سائنس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ ۔ مِنْ نُّطْفَةٍ تھوڑی سی چیز سے۔ نَّبْتَلِيْهِ بڑھاتے ہیں۔ اس کو نطفہ سے علقہ پھر مضغہ، پھر خلقِ آخر، پھر طرح طرح کے انعامات کرتے ہیں مشج کے لغوی معنی خلط کے ہیں غذاؤں کا خلط۔ مرد اور عورت کی منی کا خلط۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۔ کسی شخص کے انعامات کو یاد کرتے رہیں تو اس کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ بڑی گھبراہٹ کے موقع پر ایک دعا اس طرح سے پڑھی ہے۔

دعا

''اے میرے محسن اور میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بیشمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر

اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے کوئی چارہ نہیں۔آمین ثم آمین‘‘

سَلٰسِلَا۟ ۔ جولوگ سچے دل سے خدا کی طرف توجہ ہوکر اس کی تلاش نہیں کرتے ان پر خدا کی طرف سے ایک ایسی بلا پڑتی ہے کہ وہ دنیا کے دھندوں میں گرفتار ہوکر پابہ زنجیر ہوجاتے ہیں اور سفلی کاموں میں ایسے سرنگوں ہوجاتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جوان کوعلوی زندگی کی طرف سر اٹھانے ہی نہیں دیتا۔اوران کے دلوں پر حرص وہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ مال مل جائے۔جائیداد حاصل ہوجائے۔دنیوی عزت ورتبہ مل جائے۔قیامت کے دن یہی اموران کے لئے طوق وزنجیر کی شکل میں متمثل ہوجائیں گے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔ ابرار کی دوحالتیں دنیا اورآخرت کی اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہیں۔دنیا کی یہ کہ ابرار کے دلوں پر حرص وہوا کی سوزش سرد ہو جاتی ہے۔دنیا کی طرف سے خنک چشم وخنک دل رہتے ہیں۔یہ سوزش ان کے دلوں پر نہیں رہتی کہ ہائے فلاں چیز ہمیں میسر نہیں۔ہائے فلاں چیز ہمارے پاس نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

از طمع جستیم ہر چیزے کہ آں بیکار بود   خود فزوں کردیم ورنہ اند کے آزار بود [1]

اس طمع وحرص کی آگ کو قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۔ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۔ [2]
(الھمزہ:۷تا۱۰)

حرص وطمع کی ایک آگ ہے جو دلوں پر جھپٹے ماررہی ہے۔جس نے ان کوحق کی شنوائی سے ڈھانک لیا ہے۔عمود ممدد کی طرح لمی لمبی امیدوں میں مخبوط الحواس ہیں۔اس قسم کی آگ سے فرمایا کہ

۱؎ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے۔جو دلوں پر بھڑکتی ہے۔بے شک وہ ان پر بند کی جائے گی۔لمبے لمبے ستون کے گھروں میں (یا ستونوں کی شکل میں)۔ ۲؎ ہم نے لالچ سے ہر چیز تلاش واختیار کی جو بے کار تھی ہم نے خود ہی تکلیف بڑھالی وہ کم ہی تھی۔

ابرار خنک چشم وخنک دل رہتے ہیں۔ یہی ان کا کافوری پیالہ ہے جیسی حالت دنیا سے یہ لوگ ساتھ لے جاویں گے جَزَآءً وِّفَاقًا۔[1] (النبا:۲۷) کے طور پر ویسی ہی نعمت ان کو آخرت میں خداوند کریم عطا فرماوے گا۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔ دنیا میں ان ابرار کی یہ سیرت رہی کہ جس رشد وہدایت کو کافوری ٹھنڈک کی طرح انہوں نے آپ حاصل کیا تھا۔اس کی نہریں اور چشمے دور دراز ملکوں میں تبلیغی رنگ میں چیر چیر کر لے گئے۔چین میں لے گئے۔افریقہ میں لے گئے۔روم، شام اور ملک ہندوستان تک پہنچایا۔اسی طرح آخرت میں جَزَآءً وِّفَاقًا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر قسم کی نعمتوں سے سیراب کیا۔ ہماری جماعت کی انجمنوں کو چاہیے کہ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا پر پوری توجہ اور جانفشانی سے مگر ٹھنڈے دل سے کوشش کریں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۸)

انسانی جسمانی روح ایک قسم کی لطیف ہوا ہے جو انسان میں شریانی عروق اور انسانی پھیپھڑوں کے بن جانے اور قابلِ فعل ہونے کے وقت نفخ کی جاتی ہے۔اس مطلب کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر غور کرو۔ یہ صادق کتاب حقیقت نفس الامری کی خبر دیتی ہے کہ انسان اسی نطفہ سے جو عناصر کا نتیجہ ہے خلق ہوتا ہے۔اور پھر یہیں اسے سمیع وبصیر یعنی مُدرِک اور ذی العقل بنایا جاتا ہے۔نہ یہ کہ پیچھے سے اپنے ساتھ کچھ لاتا ہے اور پرانے اعمال کا نتیجہ اس کے ساتھ چپٹا ہوتا ہے۔جس وہم وفرض کا کوئی مشاہدہ کا ثبوت نہیں۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ .... سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔[2]

(تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۸۴)

ہر آدمی غور کرے کہ یہ دنیا میں نہ تھا اور اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ضرور ایک وقت انسان پر ایسا

---

[1] یہ بھرپور بدلا ہے۔ [2] زمانہ میں سے ایک وقت بے شک انسان پر ایسا گزرا ہے کہ اس کا نام ونشان کچھ بھی نہ تھا۔ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا۔ہم اس کا امتحان لیا چاہتے ہیں (اور اس امتحان کے لئے) ہم نے اس کو سمیع وبصیر بنایا۔

گزرا ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے۔ اگر وہ ہم کو پتھر بنا دیتا یا حیوانات میں ہی پیدا کرتا۔ مگر کتا یا سؤر بنا دیتا۔ پھر اگر انسان ہی بناتا پر چوہڑا یا چماروں میں پیدا کر دیتا۔ پھر اگر وہ کسی ایسے گھر میں پیدا کر دیتا جہاں قرآن دانی کا چرچا نہ ہوتا۔ پھر اگر کسی اچھے گھر میں پیدا ہوتے۔ پر جوانی میں مرجاتے تو آج تم کو قرآن سنانے کا کہاں موقع ملتا۔ اس نے کیسے کیسے فضل کئے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ ہم نے اپنے فضل سے اس نطفہ کو جس میں ہزاروں چیزیں ملی ہوئی تھیں۔ سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔

اب مسلمان کہتے ہیں کہ تجارت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ کبھی کہتے ہیں حکومت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ صرف سو برس کے اندر ہی اندر انہوں نے سب کچھ اپنا کھو دیا۔

شرک کا کوئی شعبہ نہیں جس میں مسلمان گرفتار نہیں۔ نماز، روزے، اعمالِ صالحہ میں قرآن کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں نہایت ہی سُست ہیں۔ کوئی ملاں ہو اور وہ خوب شعر سنائے تو کہتے ہیں کہ فلاں مولوی نے خوب وعظ کیا۔

کسی عورت نے مجھ سے پوچھا کہ فلاں عورت ایک عرس میں گئی تھی وہ کہتی تھی کہ سبحان اللہ ہر طرف نور ہی نور برس رہا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ کیا تھا۔ کہنے لگی کہ وہ کہتی تھی کہ اندر بھی باہر بھی مراسی ڈھولک بجا رہے تھے اور خوب خوش الحانی سے گا رہے تھے۔

ریل میں مجھ کو ایک کنچنی ملی۔ میں نے اس سے کہا کہ تو کہاں گئی تھی۔ کہا کہ سبحان اللہ فلاں حضرت کے یہاں گئی تھی۔ انہوں نے مجھ کو دیکھتے ہی کہا کہ ہماری فقیرنی آ گئی ہے اور اپنے خادم سے کہا کہ اس کو تین سو روپے دیدو میں تو ایک دم میں مالا مال ہو گئی۔

مسلمانوں میں تکبر بڑھ گیا۔ سستی ہے۔ فضول خرچی ہے اور فضول کے ساتھ تکبر بھی از حد بڑھ گیا ہے۔ اپنی قیمت بہت بڑھا رکھی ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اس قدر تنخواہ کے لائق ہیں۔

ہم نے تو انسان پر بڑے فضل کئے۔ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یہاں تک کہ انسان کو دیکھنے والا اور سننے والا بنایا۔ پھر قرآن کے ذریعہ سے اس پر ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ

السَّبِيْلَ۔ پر کسی نے قدر کی اور کسی نے نہ کی۔ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔

کوئی مسلمان کہتا ہے کہ جھوٹ جائز ہے۔ کون مسلمان کہتا ہے تکبر اور فضولی اور قسم قسم کی بدکاریاں جائز ہیں۔ برائی سب جانتے ہیں مگر افسوس کہ قدر نہیں کرتے۔ دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں۔مگر خود عمل نہیں کرتے۔

ایک عورت کا میاں شراب پیتا تھا۔اس کو میں نے کہا کہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔تم اس سے شراب چھڑا دو۔اس نے کہا کہ میں نے ایک روز اس کو کہا تھا تو اس نے مجھے جواب دیا تھا کہ یہ تجھے نورالدین نے کہا ہوگا۔ جب میں اس کی عمر کا ہو جاؤں گا تو چھوڑ دوں گا۔ پھر اس کو میری عمر تک پہنچنا نصیب نہ ہوا۔ پہلے ہی مر گیا!

تم برے اعمال چھوڑ دو۔لین دین میں لوگ بڑے نکمے ہو گئے ہیں۔توبہ کرو، استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑے سخت لفظ استعمال فرماتا ہے کہ کوئی تو ہماری بتائی ہوئی ہدایت کا شکر گزار ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا۔

ہم نے تو بے ایمانوں کے لئے بڑے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ہم ان کو زنجیروں میں جکڑ دیں گے اِنَّ الْاَبْرَارَ اچھے لوگوں کو خدائے تعالیٰ ایک شربت پلانا چاہتا ہے اور وہ ایسا شربت ہے کہ ان کو اپنی بدیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ابرار انسان تب بنتا ہے جب وہ اپنے اندر کی بدیوں کو دباتا ہے نفس کے اوپر تم حکومت کرو۔ بہت سے لوگ ہیں۔جو اپنے نفس پر حکومت کرنے سے بے خبر ہیں۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ اللہ کے بندے ایسے شربت پیتے ہیں وہ ان کو بھاتے ہیں دوسروں کو بھی پلانا چاہتے ہیں۔میں نے تم کو بہت سا پلایا ہے۔تم عمل کرو اور خدائے تعالیٰ سے ڈرو۔

(البدر۔کلام امیر حصّہ دوم ۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۹۳۔ ۹۴)

یہ ایک وہ سورہ شریف ہے جو جمعہ کے دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اول اپنے ان احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے جو مولیٰ کریم نے انسان پر کئے ہیں اس تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی کی فطرۃ اچھی ہو اور وہ سعادت مند ہو، فہیم ہو، عقل کی مار اس پر نہ

پڑی ہو تو یہ بات ایسے انسان کی سرشت میں موجود ہے کہ جو کوئی اس پر احسان کرے تو محسن کی محبت طبعًا انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طبعی تقاضائے فطرۃ کی طرف ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ایما کر کے ارشاد فرمایا ہے جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا یعنی انسانی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اسی قاعدہ اور تقاضاء فطرۃ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ طرز بھی اختیار کیا ہے کہ سعادت مندوں کو اپنے احسان و انعام یاد دلاتا ہے کہ وہ محبت الٰہی میں ترقی کر کے سعادت حاصل کریں اندرونی اور بیرونی انعامات پر غور کریں اور سوچیں تا ان کی جنابِ الٰہی سے سے محبت ترقی کرے پھر یہ بات بھی انسان کی فطرت میں ہے کہ جب انسان کسی سے محبت بڑھا لیتا ہے تو محبوب کی رضامندی کے لئے اپنا وقت، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو و غرض ہر عزیز سے عزیز چیز کو خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کے مطالعہ کی عادت پڑ جاوے تو اسے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو گی اور روز بروز محبت بڑھے گی۔ اور جب محبت بڑھ گئی تو وہ اپنی تمام خواہشوں کو رضاء الٰہی کے لئے متوجہ کر سکے گا اور اس رضاء الٰہی کو ہر چیز پر مقدم سمجھ لے گا۔

دیکھو سب سے بڑا اور عظیم الشّان احسان جو ہم پر کیا وہ یہ ہے کہ ہم کو پیدا کیا۔ اگر کوئی دوست مدد دیتا ہے تو ہمارے پیدا ہونے اور موجود ہونے کے بعد اگر کوئی بھلی راہ بتلا سکتا ہے یا علم پڑھا سکتا ہے۔ مال دے سکتا ہے غرض کہ کسی قسم کی مدد دیتا ہے تو پہلے ہمارا اور اس چیز کا اور دینے والے کا وجود ہوتا ہے۔ تب جا کر وہ مدد دینے والے مدد دینے کے قابل ہوتا ہے۔ غرض تمام انعاموں کے حاصل کرنے سے پیشتر جو کسی غیر سے ہوں پہلا اور عظیم الشان احسان خدا تعالیٰ کا یہ ہے کہ اس نے ہم کو اور اس چیز کو جس سے ہمیں راحت پہنچی اور جس نے ہمیں راحت پہنچائی اس کو وجود عطا کیا پھر صحت و تندرستی عطا کی اگر دن بھی بیماری ہو جاوے تو تمام راحت رساں چیزیں بھی راحت رساں نہیں رہتیں۔ دانت درد کرے تو اس کا نکالنا پسند ہو جاتا ہے آنکھ دُکھ دینے کا باعث بن جاوے تو گا ہے اس کا نکالنا ہی پڑتا ہے۔

برادران جب بیماری لاحق ہوتی ہے تب پتہ لگتا ہے کہ صحت کیسا انعام تھا۔اس صحت کے حاصل کرنے کو دیکھو کس قدر مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔طبیبوں کی خوشامد، دعا والوں، تعویذ ٹوٹکے والوں کی منتیں،غرض قسم قسم کے لوگوں کے پاس جن سے کچھ بھی امید ہوسکتی ہے انسان جاتا ہے۔ دواؤں کے خریدکرنے میں کتنا ہی روپیہ خرچ کرنا پڑے بلا دریغ خرچ کرتا ہے۔ایک آدمی مرنے لگتا ہےتو کہتے ہیں دو باتیں کرادوخواہ کچھ ہی لے لو۔حالانکہ اس نے لاکھوں باتیں کیں۔

چونکہ ان لوگوں کو جو احسانات کا مطالعہ نہیں کرتے خبر بھی نہ تھی غرض یہ سب انعامات جو ہم پر ہوتے ہیں ان میں سے اول اور بزرگ ترین انعام وجود کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پس اس سورہ شریفہ میں اول اسی کا ذکر فرمایا۔

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔انسان پر کچھ زمانہ ایسا بھی گزرا ہے یانہیں؟ کہ یہ موجود نہ تھا۔

میری حالت کو دیکھو اس وقت میں کھڑا بول رہا ہوں مگر کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ سو اسّی برس پیشتر میں کہاں تھا؟ اور میرا کیا مذکور تھا۔کوئی نہیں بتلا سکتا۔یہ جناب الٰہی کا فیضان ہے کہ ایک ذراسی چیز سے انسان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔نطفہ میں صدہا چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان بنتا ہے۔

عام طور پر ہم لوگ ان کو دیکھ نہیں سکتے۔کوئی بڑی اعلیٰ درجہ کی خوردبین ہوتو اس کے ذریعہ سے وہ نظر آتے ہیں۔پھر بتلایا کہ پہلا انعام تو عطاء وجود تھا پھر یہ انعام کیا فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا خدا ہی کا فضل تھا کہ کان دیئے، آنکھیں دیں اور سنتا دیکھتا بنا دیا۔

سارے کمالات اور علوم کا پتہ کان سے لگ سکتا ہے یا نظارہ قدرت کو دیکھ کر انسان باخبر ہوسکتا ہے۔یہ عظیم الشان عطیے بھی کس کی جناب سے ملے؟ مولیٰ کریم ہی کی حضور سے ملے۔آنکھیں ہیں تو نظارۂ قدرت کو دیکھتی ہیں۔خدا کے پاک بندوں اس کے پاک صحیفوں کو دیکھ کر حظ اٹھائیں۔کان کے عطیہ کے ساتھ زبان کا عطیہ بھی آ گیا کیونکہ کان اگر نہ ہوں تو زبان پہلے چھن جاتی ہے۔اب اگر ان

میں سے کوئی نعمت چھن جاوے تو پتہ لگتا ہے کہ کیسی نعمت جاتی رہی۔آنکھ بڑی نعمت ہے یا کان بڑی دولت ہے۔ان عطیوں میں کوئی بیماری یا روگ لگ جاوے تو اس ذرا سی نقصان کی اصلاح کے لئے کس قدر روپیہ وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔مگر یہ صحیح سالم،عمدہ، بےعیب، بےروگ عطیہ اس مولیٰ کریم نے مفت بےمزد عنایت فرمائی ہیں۔یوں نظر اٹھاتے ہیں تو وہ عجیب در عجیب تماشا ہائے قدرت دیکھتے ہوئے آسمان تک چلی جاتی ہے۔ادھر نظر اٹھاتے ہیں تو خوش کن نظارے دیکھتی ہوئی افق سے پار جا نکلتی ہے۔کان کہیں کہیں دلکش آوازیں سن رہے ہیں کہیں معارف وحقائقِ قدرت کی داستان سے حظ اٹھاتے ہیں۔کہیں روحانی عالم کی باتوں سے لطف اٹھا رہے ہیں بیشک یہ مولیٰ کریم ہی کا فضل اور احسان ہے کہ ایسے انعام کرتا ہے، وہ پیدا کرتا ہے اور پھر ایسی بے بہا نعمتیں عطا کرتا ہے۔کسی کی ماں، کسی کا دوست، کسی کا باپ وہ نعمتیں نہیں دے سکتا جو خدا تعالیٰ نے دی ہیں۔پھر اسی پر بس نہیں فرمائی اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ۔ہم نے انسان کو ایک راہ بتلائی۔یہی ایک مسئلہ ہے جو بڑا ضروری تھا۔ہم پیدا ہوئے سب کچھ ملا مگر کوئی کتنی کوششیں کرے۔ہمیشہ کے لئے نہ کوئی رہا ہے نہ رہے گا۔سارے انبیاء و رسل، تمام اولیاء و کبراء ملت تمام مدبر اور بڑے بڑے آدمی سب کے سب چل دیئے۔پس کوئی ایسا انعام ہو جو ابدالآباد راحت اور سرور کا موجب ہو۔اس کے لئے فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے ایک راہ بتلائی اگر اس پر چلے تو ابدالآباد کی راحت پا سکتا اس پاک راہ کی تعلیم ہمیشہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی معرفت ہوئی ہے۔

گو خود فطرتِ انسانی میں اس کے نقوش موجود ہیں۔بہت مدت گزری جبکہ دنیا میں ایک عظیم الشان انسان اس پاک راہ کی ہدایت کے لئے آیا جس کا نام آدم علیہ السلام تھا۔پھر نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام آئے اور ان کے درمیان ہزاروں ہزار مامور من اللہ دنیا کی ہدایت کو آئے اور ان سب کے بعد میں ہمارے سید و مولیٰ سید ولدِ آدم فخر الاولین والآخرین افضل الرسل و خاتم النبیین حضرت محمد رسول رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔اور پھر کیسی رہ نمائی فرمائی کہ ان کے ہی نمونہ پر ہمیشہ خلفاء امت کو بھیجتا رہا حتٰی کہ ہمارے مبارک زمانہ میں بھی

ایک امام اس ہدایت کے بتلانے کے لئے مبعوث فرمایا اور اس کو اور اس کے اقوال کو تائیدات عقلیہ اور نقلیہ و آیات ارضیہ وسماویہ سے مؤید فرما کر روز بروز ترقی عطا کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح الٰہی ہاتھ ایک انسان کی حفاظت کرتا ہے اور کس طرح آئے دن اس کے اعداء نیچا دیکھتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ہاں تو پھر خدا کی ایک ممتاز جماعت ہمیشہ اپنے اقوال سے اس راہ کو بتلاتی اور اپنے اعمال سے نمونہ دکھلاتی ہیں۔ جس سے ابدی آرام عطا ہو۔ پھر دیکھو کہ انعامِ الٰہی تو ہوتے ہیں مگر ان انعامات کو دیکھنے والے دو گروہ ہوتے ہیں اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان ہدایات کی قدر کرتے ہیں اور ایک وہ ہوتے ہیں جو قدر نہیں کرتے ہیں۔ اور ان دستوروں پر عمل درآمد نہیں دکھاتے۔ ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے۔ ایک گروہ جو سعادتمندوں کا گروہ ہوتا ہے ان پاک راہوں کی قدر کرتا ہے اور اپنے عملدرآمد سے بتلا دیتا ہے کہ وہ فی الحقیقت اس راہ کے چلنے والے اور اس راہ کے ساتھ پیار کرنے والے ہیں اور دوسرے اپنے انکار سے بتلا دیتے ہیں کہ وہ قدر نہیں کرتے یہ قرآن شریف جب آیا۔ اور ہمارے سید و مولیٰ رسولِ اکرم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم اور پھر اپنے کامل اور پاک نمونہ سے ہدایت کی راہ بتلائی۔ بہت سے نابکار سعادت کے دشمن انکار اور مخالفت پر تل پڑے اور جو سعادت مند تھے وہ ان پر عمل کرنے کے لئے نکلے اور دنیا کے سرمایہ فخر وسعادت اور راحت و آرام ہوئے اور ان کے دشمن خائب وخاسر اور ہلاک ہوئے آخر وہ سعادت کا زمانہ گزر گیا۔ دور کی باتیں کیا سناؤں۔ گھر کی اور آج کی بات کہتا ہوں۔ اب بھی اسی نمونہ پر ایک وقت لایا گیا۔ اور وہی قرآن شریف پیش کیا گیا ہے۔ مگر سعادتمنوں نے قدر کی اور ناعاقبت اندیش نابکاروں نے ناشکری اور مخالفت۔

مگر نادان انسان کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انعامِ الٰہی کی ناقدری کرنے سے ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دنیوی حکومت میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی حاکم کا حکم آجاوے اور پھر رعایا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو سزایاب ہوتی ہے۔ نہ ماننے والوں کا آرام رنج سے اور ان کی عزت ذلت

سے متبدل ہو جاتی ہے۔ پھر اگر کوئی احکم الحاکمین کی بتائی راہ اپنا دستور العمل نہ بناوے تو کیونکر دُکھوں اور ذلّتوں سے بچ سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ حکمِ حاکم کی نافرمانی حسب حیثیت حاکم ہوا کرتی ہے۔ یہ ذلت بھی اسی قدر ہوگی جس قدر کہ حاکم کے اختیارات ہیں۔

دنیا کے حاکم جو محدود حکومت رکھتے ہیں ان کی نافرمانی کی ذلت بھی محدود ہی ہے مگر خدا تعالیٰ جو غیر محدود اختیارات رکھتا ہے اس کے حکم کی خلاف ورزی میں ذلت بھی طویل ہوگی۔ گو یہ سچ ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے مگر جیسی کہ اس کی طاقتیں وسیع ہیں اسی انداز سے نافرمان کی ذلّت بھی ہونی چاہیے۔ اور ہوگی ہاں بہت سی سزائیں ایسی ہیں کہ انسان ان کو دیکھتا ہے اور بہت سی سزائیں ہیں کہ ان کو نہیں دیکھ سکتے تو غرض یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ خدا کے قانون اور حکم کی اگر پرواہ نہ کریں گے تو کیا نقصان ہے؟ نہیں نہیں خبردار ہو جاؤ۔ مولیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا۔ منکر کو تین قسم کی سزا دیں گے۔

ہر ایک انسان کا جی چاہتا ہے کہ میں آزاد رہوں جہاں میری خواہش ہو وہاں پہنچ سکوں پھر چاہتا ہے کہ جہاں چاہوں حسبِ خواہش نظارہ ہائے مطلوبہ دیکھوں اور آخر جی کو خوش کروں کہیں جانا پڑے تو جاؤں اور کہیں سے بھاگنا پڑے تو وہاں سے بھاگوں اور کسی چیز کو دیکھنا پڑے تو اسے دیکھوں بہرحال اپنا دل ٹھنڈا رکھوں۔

پس یہ تین عظیم الشان امور ہیں اگر کہیں جاتا ہے تو منشا ہے کہ دل خوش ہو۔ کسی کو دیکھتا ہے تو اس لئے کہ جان کو راحت ملے۔ نتیجہ بہرحال دل کی خوشی ہے مگر جب انسان خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اولاً تین ہی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ عطاءِ وجود، عطاءِ سمع ، عطاءِ بصر۔ ان نعمتوں سے اگر کوئی جاتی رہے تو کیا سچی خوشی اور حقیقی راحت مل سکتی ہے کبھی نہیں۔ پھر خاص الخاص نعمت جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ملی ہے اس کے انکار سے کب راحت پا سکتا ہے؟ قانونِ الٰہی اور شریعت

خداوندی کوتوڑتا ہے کہ راحت ملے؟ مگر راحت کہاں؟ دیکھوایک نابکار انسان حدود اللہ کوتوڑکرزنا کا ارتکاب کرتا ہے کہ اسے لذت وسرور ملے مگر نتیجہ کیا ہے کہ اگر آتشک اور سوزاک میں مثلاً مبتلا ہوگیا۔تو بجائے اس کے جسم کو راحت و آرام پہنچاوے۔ دل کو سوزش اور بدن کو جلن نصیب ہوتی ہے۔ قانونِ الٰہی کو توڑنے والے کو راحت کہاں؟ پھر اس کے لئے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ ....یعنی منکر انسان کے لئے کیا ہوتا ہے۔ پاؤں میں زنجیر ہوتی، گردن میں طوق ہوتا ہے جن کے باعث انواع واقسام راحت وآرام سے محروم ہوجاتا ہے دل میں ایک جلن ہوتی ہے جو ہروقت اس کو کباب کرتی رہتی ہے دنیا میں اس کا نظارہ موجود ہے مثلاً وہی نافرمان، زانی، بدکار قسم قسم کے آرام جسمانی میں مبتلا ہوکر اندر ہی اندر کباب ہوتے ہیں اور پھر نہ وہاں جاسکتے ہیں نہ نظر اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں اسی ہم وغم میں مصائب اور مشکلات پر قابو نہ پاکر آخر خودکشی کر کے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں ہدایت کے منکروں اور ہادیوں کے مخالفوں نے کیا پھل پایا۔

دیکھو ہمارے سید ومولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر جنہوں نے اس ابدی راحت اور خوشی کی راہ سے انکار کیا کیا حال ہوا؟ وہ عمائد مکہ جو ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ تھے اور مقابلہ کرتے تھے وہ فاتح نہ کہلا سکے کہ وہ اپنے مفتوحہ بلاد کو دیکھتے اور دل خوش کرسکتے؟ ہرگز نہیں۔ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی عزت گئی، آبرو نہ رہی، مذہب گیا، اولاد ہاتھ سے گئی۔غرض کچھ بھی نہ رہا۔

ان باتوں کو دیکھتے اور اندر ہی اندر کباب ہوتے تھے۔اور اسی جلن میں چل دیئے۔ یہ حال ہوتا ہے منکر کا۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کا انکار کرتا ہے تو بُرے نتائج کو پالیتا ہے اور عمدہ نتائج اور آرام کے اسباب سے محروم ہوجاتا ہے۔ (الحکم جلد۳ نمبر ۳۸ مورخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ تا ۶)

پھر دوسرے گروہ اِمَّا شَاكِرًا کا ذکر فرمایا کہ شکر کرنے والے گروہ کے لئے کیا جزا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ بےشک ابرار لوگ کافوری پیالوں سے پئیں گے۔

ابرار کون ہوتے ہیں جن کے عقائد صحیح ہوں۔ اور ان کے اعمال صوابؔ اور اخلاص کے نیچے ہوں اور جو ہر دکھ اور مصیبت میں اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی نارضامندی سے محفوظ رکھ لیں۔

خود جناب الٰہی ابرار کی تشریح فرماتے ہیں سورۃ البقرہ میں فرمایا لَیْسَ الْبِرَّاَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ الی الآیہ ابرار کون ہوتے ہیں؟

اول : جن کے اعتقاد صحیح ہوں کیونکہ اعمالِ صالحہ دلی ارادوں پر موقوف ہیں دیکھو ایک اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالے ہوئے ایک بچہ بھی اسے جہاں چاہے جدھر لے جائے لئے جاتا ہے۔لیکن اگر کنویں میں گرانا چاہیں تو خواہ دس آدمی بھی مل کر اس کی نکیل کو کھینچیں ممکن نہیں وہ قدم اٹھا جاوے۔

ایک حیوان مطلق بھی اپنے دِلی ارادے اور اعتقاد کے خلاف کرنا نہیں چاہتا وہ سمجھتا ہے کہ قدم اٹھایا اور ہلاک ہوا۔

پھر انسان اور سمجھدار انسان کب اعتقادِ صحیحہ رکھتا ہوا اعمال بد کی طرف قدم اٹھا سکتا ہے اس لئے ابرار کے لئے پہلے ضروری چیز یہی ہے کہ اعتقاد صحیحہ ہوں اور وہ پکی طرح پر اُس کے دل میں جاگزیں ہوں۔ اگر منافقانہ طور پر مانتا ہے تو کاہل ہوگا۔ حالانکہ مومن ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے ان اعتقادات صحیحہ میں سے پہلا اور ضروری عقیدہ خدا تعالیٰ کا ماننا ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ اور تمام خوبیوں کا چشمہ ہے۔

دنیا میں ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب تک دوسرے سے مناسبت پیدا نہ ہو اس کی طاقتوں اور فضلوں سے برخوردار نہیں ہوسکتا۔

جب انسان قرب الٰہی چاہتا ہے اور اس کی دِلی تمنا ہوتی ہے کہ اُس کے خاص فضل اور رحمتوں سے بہرہ ور اور برخوردار ہو جائے تو اُسے ضروری ہے کہ اُن باتوں کو چھوڑ دے جو خدا تعالیٰ میں نہیں یا جو اُس کی پسندیدہ نہیں ہیں۔

جس قدر عظمتِ الٰہی دل میں ہوگی اسی قدر فرماں برداری کے خیالات پیدا ہوں گے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل کی طرف دوڑے گا۔کیا ایک اعلیٰ علوم کا ماہر جاہل سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ یا ایک ظالم طبع انسان کے ساتھ ایک عادل مل کر رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔پس خدا تعالیٰ کی برکتوں سے برخوردار ہونے

کے لئے سب سے ضروری بات صفات الٰہی کا علم حاصل کرنا اوران کے موافق اپنا عمل درآمد کرنا ہے۔
اگر یہ اعتقاد بھی کمزور ہو تو ایک اور دوسرا مسئلہ ہے جس پر اعتقاد کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی فرماں برداری میں ترقی کرسکتا ہے۔ وہ جزا وسزا کا اعتقاد ہے۔ یعنی افعال اوران کے نتائج کا علم مثلاً یہ کام کروں گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ برے نتائج پر غور کر کے انسان ، ہاں سعید الفطرت انسان برے کاموں سے جو ان نتائج بد کا موجب ہیں پرہیز کریگا اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی کوشش یہ کہ دونوں اعتقاد نیکیوں کا اصل الاصول اور جڑیں یعنی اول خدا تعالیٰ کی صفات اور محامد کا اعتقاد اور علم تا کہ قرب الٰہی سے فائدہ اٹھاوے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل حاصل کرے۔
دوسرا یہ کہ ہر فعل ایک نتیجہ کا موجب ہوتا ہے اگر بد افعال کا مرتکب ہوگا تو نتیجہ بد ہوگا۔ ہر انسان فطرتاً سکھ چاہتا ہے اور سکھ کے وسائل اور اسباب سے بے خبری کی وجہ سے افعالِ بد کے ارتکاب میں سکھ تلاش کرتا ہے مگر وہاں سکھ کہاں؟ اس لئے ضروری ہے کہ افعال اوران کے نتائج کا علم پیدا کرے اور یہی وہ اصل ہے جس کو اسلام نے جزا وسزا کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔
پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان تجربہ کار اور واقف کار لوگوں کے بتلائے ہوئے مجرب نسخے آرام وصحت کے لئے چاہتا ہے اگر کوئی ناواقف اور ناتجربہ کار بتلائے تو تأمل کرتا ہے۔ پس نبوتِ حقہ نے جو راہ دکھلائی ہے وہ تیرہ سو برس سے تجربہ میں آچکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راحت کے جو سامان بتلائے ہیں ان کا امتحان کرنا آسان ہے۔
غور کرو اور بلند نظری سے کام لو!! عرب کو کوئی فخر حاصل نہ تھا کس سے ہوا؟ اسی نسخہ سے!! کیا عرب میں تفرقہ نہ تھا پھر کس سے دور ہوا؟ ہاں اسی راہ سے!! کیا عرب نابودگی کی حالت میں نہ تھے پھر یہ حالت کس نے دور کی؟ ماننا پڑے گا کہ اسی نبوّتِ حقّہ نے!!!
عرب جاہل تھے۔ وحشی تھے۔ خدا سے دور تھے۔ محکوم نہ تھے تو حاکم بھی نہ تھے۔ مگر جب انہوں نے قرآن کریم کا شفا بخش نسخہ استعمال کیا تو وہی جاہل دنیا کے استاد اور معلم بنے وہی وحشی متمدن دنیا کے پیش رَو اور تہذیب و شائستگی کے چشمے کہلائے۔ وہ خدا سے دور کہلانے والے

خدا پرست اور خدا میں ہو کر دنیا پر ظاہر ہوئے۔ وہ جو حکومت کے نام سے بھی ناواقف تھے دنیا بھر کے مظفر و منصور اور فاتح کہلائے۔ غرض کچھ نہ تھے سب کچھ ہو گئے۔ مگر سوال یہی ہے کیونکر؟ اسی قرآن کریم کی بدولت اسی دستور العمل کی رہبری سے۔ پس تیرہ سو برس کا ایک مجرب نسخہ موجود ہے جو اس قوم نے استعمال کیا جس میں کوئی خوبی نہ تھی اور خوبیوں کی وارث اور نیکیوں کی ماں بنی۔ غرض یہ مجرب نسخہ ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ کے قرب اور سکھ کی تلاش چاہو اسی قدر محامد الٰہیہ اور صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی قدر انسان رذائل سے بچے گا اور پسندیدہ باتوں کی طرف قدم اٹھائے گا۔

حاصلِ کلام ابرار بننے کے لئے مندرجہ بالا اصول کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیے۔ میں نے ذکر یہ شروع کیا تھا کہ شاکر گروہ کا دوسرا نام قرآن کریم نے ابرار رکھا ہے اور ان کی جزا یہ بتلائی ہے کہ کافوری پیالوں سے پئیں گے چنانچہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا۔ پہلے ان کو اس قسم کا شربت پینا چاہیے کہ اگر بدی کی خواہش پیدا ہو تو اس کو دبا لینے والا ہو۔ کافور کہتے ہی دبا دینے والی چیز کو ہیں۔ اور کافور کے طبی خواص میں لکھا ہے کہ وہ سمی امراض کے مواد ردیہ اور فاسدہ کو دبا لیتا ہے اور اسی لئے وبائی امراض طاعون اور ہیضہ اور تپ وغیرہ میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ تو پہلے انسان یعنی سلیم الفطرۃ انسان کو کافوری شربت مطلوب ہے۔ قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ (الی الآیہ) پھر وارث کیا ہم نے اپنی کتاب کا ان لوگوں کو جو برگزیدہ ہیں۔ پس بعض ان میں سے ظالموں کا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور جبر و اکراہ سے نفسِ امّارہ کو خدا تعالیٰ کی راہ پر چلاتے ہیں اور نفسِ سرکش کی مخالفت اختیار کر کے مجاہداتِ شاقہ میں مشغول ہیں۔

دوسرا گروہ میانہ رَو آدمیوں کا ہے جو بعض خدمتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس سرکش سے بہ جبر و اکراہ لیتے ہیں اور بعض الٰہی کاموں کی بجا آوری میں نفس ان کا بخوشی خاطر تابع ہو جاتا ہے اور ذوق اور شوق اور محبت اور ارادت سے ان کاموں کو بجا لاتا ہے غرض یہ لوگ کچھ تو تکلیف اور مجاہدہ سے خدا تعالیٰ کی راہ پر چلتے ہیں اور کچھ طبعی جوش اور دلی شوق سے بغیر کسی تکلف کے اپنے ربِّ جلیل کی

فرمانبرداری ان سے صادر ہوتی ہے۔

تیسرا سابق بالخیرات اوراعلیٰ درجہ کے آدمیوں کا گروہ ہے جو نفسِ امارہ پر بکلّی فتحیاب ہوکر نیکیوں میں آگے نکل جانیوالے ہیں۔غرض سلوک کی راہ میں مومن کو تین درجے طے کرنے پڑتے ہیں۔ پہلے درجہ میں جب بدی کی عادت ہوتو اس کے چھوڑنے میں جان پر ظلم کرے اور اس قوت کو دباوے شراب کا عادی اگر شراب کو چھوڑے گا تو ابتدا میں اس کو بہت تکلیف محسوس ہوگی۔

شہرت کے وقت عفت سے کام لے اور قوائے شہوانیہ کو دبادے۔اسی طرح جھوٹ بولنے والا سست، منافق، راستبازوں کے دشمنوں کو بدیاں چھوڑنے کے لئے جان پر ظلم کرنا پڑے گا تا کہ یہ اس طاقت پر فاتح ہوجاویں۔

بعد اس کے میانہ روی کی حالت آوے گی کبھی کبھی بدی کے چھوڑنے میں گو کسی وقت کچھ خواہش بد پیدا بھی ہوجاوے۔ایک لذت اور سرور بھی حاصل ہوجایا کریگا مگر تیسرے درجہ میں پہنچ کر سابق بالخیرات ہونے کی طاقت آ جاوے گی اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کی بارش ہونے لگے گی اور مکالمہ الٰہی کا شرف عطا ہوگا۔تو سب سے پہلے ابرار کو کافوری شربت دیا جاوے گا تا کہ بدیوں اور رذائل کی قوتوں پر فتح مند ہوجاویں۔اوراس کے ساتھ ہی فرمایا کہ بدیوں کو دباتے دباتے نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور پھر وہ ایک خاص چشمہ پر پہنچ جاتا ہے۔عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا وہ ایک چشمہ ہے کہ اللہ کے بندے اُس سے پیتے ہیں صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسروں کو بھی مستفید کرتے ہیں اور ان چشموں کو چلا کر دکھاتے ہیں۔

فطرۃ انسانی پر غور کرنے سے پتا لگتا ہے کہ تمام قوٰی پہلے کمزوری سے کام کرتے ہیں چلنے میں، بولنے میں، پکڑنے میں غرض ہر بات میں ابتداءً لڑکپن میں کمزوری ہوتی ہے۔لیکن جس قدر ان قویٰ سے کام لیتا ہے اسی قدر طاقت آ جاتی ہے۔ پہلے دوسرے کے سہارے سے چلتا ہے پھر خود اپنے سہارے چلتا ہے۔

اسی طرح پہلے تتلا کر بولتا پھر نہایت صفائی اور عمدگی سے بولتا ہے پکڑتا ہے وغیرہ وغیرہ گویا بتدریج

نشوونما ہوتا ہے۔ اگر چند طاقتوں سے کام لینے کو چھوڑ دے تو وہ طاقتیں مردہ یا پژمردہ ضرور ہو جاتی ہیں۔ یہی معنی ہیں جب انسان بدی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو طاقت کمزور ہو جاتی ہے اور نیکی کے قویٰ بالکل از کار رفتہ ہوتے ہیں یہ کوئی ظلم نہیں۔ اگر کسی حاکم کو حکومت دی جاوے اور وہ فرائض منصبی کو ادا نہ کرے تو نگران گورنمنٹ اس کے وہ اختیارات سلب کر دے گی اور اسے معزول کرے گی اور اگر اس حالت کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی پروانہ کرے تو یہ امر عاقبت اندیشی اور عقل کے خلاف ہے کہ سست انسان کے پاس رکھی جاوے ایسے ہی وہ انسان ہے جو ایمانی قویٰ کو خرچ نہیں کرتا وہ ابرار کے زمرہ میں رہ نہیں سکتا۔

جن کے عقائد حقہ ہیں یعنی وہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ جزا و سزا اور خدا کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں پھر ان وسائط کو مانتے ہیں جن کا مقصود اتم فرمانبرداری ہے۔ پھر عمل کے متعلق کیا چاہیے۔ سب سے زیادہ عزیز مال ہے۔ پانچ روپے کا سپاہی پانچ روپیہ کے بدلے میں عزیز جان دے دینے کو تیار رہے۔ ماں باپ اس روپیہ کے بدلے اس عزیز چہرہ کو جدا کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مال کی طرف انسان بالطبع جھکتا ہے۔ لیکن جب خدا سے تعلق ہو تو پھر مال سے بے تعلقی دکھاوے اور واقعی ضرورتوں والے کی مدد کرے۔ مسکینوں کو دے جو بے دست و پا ہیں، رشتے داروں کی خبر لے۔ کوئی کسی ابتلا میں پھنس گیا ہو تو اس کے نکالنے کی کوشش کرے مگر سب سے مقدم ذوی القربیٰ کو فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کے ساتھ سلوک کرنا زیادتی عمر کا موجب ہے۔ یتیموں کی خبر لے۔ پھر جو بے دست و پا ہیں ان کی خبر لے۔ پھر جو علم پڑھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتے ہیں اور مصیبت میں مبتلا شدہ لوگوں کی خبر لے۔ پس جناب الٰہی کے ساتھ تعلق ہو اور دنیا اور اس کی چیزوں سے بے تعلقی دکھلاوے پھر جناب الٰہی کی راہ میں جان کو خرچ کرے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کی پہلی راہ کیا ہے؟ نمازوں کا ادا کرنا، نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز میں ہر قسم کی نیازمندیاں دکھائی گئی ہیں۔ غرض کافوری شراب پیتے پیتے انسان اس چشمہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے شفقت علیٰ خلق اللہ کی توفیق دی جاتی ہے۔

پھر بتلایا کہ جو معاہدہ کسی سے کریں اس کی رعایت کرتے ہیں۔ مسلمان سب سے بڑا معاہدہ خدا سے کرتا ہے کہ میں نیک نمونہ ہوں گا۔ میں فرمانبردار رہوں گا۔ میں اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کسی کو دُکھ نہ دوں گا۔

اور ایسا ہی ہماری جماعت امام کے ہاتھ پر معاہدہ کرتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ رنج میں راحت میں عسر یسر میں قدم آگے بڑھاؤں گا۔ بغاوت اور شرارت کی راہوں سے بچنے کا اقرار کرتا ہے۔ غرض ایک عظیم الشان معاہدہ ہوتا ہے۔ پھر دیکھا جاوے کہ نفسانی اغراض اور دنیوی مقاصد کی طرف قدم بڑھاتا ہے یا دین کو مقدم کرتا ہے۔ عامہ مخلوقات کے ساتھ نیکی اور مسلمانوں کے ساتھ خصوصًا نیکی کرتا ہے یا نہیں۔ ہر امر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے۔ مقدمہ ہو تو جھوٹے گواہوں، جعلی دستاویزوں سے محترز رہے۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے وعظ کہنا بھی مفید امر ہے۔ اس سے انسان اپنے آپ کو بھی درست بنا سکتا ہے جب دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو اپنے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

امر بالمعروف بھی ابرار کی ایک صفت ہے اور پھر قسم قسم کی بدیوں سے رکتا ہے۔ المختصر یُفَجِّرُوْنَہَا تَفْجِیْرًا جب خود بھلائی حاصل کرتے ہیں۔ ظالم لنفسہٖ ہوتے ہیں تو دوسروں تک بھی پہنچاتے ہیں یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو معاہدہ جنابِ الٰہی سے کیا ہو اس کو وفاداری سے پورا کرے اور نیکی یوں حاصل کرے کہ میرے ہی افعال نتائج پیدا کریں گے۔

ایک فلسفی مسلمان کا قول ہے۔

گندم از گندم بروید جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل غافل مشو[1]

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا اور کھانا دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں لباس اور مکان دینے کی تاکید نہیں آئی جس قدر کھانا کھلانے کی آئی ہے۔ ان لوگوں کو خدا نے کافر کہا ہے جو بھوکے کو کہہ دیتے ہیں کہ میاں تم

---

[1] گندم سے گندم ہی اگتی ہے اور جو سے جو تو اپنے عمل کی پاداش سے غافل نہ ہو۔

کو خدا ہی دے دیتا اگر دینا منظور ہوتا۔ قرآن کریم کے دل سورہ یٰسین میں ایسا لکھا ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ...... [1] آجکل چونکہ قحط ہو رہا ہے انسان اس نصیحت کو یاد رکھے اور دوسرے بھوکوں کی خبر لینے کو بقدر وسعت تیار رہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے یتیموں، مسکینوں اور پابند بلا کو کھانا دیتا رہے۔ مگر صرف اللہ کے لئے دے۔ یہ تو جسمانی کھانا ہے۔ روحانی کھانا، ایمان کی باتیں، رضاء الٰہی اور قرب کی باتیں یہاں تک کہ مکالمہ الٰہیہ تک پہنچا دینا اسی رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔ یہ بھی طعام ہے۔

وہ جسم کی غذا ہے یہ روح کی غذا

منشاء یہ ہو کہ اس لئے کھانا پہنچاتے ہیں کہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا کہ ہم اپنے رب سے ایک دن سے جو عبوس اور قمطریر ہے ڈرتے ہیں عبوس تنگی کو کہتے ہیں قمطریر دراز یعنی قیامت کا دن تنگی کا ہوگا اور لمبا ہوگا۔ بھوکوں کی مدد کرنے سے خدا تعالیٰ قحط کی تنگی اور درازی سے بھی نجات دیدیتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا خدا تعالیٰ اس دن کے شر سے بچالیتا ہے اور یہ بچانا بھی سرور اور تازگی سے ہوتا ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یاد رکھو آج کل کے ایام میں مسکینوں اور بھوکوں کی مدد کرنے سے قحط سالی کے ایام تنگیوں سے بچ جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو توفیق دے کہ جس طرح ظاہری عزتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ابدالآباد کی عزت اور راحت کی بھی کوشش کریں۔ آمین

(الحکم جلد ۳ نمبر ۱۴ مورخہ ۱۷؍ نومبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ تا ۴)

مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قیدی کو اصحاب میں سے کسی کے سپرد کرتے تو آقا کو حکماً فرماتے ”اَحْسِنْ اِلَيْهِ“ اس کے ساتھ نیک سلوک کریو۔ یہ بھی ایک روایت میں آیا ہے کہ غَرِيْمُكَ اَسِيْرُكَ فَاَحْسِنْ اِلٰى اَسِيْرِكَ تیرا مقروض تیرا قیدی ہے اس کے ساتھ نیک

---

[1] حق چھپانے والے منکر ایمانداروں سے کہتے ہیں کیا ہم ایسے کو کھلائیں جس کو اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا کچھ شک نہیں کہ تم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

سلوک کر۔

ایک اور روایت میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّھُنَّ عِنْدَ کُمْ عَوَانٌ یعنی عورتوں کے حق میں خدا سے ڈرتے رہو کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدیوں کی طرح ہیں۔ یتیم کے حق میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ نیک سلوک کیا جاتا ہے اور سب گھروں میں بدتر وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔

یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔ عبوس الوجہ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ہمیشہ بل پڑے ہوئے ہوں۔ قمطریر۔ سخت سلوٹیں اور بل۔ چہرے کے عذاب الٰہی کی شدت کو دیکھ کر چہروں کی ایسی حالت ہوگی کہ جیسے سخت گریہ وزاری کے وقت رونے والے چہرے کی کیفیت عین حالتِ گریہ کے وقت ہوتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۴و۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۸، ۲۹۹)

۱۴۔ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا۔

ترجمہ۔ وہاں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے تختوں پر نہ وہاں سخت گرمی دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔

تفسیر۔ زَمْهَرِيْرًا۔ زمہریر ایسی سخت سردی کو کہتے ہیں۔ جس سے ہاتھ پیر گلنے لگیں۔ بخلاف بَرْدٌ کے کہ اس میں معمولی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۱۶۔ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۔

ترجمہ۔ اور ان پر دور چل رہا ہوگا چاندی کے برتنوں اور آب خوروں کا جو شیشوں کی طرح شفاف ہوں گے۔

تفسیر۔ کسی صوفی نے ایک مقام پر لکھا ہے اور جس نے یہ بات لکھی ہے وہ ایک بڑا آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں نے انبیاء کے مقام کو چاندی کا مقام دیکھا اور اولیاء کے مقام کو سونے کا مقام دیکھا ہمارے مولویوں نے اس وجہ سے اس کو بھی کافر کہا ہے۔ سائنس والے جانتے ہیں کہ کل رنگوں کا جامع

سفید رنگ ہے۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ جو سفید رنگ نظر آیا وہ سارے کمالات کا جامع ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/۱۱پریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۱۸۔ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا۔

ترجمہ۔ اوران کو وہاں ایسے جام پلائے جائیں گے جس میں ملونی سونٹھ کی ہوگی۔

تفسیر۔ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ زَنَا اور جَبَل سے۔ زَنَا لغت میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل بمعنی پہاڑ۔ سونٹھ کی گرمی انسان میں بڑی قوت پیدا کرتی ہے۔ جب تک کہ عاشقانہ گرمی سالکِ راہِ محبت کے دل میں نہ ہو وہ مشکلات کی بلند گھاٹیوں کو طے نہیں کرسکتا۔ جب یہ زنجبیل عشق اور محبت کی شراب پی لیتا ہے تو خدا کی راہ میں عملی قوت کا ایسا حیرت ناک اثر دکھاتا ہے کہ دوسرا ہرگز دل سے ایسی جانفشانیاں نہیں دکھلاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے سالک کی جزا کا سۂ وصال رکھا ہے۔ جس کے مزاج کی طرف زنجبیل کے لفظ سے اشارہ کرتے ہوئے جَزَآءً وِّفَاقًا کی موافقت کو بتلایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/۱۱پریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۱۹۔ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا۔

ترجمہ۔ ایک چشمہ ہے بہشت میں جس کا نام سلسبیل ہے۔

تفسیر۔ تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۔ سَلْسَبِيْل میں سل۔ سبیل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی پوچھ راستہ۔ دنیا میں عشق اور محبت کا زنجبیلی کاسہ اپنے مرشد کے ہاتھ سے جب سالک پی لیتا ہے تو اس میں خصوصیت کے ساتھ اپنے محبوبِ حقیقی تک پہنچنے کی ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ راہ طریقہ کے پوچھنے اور اس پر قدم مارنے میں عار نہیں کرتا۔ خواہ کیسی ہی دشوار گھاٹیاں راستے میں حائل ہوں۔ ہمارے موجودہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمودہ جو سلسبیل کے لفظ سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے یہ ہے ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی مرے دُکھ کی دوا کرے کوئی [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/۱۱پریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

---

[1] یہ شعر ''غالب'' کا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے۔

۲۰۔وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا۔

ترجمہ۔ اوران کے پاس آتے جاتے ہوں گے پرانے خانہ زاد۔ جب تُو ان کو دیکھے تو ایسا خیال کرے کہ وہ موتی ہیں بکھرے ہوئے۔

تفسیر۔ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ: مُّخَلَّدُوْنَ کے معنوں میں کئی قول ہیں۔ مُخَلَّد بوڑھے کو بھی کہا ہے۔ مُخَلَّد اس کو بھی کہا ہے جس کے زلف سفید ہوں۔مخلّد کے ایک معنے یہ بھی کئے ہیں کہ کانوں میں بندے بالے پہنے ہوئے۔مگران تمام معنوں سے انسب وہ معنے معلوم ہوتے ہیں۔جن کی مناسبت ولد کے لفظ کے ساتھ ہو۔یعنی دنیا کے وِلدان کی طرح جنّتیوں کے خادمین وِلدان پر مرورزمانہ کی وجہ سے کبھی معمّر ہونے کا زمانہ نہیں آئے گا۔ بلکہ باوجود مرورِزمانہ کے وہ ہمیشہ ولدان ہی ولدان رہیں گے جو کام خدمت گزاری کا پھرتیلی حرکتوں سے چھوٹے بچے کیا کرتے ہیں وہ معمّر نہیں کیا کرتے اور کاربرآری میں ان کی خدمات بھی معلوم ہوتی ہیں۔اسی لئے ان کو لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (یعنی) بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدرقادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

تارکِ دھرم آریہ کے اعتراض ’’عورتوں کو بہت نوجوان یکدم بطور خاوند و پتی کے ملیں ۔ کیونکہ جب ایک ایک آدمی کو بہت سی حوریں ملیں گی تو ایک ایک عورت کو بہت نوجوان لڑکے ملنے چاہئیں‘‘ کے جواب میں فرمایا:۔

’’آپ کا انصاف ایک شریف الطبع انسان پسند نہیں کرسکتا۔ نادان غور کر! ایک عورت ایک خاوند کے ایک بچہ کو یا اس کے دوتین بچوں کو ایک وقت میں بمشکل پیٹ میں رکھ سکتی ہے۔

ایک مرد آج کسی عورت کے بچہ دان کو اپنے نطفے سے مشغول کردے اور دوسرے دن دوسرے کے تیسرے دن تیسرے کے۔علیٰ ہذا سال بھر تین سو ساٹھ بچہ مختلف رحموں میں پرورش کے لئے دے سکتا ہے۔ ہاں مردقوی بہت عورتوں کے رحم میں بیج ڈال سکتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو بہت نوجوانوں کا ملنا بے انصافی ہے اوراس پر دُکھ ہے۔

نیز مرد ایک گونہ عورتوں پر حکمران ہے۔پس ایک مرد کے لئے بہت عورتیں ہوں تو عورت کو آرام

ہے کہ مرد کی حکومت اس کے سر سے کچھ ہٹ گئی یا ایک عورت کے لئے بہت خاوند ہوں تو کیا عورت کو آرام مِل سکتا ہے۔کیا جس کے اوپر بہت سارے حکمران ہوں۔ وہ آسودہ حال ہوسکتا ہے۔علاوہ اس کے خاوند کیا آپس میں جنگ نہ کریں گے کیونکہ اگر بہت سارے مرد ایک عورت کے خاوند ہوئے تو ایک وقت ایک چاہتا ہے کہ یہ عورت میرے پاس اور دوسرا چاہے کہ میرے پاس آوے۔اس لئے اوّل تو وہ آپس میں جوت پیزار کریں گے۔ پھر وہ عورت بہر حال مصیبتوں میں مبتلا ہوگی۔نافہم انسان! سوچ اور غور کر! مگر تم کو غور کا مادہ کیونکر ملے گا۔تمہارا مذہب تو ایسے امور کی پروانہیں کرتا کیونکہ نیوگ میں ایسے امور بہت پیش آتے ہیں۔

سن ! بہشتی نعمتوں میں اسلام بیان کرتا ہے کہ بڑی نعمت خدا کی رضامندی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ:۷۲) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۱) اور اللہ کی خوشنودی تمام نعمتوں سے بڑی ہے۔وہ اللہ کی پاکیزگی بیان کریں گے۔اور آپس میں سلامتی اور صلح سے رہیں گے اور آخری پکار ان کی یہ ہوگی کہ حمد ہے اللہ پروردگار کے لئے۔

پس سچے مسلمان الٰہی رضامندی کے گرویدہ ہوکر اس کی عبادت کرتے ہیں نہ اس بات کے لئے جس کی نسبت تم نے فضول گوئی کی ہے۔ہاں دنیا کی نعمتیں اور دنیوی عیش وآرام اور دولت مندی آریوں کے اعتقاد میں نیکیوں کا پھل ہے اور ظاہر ہے کہ غلمان بعض دولتمند ہندوؤں کے لوازمات میں داخل ہیں۔پس کیا یقیناً یہ الزام آپ لوگوں پر نہیں ہوسکتا؟ بلکہ جب دیانند کے نزدیک بھی دنیا ہی سورگ اور نیکی کے ثمرات لینے کی جگہ ہے۔گو چند اعمال کے بدلے ارواح چندے شواغل دنیا سے بھی آزادی اور انند میں رہیں گے تو اس صورت میں دیانندی پنتھ کے مطابق غلمان نیکی کے ثمرات نہیں تو اور کیا ہیں! بات یہ ہے کہ سخت عداوت کے سبب تمہیں غلمان کا قصہ سمجھ میں نہیں آیا۔ یا قرآن کو نہ دیکھا ہے اور نہ سمجھا ہے۔افسوس کہ اس ادعائی تہذیب کے زمانہ میں یہ درشت زبانی! تمام قرآن کریم کا اردو ترجمہ بھی تم دیکھ لیتے اور تھوڑا سا ماقبل سے پڑھ لیتے تو بشرطِ انصاف تم ایسے خلاف تہذیب امر

کے مرتکب نہ ہوتے۔ سنئے! قرآن کریم میں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ١ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۔ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ۔ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ۔ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ۔ (الطور:۲۲تا۲۵)

ہم مومنوں کے ساتھ ان کی مومن اولاد کو ملا دیں گے اور ان کے عملوں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے ہر شخص کو اپنی اپنی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ اور ہم انہیں میوے اور ان کے پسند کے گوشت دیں گے۔ اور اس میں ایسے پیالے پئیں گے کہ ان کا نتیجہ بیہودہ خیالات اور بدکاری نہیں اور ان کے اردگرد موتیوں کے دانہ جیسے بچے پھریں گے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ بہشتیوں کی اولاد ان کے پاس پھرے گی۔ وہاں مومن اولاد کی جدائی کا غم نہ دیکھیں گے اور ان کے لئے نہ ترسیں گے۔ جب لفظ تَاْثِيْم صریح اس کی صفت میں موجود ہے جس کے معنی ہیں نہ گناہ میں ڈالنا۔ پھر آپ کو ایسا ناشان خیال کیوں گذرا؟ اس معنی کی تفسیر خود قرآن کریم نے سورہ دھر میں اور لفظوں کے ساتھ کی ہے اور وہاں غلمان کے بدلہ ولدان کا لفظ جو ولد یا ولید کی جمع ہے۔ فرمایا ہے۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ١ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (الدھر:۲۰)

اور ان کے اردگرد عمر دراز بچے پھریں گے تم انہیں دیکھ کر یہی سمجھو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ۔ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ۔ (الواقعۃ:۱۸، ۱۹) اور ان کے اردگرد عمر دراز بچے کوزوں اور لوٹوں اور خالص ستھرے صاف پانی کو لئے پھریں گے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک بشارت ہے جو فتوحاتِ ایران و روم میں اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ جوان اور ادھیڑ شاہی خاندان کے شاہزادے اور شہزادیاں مسلمانوں کے خادم ہوئے۔

مخلّد ادھیڑ کو بھی کہتے ہیں جس کے بال سفید ہو گئے ہوں۔

اور سن! حضرت زکریاؑ فرماتے ہیں۔ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ (مریم:۹) اے اللہ مجھے کب بچہ عطا ہووے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (الصافات:۱۰۲) ہم نے ابراہیمؑ کو خوشخبری دی ایک عقلمند بچہ کی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے۔ لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ (الکہف:۷۵) موسیٰؑ اور خضرؑ کے سامنے ایک جوان آیا اور خضر نے اس کو قتل کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ میں دیکھو۔ اولاد اور جوانوں کو غلام کہا گیا ہے بلکہ قاموس میں لکھا ہے کہ غلام وہ ہوتا ہے جس کی موچھیں نکل چکیں۔

نیز تجھے خبر نہیں کہ عورت اور مرد میں جناب الٰہی نے قدرت میں مساوات رکھی ہی نہیں۔ بچہ جننے میں جو تکالیف عورتوں کو ہوتی ہیں۔ اُن میں مَردوں کا کتنا حصہ ہے۔ کیا مساوات ہے؟ کیا قوٰی میں مساوات ہے؟ ہرگز نہیں۔ میں ہمیشہ حیران کہ مرد و عورت میں مساوات کا خیال کس احمق نے نکالا؟ (نورالدین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۴)

۲۱۔ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا۔

ترجمہ۔ اور جب تو دیکھے اس جگہ بے شمار نعمت اور ایک بڑی سلطنت۔

تفسیر۔ اور جب دیکھے تو وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ اوّل صفحہ ۱۷۶ حاشیہ)

مُلْكًا كَبِيْرًا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو دوزخی دوزخ سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اس قدر جنت عطا فرماوے گا کہ دنیا و مافیہا اور اس سے دو چند کے مقابلہ کی ہوگی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۲۲۔ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔

ترجمہ۔ جنتی کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے باریک ریشمی سبز اور دبیز ریشمی اور ان کو پہنائے اور دیئے جائیں گے چاندی کے کنگن اور ان کو پلائے گا ان کا پروردگار نہایت پاک کرنے والا شربت

(جو بدیوں سے بچائے)۔

تفسیر۔ اوپر ان کے کپڑا باریک ریشمی سبز اور گاڑھے اور پہنائے گئے کنگنیں چاندی کے اور پلاوے ان کو خدا ان کا شراب پاک۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ اول صفحہ ۱۷۶ حاشیہ)

ایک آریہ کے اس سوال کے جواب میں کہ ''ریشمی کپڑے۔ اتنا سامان کہاں سے آئے گا۔ کون بُنے گا۔ ریشم کیڑوں کا فضلہ اور لعاب ہے'' فرمایا۔

سرب شکتی مان کے خزانہ سے جہان سے تمام جگ کو ملتا ہے۔ سورج کی تیزی قائم رکھنے کے لئے زمین کے لئے نباتات کو اُگانے کے لئے اور حیوانات کے لئے کس قدر چیزوں کی ضرورت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہی کارخانہ میں سب کے لئے پورا سامان موجود ہے۔ زمین، پانی، ہوا اور خلا میں جس قدر ذی حیات ہیں۔ سب کے لئے کس قدر کثرت سے سامان مطلوب ہے۔ مگر سرب شکتی مان ہمہ قدرت کے کارخانہ میں سب کچھ موجود ہے۔ ذرہ کمی نہیں۔ سرب شکتی مان اور قادر کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اور سنو! یہ ریشمی کپڑے وغیرہ نعمتیں تو عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ عرب خشن یعنی کھردرے اور سادہ لباس کے عادی تھے۔ خدا تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کی جزا میں ان کو بشارت دی گئی کہ عنقریب شام و ایران کے شاہی ریشمی لباس تم کو دیئے جائیں گے۔ یہ فتح مندی کا وعدہ ہے۔ آخر ریشمی لباس اُسی کو پہنایا جاتا ہے جس کے مناسب حال ہوتا ہے۔

ہم کو بعض وقت ریشمی لباس، ریشمی تھان اور زیور امراء نے دیئے ہیں۔ مگر کبھی ہمارے یا ان کے خیال میں نہیں آیا کہ وہ لباس یا زیور ہم پہنیں گے۔ وہ جن کے مناسب حال تھا ان کو پہنا دیا گیا۔

اور سنو! یہ قبل از وقت ہمارے سرور کا مشاہدہ ہے اور قبل از وقت نظارہ کو عربی میں رؤیا کہتے ہیں اور ریشمی لباس کے متعلق علم رؤیا کا پرمان یہ ہے۔ اس کو غور کرو اور دیکھو کہ ہمارے نبی کریمؐ کے مکاشفات آخر کار کس قدر صحیح اور صادق ثابت ہوئے۔ اور جو باتیں اس جہان میں قبل از وقت بطور دعوے کے بتائی جا کر روزِ روشن کی طرح اپنا ثبوت آشکار کر دیں ان سے بڑھ کر اور کون شئے صدق

کی مہر اپنے اوپر رکھ سکتی ہے۔اب ان معانی کو رؤیا کی کتابوں میں دکھاتے ہیں۔

اَلثِّیَابُ الْخُضْرُ قُوَّۃٌ وَّ دِیْنٌ وَ زِیَادَۃُ عِبَادَۃٍ لِلْاَحْیَاءِ وَلِلْاَمْوَاتِ حُسْنُ حَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی

(منتخب الکلام: صفحہ ۱۱۰)

لباس سبز سے مراد ہے زندوں کے لئے قوت اور دین اور عبادت میں ترقی اور مردوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشحالی ہے۔

اَلدِّیْبَاجُ وَ الْحَرِیْرُ وَ جَمِیْعُ ثِیَابِ الْاَبْرَسِیْمِ ھِیَ صَالِحَۃٌ لِغَیْرِ الْفُقَھَاءِ فَاِنَّھَا تَدُلُّ عَلٰی اَنَّھُمْ یَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا یَسْتَوْجِبُوْنَ بِھَا الْجَنَّۃَ وَیُصِیْبُوْنَ مَعَ ذٰلِكَ رِیَاسَۃً۔

وَالثِّیَابُ الْمَنْسُوْجَۃُ بِالذَّھَبِ وَ الْفِضَّۃِ صَلَاحٌ فِی الدِّیْنِ وَ الدُّنْیَا وَبُلُوْغُ الْمُنٰی۔

وَ مَنْ رَاٰی اِنَّہٗ یَمْلِكُ حُلَلًا مِنْ حَرِیْرٍ اَوِ اسْتَبْرَقٍ اَوْیَلْبِسُھَا عَلٰی اَنَّہٗ تَاجٌ اَوْ اِکْلِیْلٌ مِنْ یَاقُوْتٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ وَرِعٌ مُتَدَیِّنٌ غَازٍ وَیَنَالُ مَعَ ذٰلِكَ رِیَاسَۃً. (منتخب صفحہ ۱۱۱)

دیباج اور ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑے فقہاء کے سوا اوروں کے لئے بہت اچھے ہیں۔ان کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ ایسے عمل کریں گے کہ جن سے جنّت کے حقدار بن جائیں گے اور اس کے علاوہ انہیں ریاست بھی ملے گی۔

اور سونے اور چاندی کے ساتھ بُنے ہوئے کپڑوں سے مراد ہے بہتری دین میں اور دنیا میں اور مقصد پر پہنچ جانا۔

جو شخص دیکھے کہ اس کی مِلک میں ریشم اور استبرق کے لباس ہیں یا انہیں پہن رکھا ہے یا یاقوت کا تاج سر پر دیکھے۔ایسا شخص پرہیزگار، دیانت دار، غازی ہوتا ہے اور علاوہ برآں اسے سلطنت بھی نصیب ہوتی ہے۔ (نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۶۳ تا ۱۶۵)

سوال۔ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ (الدھر:۲۲) یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ (الکھف:۳۲) بھلا کوئی شائستگی ہے کہ عورتوں کا گہنا آدمی پہننے لگ جاویں۔کیا بی اے مولوی ہیجڑوں کی طرح کنگن پہن کر پھریں گے۔پھر ہنسی کی ہے۔

الجواب۔ حُلُّوۡا کا ترجمہ زیور دیئے گئے۔ یُحَلَّوۡنَ کا ترجمہ ہے زیور دیئے جائیں گے۔ یہ بھی غریب عرب کو ایک وعدہ تھا اور زبردست پیشگوئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم المدلجی نامی کو حضرت نبی کریم نے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر (ان پر بال بہت تھے اور ہاتھ نہایت پتلے تھے) فرمایا۔

کَاَنِّیۡ بِكَ قَدۡ لَبِسۡتَ سَوَارِیۡ کِسۡرٰی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے کسرٰی کے کنگن پہنائے گئے۔

مدتوں کے بعد جب خدا تعالیٰ کے وعدہ کے دن آئے اور خدا کے برگزیدہ بندوں نے آریوں کے بھائی ایرانیوں کے ملک کو فتح کیا اور فتوحات ایران کا مال سونا، یاقوت، زبرجد اور لؤلؤ بکثرت آیا اور اس میں خاندان شاہی کے زیورات آئے تو حضرت عمرؓ نے خاص کسریٰ شہنشاہ کے کنگن اس عربی مدلجی کو پہنا دیئے اس لئے کہ وہ پیشگوئی پوری ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی اور جو قرآن کریم میں مفصل مذکور ہے۔ دیکھو امام شافعی کی روایت ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۰ جلد ۲

اب ہم اسے رؤیا کی کتابوں سے حل کرتے ہیں۔

سَوَارٌ۔ اِنۡ کَانَ اَسۡوِرَۃٌ مِنۡ فِضَّۃٍ فَھُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ لِلسَّعۡیِ فِی الۡخَیۡرَاتِ لِقَوۡلِهٖ تَعَالٰی وَحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّۃٍ فَاِنۡ سُوِّرَتۡ یَدُ السُّلۡطَانِ فَھُوَ فَتۡحٌ یُفۡتَحُ عَلٰی یَدَیۡهِ مَعَ ذِکۡرٍ وَصَوۡتٍ وَاِنۡ کَانَ لَهٗ اَعۡدَاءٌ فَاِنَّ اللّٰهَ یُعِیۡنُهٗ۔ (منتخب الکلام جلد ا)

اگر کسی کو رؤیا میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں تو وہ شخص صالح آدمی اور اس قابل ہوتا ہے کہ بڑے بڑے نیک کام اس کے ہاتھ سے نکلیں اور یہ معنی مستنبط کئے گئے ہیں خدا تعالیٰ کے قول **حلوا اساور من فضه** سے۔ اگر سلطان کے ہاتھ پر کنگن پہنائے جائیں تو اس کے معنی ہوں گے کہ اسے فتوحات نصیب ہوں گی اور اس کا آوازہ وشہرت دنیا میں مشتہر اور شائع ہوگی اور اگر اس کے دشمن ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر اسے فتح مند کرے گا۔

واقعات عالم اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائف پر نگاہ کر کے دیکھ لو کہ یہ ساری باتیں کس طرح احسن طریق سے پوری ہوئیں اور بعد الموت اس سے اتم اکمل طور پر پوری ہوں گی۔

(نورالدین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹)

۲۴۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۔

ترجمہ۔ ہم نے نازل فرمایا تجھ پر قرآن آہستہ آہستہ (یعنی مندرجہ بالا امور کے حصول کے لئے)۔

تفسیر۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۔ ہم نے اتارا ہے تم پر قرآن مجید کو وقتاً فوقتاً۔اس کی وجہ سورہ الفرقان میں کفار کے سوال لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً آیت ۳۳ میں یوں فرمایا ہے كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۔یعنی ضرورت پیش آمدہ کے وقت خداوند تعالیٰ کی ہم کلامی سے آپ کے دل کو تسکین ملتی رہی۔اس کے علاوہ اور بھی کوئی وجوہ وقتاً فوقتاً ٹھہر ٹھہر کر نازل فرمانے کے قرآن شریف میں مختلف مقام میں بیان فرمائے ہیں۔

توریت میں پہلے سے یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ کتاب آہستہ آہستہ نازل ہوگی۔

(دیکھو یسعیاہ باب ۲۸)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۲۸۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۔

ترجمہ۔ یہ کافر تو دنیا ہی چاہتے ہیں اور چھوڑ رکھا ہے اپنی پیٹھ پیچھے ایک بھاری دن کو۔

تفسیر۔ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۔ عاجلہ اس ورلی زندگی دنیا کو فرمایا جس کا آرام دمِ نقد موجود نظر آتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۲۹۔ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۔

ترجمہ۔ ہم نے ان کو پیدا کیا اور ہمیں نے ان کے بندھن مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں بدل لائیں انہیں جیسے اور لوگ۔

تفسیر۔ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۔ ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹)

۳۱۔ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

ترجمہ۔ کچھ نہیں مگر وہی چاہو جو اللہ نے چاہا۔ بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔

تفسیر۔ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ حال تمہارا ایسا ہونا چاہیے کہ نہ چاہو تم وہ بات جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے مگر حال تمہارا یہ ہے کہ وہ چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۹،۳۰۰)



سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

سورۂ مرسلات کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو تمام اسبابوں کو مہیا کرنے والا اور نیکوکاری اور بدکاری کا بدلہ دینے والا ہے۔

۲ تا ۱۶۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ۔ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ۔ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ۔ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ۔ لِیَوْمِ الْفَصْلِ۔ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ۔ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ۔

ترجمہ۔ ان ہواؤں کی قسم جو نرم چلائی جاتی ہیں۔ پھر جھونکے دینے والیوں کی زور سے۔ اور منتشر کرنے والیوں کی اٹھا کر۔ پھر جدا ٹکڑے ٹکڑے کر کر۔ پھر نصیحت ڈالنے والیوں کی۔ الزام دور کرنے یا ڈرانے کو۔ کچھ شک نہیں جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کے رہے گا۔ جب ستارے ماند کر دیئے جائیں گے۔ اور آسمان پھٹ جائیں گے۔ اور پہاڑ اڑائے جائیں گے۔ اور رسول وقت مقرر پر حاضر کئے جائیں گے (تو تم آپ ہی سمجھ لو گے)۔ کہ کون سے روز کے واسطے دیر کی گئی ہے۔ فیصلہ کے دن کے لئے۔ اور تجھے کیا معلوم ہے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

تفسیر۔ مُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ وہ معمولی رفتار سے چلنے والی ہوائیں جو ہلکی ہوتی ہیں اور نرمی سے چلتی ہیں اور حیوانات و نباتات کے لئے ممدِ حیات ہیں۔

فَالْعٰصِفٰتِ وَّ النّٰشِرٰتِ ۔ وہ تیز ہوائیں جو بادلوں کو چاروں طرف پھیلاتی ہیں اور جن سے دنیا میں بڑے بڑے انقلاب پیدا ہوتے ہیں۔

فٰرِقٰتِ۔ وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں جو اس دنیا میں تفریق وانفصال کا کام کر رہی ہیں۔

مُلْقِیٰتِ۔ وہ ہوائیں جو ملہمین اور واعظین کے نصائح کانوں تک اور دلوں تک پہنچاتی ہیں قدرت کا یہ کرشمہ اور نظارہ بتاتا ہے کہ انسان کے خلق کی کوئی علتِ غائی ہے۔اس نظامِ ظاہری کو پیش کر کے بتایا ہے کہ جس طرح پر نظامِ ظاہری کے لئے مؤثراتِ خارجی ہیں۔ اِسی طرح نظامِ روحانی کے لئے بھی مؤثرات باطنی ہیں۔ ہوا کے مختلف ایتھروں کی قسم میں ہوا کے مختلف شعبوں کی طرف توجہ دلا کر اس نظارہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آئندہ آنیوالی کامیابیوں اور واقعات کے دکھلانے کے علاوہ حشرِ اجساد پر اس کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔جیسا کہ فرمایا:

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ جو وعدے تم کو دیئے گئے ہیں خواہ وہ اس دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے متعلق وہ پورے ہو کر رہیں گے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہوائیں اور ذراتِ عالم خود ہی مدبر ومختار، علیم وقادر نہیں ہیں جو کہ ضروریاتِ عالم کو سمجھ کر موقع اور محل شناسی کے بعد انتظام کریں۔ بلکہ ان تمام واقعاتِ ظاہری کے تحت میں مدبرات اور مقسمات ہیں جن کو بلفظ دیگر ملائکہ کہتے ہیں۔اور انہیں کو ظاہری افعال کے لحاظ سے مُرْسَلٰت، عٰصِفٰت، نٰشِرٰت، فٰرِقٰت اور مُلْقِیٰت کہا گیا ہے۔اور یہ الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جو ہزار ہا بیرونی واندرونی ، آفاقی وانفسی ، روحانی اور جسمانی امور پر دلالت کر سکتے ہیں اور اس طرح پر وجودِ قیامت پر ہزاروں دلیلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔مثال کے طور پر مُرْسَلٰتِ عُرْفًا میں بادلوں کا آنا ، برسنا ، دن رات کا آنا جانا ، سونا ، جاگنا ، گاڑیوں وغیرہ کا چلنا پھرنا سب داخل ہیں۔اسی طرح پر باقی چار کو بھی قیاس کر لو۔جس قدر واقعات ظاہری یا باطنی ظاہر ہو رہے ہیں۔وہ انہیں پنج اقسام میں محصور ہیں۔اور یہ سب کے سب بِالْاِجْمَاع دلالت کرتے ہیں کہ

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

ہواؤں کو دیکھو۔ عام حالت میں کہ کیسی صاف وصحت بخش اور جان فزا ہوتی ہیں۔ مگر دوسرے وقت میں بھی ہوائیں تند اور تیز ہو کر دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیتی ہیں اور ایک عجیب امتیاز کے ساتھ بعض کو حوادث سے بچاتی اور بعض کو تباہ کرتی ہیں اور ایسے حوادث اتمامِ حجت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

الغرض یہ نظام ظاہری کی تقسیمِ خمسہ ہزاروں دلائل کا لشکر ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو وعدے دیئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے۔ جس طرح ہوا صحت بخش اور جان افزاء ہے۔ اسی طرح امرِ رسالت بھی جان فزاء تو ہے مگر اس کی قدر نہ کی گئی تو بالآخر اس میں ہوا کی طرح اشتداد پیدا ہوگا۔ یہ رسالت دنیا میں منتشر ہو جاوے گی اور اس کے ذریعے کاذبوں اور صادقوں میں امتیاز ہوگا اور منکروں پر اتمامِ حجت اور باعثِ عذاب ہوگا۔ یہی ہوا جس نے قوم عاد کو ہلاک کیا تھا ؎

لطفِ حق باتو مواسا ہا کند چوں کہ از حد بگذرد رسوا کند[1]

اِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ۔ جب چھوٹے چھوٹے ستارے ماند پڑ جاویں گے یا ان کا نور مٹ جاوے گا۔ نجم عربی میں چھوٹے ستاروں اور چھوٹے چھوٹے بُوٹوں کو کہتے ہیں جیسے فرمایا۔ وَ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۔[2] (الرّحمٰن:۷) اور بڑے ستاروں کو کواکب کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن شریف کے لئے ظہر اور بطن ہے اس لئے علاماتِ قیامت سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ ایسے علماء جو نجوم کی طرح ہیں۔ ان کی نورِ فراست جاتی رہے گی۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۔[3] (التکویر:۳) علماء کا نورانی چشمہ مکدر ہو جائے گا۔ بیچارے کیا کریں۔ تفسیروں پر تفسیریں لکھی گئی ہیں اور حاشیوں پر حاشیے چڑھائے گئے۔ یہ تو حال علماء کا ہوا۔ جو راہ یابی کے لئے بطور نجم کے نشان دہ تھے۔ باقی رہے حقانی علماء ان کے لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ یعنی حقانی علماء کے مرنے سے علم دنیا سے جاتا رہے گا۔

---

[1] خدا تعالیٰ کا رحم تجھے آسائشیں عطا کرتا ہے لیکن جب انسان ان آسائشوں میں زیادہ مبتلا ہو جاتا ہے تو رسوا ہو جاتا ہے۔ [2] اور بیلیں اور درخت اور تارے سجدہ کر رہے ہیں۔ [3] اور ستارے مدھم پڑ جائیں۔

قرآن شریف میں بھی اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (الانفطار:۳) یعنی بڑے ستارے جھڑ پڑیں گے کہہ کر علماء ربانی کی وفات اور قبضِ علم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۔جب آسمان شگافتہ ہو جاوے گا۔اور دوسری جگہ قرآن شریف میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (الانشقاق:۲) فرمایا ہے۔آسمان کا شگافتہ ہونا یا پھٹ پڑنا سماوی بلیّات و کثرتِ حوادث سے مراد ہے۔جیسا کہ شدتِ مصائب کے وقت کہتے ہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑا۔تباہ کن بارشوں کے وقت بھی یوں ہی کہتے ہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑا یا پھٹ پڑا۔

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۔جس وقت پہاڑ اڑا دیئے جاویں۔یعنی بڑی بڑی قومیں نیست و نابود کر دی جاویں گی۔تاریخوں میں تو بہت کچھ لکھا ہے مگر آنکھوں کے سامنے ہی کا معاملہ ہے کہ وہ شوکت اور قوت سکھوں کی جو پنجاب میں تھی۔کہاں گئی؟ دوسری جگہ قرآن شریف میں یہی لفظ اس ترتیب سے آیا ہے۔یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۔[1] (طٰهٰ:۱۰۶)

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۔ جب رسول وقتِ مقررہ پر جمع کئے جائیں گے۔قیامت کے روز وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی امتوں کا حال بتانے کے لئے رسول تو اکٹھے کئے ہی جائیں گے مگر دنیا میں بھی تحقیق المذاہب کے بڑے بڑے جلسے، جن میں ہر مذہب کے لیڈروں کو اپنے اپنے بیان کے لئے وقت دیا جاتا ہے۔یہ بھی توقیتِ رُسل کا ایک نظارہ ہے۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۔لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۔یہ وعدے کب پورے ہوں گے؟ فیصلہ کے دن پورے ہوں گے۔آخرت میں یہ وعدے پورے ہوں گے۔ ہمارا ایمان ہے۔مگر علامات کبریٰ اشراط الساعۃ کے طور پر یہ وعدے دنیا میں اس وقت بھی پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ بہت سارے مباحث جن کا فیصلہ مولوی ملاؤں کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ان کا فیصلہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ہو گیا۔عیسائیوں کا فیصلہ ڈوئی اور آتھم کے ذریعہ سے ہو گیا۔آریوں کا فیصلہ لیکھرام کے ذریعہ سے

---

[1] اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کی طرح جو سلطنتیں ہیں اُن کا حال۔تو جواب دے اڑا دے گا میرا ربّ ان کو بالکل خاک دھول بنا کر۔

ہوگیا۔سکھوں کا فیصلہ باوانانک علیہ الرحمتہ کے ذریعہ سے ہوگیا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ جہاں قرآن شریف میں تکرارِلفظی کے ساتھ کئی بار اس جملہ کو دہرایا ہے۔ وہاں خصوصیت کے ساتھ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ الفاظ مطابقت کے لئے اشارہ کررہے ہیں جس میں مسیح موعود کے کافر کُش دَم کی نسبت فرمایا ہے کہ

لَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ اَنْ يَّجِدَ رِيْحَ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَ نَفَسُهٗ يَنْتَهِىْ حَيْثُ يَنْتَهِىْ طَرْفُهٗ[1]

یہ مکذبین کے لئے ویل کا دن اور یوم الفصل ثبوت ہے اس بات کا کہ اس کے بعد یوم القیامۃ جزاسزا کا بڑا دن بھی آنیوالا ہے۔

حدیث شریف میں جو مسیح موعود کے اَنفاس کا ذکر ہے اس سے مراد آپ کے دلائل قاطعہ اور پیشین گوئیاں ہیں۔ چنانچہ انفاس کو اس شعر میں ملفوظاتِ نبوی کہا ہے۔

اهلُ الْحَدِيْثِ هُمْ اَصْحٰبُ النَّبِيِّ وَاِنْ

لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهٗ اَنْفَاسَهٗ صَحِبُوْا۔[2]

اس آیت شریفہ کو اس سورۃ میں بار بار لاکر یہ یقین دلایا ہے کہ منکرین ومکذبین رسالت ہرگز ہرگز فوز وفلاح کے وارث نہ ہوں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱)

اللہ اس سورۃ شریف میں ایک عجیب نظارہ دکھلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ سوچو۔ بہار کی لطیف ہوا کیسی فرحت بخش ہوتی ہے۔ ایک نوجوان اس وقت سڑک پر چلتا ہو تو اس کی زبان سے بھی ایک فقرہ ضرور نکل جاتا ہے۔ وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا وہ ہوائیں جو دل کو خوش کرنیوالی ہوتی ہیں تم جانتے ہو کہ بعض وقت ہوا کا ایک لطیف جھونکا چلتا ہے کہ اس لطیف جھونکے سے دل خوش ہوجاتا ہے۔ پھر وہی ہوا آہستہ آہستہ چلتی اور روح دروں کو خوش کرنیوالی یکدم ایسی بڑھ جاتی ہے کہ ایک تیز آندھی بن جاتی

---

[1] ترجمہ از مرتب: مسیح موعود کے اَنفاس سے کوئی کافر زندہ نہیں بچ سکے گا اور اس کے اَنفاس وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک اس کی نظر جائے گی۔ [2] اہلِ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اگرچہ انہیں آپؐ کی ذات کی صحبت میسر نہیں آئی مگر وہ آپؐ کے انفاس یعنی ملفوظات کے اصحاب ہیں۔

ہے۔ میں نے ایسی آندھیاں دیکھی ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ بہت سے جانور دریاؤں میں گر جاتے ہیں بہت سے پرند درختوں سے گر جاتے ہیں اور دریا وغیرہ کے درخت جو سرو کی قسم سے ہیں اس طرح گرتے اور اُڑتے ہیں کہ نیچے بیٹھے ہوئے آدمی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔

”......وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ایسی بھی ہوائیں ہوتی ہیں کہ پانی کو اٹھاتی ہیں۔ بادل لاتی ہیں۔ پھر ایسی ہوائیں بھی ہوتی ہیں فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ وہ فرق کر دیتی ہیں۔ بادلوں کو اس طرح اڑا کر لے جاتی ہیں جیسے روئی کا گالا۔

خدائے تعالیٰ کا کلام بھی انسان کے کان میں ہوا ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ ہوا کی لہریں بھی دماغ کے پردوں کو متحرک کر دیتی ہیں۔ وہ ہوائیں الْمُرْسَلٰتِ ہوتی ہیں اور وہی آوازیں بھی کان میں پہنچاتی ہیں اور وہ آوازیں۔ کبھی خوشی کی ہوتی ہیں کبھی رنج کی ہوتی ہیں جو عاصفات کا رنگ پیدا کر دیتی ہیں۔ مومن کی شان میں ایک ایسا لطیف فقرہ ہے۔ دنیا میں کوئی دکھ کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن شریف میں ہے فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔[1] (البقرہ:۳۹) اگر تم مومن ہو اور سکھ چاہتے ہو تو اس کتاب کی اتباع کرو۔

اب دور دراز سے خبریں آتی ہیں کہ مسلمانوں کو یوں شکست ہوئی۔ یوں تباہ ہوئے۔ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھ کو دہریہ نام کا مسلمان مِلا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا تعالیٰ تو اب مسلمانوں کا دشمن ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہم اسلام سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خدا ہمارے پیچھے بھی نہ پڑ جائے۔ اس لئے ہم تو اسلام کو چھوڑتے ہیں۔ بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ اس نے مسلمانوں جیسے کیسے کام کئے۔ مسلمان اپنے اعمال کو ٹھیک کرتے اور پھر دیکھتے۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۔ ہواؤں میں وہ ہوائیں بھی ہیں کہ تم کو یاد دلانے کے لئے چلاتے ہیں یعنی لوگوں کے مونہہ سے تم کو سنواتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔ ایک بڑا حصہ مسلمانوں کا ایسا ہے

---

[1] پھر جب جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت نامے آتے رہیں گے اُس اُس وقت جو جو شخص اُن میرے ہدایت ناموں کی پیروی کرے گا اُسے کسی قسم کا نہ آئندہ خوف ہوگا اور نہ گزشتہ ہی عمل کے لئے وہ غمگین ہوگا۔

کہ اس کو اسلام کی خبر بھی نہیں۔اور اگر خبر ہے تو عامل نہیں۔ میں تم کو بہت مرتبہ قرآن سناتا ہوں۔بعض کہتے ہیں کہ ہزاروں مرتبہ تو سن چکے ہیں۔کہاں تک سنیں؟

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ہم تو اس واسطے تم کو قرآن سناتے ہیں کہ کوئی عُذر باقی نہ رہے اور تم میں سے کوئی تو ڈرے!

فَاِذَا النُّجُوْمُ ۔ پھر ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دنیا سے مِٹ جاتے ہیں۔ پھر تو کوئی قرآن سنانے والا بھی نہیں ملتا۔

زمینداروں، دکانداروں کو فرصت کہاں۔ میں نے صرف ایک شہر ایسا دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن بازاروں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سب جمعہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔کوئی مسلمان بازار میں نہیں پھر سکتا۔اور وہ شہر مدینہ ہے۔مکہ میں بھی ایسا نہیں۔ یہ بھی چالیس پچاس برس کی بات ہے۔اب کی کیا خبر ہے۔دکاندار، حرفہ والے، ملازم اپنے کاموں کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔عورتیں اور بچے جاتے ہی نہیں۔آجکل لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں کہ جمعہ کوئی ضروری چیز نہیں۔

عالمگیر نے ایک ایسی کتاب لکھوائی تھی۔اس میں عجیب عجیب ڈھکونسلے ادھر اُدھر کے بھر دیئے ہیں اس کے سبب لوگوں میں سستی ہوئی اور اب تو صاف صاف جمعہ کی مخالفت میں کتابیں چھپنے لگیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ قربانی کی ضرورت نہیں۔ایک اخبار نے لکھا تھا کہ حج میں روپے خرچ کرنے کی بجائے کسی انجمن میں چندہ دے دے۔ایک شخص نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے۔اور روزوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر امیر ہو تو کھانا دے دے۔غریب کو تو ویسے بھی معاف ہی ہے۔ایک شخص لکھتا ہے کہ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ (الجمعہ:۱۰) ہر قسم کا بیع چھوڑ دو۔پس ہر قسم کی بیع ہونی چاہیے۔جہاں ہر قسم کی بیع نہ ہو وہاں جمعہ ضروری نہیں۔میں نے کہا کہ ہر قسم کی بیع تو لندن میں بھی نہیں ہوئی۔

اِذَا النُّجُوْمُ ۔ علماء یوں تباہ ہو رہے ہیں۔قرآن کے حقائق یوں کھل جائیں گے۔اور بڑی بڑی سلطنتیں بھی قائم ہو جائیں گی۔

ہمارے بعض دوست کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن سمجھ لیا ہے۔دیکھو خوشی کی خبریں غم سے یوں

مبدل ہو جاتی ہیں جیسے مرسلات ، عصفات ۔نفس کو اس کا مطالعہ کراؤ۔

شیخ ابنِ عربی لکھتے ہیں کہ ایک صوفی تھے ۔ وہ حافظ تھے اور قرآن شریف کو دیکھ کر بڑے غور سے پڑھتے ۔ ہر حرف پر انگلی رکھتے جاتے ۔ اور اتنی اونچی آواز سے پڑھتے کہ دوسرا آدمی سن سکے۔

ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کو تو قرآن شریف خوب آتا ہے۔ پھر آپ کیوں اس اہتمام سے پڑھتے ہیں؟

فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری زبان ، کان ، آنکھ ، ہاتھ سب خدا کی کتاب کی خدمت کریں۔

ایک حضرت شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی گزرے ہیں ۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ بہشت میں جائیں گے تو کیا کام کریں گے ۔ فرمایا ۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے پاس حوریں آئیں ۔ ہم نے ان سے کہا ۔ جاؤ بیبیو ۔ قرآن پڑھو ۔ قرآن خدا کی کلام اور اس کی کتاب ہے۔

جس قدر کوئی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھے گا ۔ اسی قدر جنابِ الٰہی اس کو پکارے گا ۔ تو اس کی بات فوراً سنی جائے گی۔ (حیات نور صفحہ ۵۵۳)

۲۱۔ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔

ترجمہ۔ کیا ہم نے تم کو ذلیل پانی سے پیدا نہیں کیا۔

تفسیر۔ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔ حقیر پانی سے ۔ تھوڑے نا قدرے پانی سے ۔ نبی ، ولی ، رسول ، بادشاہ ، امیر ، فقیر ۔ سب ہی اس ماءِ مہین سے بنے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

۲۲۔ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔

ترجمہ۔ پھر ہم نے اس کو محفوظ جگہ میں ۔

تفسیر۔ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ محفوظ جگہ ۔ عورت کے رحم میں ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

۲۶، ۲۷۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا۔ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا۔

ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے واسطے ساتھ ملانے والی نہیں بنایا (کافی نہیں بنایا)۔

تفسیر۔ کیا نہ بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی زندوں کی اور مُردوں کی۔ کِفَاتًا کے معنے سمیٹنے والی اپنی طرف کھینچنے والی۔ ایک حدیث میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے۔ اَکْفِتُوْا صِبْیَانَکُمْ عِنْدَ اِنْتِشَارِ الظَّلَامِ فَاِنَّ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ لِلشَّیْطٰنِ خَطْفَۃً یعنی سمیٹ لو اپنے بچوں کو شام کے اندھیرے کے وقت۔ کیونکہ اس وقت شیطان جھپٹا مارلیا کرتا ہے۔ یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ شام کے اندھیرے کے قریب اکثر مویشی وغیرہ بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ چراگاہوں سے دوڑتے ہوئے مکانوں کی طرف آتے ہیں۔ ایسے وقت میں بچوں کا درمیان آپڑنا ضرر اٹھانے کا باعث ہوتا ہے۔ والدین یا سرپرستوں کو ہدایت فرمائی کہ ایسے وقت میں بچوں کو اپنی طرف کھینچ لو۔ باہر نہ نکلنے دو۔ اجرام موذیہ کا انتشار بھی اسی وقت ہوتا ہے۔

غرض کہ کِفَاتًا کے معنے کھینچنے اور سمیٹنے کے ہیں۔ خواہ مُردہ ہوں یا زندہ، تر ہو یا خشک۔ نباتات، جمادات، حیوانات، سب کو زمین اپنی قوتِ جاذبہ اور قوتِ کشش سے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ مسیحؑ کی موت حیات کا مسئلہ اس آیت سے بخوبی حل ہوتا ہے۔ آیت شریفہ بتلارہی ہے کہ مسیح ہوں یا اور کوئی دوسرا جاندار، مُردہ ہو یا زندہ، کسی کو بھی زمین نہیں چھوڑتی کہ اس سے جدا ہو کر نکل جاویں اگر پرندے اڑتے ہیں۔ تو تھوڑے عرصہ بعد پھر زمین ہی کی کشش سے اس کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔

اگر پتھر اوپر کو پھینکا جاوے۔ تو زمین ہی کی کشش ہے کہ اس کو نیچے لا گراتی ہے۔ زمین کی اس قوت کشش کو سائنس کی تحقیقات میں گراوٹیشن پاور کہتے ہیں۔ جس کو اس آیت میں کِفَاتًا کہا ہے۔ کِفَاتًا کَفَتَ لغت سے نکلا ہے نہ کہ کَفٰے یکفی سے۔ کَفٰی یکفی کے معنے کافی ہونا۔ اور اکفات کے معنی اپنی قوت کشش سے چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا اور سمیٹنا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

عیسٰی علیہ السلام آسمان پر نہیں اُڑے۔ قرآن کریم اس کی تکذیب کرتا ہے۔ قرآن ایک کلی قاعدہ ہر ایک ذی حیات کے لئے باندھتا ہے۔ اور اس قاعدہ کلیہ سے کسی کو مستثنٰی نہیں کرتا۔ اس کے خلاف اعتقاد رکھنے والا قرآن کریم میں بتائی ہوئی خدا کی سنت کا مکذب اور بے ایمان ہے۔ وہ آیت

یہ ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا۔ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا (المرسلٰت:۲۶، ۲۷)۔ ہم نے زمین کو مردوں اور زندوں دونوں کو اپنی طرف جذب کرنیوالی بنایا۔ اس کی کششِ ثقل کسی کو اپنے اندر اور اپنے اوپر لینے اور رکھنے کے سوا چھوڑتی ہی نہیں۔ (نورالدین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۲۶)

۳۱۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔

ترجمہ۔ تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو۔

تفسیر۔ ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ کسی سایہ کے تین ہی فائدے ہو سکتے ہیں ۱۔ اوپر کی تپش سے بچائے ۲۔ گرد و پیش کی لپٹ سے بچائے ۳۔ شرارے اور چنگاریوں سے امن حاصل ہو۔ دوزخ کے دھوئیں کا سایہ۔ اس میں یہ صفتیں کہاں؟ قرآن شریف کی باہمی آیات میں کچھ نہ کچھ ربط مطالب کے لحاظ سے ضرور رہتا ہے۔ دجالی فتنوں کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیا ہے۔ جو سورۃ الدخان میں ہے۔

يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔[۱] (الدّخان:۱۱)

عیسائیوں کی نجات کا اعتقاد باپ[۱]۔ بیٹا[۲]۔ روح القدس[۳]۔ ان تینوں کے معجونِ مرکب پر ہے۔ ان تینوں کا جزِ اعظم بیٹا ہے۔ جو زمین کی اس کشش پر جس کا ذکر ماقبل آیت میں ہے، غالب آ کر زندہ آسمان پر چڑھ گیا (خدا کا بیٹا جو ہوا۔ اس کو گراوی ٹیشن[۲] کی کیا پرواہ۔) آیت باب میں اسی معجون مرکب کو ثَلٰثِ شُعَبٍ سے تعبیر کیا ہے۔ ربطِ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے نہ باپ[۱] کا سایہ ہو گا۔ نہ بیٹے[۲] کا۔ نہ روح القدس[۳] کا۔ ہوں گے اس وقت سبھی موجود۔ مگر جس سایہ کی طرف جاویں گے آرام یا نجات نہ ہوگی۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَتَمُّ۔[۳] جزا سزا اور اعمال میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے جو ان دو آیتوں سے ثابت ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

۴۰۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ۔

ترجمہ۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہے تو تم مجھ سے کر گزرو (مجھ پر چلا کر دیکھو)۔

۱۔ جس دن آسمان لے آوے ایک ظاہر دھواں۔ ۲۔ GRAVITATION POWER

۳۔ اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا علم سب سے زیادہ کامل ہے۔

تفسیر۔ کتنا بڑا کید ہے کہ ایک دو تین کو جمع کرنے سے تین نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی ہوتا ہے۔۱+۱+۱=۱ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

۴۷۔ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ۔

ترجمہ۔ تم کچھ کھالو اور تھوڑے دن گزران کرلو کیونکہ تم مجرم ہو۔

تفسیر۔ سورۃ کا اکثر حصہ مذہب عیسوی کے اوپر مشتمل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گرجا کے خادموں کو کھانے پینے کے لئے بافراغت مل جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱)

۴۹۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ۔

ترجمہ۔ اور جب ان سے رکوع کو کہا جائے تو وہ رکوع نہیں کرتے۔

تفسیر۔ نماز میں عیسائیوں کی رکوع نہیں صرف (نیل ڈاؤن)[1] گھٹنے ٹیکنا ہے وبس۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۱، ۳۰۲)

۵۰۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمہ۔ پس اس کے بعد کونسی حدیث پر تم ایمان لاؤ گے۔

تفسیر۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحیح حدیثوں کو بھی نہ مانو۔ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا (التحریم:۴)[2] میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہی کا ذکر ہے۔ وہاں بھی اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم:۵)[3] آیا ہے۔ ایسے اعتقاد سے توبہ کرنا لازم ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۲)

---

[1] KNEEL DOWN [2] اور جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے کوئی بات چپکے سے کہی تھی۔

[3] اگر تم اللہ کی طرف جھک جاؤ (اے بیبیو! تو بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۃ نبا کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

۲، ۳۔ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ۔ کس چیز کا حال یہ کافر آپس میں پوچھ رہے ہیں۔(کیا) اس بڑی خبر کا۔

تفسیر۔ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ۔ نباء عظیم قیامت کے وقوع کا دن ہے۔ جس میں ان کو اختلاف تھا۔ نباء عظیم الشان بات۔ پھر اس کے ساتھ عظیم کے لفظ کو اہمیت کے اظہار کے لئے اور بھی بڑھا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ نباء عظیم سے مراد قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا دعویٰ بھی مراد ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۲)

۵۔ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ۔ نہیں نہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ قریب ہی جان لیں گے۔

تفسیر۔ کَلَّا زجر اور توبیخ کا کلمہ ہے۔ بیان ماقبل کے ردّ کے لئے آتا ہے۔ سَوْفَ نہیں فرمایا۔ ’’س‘‘ جو شتابی اور بے درنگی پر دلالت کرتا ہے لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ قیامت کبریٰ کے ثبوت کے لئے اس سے پیشتر ایک اور قیامت خیز واقعہ فتح مکہ وغیرہ کا بھی ہوگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔

وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ۔[۱] (السجدۃ:۲۲)

یہ سورہ شریف مکی ہے۔ ایسے وقت کی نازل شدہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے۔ اس وقت یہ عظیم الشان پیشگوئیاں دنیا کو سنائی گئیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی صداقت اور قیامت کے ثبوت کے واسطے بین دلائل ہوئیں۔ اس زمانہ کے مادہ پرست لوگ غور کریں

۱؎ اور ضرور ہم ان کو چکھائیں گے بڑے عذاب کے سوا دنیا کے عذاب سے (ہی)۔

کہ کیا کوئی انسان اپنی تدبیر اور فکر سے ایسی تحدّی کے ساتھ اتنا بڑا دعویٰ خلقت کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ کیا ایسی شاندار بات کوئی شخص صرف اٹکل بازی سے کہہ سکتا ہے؟

قیامت کے منکرین کے واسطے یہ دلائل نہایت ہی فائدہ بخش ہو سکتے ہیں۔ بشرط آں کہ کوئی غور کرے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۲)

۷۔ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا۔

ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا۔

تفسیر۔ جَعَلَ۔ پہلے پہل پیدا کیا۔ مہاد بمعنی مَمۡهُوۡد اسم مصدر۔ اسم مفعول کے معنے میں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا[۱] (البقرۃ: ۲۳) معلوم ہوا کہ مہاد ہونا بھی زمین کی ایک صفت ہے اور فِرَاش ہونا بھی ایک صفت ہے۔ چونکہ قیامت کے وقوع میں استبعادِ عقلی ظاہر کیا گیا تھا۔ اس لئے اپنی قدرت کاملہ سطوت اور جبروت کے چند ایک نظارہ قدرت کو پیش کیا۔ مثلاً جبال، خلق ازواج، نوم وسبات، سَبۡعِ شِدَاد، سِرَاجِ وَهَّاج وغیرہ کئی ایک عظیم الشان مشہود قدرتوں کو پیش کیا تاکہ عجز کا وہم دور ہو۔

مَهۡدٌ۔ گہوارے کو کہتے ہیں۔ زمین بھی ایک گہوارے کی طرح ہے۔ سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ انسان کا یہ گہوارہ ہے۔ مٹی سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر مٹی میں مِل جاتا ہے۔ پھر مٹی سے اٹھایا جاوے گا۔ اس زمین پر جزا وسزا کے اعمال کا ایک نقشہ اپنے سامنے دیکھتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۲)

۸۔ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا۔

ترجمہ۔ اور پہاڑوں کو میخیں۔

تفسیر۔ اَوۡتَادًا۔ وَتَد کی جمع۔ وَتِد بمعنی کھونٹی جس سے اس جگہ مضبوطی جبال کا اظہار بھی مقصود ہے۔ پہاڑ ثقلِ ارض کو ایک اندازہ پر رکھنے والے ہیں۔ آجکل کے سائنسدانوں نے بھی اس امر کو تسلیم

---

[۱] وہ ربّ جس نے (چکّر کھانے والی) زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا

کر لیا ہے کہ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ جنبش کرتی رہتی۔اس میں زمین کی پیدائش اور بناوٹ کی طرف اشارہ ہے۔اوران فوائد کی طرف توجہ دلائی ہے۔جو پہاڑوں سے اہلِ زمین کو حاصل ہیں۔چنانچہ دوسری جگہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (لقمان:۱۱) رکھے ہیں زمین میں پہاڑ تا کہ وہ تمہیں کھانا دیویں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ''نورالدّین'' میں پہاڑوں کے بارے میں مزید تحریر فرمایا ہے۔

''اعتراض۔ زمین پر پہاڑ اس لئے رکھے کہ وہ آدمیوں کے بوجھ سے ہل نہ جاوے؟

الجواب۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی آیت تو کوئی نہیں۔البتہ یہ آیت ہے۔ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔[۱] (النحل:۱۶) اس آیت میں اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ کا لفظ ہے۔جس کے معنے تمہیں بتاتے ہیں۔اور دوسری آیت اسی مضمون کی یہ ہے۔ وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۔[۲] (الانبیاء:۳۲) دونوں میں تَمِيْدَ کا لفظ ہے۔جو جہالت کے سبب سے دشمنِ اسلام کی سمجھ میں نہیں آیا۔سنو! لغت عرب میں ہے۔ مَادَنِي۔ يَمِيْدُنِيْ۔ اَطْعَمَنِيْ (مفردات القرآن للراغب) اور مَید کے معنے ہلنا۔دیکھو۔ مَادَ يَمِيْدُ مَيْدًا و مَيَدَانًا تَحَرَّكَ (قاموس اللغۃ) مَادَهُمْ اَصَابَهُمْ دَوَارٌ (قاموس) وَالْمَائِدَةُ الدَّائِرَةُ مِنَ الْاَرْضِ (قاموس) ان معنوں کے لحاظ سے جو مَادَنِي ۔يَمِيْدُنِيْ کے کئے گئے ہیں۔اس آیت کے یہ معنے ہوئے کہ رکھے زمین میں پہاڑ اس لئے کہ کھانا دیں تمہیں۔اور یہ ظاہر بات ہے کہ پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے کہ ان میں

---

[۱] اور رکھ دیئے زمین میں پہاڑ تا کہ زمین زلزلہ کھائے تمہارے ساتھ اور ندیاں اور راستے بنائے تا کہ تم منزل مقصود کو پہنچ جاؤ۔ [۲] اور ہم نے پیدا کئے زمین میں پہاڑ ایسا نہ ہو کہ زمین لوگوں کو لے کر جھک پڑے اور اس میں کھلے کھلے رستے تا کہ لوگ راہ پا جائیں۔

سے برفیں پگھلیں، چشمیں جاری ہوں، ندیاں نکلیں۔ پھر ان کے سیل پر اس سطح سے جس میں ریگ ہوتی ہے۔ پانی مصفّٰی ہو کر کنوؤں میں آتا ہے۔ پھر اس سے کھیت سرسبز ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک سلسلہ علاوہ رحمت کے سلسلے کے ہے۔ جو بارانِ رحمتِ الٰہیہ سے ہے۔ جس کا ذکر اس کلمہ طیبہ میں ہے۔

وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۔[1] (البقرہ:۲۳)

اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے آیت کے یہ معنے ہوئے کہ ہم نے زمین پر پہاڑ رکھے کہ چکر کھاتے ہیں ساتھ تمہارے۔ یہ الٰہی طاقت کا ذکر ہے کہ اس نے اتنے بڑے مستحکم مضبوط پہاڑوں کو بھی زمین کے ساتھ چکر دے رکھا ہے اور نظامِ ارضی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اب کوئی انصاف کرے کہ کن معنی پر اعتراض کی جگہ ہے۔ ہم نے تصدیق براہین احمدیہ کی جلد دوئم میں اس مضمون پر بسط سے کلام کیا تھا۔ اس مسودے سے بھی یہاں مختصراً کچھ نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ مکذب براہین احمدیہ کے اعتراض کا تیسرا حصہ یہ تھا۔ ’’اہلِ اسلام کے نزدیک پہاڑ بمنزلہ میخوں کے زمین پر ٹھونکے گئے۔ یہ خام خیالی ہے‘‘۔

الجواب: خام خیالی کا دعوٰی کرنا اور ثبوت نہ دینا۔ یہ بھی معترض کی خام خیالی ہے۔ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۔[2] (لقمان:۱۱) اور آیت کریمہ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۔[3] ایک نہایت سچی فلسفی ہے اور اس سچی فلسفی پر جدیدہ علوم اور حال کے مشاہدات گواہی دیتے ہیں۔ اور انہی مشاہدات سے بھی ہم گزشتہ دیرینہ حوادثات کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ طبقات الارض کی تحقیقات اور مشاہدات سے اچھی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اس زمین کا ثبات وقرار اضطرابات اور زلازل سے خالق السمٰوٰت والارض نے تکوین جبال اور خلق کوہسار سے ہی فرمایا ہے اور زمین کے تپ لرزہ کو اس علیم وقدیر نے تکوینِ جبال سے تسکین دی ہے۔ چنانچہ علم طبقات الارض میں تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ زمین ابتدا میں ایک آتشین گیس تھا۔ جس کی بالائی سطح پر دھواں اور دخان تھا۔

---

[1] اور برسایا بادل سے پانی پھر اُگائیں اس کے ذریعہ سے کھانے کی چیزیں تمہارے لئے۔ [2] اور رکھ دیئے زمین میں بھاری بوجھ کہ وہ تم کو لے کر نہ جھک پڑے اور پھیلا دیئے زمین میں سب طرح کے جاندار۔ [3] اور پہاڑوں کو میخیں۔

اوراس امر کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ۔[1] (حٰم السجدہ:۱۲) پھر وہ آتشین مادہ اوپر سے بتدریج سرد ہو کر ایک سیال چیز بن گیا۔ جس کی طرف قرآن شریف نے ان لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود:۸) پھر وہ مادہ زیادہ سرد ہو کر اوپر سے سخت اور منجمد ہوتا گیا۔ اب بھی جس قدر اس کی عمق کو غور سے دیکھتے جاویں۔ اس کا بالائی حصہ سرد اور نیچے کا حصہ گرم ہے۔ کوئلوں اور کانوں کے کھودنے والوں نے اپنی مختلف تحقیقات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ گو اس نتیجہ میں فلاسفروں کو اختلاف ہے کہ ۳۶ مائل عمق سے نیچے اب تک ایک ایسا ذوبانی اور ناری مادہ موجود ہے جس کی گرمی تصور سے بالا ہے۔ (اسلام نے بھی دوزخ کو نیچے بتایا ہے) جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی نہ تھی۔ اس وقت زمین کے اس آتشین سمندر کی موجوں کا کوئی مانع نہ تھا۔ اور اس لئے کہ اس وقت حرارت زیادہ قوی تھی اور حرارت حرکت کا موجب ہوا کرتی ہے۔ زمین کی اندرونی موجوں سے بڑے بڑے مواد نکلے۔ جن سے پہاڑوں کے سلسلے پیدا ہو گئے۔ آخر جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی ہوگئی۔ اور اس کے ثبات وثقل نے اس آتشی سمندر کی موجوں کو دبا لیا۔ تب وہ زمین حیوانات کی بود و باش کے قابل ہوگئی۔ اسی واسطے قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔[2] (لقمان:۱۱) اور اس کے بعد فرمایا۔ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۔[3] (لقمان:۱۱) اَلْقٰى کا لفظ جو آیت اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ میں آیا ہے۔ اس کے معنے ہیں ''بنایا'' کیونکہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں بجائے اَلْقٰى کے جَعَلَ کا لفظ آیا ہے جس کے صاف معنے ہیں۔ بنایا۔ اور ان امور کی کیفیت آیت ذیل سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا (حٰم السجدہ:۱۱) اور زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی اور اس پر ہر قسم کی کھانے کی چیزیں پیدا کیں۔ ایک عجیب نکتہ آپ کو سناتے ہیں۔ آپ سے میری مراد وہ سعادت مند ہیں جو اس نکتہ سے فائدہ

---

[1] پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف اور وہ دھواں تھا۔ [2] اور رکھ دیئے زمین میں بھاری بوجھ کہ وہ تم کو لے کر نہ جھک پڑے۔ [3] اور پھیلا دیئے زمین میں سب طرح کے جاندار۔

اٹھاویں۔قرآن کریم میں ایک آیت ہے اس کا مطلب ایسا لطیف ہے کہ جس سے یہ تمہارا سوال بھی حل ہو جاوے اور قرآن کریم کی عظمت بھی ظاہر ہو۔غور کرو اس آیت پر۔ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (النمل:۸۹) اور تو پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتا ہے کہ وہ مضبوط جمے ہوئے اور وہ بادل کی طرح اُڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ کی کاریگری قابلِ دید ہے جس نے ہر شئے کو خوب مضبوط بنایا ہے۔

غور کرو۔ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ تمہارے گمان میں ایک جگہ جمے ہوئے نظر آتے ہیں۔اور وہ بادلوں کی طرح چلے جاتے ہیں۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ زمین کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور یہ کیسا عجیب نکتہ ہے۔ (نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔کمپیوٹرائز ڈ ایڈیشن صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۵)

۱۰۔ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا۔

ترجمہ۔اور تمہاری نیند کو آرام کا موجب بنایا۔

تفسیر۔ نَوْمَ بھی قیامت کے ثبوت کے لئے ایک عجیب واقعہ روزمرّہ کا ہے۔سبات کے کئی معنے ہیں۔سبات۔نینداور راحت۔سبات۔قَطْعًا لِاَعْمَالِكُمْ۔سبات تمدد اور کھولنے کو بھی کہتے ہیں۔ سَبَتَتِ الْمَرْأَةُ شَعْرَهَا۔نیند بھی ایک قسم کی موت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے پھر اس مردے کو زندہ کرتا ہے۔یہ موت ناقص ہے۔موت کامل کے بعد بھی انسان اسی طرح پھر اٹھایا جائے گا۔یہاں اس کا ایک نمونہ دکھایا گیا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۳)

۱۱۔ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔

ترجمہ۔ اور بنایا رات کو ایک پردہ۔

تفسیر۔ راتوں کے سبات اور آرام پانے کی وجہ سے تھکے ہوئے چہروں پر دوسری صبح جو تر و تازگی اور رونق آجاتی ہے۔یہ بھی ایک قسم کا لباس ہے۔حقیقت میں رات بندوں کے لئے بڑی پردہ پوش چیز ہے۔کوئی شاعر کہتا ہے ؎

اَللَّیْلُ لِلْعَاشِقِیْنَ سِتْرًا یَالَیْتَ اَوْقَاتُھَا تَدُوْمُ [۱]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۳)

۱۲۔ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔

ترجمہ۔ اور دن کو روزی کمانے کا وقت۔

تفسیر۔ انسان کے واسطے دن معاش کا ذریعہ اور رات آرام کا وقت بنایا ہے اور فرمایا وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بَارَكَ اللّٰہُ فِیْ بُكُوْرِھَا فرمایا۔ کس قسم کی معاش؟ دنیوی معاش اُخروی معاش کے لئے یہ جگہ ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ جیسا بیج بوؤ گے۔ انجام کار ویسا پھل پاؤ گے۔ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ جَو کے بونے والے کو آخر جَو کاٹنے پڑیں گے۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶؍اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۴)

۱۵۔ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا۔

ترجمہ۔ اور ٹپکنے والے بادلوں سے زور کا پانی برسایا۔

تفسیر۔ مُعْصِرٰتِ ان بادلوں کو کہتے ہیں۔ جن میں سپنج کی طرح پانی بھرا ہوا ہو۔ جو ٹپکنے کے قریب ہو۔ (مُعْصِرَۃ لُغت میں اس لڑکی کو بھی کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو۔) ثَجَّ۔ لازمی اور متعدی دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ لازمی جیسے ثَجَّ الْمَآءُ۔ پانی کثرت سے بہا۔ متعدی جیسے حدیث شریف میں اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ الْعَجُّ وَ الثَّجُّ۔ عَجَّ کے معنے تلبیہ پکارنا۔ لبیّک کہنا اور ثَجَّ کے معنی قربانیوں کا خون بہانا۔ غرضکہ مُعْصِرٰت سے مَآءً ثَجَّاجًا کا ہونا عبارت ہے۔ بارش موسلا دھار سے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴)

۱۸۔ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا۔

ترجمہ۔ بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہو چکا ہے۔

تفسیر۔ یَوْمَ الْفَصْلِ۔ فرمایا۔ یوم الفصل مقرر ہے وہ یقیناً آنے والا ہے۔ مکہ معظّمہ میں یہ نبوت

---

[۱] رات عاشقوں کے لئے پردہ ہے۔ اے کاش اس کے اوقات ہمیشگی اختیار کریں۔

سنائی گئی اور بدر یوم الفصل اور یوم الفرقان واقعات کے رو سے ثابت ہو کر قیامت ومحشر کے واسطے ایک بیّن دلیل ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

سورۃ مرسلات میں یوم الفصل فرمایا تھا۔ اب اس کی تفصیل بتاتا ہے کہ یہاں تو سب کچھ ملا جلا ہے۔ اگر یہاں عذاب آئے تو نیک آدمیوں کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔ اس لئے فیصلہ کے واسطے ایک دن مقرر ہے اور کفار کو دنیا میں بھی اس کو نمونہ دکھایا جائے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۷)

۲۱۔ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔

ترجمہ۔ اور پہاڑ اڑیں گے، چلائے جائیں گے تو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے۔

تفسیر۔ آسمان سے نشانات کی بارش ہوگی۔ اور یہ جو بڑے بڑے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الواقعة:۷) ہو جائیں گے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۷)

۲۲۔ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا۔

ترجمہ۔ بے شک دوزخ گھات میں لگی ہوئی ہے۔

تفسیر۔ مِرْصَادًا۔ کے معنے کمین گاہ، گھات، قید خانہ، جیل خانہ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۲۳۔ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا۔

ترجمہ۔ جو سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔

تفسیر۔ سرکشوں کے لئے بازگشت کی جگہ۔ طاغین کے بالمقابل اگلی آیت میں متقین اور ان کی جزا کو بیان فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

طَاغِی۔ سرکشی کر کے حد سے نکل جانے والا۔

متّقی۔ خداوند تعالیٰ کی حد بندیوں کے اندر رہنے والا ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلا　　می گزارد　　بامحبت　　باوفا[1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

---

[1] (خدا کی نظر میں) صادق وہ شخص ہوتا ہے کہ جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گزارتا ہے۔

۲۴۔ لّٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا۔

ترجمہ۔ اس میں صدیوں ٹھہریں گے۔

تفسیر۔ اَحۡقَابًا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہنم غیر منقطع نہیں جیسا جنت۔ وہ ایک تادیب گاہ ہے جہاں انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج ہو کر اسے بہشتی زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ بہشت عطاءً غیر مجذوذ ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۳۲۔ اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا۔

ترجمہ۔ بے شک دوزخ گھات میں لگی ہوئی ہے۔

تفسیر۔ پاس ہونے والے۔ کامیاب اور بامراد ہونے والے متقین ہی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۳۴۔ وَّ كَوَاعِبَ اَتۡرَابًا۔

ترجمہ۔ اس میں صدیوں ٹھہریں گے۔

تفسیر۔ كَوَاعِبَ جمع كَعۡبَۃٌ کی ہے۔ كَعۡبَيۡنِ پیر کے دونوں ٹخنوں کی ہڈی کو کہتے ہیں كَوَاعِبَ سے مراد وہ نوخیز، نوعمر عورتیں ہیں جن کے پستان ٹخنوں کی طرح اُبھرنے پر ہوں۔ (محاورہ ہے۔ تَكَعَّبَتِ الۡجَارِيَۃُ وَ كَعَبَتِ الۡجَارِيَۃُ)۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

اَتۡرَاب۔ اس لفظ کا اصل ترب اور تراب سے ہے جس سے مطلب خاکساری اور انکساری ہے۔ طاغین کی سزا کے بالمقابل اتراب یعنی منکسر المزاج عورتوں سے جزاءً متقین خوب مناسبت رکھتی ہے۔

اَتۡرَاب کے لغت کی حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل الترب کے اس بیان سے بھی خوب واضح ہوتی ہے۔ جو ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۵۰۷ اور صفحہ ۳۱۲ میں مذکور ہے۔ جہاں آپ نے تسخیر بالنظر کے عمل کو بیان فرمایا ہے۔ اس عمل میں معمول (جس کو انگریزی میں سبجکٹ کہتے

ہیں) کا اپنے عامل کے لئے پورا منکسر المزاج، مطیع وفرمان پذیر بننا ضروری ہے۔حضرت صاحب کا ایک الہام بھی ان صحفوں میں درج ہے۔وہ یہ ہے۔ھٰذَا ھُوَ التِّرْبُ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔[1]

اَتْرَاب کے معنے ہم عمر اور ایک ساتھ مٹی میں کھیلنے والوں کے بھی بیان ہوئے ہیں۔

لِلنَّاسِ فِی مَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاھِبُ شَتّٰی۔[2]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۳۵۔ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا۔

ترجمہ۔ اور چھلکتے ہوئے پیالے اور بہت سامان۔

تفسیر۔ کاس بھرے پیالے کو کہتے ہیں۔ جو پیالہ پینے کی چیز سے خالی ہو اسے کاْس نہیں کہیں گے۔ پیالہ اتنا بھرا ہو کہ چھلکنے لگے۔اس پیالہ کو کَاْسًا دِھَاقًا کہتے ہیں۔ابنِ عباسؓ سے منقول ہے۔ اَسْقِنَا وَ اَدْھِقْ لَنَا یعنی پلا ہم کو اور خوب بھر کر پلا۔دِھَاق کے معنے پے در پے کے بھی آئے ہیں اَدْھَقْتُ الْحِجَارَۃَ اِدْھَاقًا میں نے پے در پے پتھر چلائے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۳۹۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۛؕ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۔

ترجمہ۔جس دن کلام الٰہی اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔کسی کے منہ سے بات ہی نہ نکلے گی مگر جسے رحمٰن نے بات کرنے کی اجازت دے دی اور وہ بات بھی معقول کہیں گے۔

تفسیر۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ الخ۔حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ روح سے بنی آدم اور ارواح ان کی مراد ہیں۔لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ میں عیسویت کے کفارہ کی تردید ہے۔ جن پر روح کے لفظ کا اطلاق ہے۔ وہ سب دست بستہ کھڑے ہیں کہ کلام کرنے کی مجال نہیں۔کیا روح سے مراد صرف وہ اقنوم لیا جائے۔جس نے مسیح کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔تو پھر بیٹے کی ایسی مٹی پلید

---

[1] یہ (علم) ترب وہ ہے جسے (دوسرے) لوگ نہیں جانتے۔ [2] لوگ جن سے عشق رکھتے ہیں (ان کے بارہ میں) مختلف الخیال ہوتے ہیں۔

ہوتی ہے کہ اس بیچارہ کو بولنے تک کی جرأت نہیں۔ علاوہ اس کے رحمٰن کے معنے رحم بلا مبادلہ کرنیوالا ہے۔ صفت رحمانیت اور کفارہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔......... رحمانی صفت میں تناسخ کا بھی رد ہے۔ جو رحم بلا مبادلہ کرتا ہے۔ اس کو مختلف جونوں میں کتا بلا بنا کر اپنا گھر پورا کر لینے کی کیا ضرورت؟ قرآن کریم میں روح کا لفظ کلام اللہ کے لئے آیا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)

۴۱۔ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۔

ترجمہ۔ بے شک ہم نے تم کو ڈرا دیا ہے قریب ہی آنے والے عذاب سے۔ جس دن آدمی دیکھ لے گا جو اس آنے والے کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

تفسیر۔ ابتداء سورہ میں سَيَعْلَمُوْنَ دو بار کہہ کر قریب ہی آنے والے عذاب کی طرف توجہ دلایا تھا۔ خاتمہ سورہ بھی عذاب قریب کا ذکر فرمایا۔ جو یوم بدر اور فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔ اور یہ عذاب کی پیشگوئیاں دنیا میں صادق ہو کر قیامت اور اس کے عذاب کے لئے ثبوت ٹھہریں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴)



سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۃ النّا زعات کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا۔

ترجمہ۔ قسم ہے ان کام کرنے والوں کی جو دوسرے کاموں سے الگ ہو جائیں ڈوب کر۔

تفسیر۔ نَازِعَات۔ زور سے اور تکلف سے کھینچنے والے۔

۳۔ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے ان کی جب وہ بخوشی تمام کام کریں۔

تفسیر۔ بلا تکلف نشاطِ خاطر سے کھینچنے والے۔

۴۔ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے بے روک تیرنے والوں کی۔

تفسیر۔ اپنے فن کے پیراک اور ماہر۔

۵۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔

ترجمہ۔ پھر حوصلہ سے آگے بڑھنے والوں کی لپک کر۔

تفسیر۔ اپنے ہم عصروں سے سبقت لے جانے والے۔

۶۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔

ترجمہ۔ پھر قسم ہے تدبیر کرنے والوں کی حکم سے۔

تفسیر۔ افسرانِ محکمہ جات اور اپنے اپنے فنون کے موجد و مدبر۔

مَطلَع سورۃ کی یہ پانچ آیتیں ہیں جو اس بات کا اظہار کر رہی ہیں کہ دینی امور ہوں یا دنیوی۔ ان کے انتہائے کمال پر پہنچنے کے لئے یہ پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اول۔ کام سے ہٹانے والی چیزوں سے الگ ہوکر انسان اپنے کام میں محو ہوجائے۔ دوم۔ پورے نشاط اور خوشی سے اپنے کام کو کرے۔ سوم۔ اپنے کام میں اس طرح مشق کرے جس طرح پیراک پانی میں تیرتا ہے۔ اور اس کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ چہارم۔ اپنی جماعت اور ہم عمر لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ پنجم۔ اپنے کام میں ایسا کمال حاصل کرے کہ خود اس میں موجد ہوجائے۔ مثلاً طالبعلم ہو یا تاجر۔ پہلے پہل اس کو ہمہ گوش و ہمہ تن ہوکر اپنے کام میں مستغرق ہونا پڑتا ہے۔ تب کچھ حروف شناسی یا سنبھالا پکڑتا ہے۔ پھر بعد اس کے نشاطِ خاطر سے کام چل پڑتا ہے۔ پھر بعد چندے طالبعلم یا پیشہ ور اپنے اپنے معانی و مطالب کے پیراک ہوجاتے ہیں۔ پھر اپنے ہم عصروں اور پیشہ وروں سے با یکدیگر مسابقت و پیش قدمی کرنے لگتے ہیں۔ آخری درجہ کمال یہ ہوتا ہے کہ موجدِ فن و مدبر و افسر اعلیٰ بن جاتے ہیں۔

ملائکۃ اللہ کی خدمات بھی ان آیتوں سے مراد سمجھی گئی ہیں۔ مگر آیت اپنے عموم پر دلالت کر کے ملائکۃ اللہ کے ہم رنگ و ہم سبق ہونے کی انسانوں کو بھی تعلیم دے رہی ہیں۔ اور ساتھ ہی جزا و سزا کے مسئلہ کو جو مقصود بالذات ہے ثابت کر رہی ہیں۔ نتائج اعمال حق ہیں۔ کوششوں کے پھل ضرور ملیں گے۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ دنیا ایک زراعت گاہ ہے۔ اس زراعت کے کاٹنے کا جو وقت ہے اس کا نام یومِ آخرت و یوم القیامت ہے ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جَو زِ جَو[1]

اللہ تعالیٰ نے قَسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ ان واقعات کو جزا و سزا کے لئے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور اس آنے والے دن کے اشراطِ عظام، مبادی و مقدمات یوں بیان فرمائے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵)

---

[1] مکافات عمل سے غافل مت ہو کیونکہ گندم سے گندم اور جَو سے جَو ہی اگتا ہے۔

۸،۷۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۔ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۔

ترجمہ۔ جس دن لرزنے والی لرزے گی۔ایک زلزلہ کے پیچھے دوسرا زلزلہ ہے۔

تفسیر۔ زلزلے ہمیشہ آتے رہیں گے۔ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ اشراط عظام قبل قیامِ ساعت جب شروع ہو جاویں گے تو ایسے لگا تار ظہور ہوں گے۔جیسے تسبیح کا تاگہ ٹوٹ جانے سے منکے تسبیح کے متتابع یکے بعد دیگرے گرنے لگتے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اَوَّلُ الْاٰیَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا أَوِ الدَّآبَّةُ اَيَّتُهُمَا خَرَجَتْ فَالْاُخْرٰی عَلٰی اَثَرِهَا۔سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی وہ یا تو طلوعِ شمس من مغربہا ہوگی یا خروج دابہ کی ہوگی۔جونسی ان میں سے پہلے ظاہر ہوگی دوسری بھی اس کے نقش قدم کے ساتھ ہی شروع ہوگی۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ تیرہ ۱۳ سو برس گزرنے کے بعد ظہور ان آیات کا جو تعبیر طلب ہوگیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دُور کی چیز اپنی کیفیت وکمیت میں بسبب بُعد مکانی کے اپنی اصلی شکل سے کچھ مغائر معلوم ہوتی ہے۔اسی طرح سے پیغمبروں کے مکاشفات کا حال ہے کہ پیشگوئیوں میں جو مکاشفات کے ذریعہ سے بیان کی جاتی ہیں۔بہ سبب بُعد مکانی کے کچھ نہ کچھ تعبیر واقع ہو جاتی ہے۔احکام واوامر ونواہی کا ایسا حال نہیں ہوتا۔اب تو کئی قسم کے زلزلے آئے اور متتابع آئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۱۱۔ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ۔

ترجمہ۔ وہ کہیں گے کیا ہم الٹے پاؤں واپس کئے جائیں گے پہلی حالت پر۔

تفسیر۔ اَلْحَافِرَةِ۔ نشان قدم۔حُفْر سُم کو کہتے ہیں۔حُفْرَۃٌ گڑھے کے معنے ہیں۔

مَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ۔کیا ہم اپنے نقشِ قدم پر لوٹ کر پھر اگلی حالت جیسے زندہ انسان ہو جائیں گے؟ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۱۵۔ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۔

ترجمہ۔ پھر ایک دم سے وہ سب میدان میں آموجود ہوں گے۔

تفسیر۔ اَلسَّاهِرَةُ۔ میدانِ حشر۔میدانِ جنگ۔میدانِ بدر بھی اس کا مصداق تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۱۹۔ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى۔

ترجمہ۔ اور اس سے کہہ دے کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جاوے۔

تفسیر۔ بڑی ہی نرمی اور ملائمت سے تبلیغ کو شروع کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔دوسری جگہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا[1] (طٰہٰ:۴۵) فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۲۱، ۲۲۔ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى۔ فَكَذَّبَ وَعَصٰى۔

ترجمہ۔ پھر موسیٰ نے فرعون کو بڑا نشان دکھلایا۔تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

تفسیر۔ اٰيَةُ الْكُبْرٰى۔ عصا تھا جس کے تابع پہلی اٰرَئَیْت کے وقت یدِ بیضا بھی تھا۔ اس لئے ایک ہی چیز کا ذکر فرمایا۔ ورنہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى[2] (طٰہٰ:۵۷) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۲۵۔ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔

ترجمہ۔ اور کہا کہ میں تمہارا بہت بڑا رب ہوں۔

تفسیر۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۱۵۲)

۲۷۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى۔

ترجمہ۔ بے شک اس واقعہ میں عبرت ہے جن کو ڈر ہے۔

تفسیر۔ آیہ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موسیٰؑ کے بیان میں مثیلِ موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے عبرت ہے۔عبرت کہتے ہیں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف پَے لے جانے کو۔ مَعْبَرَ کشتی کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اِس طرف سے اُس طرف کو عبور کرنے کا آلہ ہے۔

---

[1] تو تم دونوں اس سے نرم بات کہنا۔ [2] اور ہم نے فرعون کو دکھا دیں اپنی سب نشانیاں پھر اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں کو موسیٰ علیہ السلام کی کامیابیوں کے شیشہ میں دکھلا کر آخر میں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى فرمایا۔ آیت اپنے عموم کے رُو سے ہر خاشع و متقی کے لئے عبرت ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں [۱]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۲۸۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا۔

ترجمہ۔ کیا تمہاری پیدائش زیادہ سخت ہے یا آسمانوں کی جس کو اللہ نے بنایا۔

تفسیر۔ آسمان کی شدید پیدائش کو اپنی سطوت وقدرت کے اظہار کے لئے بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھنے والوں کے سامنے پیش کیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۲۹۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا۔

ترجمہ۔ اس کی بلندی اونچی کی پھر اس کو ٹھیک ٹھاک بنادیا۔

تفسیر۔ رَفَعَ سَمْكَهَا۔ سمك بلندی (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۳۰۔ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا۔

ترجمہ۔ اور سیاہ بنائی اس کی رات اور اس کی روشنی کو دن بنا کر نکالا (یعنی دھوپ)۔

تفسیر۔ رات اور دن کی اضافت آسمان کی طرف اس وجہ سے کی کہ رات کے حدوث کا سبب غروبِ شمس اور دن کے پیدا ہونے کا باعث طلوعِ شمس ہے اور اس کو طلوع وغروب حرکتِ فلکی کی وجہ سے حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اُن دونوں کی اضافت آسمان کی طرف ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۵)

۳۱۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۔

ترجمہ۔ اور زمین کو اس کے بعد کشادہ کیا۔

تفسیر۔ سورہ فُصِّلَتْ میں زمین کی پیدائش کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ ....

---

[۱] یہ تو بہت ہی اچھا ہے کہ محبوبین کے راز و نیاز دوسروں کی باتوں کے درمیان ہی بیان ہو جایا کریں۔

فَقَضٰهُنَّ[1] (حٰمٓ السجدۃ: ۱۲، ۱۳) اختلاف کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ دُحُو سے مطلق بسط اور پھیلانا ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ نباتات کا نکالنا اور چشموں وغیرہ کا جاری کرنا بھی دُحُو میں شامل ہے اور یہ بے شک بعد پیدائش آسمان کے ہوا ہے۔ یعنی جو چیزیں خدائے تعالیٰ نے زمین میں مخفی رکھی تھیں وہ آسمان کی پیدائش کے بعد مَکْمَنِ قوۃ سے حَیِّزِ فعل میں آئیں۔ یہی زمین کا دَحُو ہے سورۃ فُصِّلَتْ کا ثُمَّ تاخیر کے لئے نہیں بلکہ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ کے معنے فُصِّلَتْ سورۃ میں یہ ہیں کہ پس آسمانوں کے تسویہ کی طرف متوجہ ہوا جو پہلے سے تھیں۔ اس سورۃ نازعات میں بھی بَنٰهَا کہہ کر بناء آسمان یعنی تعدم بنائے آسمان کو قرار دیا ہے۔ سورہ فُصِّلَتْ میں ثُمَّ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ وہاں صرف نعمتوں کا شمار مقصود ہے جیسا کہ تورات کی نسبت فرمایا۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (الانعام: ۱۵۵)[2] اور یہاں اوّل بناءِ آسمان اور پھر دَحْوِ اَرْض کا ذکر ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۳۳۔ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا۔

ترجمہ۔ اور پہاڑوں کو قائم کیا۔

تفسیر۔ اَرْسٰهَا۔ مضبوط بنایا ان کو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۳۵۔ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى۔

ترجمہ۔ توجب وہ بڑا ہنگامہ آجائے گا۔

تفسیر۔ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى۔ طَامَّۃ بڑی گھمسان۔ گھوڑا چلنے اور دوڑنے میں اپنی ساری قوت خرچ کردے۔ تو اس وقت طَمَّ الْفَرَسُ طَمِيْمًا بولا کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۳۸۔ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى۔

ترجمہ۔ توجس شخص نے سرکشی کی۔

تفسیر۔ طغیانی۔ حد سے باہر ہوجانا۔ ندی نالوں کا پانی جب حد سے باہر نکل پڑتا ہے۔ تو طغیانی

---

[1] پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف اور وہ دھواں تھا پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ خوشی سے یا زبردستی حاضر ہو جاؤ۔ دونوں نے عرض کی ہم تو بخوشی حاضر ہیں۔ پھر سات آسمان بنادیئے۔ [2] پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔

کہلاتا ہے۔جو بہت زیادہ پھیل جائے اور بڑی سرکشی کرے۔وہ طاغوت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۳۹۔ وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔

ترجمہ۔ اور دنیا ہی کا جینا بہتر سمجھا۔

تفسیر۔ اٰثَرَ۔ایک چیز کو دوسری چیز سے زیادہ پسند کیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۴۱۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔

ترجمہ۔ اور لیکن جو ڈرا اپنے رب کے حضور کھڑے رہنے اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا۔

تفسیر۔ الْهَوٰى۔ گری ہوئی نکمی خواہش۔

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۴۳۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا۔

ترجمہ۔ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس کے ظہور کا وقت کب ہوگا۔

تفسیر۔ مُرْسٰی۔ انتہائے سیر اور اس کا ٹھہراؤ۔کشتی جب چل کر ٹھہر جاتی ہے تو مُرْسٰی السَّفِیْنَۃُ کہتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب۔ آریہ لوگ نادانی سے اعتراض کرتے ہیں (کیونکہ انہیں حقائقِ معاد سے بالکل ناآشنائی ہے) کہ انسان کے جزا دینے میں اس قدر دیر لگانا انصاف کے خلاف ہے۔ چاہیے کہ فوراً سزا ہو۔قیامت تک ہر شخص کو حوالات میں رکھنا اور پھر کسی کو کم کسی کو زیادہ دیر رکھنا سخت بے انصافی ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں اول تو یہ کہنا کافی ہے کہ اسلام کی حقیقت سے اگر وہ واقف ہوتے تو ایسا لغو اعتراض نہ کرتے۔یوم کا لفظ ہر آن پر بھی بولا جاتا ہے۔اور اعمال کی جزا و سزا اسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔جب کوئی عمل حیطہ فعل میں آتا ہے۔علاوہ بریں یہ بھی فرمایا۔آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ ۔ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ خود اسی سورت میں اس کا جواب موجود ہے کہ قبر کا زمانہ ایسا معلوم ہوگا گویا پہر بھر ٹھہرے ہیں تو پھر توقفِ جزا یا حوالات کا اعتراض نہایت ہی لغو ہو جاتا ہے۔

یہ اعتراض تو آریوں پر ہوتا ہے کہ کیوں اعمال کی جزا کو دوسرے جنم تک ملتوی کیا جاتا ہے اور پھر ایسے دوسرے جنم میں جو بھوگ جونی کہلاتا ہے۔ پہلے جنم کے اعمال وافعال کا کچھ بھی شعور نہیں ہوتا اور نہ پہلا تشخص قائم رہتا ہے۔ جو اُن کے مجوزہ اور مقررہ انصاف کے صریح خلاف ہے۔ پھر مہا پرلے کے وقت جو خلق فنا ہوتی ہے۔ ان کی سزا و جزا کو اگلی دنیا تک جو آٹھ ارب کا زمانہ ہے ٹکائے رکھنا۔ کس اصول دیانت وانصاف پر مبنی ہے؟ کیا مخلوق کا کام ہے کہ خالق کو مشورہ دے؟

غرض یہ سوال یا اعتراض بالکل فضول اور لغو ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)

۴۴۔　فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۔

ترجمہ۔　تو تجھ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق۔

تفسیر۔　اے پیغمبرؐ! تم اس کا وقت بتانے کے کہاں بکھیڑے میں پڑے ہو! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیشہ لوگ قیامت کے تعینِ وقت کا سوال کیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اور اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (النّٰزعٰت:۴۵) نازل ہوئی تو لوگ سوال سے باز آ گئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۱/اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶)



سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ہم سورۂ عبس کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

اس سورۃ کی ابتدائی آیتوں کے شانِ نزول کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔جس کا ذکر میں ابھی کروں گا۔اس سے پہلے اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ شانِ نزول سے ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتا کہ ان آیات کے نزول سے وہی امر مراد ہے جو شانِ نزول کے تحت میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ وحی الٰہی کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ان میں سے اس واقعہ پر بھی وہ آیات چسپاں ہوتی ہیں ورنہ اگر کسی ایک واقعہ کو مخصوص کر لیں تو پھر قرآن مجید کی عظمت جو اس کے عام اور ابدی ہونے میں ہے کم ہو جاتی ہے۔غرض اس کی ابتدائی آیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے۔اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر بدل حریص تھے کہ یہ لوگ ہدایت پا جاویں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر فرمایا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴) ’’یعنی کیا تو اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈال دے گا۔اس خیال اور فکر سے کہ یہ مومن ہو جائیں‘‘ آپ کے دل میں از حد تڑپ تھی اس امر کی کہ یہ لوگ ہدایت پائیں۔اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ سے امر دین میں کچھ دریافت کرنا چاہا چونکہ وہ نابینا تھے۔انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہاں کن لوگوں کو حضرتؐ خطاب کر رہے ہیں۔ اور آداب الرسول کے موافق انہیں کیا طرز اختیار کرنا چاہیے۔وفورِ شوق اور اخلاص سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو ابن ام مکتوم کا یہ فعل پسند نہ آیا۔اور اس کے آثار آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوئے۔اور کافروں کی طرف منہ پھیر کر ان سے باتیں کرنے لگے۔آپ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے

عتاب کیا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کی بڑی دلداری کی اور اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ اگرچہ یہ کلام نہ ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور سچے نبی نہ ہوتے۔ تو یہ اس میں درج نہ ہوتا۔ جو گویا عتاب کا رنگ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر خدا تعالیٰ کی کتاب اور وحی پر ایمان نہ رکھتے تو پھر اس کی تلافی نہ فرماتے۔ یہ ایک باریک بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رسالت پر خود ایمان لانا بھی ایک زبردست دلیل رسالتِ محمدیہ کے حق ہونے کی ہے۔

بہر حال یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید چونکہ اپنے اندر مستقل صداقتیں رکھتا ہے۔ اس لئے ان آیات سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے۔ اول۔ دین میں اخلاص اور عملی رنگ کا پیدا ہونا کسی رنگ ونسب پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ایسے معاملات میں ایک مبلغ اور واعظ کو کبھی یہ خصوصیت اختیار کرنی نہیں چاہیے کہ وہ طبقہ امراء کی وجہ سے ضعفاء اور غرباء کو چھوڑ دے۔ اور ان کی طرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ ضعفاء اور غرباء زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُن کی باتوں کی قدر کی جاوے اور انہیں محبت اور اخلاص سے دیکھا جاوے۔ ان کی بات کو ہرگز رد کرنے کی کوشش نہ کی جاوے۔ وہ نہایت نازک دل رکھنے والی قوم ہے۔

اس وجہ سے اُن سے بے پروائی نہیں کرنی چاہیے کہ دل کے حالات کا اللہ ہی علیم ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت پانے والا ہے اور کون نہیں۔ دوسری بات ان آیات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے پروائی کریں۔ ان پر تبلیغ اور اتمامِ حجّت کافی ہے۔ ان کے پیچھے پڑنا ضروری نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ نبی کا کام کسی کو ہدایت یاب کر دینا نہیں ہے۔ وہ لوگ غلطی کرتے ہیں جو کسی مامورِ ربانی سے ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں کہ آپ میری فطرت بدل دیں اور یہ کر دیں اور وہ کر دیں۔ یہ خدائی فعل ہے اور اسی کو سزاوار ہے۔

ایک اور بھی لطیف معنے ہیں اور وہ یہ کہ تیوڑی چڑھانے کا اثر ایک نابینا پر کیا ہو سکتا تھا۔ پس

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار (جو توجہ نہیں کرتے تھے) کی تیوڑی چڑھائی اور نابینا سے ملتفت ہوئے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ صداقت اور حق کا جویاں خواہ کیسا ہی غریب اور محتاج کیوں نہ ہو۔ وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جاوے۔ بمقابلہ ایک ریاکار اور خدا سے دور، دولتمند اور سرکش متموّل کے۔ اس سورہ میں وَمَا يُدْرِيكَ کا خطاب عام ہے۔ یعنی اے مخاطب تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ کیسا پاک دل اور پاکباز انسان ہے۔ اس لئے اگر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بہ نظر استعجاب دیکھتا ہے کہ ایک قوم کے عمائد کی طرف سے توجہ پھیر کر ایک اندھے کی طرف مخاطب ہوئے۔ یہ تیری خیالی تہذیب کے ماتحت قابلِ اعتراض ہے مگر اللہ تعالیٰ دلوں کو جانتا ہے اور اس کے نزدیک قابلِ قدر وہی ہیں جو خدا سے ڈرتے اور تزکیہ نفس کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۶، ۳۰۷)

۲۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰى۔

ترجمہ۔ تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

تفسیر۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰى۔ عَبَسَ سے تَلَهّٰى تک دس آیتوں میں اس بات کو ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز اور نکتہ گیر ہے۔ اس کے حضور بہت احتیاط اور حذر چاہیے۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ آنہارا کہ قریب تر اند خائف تر اند[1] کا مضمون ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰى۔ تیوڑی چڑھایا اور منہ پھیر لیا۔ چونکہ شانِ نزول ایک خاص واقعہ کا پتہ صحیح حدیثیں دے رہی ہیں۔ اس لئے کفار کی طرف سے منہ پھیر لینا اور ان کی طرف سے تیوڑی چڑھا کر ایک غریب کی طرف متوجہ ہونا یہ معنے بالعکس واقعہ کے ہیں۔ اس لئے جمع بین الضدین صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ صحیح بات وہی ہے جو حدیثِ صحیح سے ثابت ہے اور نظمِ کلام الٰہی اس کا مؤید ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۷)

بعض آدمی نیک بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے اندر ایک کبریائی ہوتی ہے جو بعد میں مشکل سے معلوم ہوتی ہے۔ بہت احتیاط چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امراء مکہ کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اوپر سے ایک اندھا آ گیا۔ اب وہ النازعات والی حالت نہ رہی یعنی توجہ ہٹ گئی۔ کچھ اِدھر کچھ اُدھر۔

---

[1] مقربین کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ قریب تر ہوتے ہیں اور زیادہ خوف رکھتے ہیں۔

رب کریم نے اندھے کی سفارش فرما دی کہ اس کی طرف توجہ تام فرمالیجئے۔

اس سورہ میں بڑے بڑے تغیرات کی خبر دی ہے۔ پھر جیسا کہ قاعدہ ہے چھوٹی باتیں بیان کر کے بڑی بات بتاتا ہے۔ قیامت کی خبر دی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۷)

۷۔ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى۔

ترجمہ۔ تو کیا تُو اس کے پیچھے پڑتا ہے (یعنی کافر دولت مند کے)۔

تفسیر۔ تم اُس کی طرف جُھکے ہوئے ہو۔ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۷)

۱۱۔ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى۔

ترجمہ۔ تو کیا تُو اس سے ہٹ سکتا تھا۔

تفسیر۔ تم اس کی طرف سے غافل ہو۔ خیال کو ہٹائے ہوئے ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۷)

۱۴ تا ۱۷۔ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ۔ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ۔ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۔

ترجمہ۔ یہ قرآن شریف بزرگ صحیفوں میں، معزز اوراق میں ہے۔ جو اونچی جگہ رکھے ہوئے پاک ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں سے (لکھا گیا ہے)۔ جو عالی حوصلہ نیکوکار ہیں۔

تفسیر۔ ان چار آیتوں میں قرآن شریف کے کاتبوں، قاریوں، حافظوں کی عظمت خود، قرآن شریف کی عظمت اور اسلام کے لئے آئندہ زمانہ میں شان وشوکت کی پیشگوئی بڑی شدّ ومدّ سے بیان ہوئی ہے۔ گو ان سے مراد ملائکۃ اللہ بھی ہیں۔ سَفَرَةٍ۔ سَافِر کی جمع ہے۔ جس طرح كَتَبَةٌ کاتب کی جمع اور سَفَرَہ سے لکھنے والے مراد ہیں سَفْرٌ کے معنے کسی چیز کو واضح کر کے بیان کرنے کے ہیں جیسا کہ اسی سورۃ[1] مُسْفِرَةٌ کے بیان میں آئے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ۔ قرآن شریف کا ماہر سَفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ کے

[1] سہو کاتب ہے۔ ''سورہ میں مُسْفِرَةٌ'' ہونا چاہیے۔

ساتھ ہوگا۔قرآن شریف صرف یاد کر لینا اور بات ہے اور اس کا ماہر ہونا اور بات ہے۔لوگ اسلام کے تنزل کے طرح طرح کے اسباب بیان کرتے ہیں۔قرآن شریف کے ماہرین کے لئے ان آیات میں کیا کیا وعدے دیئے گئے ہیں۔وہ غور فرماویں۔اور پھر اس کے ساتھ میں آیۃ کریمہ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔[1] (الفرقان:۳۱) کو بھی پڑھ لیں۔

بَرَرَةٍ۔ بَارٌّ کی جمع بمعنے نیک کردار کے ہیں۔قرآن شریف کے مضامین ، معانی ومطالب کے موضحین کے لئے سَفَرَةٌ اور بَرَرَہ کے لفظ میں بڑی خوش خبری ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفیر نیک کردار ہوتے ہیں۔سلطنتوں کے درمیان سفیر کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ نیک کرداری کے ساتھ دو سلطنتوں کے مقاصد و اغراض کو کیونکر بیان کرتے ہیں۔ہر واعظ اپنی اپنی جگہ وعظ کے وقت سوچ لے کہ وہ اس وقت کس کام کے کرنے کے لئے کھڑا ہے۔

شیعہ غور کریں اگرچہ ان تفسیری نوٹوں میں مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی ایک یا دوسرے کو خطاب نہیں کیا گیا۔تاہم کہیں کہیں بعض عام غلط فہمیوں کی تردید ضرور کی گئی ہے۔ہمارے شیعہ بھائی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطاعن بیان کرنے میں بیبا کی سے کام لیتے اور ان پر نادانی سے الزام لگاتے ہیں۔ان آیات پر غور کریں کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کی تطہیر اور تکریم کی شہادت دیدی ہے کیونکہ فرمایا فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ۔ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ۔ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ یعنی ان کاتبوں کے ہاتھ سے ہیں۔جو مکرم و مبرور ہیں۔اللہ اکبر۔صحابہ کی شانِ بلند کو یہ آیت کیسی صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۷،۳۰۸)

۱۸۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ۔

ترجمہ۔ انسان مارا جائے۔ملعون کس بلا کا ناشکرا ہے۔

تفسیر۔ قُتِلَ صرف بددعا یا کوسنا نہیں ہے بلکہ ہر متکبر کفرانِ نعمت کرنیوالے کے لئے پیشگوئی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے جو مجھ سے میری چادر چھینے

[1] اے میرے ربّ! بے شک میری قوم نے اس قرآن شریف کو چھوڑ دیا تھا۔

گا۔میں اسے ذلیل کروں گا۔یہی قُتِلَ ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)

۲۲۔ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔

ترجمہ۔ پھر اُس کو اللہ نے مارا اور اُسی نے اس کو گاڑا۔

تفسیر۔ قَبَرَهٗ۔ قبر میں رکھا اس کو اور اَقْبَرَهٗ قبر میں رکھوایا اس کو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)

۲۸۔ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۔

ترجمہ۔ پھر ہمیں نے اس میں اناج اگایا۔

تفسیر۔ ہر قسم کے دانوں اور اناج کو کہتے ہیں۔لغت میں اس کے معنے پُر ہونے کے ہیں۔جب تک دانہ خام رہتا ہے اور مغز سے پوری طرح بھر نہیں جاتا۔حَبّ نہیں کہلاتا۔محبت پورے کمال کے ساتھ سوائے ذات محبوبِ حقیقی کے کسی سے جائز نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔[1] (البقرہ:۱۶۶) اس کے بالمقابل سورۃ یوسف میں فرمایا ہے۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔[2] (یوسف:۳۱) حدیث شریف میں ہے حُبُّكَ لِشَيْءٍ يُعْمِيْكَ وَيُصِمُّ۔محبت کسی چیز کی انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔حضرت صاحب کی ایک نظم دعویٰ سے پیشتر کی ہے۔جس کا مطلع شعر یہ ہے۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کر دی   زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کر دی[3]

اس آیت میں حَبّ یعنی پُر مغز دانوں کا بیان ہے۔انسان کو بھی چاہیے کہ اپنے آپ کو حِبّ اور حَبّ پُر مغز بنائے ۔

پک کے گر جاتا ہے میوہ خاک پر   خام ہے جب تک رہے افلاک پر

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)

---

[1] اور ایمان داروں کو تو (سب سے بڑھ کر) اللہ ہی کی محبت ہوتی ہے۔ [2] دل چیر کر یوسف کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوگئی ہے۔ [3] اے محبت تو نے عجیب آثار دکھلا دیئے ہیں کہ یار کی رہ میں پہنچنے والے زخم اور مرہم دونوں کو برابر کر دیا ہے۔

۳۲۔ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔

ترجمہ۔ اور میوے اور گھاس۔

تفسیر۔ فَوَاکِہَ میووں کو کہتے ہیں۔ جو بعد طعام کے تبدیل ذائقہ کے لئے کھائے جاتے ہیں۔ اَبًّا کے معنے خودرَو گھانس کے بیان کئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اَبّ کے معنے پوچھے گئے۔ اَبّ کے معنے مویشی کا چارہ تو صاف ہے۔ باقی رہی تعیین۔ اس پر حضرت صدیق ؓ نے تعیین فرمائی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)

۳۹۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ۔

ترجمہ۔ کتنے منہ اس دن چمکدار گورے گورے ہوں گے۔

تفسیر۔ مُسْفِرَۃٍ کے معنے صاف اور روشن کے ہیں۔ اِسْفَارٌ سے مشتق ہے۔ صبح جب روشن ہو جاتی ہے۔تو اَسْفَرَ الصُّبْحُ کہتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)

۴۱، ۴۲۔ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ۔ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ۔

ترجمہ۔ اور کتنے چہرے غبار آلود ہوں گے۔جن پر کالک چڑھی آتی ہوگی۔

تفسیر۔ جو گرد آسمان سے زمین کی طرف گرتی ہے اُسے غَبَرَۃ کہتے ہیں اور جو غبار سیاہ زمین سے آسمان کی طرف اٹھتا ہے وہ قَتَرَۃ ہے۔

رَہَقَ۔ کے معنے عجلت سے چڑھ جانے کے ہیں۔ رَہَقَ الْجَبَلَ کہا کرتے ہیں۔ معنے یہ ہوئے کہ آسمانی گرد و زمینی غبار دونوں ایک دوسرے پر چڑھ کر سیاہ رُوئی خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الحج:۱۲) کے ظہور پر ہوگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۳۰ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸)



سُوْرَۃُ التَّکْوِیْرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ تکویر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

سورۃ تکویر بھی مکی سورہ ہے۔ اس میں اوّلاً قیامت کے نشانات اور آخری زمانہ کی آیات کا ذکر کیا ہے۔ پھر قرآن مجید کے نزول پر شواہدِ قدرت کو پیش کیا ہے۔ اور اس کی سچائی کے دلائل دیئے ہیں۔

قیامت کے ہولناک واقعات کا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس میں جو بات بطریق قدر مشترک بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ قیامت میں ایسا ہی ہوگا۔ ہم ظاہری الفاظ کے موافق اس پر ایمان لاتے ہیں مگر ذوالمعارف قرآن مجید میں ان اُمور کے کچھ اور بھی حقائق ہیں جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

سورۃ تکویر کی ابتدائی آیات پیش گوئیاں ہیں۔

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں آخری زمانہ کے متعلق جو مسیح موعود کا زمانہ کہلاتا ہے۔ عظیم الشان پیش گوئیاں ہیں۔ (۱) اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ یعنی جس وقت سورج کی نوری صف لپیٹی جائے گی۔ آفتاب نظام عالم میں ایک عظیم الشان طاقت ہے اور اگر وہ تاریک و تار ہو جاوے تو نظام عالم میں فساد عظیم برپا ہو جاوے۔ اسی طرح جب حقیقی شریعت کے لانے والا دنیا میں نہیں ہوتا تو سخت تاریکی پھیل جاتی ہے پس اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں سخت ظلمت معصیت اور فسق و فجور کی تاریکی دنیا میں پھیل جائے گی۔ (۲) وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ اور علمائے ربانی کا نور اخلاص جاتا رہے گا یا یوں کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دور کا زمانہ آئے گا۔ جب کہ اصحاب کا وجود بھی نہ ہوگا۔ حدیث میں صحابہ کو نجوم کہا گیا ہے ان کے زمانہ سے بھی بہت دور جا کر ایک ایسا وقت

آنے والا ہے کہ پہاڑ اڑا دیئے جاویں گے۔ یعنی فی الواقعہ پہاڑوں کو کھود کر ہموار راستے بنا دیئے جاویں گے۔ اور یا یہ کہ سلطنت ہائے عظمہ میں جنگ شروع ہو کر بعض سلطنتیں کمزور اور تباہ ہو جائیں گی اور اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی اور ان کا کچھ قدر و منزلت نہ رہے۔ یاد رہے کہ عشار دس مہینے کی گابن اونٹنی کو کہتے ہیں۔ جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے۔ یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ان آیات کا تعلق قرب قیامت کے زمانہ سے ہے اور اسی دنیا میں یہ واقعات ہونے والے ہیں کیونکہ قیامت میں حمل کہاں ہوگا؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس زمانہ میں ایسی سواریاں اور بار برداری کے سامان پیدا ہو جائیں گے کہ اونٹنیوں کی ضرورت نہیں رہے گی چنانچہ ریل کی ایجاد نے اس پیش گوئی کو پورا کر دیا۔ اس کے موافق حدیث صحیح میں آیات ہے۔ وَيُتْرَكُ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا۔[1]

غرض انٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور ریل اور نئی نئی قسم کی سواریاں پیدا ہوں گی اور اب ظاہر ہے کہ یہ پیش گوئی کیسی صفائی سے پوری ہوگئی۔ یہاں تک کہ حجاز ریلوے نے اور بھی خوبی سے اس کو پورا کر دیا۔ اور ایک یہ بھی معنے ہیں کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا اور یہ بھی اس زمانہ میں پورا ہو گیا کیونکہ آجکل اونٹوں کی زکوٰۃ کسی ملک میں نہیں حالانکہ زیادہ آمدنی اسی سے تھی اور پھر ایک یہ بھی معنے ہیں کہ وہ زمین عرب کی جن پر عشر لیا جاتا تھا معطل پڑی رہے گی۔ غرض یہ پیش گوئی ہر رنگ میں پوری ہوگئی ہے۔

اور پھر فرمایا۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ اور جس وقت وحشی آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کئے جاویں گے اور یا جس وقت وحشی اکٹھے کئے جاویں گے دونوں صورتوں میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی ہے۔ اول الذکر صورت میں یہ مطلب ہے کہ وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی اور ان میں انسانیت اور تہذیب آجائے گی اور ارازل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جاویں گے اور بباعث دنیوی علوم وفنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کوئی فرق نہ رہے گا بلکہ کلید دولت اور عنان حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی یا یہ کہو کہ جو آج وحشی سمجھے جاتے ہیں اس وقت جمعیت کا موجب سمجھے جائیں

---

[1] اور جوان اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی اور ان پر سواری نہیں کی جائے گی۔

گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فتح قسطنطنیہ کے سات سال بعد دجال کا خروج ہو گا اس آیت کے وعدہ کے موافق ایسا ہی ہو گیا اور یہ مطلب بھی ایک واقعہ کے رنگ میں ہے کہ اس وقت چڑیا خانے وغیرہ قائم کئے جائیں گے ہر قسم کے جانوروں کو جمع کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ واقعات بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر فرمایا۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ یعنی جس وقت دریا چیرے جائیں گے یہ پیش گوئی بھی پوری ہوگئی۔ دریاؤں کو چیر کر اُن سے نہریں نکالی جا چکی ہیں اور نکالی جا رہی ہیں۔ پھر فرمایا اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ یعنی باہم نفوس ملا دیئے جائیں گے یہ تعلقات اقوام اور بلاد کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں آمد و رفت کے وسائل اور اسباب تعلقات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ گویا کل دنیا ایک شہر کا حکم رکھے گی۔ اب دیکھ لو۔ ریلوں، جہازوں اور ہوائی جہازوں کے علاوہ سواریوں کی مختلف صورتیں کیسی آسانیاں پیدا کر رہی ہیں اور ڈاکخانوں اور تار کے ذریعہ تعلقات میں کیسی سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلہ پر بیٹھ کر گفتگو ہو سکتی ہے۔

اور پھر ایک اور نشان اس زمانہ کا ہے کہ ناکردہ گناہ لڑکیوں کو مار دینے والوں سے مواخذہ ہوگا اور یہ جرم قابل سزا ہوگا اور پھر وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ ہر قسم کی کتابوں اور اخباروں کی اشاعت کا زمانہ ہوگا اس کے لئے پریس اور کاغذ اور مختلف قسم کی تحریروں کی ایجاد حیرت انگیز ہو گی۔ آج اخبارات اور رسالجات اور دوسری کتب کی اشاعت کا اندازہ لگائیں تو حیرت ہو گی یہ قرآن مجید کا کتنا بڑا معجزہ ہے کہ ہر قسم کی ترقیاں جو آج اشاعت کتب واخبارات کے متعلق ہیں اُن سب کی پیش گوئی کی اور وہ پوری ہو رہی ہے اور پھر ایک اور نشان بتایا کہ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ وہ زمانہ کشف اسرار کا زمانہ ہوگا۔ آسمانی علوم حقہ کا بھی نزول ہوگا اور علوم نجوم اور سائنس کے متعلق بھی بال کی کھال اُتاری جاوے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آسمانی اجرام اور علوم النجوم کے متعلق باریک در باریک اسرار اور غوامض معلوم کرنے کی کوشش کی جاوے گی۔ اور اس فن میں عجیب عجیب ترقیاں ہوں گی۔ آج جو لوگ سائنس کے کرشموں سے واقفیت رکھتے ہیں اور اسٹرالوجی کے متعلق تازہ.... تحقیقاتوں سے باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ پیشگوئی نہایت عظمت وشان سے پوری

ہوئی ہے۔

الغرض جب یہ نشانات پورے ہو جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا ابتلاء آئے گا کہ بہشت اور دوزخ قریب کئے جائیں گے اور ہر شخص کو اپنے اعمال پر نظر کرنے کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام آیات اور نشانات کو آخری زمانہ سے جو ہمارا زمانہ ہے وابستہ کر کے پھر کلام الٰہی کے نزول پر بحث کی اور ان کی ضرورت کو اجرام سماوی کے مشاہدہ کو برنگ قسم پیش کر کے بتایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۔ یاد رہے کہ پانچ سیارہ یعنی زحل، مشتری، مریخ ، زہرہ اور عطارد ایسے ہیں جن کی عجیب حیرتناک چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں اور اس لحاظ سے انہیں جوار کہتے ہیں۔ جوار جمع ہے جاریہ کی۔ یعنی ایک انداز پر چلنے والے اور کبھی اُلٹے چلنے لگتے ہیں یعنی جدھر سے آئے تھے پھر لوٹ کر اُدھر ہی آ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں خنّس کہتے ہیں۔ خنّس جمع ہے خانس اور خانسہ کی۔ معنی پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔ انہیں سیاروں کی تین یہ چالیں ہیں۔ اُن کی چال ہمیشہ ایک طرح کی نہیں رہتی بلکہ پلٹتی رہتی ہے۔ جیسے کوئی متحیر آدمی سیدھا جاتا ہے پھر لوٹ آتا ہے اِسی لئے اُن کو خمسہ متحیّرہ کہتے ہیں یا تو مشرق سے مغرب بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکایک حرکت بند ہو گئی اور پھر اُلٹے مشرق سے مغرب کو چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت ، دوسری کو وقوف اور تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔ غرض ان سیاروں کی اس طرح کی چالیں ان کے تغیرات صریحاً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کا نظام ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ جو علیم و حکیم ہے اور ایسے تصرفات پر قادر ہے پھر قیامت کے تغیرات اس کے آگے کیوں ناممکن ہیں اور یہ نظیر کلام الٰہی کے نزول پر اس لئے گواہ ہے کہ ان سیاروں کا وجود انسان کی جسمانی ضروریات کے تہیہ اور تکفل کے لئے ایک بڑا ذریعہ ہے چنانچہ جو لوگ اسٹرالوجی کے ماہر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سیاروں کا اثر زمین پر اور اہل زمین پر کس طرح پڑتا ہے اور وہ زمین کی پیداوار اور دوسری اشیاء پر خاص اثر ڈالتے ہیں تو جس خدا نے انسان کی فانی اور آنی ضرورتوں کے لئے اتنا بڑا سامان کیا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ابدی اور غیر فانی زندگی کے لئے کلام الٰہی کا

سامان نہ ہو؟ پھر سفلی نظائر پیش کئے ہیں کہ راتؔ کو دیکھو جب وہ جانے لگتی ہے تو صبح صادق ضرور نمودار ہوتی ہے۔ یہی رنگ دنیا میں کلام الٰہی کے آنے کا ہے جب دنیا ظلمت فسق و فجور سے سیاہ ہوتی ہے اور بالکل تاریکی چھا جاتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی صبح نمودار ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ نورحق کی شمع لے کر آجاتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن کریم آیا دنیا کی حالت بگڑ گئی تھی اور کوئی صداقت کی روشنی نہ تھی اب قرآن کریم کے ظہور سے

آفتابِ صداقت طلوع ہوا ہے

پھر بتایا ہے کہ قرآن مجید کیا ہے وہ ایک مکرم فرشتہ کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ اس میں بشارت اور پیشگوئی ہے کہ اس کو ماننے والے بھی مکرم ہوں گے اور پھر وہی لانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالی پائے گاہ ہے اتنے بڑے محترم وجود کو اس کی پیام رسانی کے لئے مامور کیا تو اس سے اس کی عظمت کا اندازہ کرو وہ مسکینؔ ہے۔ قرآن مجید کو بھی دنیا میں تمکین عطا ہو گی اور جس پر نازل ہوا وہ بزرگ عالی شان ہو گا۔ مطاعؔ ہو گا۔ امینؔ ہو گا۔ اب غور کرو کیا یہ پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں یا نہیں؟ اور قرآن مجید کے ماننے والوں کو عزتؔ، وقارؔ، تکریمؔ، تمکینؔ، مطاعؔ اور امینؔ ہونا نصیب ہوا یا نہیں؟ ان واقعات کو دنیا کی تاریخ اپنی گود میں رکھتی ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ خلق عظیم ہیں۔ ان کو جو اجر دیا گیا وہ غیر منقطع ہے۔ اب دیکھ لو کہ یہ کیسی عظمت اور عزت ہے کہ ہر وقت دنیا کے ہر حصہ میں آپ پر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّم

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابیوں کی پیش گوئی اُفق مبین کے لفظ میں فرمائی اور بتایا کہ قرآن مجید میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں۔ بالآخر فرمایا کہ اے اہل مکہ! قرآن مجید کو چھوڑ کر تم کونسا راہ اختیار کرتے ہو۔ یہ تمہارے لئے اچھا نہیں دیکھو یہ قرآن مجید کل دنیا کا ہدایت نامہ ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا میں تاریخی قوم بنا دینے والا ہے۔ اسے مت چھوڑو۔ تم میں سے کون ہیں جو اس سے

فائدہ اُٹھائیں گے۔ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ۔ اور آخر میں بتایا کہ استقامت اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے ایک ہی گُر اور اصل ہے کہ انسان اپنی مرضی کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت کر دے۔ (ترجمۃ القرآن)

۲۔ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ۔

ترجمہ۔ جس وقت آفتاب لپیٹ لیا جائے۔

تفسیر۔ شمس کے معنے ضیاء الشّمس یعنی سورج کی دھوپ کے بھی ہیں اور تکویر معنے لپیٹنے کے ہیں قرآن شریف سورۃ الفرقان رکوع ۵ میں ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا میں کفر کی ظلمت کو مٹانے والی چیز، نبی کا وجود، قرآن شریف اور وحی الٰہی کو قرار دیا ہے۔ جو بطور شمس کے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

می درخشم چوں قمر تابم چو قرص آفتاب
کور چشم آناں کہ در انکارہا افتادہ اند[1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ /جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۸ تا ۳۱۰)

۳۔ وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ۔

ترجمہ۔ اور ستارے مدھم پڑ جائیں۔

تفسیر۔ نجوم کی روشنی سورج ہی سے ہے۔ جب ضیاء الشّمس ہی نہ رہا تو تکدرِ نجوم لازمی ہے۔ نبی کے متبعین بھی نجوم ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ جن سے مسافروں کو راہ کا پتہ ملتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ /جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۴۔ وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ۔

ترجمہ۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔

تفسیر۔ جبال سے مراد سلاطین وغیرہ بڑی بڑی قومیں بھی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ /جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

---

[1] میں چاند کی مانند چمک رہا ہوں نیز سورج کی مانند روشن ہوں وہ لوگ اندھے ہیں جو ابھی تک انکار کر رہے ہیں۔

۵۔ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔

ترجمہ۔ اور حاملہ اونٹنیاں بے کار ہو جائیں۔

تفسیر۔ دس ۱۰ مہینے کی گابن اونٹنی کا معطل اور بیکار ہونا اس زمانہ کی موجودہ نَو ایجاد سواریوں کی وجہ سے ظاہر ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۶۔ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔

ترجمہ۔ اور جس وقت وحشی اٹھائے جائیں۔

تفسیر۔ عاشورہ محرم کی تاریخوں میں لوگ انسان ہو کر شیر، چیتا، ریچھ وغیرہ کا سوانگ لیتے ہیں۔ گویا عملی طور پر انسانیت سے مسخ ہو کر وحشی بن جانے کا ثبوت دیتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۷۔ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔

ترجمہ۔ اور جب دریا پھیر دیئے جائیں (یا جھونک دیئے جائیں)۔

تفسیر۔ حضرت قتادہؓ سے سُجِّرَتْ کے معنے منقول ہیں کہ دریاؤں کا پانی خشک ہو جائے گا۔ کیانل ڈیپارٹمنٹ نے بڑے بڑے دریاؤں سے نہریں نکال کر ان کو تقریباً ایسا ہی کر دیا۔ گویا کہ سوک گئی ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۸۔ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔

ترجمہ۔ اور قسم قسم کے لوگ بلائے جائیں۔

تفسیر۔ حدیث شریف میں اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کا جوڑا اس کی نظیر کے ساتھ ملا دیا جاوے گا۔ آجکل گرجاؤں میں مرتدین کا جوڑ گانٹھ اسی پیمانہ سے عمدہ طور سے ہو جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۹، ۱۰۔ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔

ترجمہ۔ اور زندہ درگور کی نسبت سوال کیا جائے؟ کس گناہ سے ماری گئی۔

تفسیر۔ مَوْءٗدَةُ کے معنے مٹی یا کسی وزن دار چیز کے نیچے دبا دینا ہے۔ اسی قبیل سے ہے۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ

حِفۡظُهُمَا (البقرہ:۲۵۶)اسقاطِ حمل بھی زندہ درگور کرنا ہے۔آجکل دختر کشی بلکہ اسقاطِ حمل پر بھی قصاص کی سزائیں ملتی ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

انسان پیدا ہوا لڑکی یا لڑکا۔تمام بلاد میں علی العموم اور عرب میں بالخصوص رواج تھا۔لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔اور لڑکیوں کی نسبت کثرتِ اولاد کو ناپسند کرتے تھے ایک یونانی حکیم کا قول ہے لنگڑے لڑکے قانونًا مارے جاویں۔کثرتِ اولاد پر اسقاط جنین اور مانع حمل ادویہ پوچھنے والے بہت سے لوگ میرے پاس آئے۔انسانی قربانی کا جسے ہند میں بَلی کہتے ہیں۔یہود میں عام رواج تھا۔عرب کے بت پرست بھی اس بلائے بد میں گرفتار تھے۔مگر حضور نے ان امراض کا علاج ایسا کیا جس کی نظیر نہیں۔اور یہی بات خرقِ عادت ہے کہ ان امراض کا نام ونشان ملک عرب میں نہ رہا۔دیکھو قرآن ان قبیح رسوم پر کیا فرماتا ہے اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ۔ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ۔(التکویر:۹،۱۰)[۱]

وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا۔(بنی اسرائیل:۳۲)[۲]

وَ کَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَکَآؤُهُمۡ لِیُرۡدُوۡهُمۡ وَ لِیَلۡبِسُوۡا عَلَیۡهِمۡ دِیۡنَهُمۡ ؕ۔(الانعام:۱۳۸)[۳] (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۴۱،۴۲)

۱۱۔ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ۔

ترجمہ۔ اور جب کتابیں پھیلائی جائیں۔

تفسیر۔ جرائد، رسالجات، کتب وغیرہ کا انتشار فی زمانہ خوب ہو رہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰)

۱؎ جب بیٹی جیتی گاڑ دی کو پُوچھے کس گناہ پر وہ ماری گئی۔ ۲؎ اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے، ہم روزی دیتے ہیں، ان کو اور تم کو، بیشک ان کا مارنا بڑی چوک ہے۔ ۳؎ اسی طرح بھلی دکھائی ہے بہت مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ ان کو ہلاک کریں اور ان کا دین خلط کریں۔

۱۲۔ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔

ترجمہ۔ اور جب آسمان کی کھال کھینچی جائے۔

تفسیر۔سَمَاء کے معنی بلندی کے ہیں۔جیسا کہ فرمایا۔فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ [1] (الحج:۱۶) اور اِکشاط کے معنے اِکشاف یعنی کھول کر ننگا کر دینے کے ہیں۔ اَكْشَطَ عَنْ ظَهْرِ الْفَرَسِ کے معنے ہیں گھوڑے کی پیٹھ پر سے زین اتار لو۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ آسمانی اجرام اور علمِ نجوم کے متعلق باریک در باریک اسرار اور غوامض کھل پڑیں گے۔ گویا بال کی کھال نکالی جاوے گی۔ اسٹرانومی کے علم والے جانتے ہیں کہ اس قرآنی پیشگوئی کا ظہور اس زمانہ میں کیسا کچھ ہو رہا ہے۔ اور آئندہ کہاں تک اس علم کی ترقی کی امید ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱)

۱۳، ۱۴۔ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۔ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔

ترجمہ۔ اور جب سخت آگ بھڑکائی جائے۔ اور جب بہشت قریب لائی جائے۔

تفسیر۔ تَسْعِیراً: آگ روشن کرنا۔ اُزْلِفَتْ: کے معنے اُدْنِيَتْ نزدیک کئے جانے کے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ [2] (الزمر:۴) فی زمانہ اسباب تنعم اور مصائب و شدائد دونوں بہت بڑھ گئے ہیں۔

ابتدا سورۃ سے بارہ آیتوں میں کلام ذوالمعارف کئی کئی مضامین کو ساتھ لئے ہوئے بڑی بلاغت سے بیان ہوا ہے۔ قیامت کے احوال اور مبادی قیامت دونوں کو نہایت خوبی سے ادا فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرّہ فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ تاویل کی یہ رائے ہے کہ بارہ حوادث موت کے وقت جسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ پیش آتے ہیں۔ انسان کی روح بمنزلہ آفتاب کے ہے۔ جس کی شعاع سے اس کا بدن زندہ اور باقی رہتا ہے۔ روح کا نکلنا کیا ہے۔ گویا تکویر شمس ہے۔ ان کے حواس و قویٰ کا موت کے وقت بیکار ہونا انکدارِ نجوم ہے، اعضائے رئیسہ کا باطل ہونا، ان

---

[1] چاہئے آسمان تک ایک رسی تانے۔ [2] تا کہ وہ ہم کو اللہ کے نزدیک کر دیں قرب اور مرتبہ میں۔

پہاڑوں کی جنبش ہے۔ ہڈیوں کی چربی اور دودھ کا خشک ہونا، تعطلِ عشار ہے۔ افعال بہیمیہ وسبعیہ کے نتائج کا ظہور ہونا حشر وحوش ہے۔ رطوباتِ بدن اور خون کا خشک ہونا، دریاؤں کا سوک جانا ہے۔ (کبھی یہ دریا موت کے وقت سوک جاتے ہیں۔ اور کبھی بہا دیئے جاتے ہیں۔ سجّرت کا لفظ دونوں معنوں پر مشتمل ہے)۔ اور ملکات مکسوبہ کا باہم اجتماع یعنی ظلمانی کا ظلمانی سے اور نورانی کا نورانی سے تزویجِ نفوس ہے۔ زندگی کے گراں قدر حصّہ کو جو اس دارالمحن میں جو طرح طرح کی مشقتوں کے نیچے دبایا گیا ہے۔ مَوْءُوْدَۃ فرمایا کہ اس کو ثواب کے مصرفوں میں خرچ کیا یا گناہ کے۔ نامۂ اعمال کا کھلنا نشر صحائف ہے۔ آخرت کی جزا وسزا کا عیاں ہوجانا روح پر اکشاط سماء یعنی سماوی امور کا اس پر کھل جانا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔[۱] (قٓ:۲۳)

بعد الموت شدائد ومصائب کا دیکھنا سلگتے ہوئے جہنم کا دیکھنا ہے اور فرحت ونیک جُز کا دیکھنا جنت کا نزدیک ہونا ہے۔ آگے فرمایا۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ

حضرات صوفیہ نے بھی ان بارہ حالتوں کو مراتبِ سلوک کے طے کرنے پر حمل کیا ہے۔ غرض کہ اس قسم کے کلام ذوالمعارف جو پیشگوئیوں پر بھی مشتمل ہوں اور واقعاتِ صحیحہ وحقہ پر بھی مشتمل ہوں۔ کسی دیوانے کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ رجون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

۱۶، ۱۷۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔

ترجمہ۔ تو میں قسم کھاتا ہوں دن میں چھپنے والے پیچھے ہٹنے والے تاروں کی۔ اور اپنی جگہ نظر آنے والے، سیدھے چلنے والے، آگے چلنے والوں، ڈوب جانے والے تاروں کی۔

تفسیر۔ یہ کلام بھی کلامِ ذوالمعارف کے طور پر ہے۔ منجملہ اس کے معارف کے ایک یہ ہے کہ قسمیہ طور پر فرمایا کہ کفر اب تین طرح سے ٹوٹے گا۔ اوّل: ترقی کفر کی تھم جائے گی، دبک جائے گی،

۱۔ تو ہم نے اٹھالیا تجھ سے تیرا پردہ تو آج تیری نظر بڑی تیز ہے۔

پسپا ہو جائے گی۔ دومؔ کچھ لوگ رُو براہ ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ باقی رہے سہے پر جھاڑو پھیر دی جائے گی، آسمانی بلاؤں سے، زمینی بلاؤں سے، جنگوں سے کفر کا صفایا ہو جاوے گا۔ یہی اس کے لئے تکنس ہے۔ سورج کی روشنی سے ستاروں کا ماند پڑ جانا بھی خنس ہے اَلْجَوَار کے معنے سیدھے ہو کر چلنا ہے اور کنسؔ کے معنے ڈوب جانے اور غروب ہو جانے کے ہیں۔ لا نافیہ کی توجیہہ سورۃ قیامۃ میں دیکھو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ / جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

۱۸، ۱۹۔ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ۔

ترجمہ۔ اور اس رات کی جب وہ جاتی ہے۔ اور صبح کی جب وہ سانس لے۔

تفسیر۔ رات گئی اور صبح نمودار ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

وَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْا كِتَابَهٗ اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعٗ [1]

عَسْعَسَ اضداد سے ہے جس کے معنے آنے اور جانے کے ہیں۔ یعنی کفر گیا اور اس کی جگہ اسلام نے لے لی ہے۔ عَسْعَسَ کے لفظ سے زمین کا گول ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف سے ظلمت روشنی پر چڑھی چلی آتی ہے تو ساتھ ہی دوسری طرف سے پیچھے سے روشنی ظلمت پر سوار ہو رہی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ زمین گول نہ مانا جاوے۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ [2] (آل عمران:۱۴۱)

کے معنے بھی لیل کے تَعَسْعَسَ اور صبح کے تنفس کے قریب قریب ہیں یا عَسْعَسَ کے لفظ سے زمین کا گول ہونا یوں سمجھ لیجئے کہ جب رات ہماری طرف سے گئی اور ہم پر دن آیا تو زمین کے دوسری طرف والوں پر رات آئی اور اسی طرح سے اس کے بالعکس۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ / جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

۱۔ اور ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں جو اس کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اس وقت جب فجر طلوع ہوتی ہے۔

۲۔ یہ دن ہیں ہم ان کو لوگوں میں نوبت بنوبت لاتے رہتے ہیں۔

۲۰ تا ۲۳۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ۔

ترجمہ۔ بے شک یہ صاحب عزت رسول کا کلام ہے۔ جو قوت دار ہے۔ عرش عظیم کے مالک کے نزدیک بڑا درجہ پایا ہوا ہے۔ اطاعت کیا گیا اللہ کے پاس بڑا امانت دار ہے۔ اور تمہارا صاحب کچھ بھی دیوانہ نہیں ہے۔

تفسیر۔ اس قدر کلام ذوالمعارف بیان فرمانے کے بعد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جنون کے الزام کو دفع کیا اور استشہاد کیا۔ اس ذوالمعارف و پُراز حقائق کلام سے کہ کیا مجنون ایسے مدلّل اور پُرمعانی عبارات بیان کر سکتا ہے۔ مجنون تو بے تکی باتوں میں پکڑا جاتا ہے۔ مجنون کے ساتھ صَاحِبُكُمْ کے لفظ کے لانے سے یہ غرض ہے کہ جنون کی پہچان چند ساعت یا چند روزہ مصاحبت سے خوب اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے۔ اور سورۃ نٓ وَالْقَلَمِ میں یہ سمجھایا کہ تحریر میں مجنون ذرا بھی باربط عبارت سے نہیں چل سکتا۔ آیہ کریمہ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔[1] (سبا:۴۷) میں بھی مصاحبت ہی سے جنون کو پہنچوایا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسی دنیا میں مکرم، ذی قوۃ، مکین اور مطاع ہو جانا بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ صفتیں جبرائیل کی بھی ہیں۔ اس صورت میں قول کے معنے قرأت جبرائیل کے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

یعنی وہ رسول ہے اعلیٰ درجہ کی عزت والا، طاقتوں والا، رتبے والا اور ملائکہ اس کے ماتحت چلتے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کے خزانہ کا امین ہے۔

(اخبار بدر قادیان جلد ۸ نمبر ۱۵ مورخہ ۴؍فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

۲۵۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔

ترجمہ۔ وہ تو غیب کی بات بتانے پر بخل کرنے والا نہیں ہے۔

---

[1] تمہارے صاحب کو کچھ بھی جنون نہیں۔

تفسیر۔ ضَنِیْنٍ کے معنے مُتَّہِم ۔اپنے پاس سے بات بنانے والا۔آسمانی خبروں کے اور معاد کے احوال بنانے میں بخیل۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

۲۷۔ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ۔

ترجمہ۔ پھر تم کہاں چلے جارہے ہو۔

تفسیر۔ ایسے کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

۳۰۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ترجمہ۔ اور اس حال میں کہ نہ چاہنے والے ہو تم مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔

تفسیر۔ تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو رضاء الٰہی ہو۔ یہ واؤ حالیہ ہے۔اس کے معنے ہوئے ’’حالانکہ نہ چاہو گے تم‘‘ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۱)

معدوم کو موجود کرنا خدا کا کام ہے مخلوق میں ۔ہاں حیوان اور انسان کے دل میں کسی ارادے اور مشیّت کا پیدا کر دینا بے شک باری تعالیٰ کا کام ہے۔ اِلّا ہر ایک منصف جانتا ہے کہ صرف مشیت اور ارادے کے وجود سے کسی فعل کا وجود ضروری اور لازمی امر نہیں۔ یقیناً قوائے فطری کا خلق اور عطا کرنا جن پر ہر گونہ افعال کا وجود وظہور مترتب ومتفرع ہوسکتا ہے۔خالق ہی کا کام ہے۔اس لطیف نکتے کے سمجھانے کے لئے اور نیز اس امر کے اظہار کرنے کو کہ قوائے طبعی اور کائنات سے کوئی وجود اصل امر خلق میں شریک نہیں۔سب اشیاء کی علت العلل میں ہی ہوں۔ باری تعالیٰ سب افعال کو بلکہ ان افعال کو بھی جو ہم معائنے اور مشاہدے کے طور پر انسان اور حیوان سے سرزد ہوتے دیکھتے ہیں اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔کہیں قرآن میں فرماتا ہے۔ہوا بادلوں کو ہانک لاتی ہے۔کہیں فرماتا ہے۔ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں۔ہم ہی گایوں اور بھینسوں کے تھنوں میں دودھ بناتے ہیں۔ہم ہی اناج بوتے ہیں۔ہم ہی کھیت اگاتے ہیں۔اور تامُّل کے بعد یہ سب نسبتیں جو ظاہراً متضاد الطرفین ہیں۔ بالکل صحیح اور حقیقۃً بالکل صداقت ہیں۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۳۲۰)

سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۃ انفطار کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

۲۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جائے۔

تفسیر۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ میں بھی آخری زمانہ کی پیشگوئی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ظہور دنیا میں بھی ہونا چاہیے۔ اگر آسمان پھٹ جاوے اور سیارے گر پڑیں وغیرہ وغیرہ اور دنیا زیر وزبر ہو جاوے۔ تو وہ وقت انسانی ہدایت اور اصلاح کا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو ہلاکت کا سماں ہوگا۔ ان سورتوں میں جو قیامت کے متعلق واقعات آئے ہیں۔ دراصل یہ آخری زمانے کے نشانات ہیں۔ اور آسمان کے پھٹ جانے سے یہ مراد نہیں کہ فی الواقعہ آسمان پھٹ جائے گا۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہوتی ہے۔ اسی طرح آسمان بھی بیکار ہوگا۔ آسمان سے فیوض نازل نہ ہوں گے۔ اور دنیا ظلمت وتاریکی سے بھر جائے گی۔ علاوہ بریں اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیتوں پر آجکل کے زمانے کے حسبِ حال یا مسلمات کے رُو سے اعتراض ہوسکتا ہے کہ آسمان تو مجرد پول ہے۔ اس کا پھٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قران مجید نے آسمان کو مجرد پول قرار نہیں دیا بلکہ اُسے ایک لطیف وجود قرار دیا ہے۔ اور اگر کہا جاوے کہ پھر اس کے پھٹنے سے کیا مراد ہے؟ تو یہ یاد رہے کہ سماء سے مراد قرآن کریم میں کُلُّ مَا فِی السَّمَاءِ بھی ہے علاوہ بریں کسی لطیف مادہ میں عدم خرق کس نے تسلیم کیا ہے۔ بہرحال قرآن مجید نے یہ شہادت دی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ہر چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی۔ اور تجلیاتِ الٰہیہ اُس کی جگہ لے لیں گے اور عللِ ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علّتِ تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس آیت میں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ [1] (الرحمٰن:۲۸،۲۷)
اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں فرمایا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:۱۷)
یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قہری تجلی سے ہر ایک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانگت کو دکھلائے گا۔
اس سورۃ شریفہ میں بھی آخر یہی فرمایا ہے۔ وَ الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ [2] (الانفطار:۲۰) یہ اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے جو لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ [3] (المومن:۱۷) میں ادا کیا گیا ہے۔
غرض خدا تعالیٰ کی قہری تجلی نمودار ہوگی۔ اور فنا کا زبردست ہاتھ اپنا اثر دکھائے گا۔ اور آسمانی اجرام میں ایک انقلاب واقع ہوگا۔ ان آیات کو واقعات پر اگر مبنی قرار دیا جاوے تو بھی درست ہے کہ جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ تو ستاروں کا گر پڑنا یقینی امر ہے۔ اور ستارں اور سمندروں کے تعلقات میں جو کشش کام کر رہی ہے جب اس میں فرق آ جائے گا۔ تو سمندروں کا اپنی حدوں سے نکل جانا بھی مسلم امر ہے۔ آجکل کے سائنس دانوں نے تسلیم کیا ہے کہ زمین سکڑتی جاتی ہے اور سمندر اپنے کناروں سے بڑھا چلا آتا ہے۔ یہ آثار ان آیات کے مضامین کی صداقت کی دلیل ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۲)

۲ تا ۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ۔ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ۔

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جائے۔ اور ستارے جھڑ جائیں۔ ۴۔ اور جب دریا بہا دیئے جائیں۔ اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں۔

تفسیر۔ فَطَرَتْ کو دوسری جگہ اِنْشَقَّتْ فرمایا ہے۔ جدید تحقیقات میں آسمان کو لطیف چیز قرار دیا ہے۔ لطیف ہی سہی۔ لطیف پر بھی شق کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے بادل پھٹ گیا وغیرہ۔ بڑی بھاری مصیبت کے وقت بھی عرفاً کہتے ہیں کہ آسمان پھٹ پڑا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ہر ایک جو اس پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی ذات تیرے ربّ کی جو جلال اور بزرگی والی ہے۔
[2] اور اس دن اللہ ہی اللہ کا حکم ہے۔ [3] آج کس کی بادشاہی ہے؟ (ندا ہوگی) اکیلے اللہ کی جو بڑا زبردست ہے۔

فرمایا ہے کہ سب سے بڑی مصیبت امت کے لئے میری وفات ہے۔کواکب کے انتشار سے ظاہری معنے کے علاوہ بڑے بڑے اہل اللہ کا انتقال فرمانا ہے۔بعض کا قول ہے کہ بحار صرف کھارے سمندر ہی کو کہتے ہیں۔مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ فرمایا ہے۔ وَ مَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ ۔[1] (فاطر: ۱۳) دریاؤں سے نہریں چیر کر نکالنا جیسا کہ اس زمانہ میں ہوا ہے۔ پہلے کبھی نہیں ہوا۔قرآن شریف کی پیشگوئی پوری ہورہی ہے۔کوئی دوسری آسمانی کتاب ایسی اس وقت موجود نہیں جو ایسی صفائی سے پیشگوئی کا پورا ہونا دکھلاوے۔بَعْثَرَ اور بَحْثَرَ کے ایک معنے ہیں بعث اور بحث سے مرکب ہیں۔ان کے اصلی معنے پلٹ دینے کے، کریدنے کے ہیں۔اور اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کر دینے کے ہیں۔عرب کا خاص محاورہ ہے کہ جب مٹی کو پلٹ دیتے ہیں تو بَعْثَرَ یُبَعْثِرُ بَعْثَرَۃً سے تعبیر کرتے ہیں اور اسباب کو الٹ پلٹ کرنے کے وقت بَعْثَرَ الْمَتَاعَ کہتے ہیں۔آجکل قبریں ایک جگہ سے اکھیڑ کر دوسری جگہ دفن کئے جاتے ہیں۔کیا تعجب ہے کہ مسیح کی قبر بھی محلہ خانیار سری نگر کشمیر سے تحقیق کے لئے اکھیڑی جاوے۔اور پھر مع حواریوں کی قبروں کے تبرکاً لے جائے جائیں۔اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۔ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (العادیات: ۱۰، ۱۱) سے بھی کچھ اشارات ملتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۲)

۶۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۔

ترجمہ۔ تو ہر ایک جان لے گا کیا کچھ اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ہے۔

تفسیر۔ جو کام نہ کرنے تھے وہ کئے۔اور جو کام کرنے کے تھے وہ نہ کئے۔دوسرے معنے یہ ہیں کہ جو کیا اور جو کچھ نہ کیا۔قطع نظر اس کے کہ اچھا کیا یا بُرا کیا۔بات ایک ہی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۲)

۷۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۔

ترجمہ۔ اے انسان کس چیز نے تجھ کو مغرور کر دیا تیرے رب کریم پر۔

تفسیر۔ کریم کے کرم سے ناامید بھی نہ ہو اور صرف کرم ہی کی امید پر دھوکا نہ کھا بیٹھو۔دوسری جگہ فرمایا

---

[1] اور دو دریا برابر نہیں ہوسکتے ایک تو میٹھا پیاس بجھاتا ہے۔

ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۔[۱] (الحجر:۵۰، ۵۱)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان مورخہ ۶ ؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۲)

۸، ۹۔ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۔

ترجمہ۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا پھر معتدل بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے تجویز کیا۔

تفسیر خلق، تسویہ، تعدیل، ترکیب وتناسب اعضاء۔

خداوند تعالیٰ کی ان چار نعمتوں پر ہی اگر انسان غور کرے تو جزا وسزا کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اُس کو بہت کچھ مدد مل جاوے گی۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ ان میں سے ایک تیسری نعمت ہی پر انسان غور کر لے کہ کس طرح اس کو حرارت، برودت اور رطوبت، یبوست، ان چار خلطوں سے معتدل المزاج رکھا ہے اگر ذرا بھی ان اخلاط میں افراط یا تفریط ہوتی ہے۔ تو فوراً جزا وسزا ملنے لگتی ہے۔

چار چیزے مخالف و سرکش چند روزے بوند باہم خوش
گر یکے زیں چہار شد غالب جانِ شیریں برآید از قالب[۲]

انسان پیدا کیا۔ اَنعام میں سے نہیں بنایا۔ تسویہ خلق ایسا عمدہ کیا کہ شیر ہاتھی وغیرہ سب کو قابو کر لیتا ہے۔ بڑا ہی معتدل المزاج بنایا ہے۔ صورتوں اور آوازوں کی ترکیب ایسی کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں میں صورت اور آواز ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہ سب اس کی ربوبیت اور کرم ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۶، ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳)

۱؎ میرے بندوں کو خبردار کردے کہ میں ہی ہوں بڑا عیبوں کا ڈھانپنے والا سچی کوشش کا بدلہ دینے والا۔ اور یہ بھی خبر دے دے کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

۲؎ چار چیزیں جو باہم مخالف اور سرکش ہیں چند دن یہ آپس میں خوش رہتی ہیں۔ اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی غالب آجائے تو جان جسم سے نکل جاتی ہے۔

۱۲، ۱۳۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ۔ بزرگ لکھنے والے۔وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر۔ نامۂ اعمال کے لکھے جانے اوراس کے محفوظ رہنے پر جن لوگوں کو استبعادِ عقلی معلوم ہوتا ہے وہ آجکل کے ایک نو ایجاد آلہ گراموفون ہی کو دیکھ لیں کہ کس طرح ریکارڈ اس میں محفوظ رہتا ہے۔ اور دوبارہ چکر دینے سے کس طرح ذرا ذرا سی حرکات یہاں تک کہ کھانسی اور تنفس کی کمی زیادتی بھی اس سے ظاہر ہونے لگتی ہے۔

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے ڈھونڈ وخدا کو دل سے نہ لاف وگزاف سے

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۱۶، ۱۷۔ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ۔ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ۔

ترجمہ۔ اس میں داخل ہوں گے جزا کے دن۔وہ اس سے کبھی غائب نہ ہوں گے۔

تفسیر۔ دوزخیوں کے ذکر میں وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ فرمایا۔مگر جنتیوں کے ذکر میں وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔[1] (الحجر:۴۹) فرمایا۔

ان دونوں آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخی دوزخ میں گو احقاب در احقاب مدّت تک رہیں اور گو وہ اپنی مدت لبث میں ذرا سی دیر کے لئے بھی دوزخ سے غائب نہ ہوسکیں۔مگر بالآخر وہ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ کے مصداق نہیں ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر استدلال کے طور پر فرمایا کرتے تھے يَأْتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ وَنَسِيْمُ الصَّبَا تُحَرِّكُ اَبْوَابَهَا۔[2] غالباً یہ عبارت تفسیر معالم میں ہے۔عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ[3] (ھود:۱۰۹) اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ[4] (البروج:۱۷) سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔اور اس سورہ شریفہ کے رب کریم کے لفظ سے بھی یہی پتہ لگتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

---

[1] اور وہاں سے کبھی نکالے بھی نہیں جائیں گے۔ [2] جہنم پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اس میں کوئی نہ ہوگا اور نسیم الصبا اس کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔ [3] یہ بخشش ہے غیر منقطع بے انتہا۔ [4] جو چاہتا ہے اس کو بخوبی کر لیتا ہے۔

سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ہم سورۃ تطفیف کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے نام سے جو بڑا رحمن اور رحیم ہے۔

۲۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ۔

ترجمہ۔ کم دینے والوں کی خرابی ہے۔

تفسیر۔ مُطَفِّفِيْنَ۔ کم دینے والے۔تطفیف کے معنے وزن اور پیمانہ ہیں۔ کچھ تھوڑی سی چیز خفیہ طور پر کم کر لینے کے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۳۔ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۔

ترجمہ۔ جو لیتے وقت لوگوں سے بھرپور لیتے ہیں۔

تفسیر۔ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۔اِکْتَال کو مِنْ کے ساتھ متعدی نہیں کیا۔ بلکہ عَلٰی کے ساتھ متعدی کیا اور اس میں دقیق رعایت یہ رکھی کہ اکثر اوقات ماپ تول برضا و رغبت جھکتی ڈنڈی سے لیا جاتا ہے اور دینے والا بھی جھکتی تول خوشی سے دیتا ہے۔ممنوع لینا جھکتی تول وہ ہے۔ جو ضرر کے لئے ہو کہ بلا رضامندی دینے والے کے جھکتی تول لی جاوے۔حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگ ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں تو خداوند کریم بارشوں کو روک لیتا ہے۔قحط شدید پڑتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں یہ مرض خصوصیت سے ہوگا۔مگر اس وقت تو بات حد سے بڑھ گئی ہے۔ بلکہ مزید خصوصیت ایک اور یہ ہوگئی کہ مباحثات میں وہ اعتراض کئے جاتے ہیں۔ جو خود معترضین پر بھی وارد ہوتے ہیں۔جس پیمانہ سے خَصْم کو جواب دیتے ہیں۔اسی پیمانہ سے جواب لینا پسند نہیں کرتے۔حدیث شریف میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ[۱]

---

[۱] تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہے جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مباحثات کے وقت دیکھ لیا کریں کہ کیا یہی اعتراض پلٹ کر ہم پر تو نہیں پڑتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۶ر جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۸۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ۔

ترجمہ۔ ضرور ایسا ہی ہوگا کہ بدکاروں کی کتاب قیدیوں کے رجسٹر میں ہے۔

تفسیر۔ سِجِّيْنٍ۔ سجن سے مشتق ہے۔ خواہ یہ سجن کہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیشگوئی مکی سورۃ میں بے کسی اور بے سروسامانی کی حالت میں کی تھی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فتوحات اور کفار کے دارو گیر سے پوری ہوگئی۔ اور اس سجن نے آخرت کے عذاب کو بھی ثابت کر دیا۔ سِجِّيْن سے مراد قیدیوں کا رجسٹر اور علیّین سے مراد ابرار کا رجسٹر۔ یہ معنے بھی عمدہ ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۱۱۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔

ترجمہ۔ افسوس ہے اس روز جھٹلانے والوں پر۔

تفسیر۔ جیسا مُطَفِّفِيْنَ کے ساتھ وَيْلٌ کا لفظ تھا۔ یہاں مُكَذِّبِيْنَ کے ساتھ بھی وَيْل کا لفظ ہے۔ معلوم ہوا کہ کذب کسی صادق کا بڑا مُطَفِّف ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۱۵۔ كَلَّا بَلْ سکتۃ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

ترجمہ۔ نہیں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر (ان کے کرتوتوں نے) زنگ جما دیا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

تفسیر۔ یہاں لفظ بَلْ کے بعد سکتہ ہے۔ اس لئے کہ انسان یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فرما کر صادق راست باز کے نہ پہچاننے کی وجہ پچھلی شامتِ اعمال قرار دی ہے۔ وہ میرے کون سے عمل کی شامت ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں اسی بات کو یوں ادا فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا۔[۱] (النساء:۸۹) رکس کے معنے مت ماری جانا۔ نیک کو بد اور بد کو نیک

---

[۱] اللہ نے اُن کو ہدایت نہیں دی الٹ دیا، نگوں سار کر دیا اُن کو اس کی سزا میں کہ انہوں نے اعمال نفاقیہ کئے۔

سمجھنا۔ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۔[1]
(الاعراف:۱۴۷) یہی رکس ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۱۹۔ کَلَّاۤ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ۔

ترجمہ۔ خبردار نیکوں کی کتاب اعلیٰ مقام والوں کے رجسٹر میں ہے۔

تفسیر۔ سِجِّیْن کے بالمقابل عِلِّیِّیْن ہے۔خواہ کہیں ہو۔اس سے بحث نہیں۔دیکھنا تو یہ ہے کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔[2] (المومن:۵۲) کی پیشگوئی ہو کر علوّ حاصل ہوا یا نہیں؟ یہ علوّ کچھ جنگ پر ہی موقوف نہیں۔ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ[3] اسلام بغیر جنگ کے بھی حجت و برہان سے اور خداوند کریم کی تائیدات سے سماوی نشانات و دیگر فتوحات سے عالی رہتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۲۴۔ عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۔

ترجمہ۔ اپنے تختوں پر بیٹھے سیر کر رہے ہوں گے۔

تفسیر۔ اَرَآئِكِ ۔جمع اَرِیْکَۃٌ کی۔ہم اَرِیْکَہْ چھپر کھٹ کو کہتے ہیں۔ایسا تخت جو اوپر سے مزین و مسقّف ہو اور اردگرد سے بھی مزین ہو۔ایسا درخت جو قبہ کی طرح اپنی شاخوں اور پتوں سے خوشنما ہو۔وہ بھی اَرِیْکَہ ہے۔پیلو کا درخت قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۳)

۲۵۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ ۔

ترجمہ۔ تُو ان کے چہروں میں خوش حالی کی تازگی دیکھے گا۔

تفسیر۔ نَضْرَۃَ اس تازگی کو کہتے ہیں جو انتہائے سرور اور تنعم کے باعث چہرہ پر ظاہر ہوتی ہے کھائے کے گال اور نہائے کے بال، مشہور ہے۔فاتح قومیں عموماً دنیا میں خوبرو ہوتی ہیں۔آخرت کی

---

[1] اور اگر دیکھ لیں ہدایت کا راستہ جب بھی وہ اس کو اپنی راہ نہ بناویں اور اگر وہ دیکھیں گمراہی کا راستہ تو اسے اپنی راہ ٹھہرالیں۔ [2] بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے بھیجے ہوؤں کی اور ایمانداروں کی دنیا ہی کی زندگی میں۔

[3] اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

سب سے بڑی نعمت رؤیت باری تعالیٰ و دیدارِ الٰہی ہے۔ وہاں کی نَضْرَۃ کا باعث یہی ہوگی ۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَۃٌ ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَۃٌ ۔[1] (القیمة:۲۳۔۲۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)

۲۶، ۲۷۔ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔

ترجمہ۔ ان کو سچی خوشی کا سرور دینے والا شربت جو اَوروں کو نصیب نہیں پلایا جائے گا۔ اس کی مُہر (بجائے موم کے) مشک کی ہوگی اور ہوس کرنے والوں کو چاہئے کہ اس میں پوری ہوس کریں۔

تفسیر۔ رَحِيْقٍ نام شراب کا ہے جس کی صفت قرآن شریف میں لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۔[2] (الصّٰفّٰت:۴۸) ہے۔ مَّخْتُوْمٍ کے کئی معنے ہیں۔ ایک یہ کہ پینے کے بعد دیر تک اس کی خوشبو مِسک کی آتی رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تل چھٹ ایسا ہے جیسا مِسک۔ تیسرے یہ کہ سربمہر کہ سوائے ان مدارج والوں کے دوسروں کو نہ ملے گی۔ اور جیسے یہاں مُہر کے لاک ہوتی ہے وہ مہر مِسک سے لگائی جاوے گی۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ۔

تنافس کے معنے نفسا نفسی کرنے کے ہیں۔ جھگڑے کے بھی ہیں۔ یہ مبارک لفظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں بھی ہے جو کتاب البریہ میں درج ہے۔ مخالفوں میں پھوٹ اور متنافس سگِ دیوانہ پر پھٹکار۔ اس تنافس کو جس کا جی چاہے کتاب البریہ میں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں فرمایا کہ تَسَابَق و تَنَافُس یعنی ایک دوسرے پر نعمت کے حاصل کرنے میں پیش دستی کرنا۔ دنیا کی جاہ و حشم و صدر نشیں یا نعمتوں پر کوئی پائیدار چیز نہیں۔ اگر کرنا ہے تو فِيْ ذٰلِكَ یعنی ان رَحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ وغیرہ پر کرو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)

---

[1] بہت سے چہرے اس دن تازہ۔ اور اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

[2] وہ شراب ایسی ہے کہ اس سے عقل نہیں ماری جاتی۔ ہلاک نہیں ہوتا۔ چکر نہیں آتا اور نہ اس سے نشہ ہوتا ہے۔

۲۸۔ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۔

ترجمہ۔ اور اس کی ملونی ایک اعلیٰ چیز کی ہوگی۔

تفسیر۔ تَسْنِيْمٍ کے لغوی معنے ارتفاع اور بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان کو سَنَامُ الْبَعِيْرِ کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو حدیث میں ذُرْوَۃُ سَنَامِ الْاِسْلَامِ فرمایا ہے۔ تسنیم جنت میں وہ چشمہ ہے۔ جو جنت کے تمام پانیوں کے چشموں سے اشرف اور اعلیٰ ہے۔ جنتیوں کو اس چشمے سے بطور گلاب اور کیوڑے کے امتزاج کر کے دیا جاوے گا۔ مگر مقربین کے لئے خالص یہی شراب ہوگی جیسا کہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ سے واضح ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)

۳۱۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۔

ترجمہ۔ اور جب ان کے سامنے گزرتے تو آنکھیں مارا کرتے تھے، تحقیر کرتے تھے۔

تفسیر: غمز کے معنے پلکوں اور بھوؤں سے اشارہ کرنے کے ہیں اور عیب لگانے کے بھی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان ۱۳؍ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)

۳۲۔ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۔

ترجمہ۔ اور جب وہ اپنے گھر کی طرف واپس جاتے تو باتیں بناتے خوش خوش۔

تفسیر۔ ثعلبی کا قول ہے کہ فَكِهِيْنَ اور فَاكِهِيْنَ بظاہر دو مختلف لفظ ہیں۔ جیسے طامع اور طمع اور فارہ اور فرہ۔ مگر معنے دونوں کے ایک ہی ہیں۔ تبدیلِ ذائقہ کے لئے میوہ خوری، لذیذ کھانوں سے تلذذ، فرضی قصہ کہانیوں اور ناولوں سے دل بہلانا، مزے لینا۔ یہ سب فَكِهِيْنَ میں داخل ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ معظّمہ میں کفار کو یہ سنا رہے ہیں۔ کون یقین کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور آپؐ کے اتباع ایسے کامیاب اور بامراد ہو جائیں گے کہ انہیں بڑے بڑے درجات ملیں گے۔ چنانچہ جب صحابہؓ نے عجم و شام کی فتوحات حاصل کیں تو یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی۔ بہتے ہوئے چشمے اور دریا اور سبزہ زار اور ہر قسم کے مرغ زار

ان کے لئے موجود تھے اور تختوں پر بیٹھنے کی پیشگوئی تو صراحتًا بلا تاویل موجود ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تخت نشینی عطا کی۔ یہ تمام انعامات جو اگلی آیات میں بیان کئے ہوئے ہیں۔ انہیں ملے۔ اور ان کے متعلق تفسیری نوٹ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ عرض منکرین رسالت کی ناکامی اور نامرادی اور آپؐ کے صادق مخلصین اور متبعین کی کامیابیوں نے جن کے متعلق پیشگوئیاں کی گئی تھیں پورا ہو کر آخرت کے عذاب اور آرام جنت کے متعلق بھی تصدیق کر دی۔ بالآخر پھر یہ بتایا کہ اگرچہ آج یہ حالت ہے کہ خدا سے قطع تعلق کرنیوالے مومنین پر بہتان اڑاتے ہیں اور ٹھٹھے مارتے ہیں مگر وقت آتا ہے کہ مؤمنین کامیاب ہو جائیں گے اور یہ ہنسنے والے خود ہنسی کا موجب ہو جاویں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

غرض اس سورۃ شریف میں بھی یَوْمِ الدِّیْن کا ثبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ان واقعات سے دیا ہے۔ جن کو قبل از وقت پیشگوئی کے رنگ میں بتایا گیا تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳ / جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)



سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۃ انشقاق کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے نام سے جو بڑا رحمن اور رحیم ہے۔

۲۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔

ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جائے۔

تفسیر۔ آسمان میں جس قدر اجرامِ فلکی ہیں۔ وہ سب سماء کے لفظ میں داخل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انشقاق وسماء وانفطار پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ مختصراً یہ ہے کہ سماء سے مراد کُلُّ مَا فِی السَّمَآءِ ہے۔ لطیف چیزیں بہ نسبت کثیف کے سریع الخرق ہوتی ہیں۔ خواہ آسمان لطیف ہو یا کثیف۔ الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالمِ کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ ہر ایک جو بنایا گیا ہے توڑا جائے گا۔ قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفطار کے لفظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں۔ اُن سے ایسے معنے مراد نہیں جو کسی جسم صلیب یا کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ جل شانہ، فرماتا ہے وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِہٖ۔[۱] (الزمر:۶۸)

اگر شَقِّ السَّمٰوٰت سے درحقیقت پھاڑنا ہی مراد لی جاوے۔ تو مَطْوِیّات کا لفظ اس سے مغائر اور منافی پڑے گا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ؕ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ (الانبیاء:۱۰۵)

یعنی ہم آسمانوں اور زمین کو ایسا لپیٹ لیں گے۔ جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ

۱؎ اور آسمان اس کے دہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

لیتا ہے۔اور جس طرز سے ہم نے اس عالَم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی۔انہیں قدموں پر پھر یہ عالَم عدم کی طرف لوٹا یا جائے گا۔اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبّب پوشیدہ ہے۔اس وقت مسبّب ظاہر اور اسباب زاویہ عدم میں چُھپ جائیں گے اور ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلّیاتِ قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر ایک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلیاتِ الٰہیہ اس کی جگہ لے لے گی۔یہی سمٰوٰت کا انشقاق انفطار اور مطویات ہونا ہے۔ع

آسمان بارد نشاں اَلوَقت میگوئدزمیں[1]

یہ جملہ بھی حضرت صاحب کا ان آیات کی مختصر سی تفسیر ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴)

۳۔ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ۔

ترجمہ۔ اور اپنے رب کا حکم سنے اور یہی اس کو چاہئے۔

تفسیر۔ اَذِنَتْ۔ اذن سے مشتق ہے۔جس کے معنے کسی بات کے سننے کے لئے کان لگائے رکھنا، حکم کی تعمیل کرنا ہے۔حُقَّتْ کے معنے یہ ہیں کہ آسمان کا حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵)

۴، ۵۔ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ۔ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ۔

ترجمہ۔ اور جب زمین پھیلائی جائے۔اور جو کچھ اس میں ہے وہ باہر ڈال دے اور خالی ہو جائے۔

تفسیر۔ آسمان کا پھٹنا، زمین کا کشادہ ہونا اور اپنے مافیھا کو اپنے اندر سے اُگل دینا۔ان واقعات کو قرآن کریم میں بلفظِ دیگر یوں فرمایا ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء:۳۱)

یعنی زمینی اور آسمانی برکتیں بند تھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی زمینی اور آسمانی برکتوں میں ترقیات ہونے لگیں۔آپؐ کے عہدِ مبارک میں ان دونوں کا رتق ٹوٹا اور زمینی و آسمانی ترقیات کا سمندر بہہ نکلا۔زمینی علوم وفنون جس قدر ترقی کر گئے اور کر رہے ہیں وہ

[1] آسمان نشان برسا رہا ہے اور زمین یہ کہہ رہی ہے کہ یہی وقت ہے۔

محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ جس طرح آسمان کا اثر زمینی اشیاء قبول کر رہی ہیں۔ اسی طرح انسان بھی ذوجہتین ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۵)

۷۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ۔

ترجمہ۔ اے انسان ضرور تجھ کو بڑی کوشش کرنی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں۔ تو تُو اس تک ضرور پہنچ جائے گا۔

تفسیر۔ انسان کے معنے خدا سے بھی اُنس رکھنے والا اور اہل وعیال بیوی بچوں سے بھی اُنس رکھنے والا۔ دو طرف کے تعلقات کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ انسان کادح ہو۔ کدح کے معنے کسی چیز میں نہایت مشقت کے ساتھ کوشش کرنے کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ لَیْسُوْا عِبَادُ اللّٰہِ بِمُتَنَعِّمِیْنَ خدا کے بندے تن آسائش وتن پرور نہیں ہوتے۔ اور خاص کر خدا کی رضا کو پالینا اور اس سے ملاقات کرنا دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰہِ لَغَالٍ۔ خدا کا سودا مہنگا ہے۔ اس زمانہ کی دشواریوں کا ذکر مختصراً حدیث شریف میں ابن ماجہ باب شدۃ الزمان میں یوں فرمایا ہے۔

لَا یَزْدَادُ الْاَمْرُ اِلَّا شِدَّةً وَلَا الدُّنْیَا اِلَّا اِدْبَارًا۔ وَلَا النَّاسُ اِلَّا شُحًّا وَ لَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ۔[۱] (ابنِ ماجہ کتاب الفتن باب شدّۃ الزمان)

۸۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ۔

ترجمہ۔ تو جس کے سیدھے ہاتھ میں کتاب اعمال دی گئی۔

تفسیر۔ یُمن کے معنے دایاں ہاتھ، طاقت۔ جناب الٰہی کی پروانگی دعاؤں کے قبول ہونے کے راست بازی، اکلِ حلال، قوتِ بازو کی کمائی، جناب الٰہی کی مرضیات کی روشنی۔ یہ ضروری امور ہیں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں۔ تو حدیث شریف میں اَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ آیا ہے۔ کیونکر اس کی دعا قبول ہو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۵)

۹۔ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

ترجمہ۔ تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

۱۔ معاملہ سختی میں دنیا ادبار یعنی تنزل میں بڑھتی چلی جائے گی اور لوگ بخل اور حرص میں بڑھتے چلے جائیں گے اور مہدی نہیں مگر عیسیٰ بن مریم ہیں۔

تفسیر۔ حساب یسیر صرف بندہ کے لئے اس کے اعمال کا اس کے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اور اس کی خطاؤں سے چشم پوشی و درگزر کرنا ہے۔ امام احمدؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔ پوچھا کہ حساب یسیر کیا ہے فرمایا صرف نامۂ اعمال کا پیش کرنا اور درگزر فرمانا ہے۔ اور فرمایا۔ مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ عُذِّبَ جس کے حساب میں کرید کی گئی۔ وہ مُعَذَّبْ ہوگا۔ ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ہیں کہ ان سے حسابِ یسیر ہوگا۔ ایک یہ کہ جو اسے محروم رکھے اور نہ دے۔ اس کو دیا کرے۔ دوسرے یہ کہ جو ظلم کرے اس کو معاف کرے۔ تیسرے جو اس سے قطع رحمی کرے وہ اس سے وصل کرے۔ (اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۵)

۱۴۔ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔

ترجمہ۔ کیونکہ وہ اپنے گھر والوں میں خوشحال رہا کرتا تھا۔

تفسیر۔ اس آیت کے بالمقابل دوسری جگہ مومنوں کی صفت یوں فرمائی ہے۔

اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ۔[1] (الطور:۲۷)

مومن کو دنیا میں ہزار قسم تنعم ہو مگر آخرت کی فکر جاں گداز رہتی ہے۔ اور دنیا کی راحت ان پر تلخ رہتی ہے و لنعیم ما قیل ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملھا[2]

اور بھی کسی نے کہا ہے۔

عشرت امروز بے اندیشہ فردا خوش است ذکر شنبہ تلخ دارد جمعۂ اطفال را[3]

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۱ قادیان مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۵)

۱؎ ہم تو پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرا کرتے تھے۔ ۲؎ جانان کے گھر جا کر بھی کیا امن و عیش حاصل ہوگا کیونکہ ہر وقت گھنٹی یہی صدا دیتی ہے کہ سامانِ سفر تیار کرو۔ ۳؎ آج کی آسودگی کل کا سوچے بغیر ہی اچھی لگتی ہے کیونکہ ہفتہ کا ذکر کرنے سے بچوں کی جمعہ (کی چھٹی) کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔

۱۷ تا ۲۰۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ۔ وَ الَّيْلِ وَ مَا وَسَقَ۔ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔

ترجمہ۔ میں شفق کی قسم کھاتا ہوں۔ اور رات کی اور جس کو رات ڈھانپ لے اس کی۔ اور چاند کی جب وہ پورا ہوجائے۔ کہ تم درجہ بدرجہ چڑھتے چلے جاؤ گے۔

تفسیر۔ لَآ اُقْسِمُ کی توجیہہ سورۃ القیامۃ میں بیان ہوچکی ہے۔ شفق غروب آفتاب سے قبل اور بعد کی سرخی۔ وَسَقَ کے معنے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ رات جَامِعُ الْمُتَفَرِّقِيْن ہے چرند پرند، حیوانات، انسان سب رات کو اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ اِتَّسَقَ چاند کا بھرپور ہونا ہے اور یہ تدریجًا ہوتا ہے۔ اسی کو لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ میں واضح فرمایا۔ سورۃالتکویر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے آپ کے زمانہ میں جو ترقیات ہونے والی تھیں ان کو وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ۔[۱] (التکویر:۱۹) فرما کر ذکر فرمایا۔ اور اس جگہ ان آیاتِ باب میں آپ کے خلیفوں کے ذریعہ سے جو ترقیات مقدر تھیں ان کا ذکر فرمایا ہے۔ شَفَق نورِ نبوت کا دنیا سے رحلت فرمانا ہے اور یہ زمانہ کسی قدر خوف آمیز بھی ہوتا ہے۔ شفق کے لفظ میں اور لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔[۲] (النور:۵۶) میں ایک لطیف مناسبت ہے۔ صدیق اکبرؓ کے ابتدا زمانہ خلافت میں ارتداد عرب سے یہ شفق اور خوف دونوں واقع ہوگئے۔ بعد اختلاف یسیر کے مہاجرین وانصار کا اتفاق اور ایک خلیفہ کے ہاتھ پر ان کا جمع ہوجانا اسی ظلمت کے وقت میں وَ الَّيْلِ وَمَا وَسَقَ کا ایک عجیب نظارہ تھا اور اب تو خداوند کریم کے فضل سے ایام بیض ولیالی بدر ہیں۔ جو وَ الْقَمَرِ کے اِذَا اتَّسَقَ کے مصداق ہیں اور یہ جملہ ترقیات چونکہ تدریجاً ہیں اس لئے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فرمایا۔ زبان انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے۔ جو لَتَرْكَبُنَّ الآیہ سے موافقت رکھتی ہے

فورٹ اِز ناٹ بِلٹ ان اے ڈے[۳]

قمر کی تدریجی ترقی بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہمارا بدرؔ پہلے البدرؔ تھا اور اب خدا کے

۱؎ اور صبح کی جب وہ سانس لے۔ ۲؎ اور ان کو خوف کے بدلے میں امن عنایت فرمائے گا۔

۳؎ (FORT IS NOT BUILT IN A DAY) یعنی قلعہ ایک ہی دن میں نہیں بن جاتا۔

فضل سے بدر ہو گیا۔

شَبَّهَهٗ بِالْبَدْرِ قَالَ ظَلَمْتَنِيْ يَا وَاضِعِيْ وَ اللهِ ظُلْمًا بَيِّنًا
اَلْبَدْرُ يَنْقُصُ وَ الْكَمَالُ فِيْ طَلْعَتِيْ فَلِاَجْلِ هٰذَا صِرْتُ مِنْهُ اَحْسَنَ [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۵)

۲۴۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ۔

ترجمہ۔ اور اللہ تو خوب جانتا ہے جو کچھ دلوں میں رکھتے ہیں۔

تفسیر۔ یُوْعُوْنَ۔ وِعَاء سے مشتق ہے۔جس کے معنے ظرف میں کسی چیز کے بھرنے کے ہیں۔ فَبَدَأَ بِاَوْعِيَتِهِمْ ۔ [2] (یوسف:۷۷) انہی معنوں میں ہے۔ اَوْعِيَتْ وِعَاءٌ کی جمع ہے۔بات کوسن کر محفوظ رکھنا بھی وِعَاء ہے۔ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ۔ [3] (الحاقہ:۱۳) یہاں یُوْعُوْنَ سے مطلب کفار کی اس منصوبہ بازی سے ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کی نسبت دل میں ٹھان رکھی تھی جو آفتاب کی صبح کے تنفس سے لیکر شفق تک اپنی تمامی منزلیں طے کرتا ہو۔اس کو درمیان میں کون روکے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۶)

۲۶۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔

ترجمہ۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

تفسیر۔ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔غیر ممنون، غیر مقطوع۔قرآن شریف کے سجداتِ تلاوت میں سے اس سورہ شریفہ میں تیرواں سجدہ ہے۔

شقّ آسمان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تحریر فرمایا ہے۔اس کا اندراج بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ اعتراض پیش ہو کہ قرآن کریم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی وقت آسمان پھٹ جائیں گے اور ان میں شگاف ہو جائیں گے۔اگر وہ لطیف مادہ ہے تو اس کے پھٹنے

---

[1] اس نے اسے بدر (چودھویں کے چاند) کے ساتھ تشبیہ دی تو اس نے جواباً کہا اے میرا مقام گرانے والے بخدا تو نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔چودھویں کا چاند ناقص ہے جبکہ میرا چہرہ کمال والا ہے۔پس اسی وجہ سے میں اس (چودھویں کے چاند) سے زیادہ حسین ہوں۔ [2] پھر تلاشی لینی شروع کی ان کی خرجیوں میں۔ [3] تو اس کو یاد رکھے کوئی یاد رکھنے والا کان۔

کے کیا معنے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ اکثر قرآن کریم میں سماء سے مراد کُلّ مَا فِی السَّمَآءِ کولیا ہے جس میں آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے داخل ہیں۔ ماسوا اس کے ہر ایک جرم لطیف ہو یا کثیف قابلِ خرق ہے بلکہ لطیف تو بہت زیادہ خرق کو قبول کرتا ہے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ آسمانوں کے مادہ میں بحکمِ ربِ قدیر وحکیم ایک قسم کا خرق پیدا ہوجائے وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ بالآخر یہ بات بھی یادرکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے۔اور اللہ جلشانہٗ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعاراتِ لطیفہ سے بھرا ہوا ہے۔

سو ہمیں اس فکر میں پڑنا کہ انشقاق اور انفطار آسمانوں کا کیونکر ہوگا۔ درحقیقت ان الفاظ کے وسیع مفہوم میں ایک دخلِ بے جا ہے۔صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ اور اس قسم کے اور بھی عالم مادی کے فنا کی طرف اشارہ ہے۔الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالمِ کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ ہر ایک جو بنایا گیا توڑا جائے گا۔اور ہر ایک ترکیب پاش پاش ہوجائے گی اور ہر ایک جسم متفرق اور ذرہ ذرہ ہوجائے گا۔ ہر ایک جسم اور جسمانی پر عام فنا طاری ہوگی۔اور قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفطار کے لفظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں۔اُن سے ایسے معنے مراد نہیں ہیں جو کسی جسمِ صلب اور کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر:۶۸)

یعنی دنیا کے فنا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا۔اب دیکھو کہ اگر شَقّ السَّمٰوٰت سے درحقیقت پھاڑنا مرادلیا جائے تو مَطْوِيّٰتٌۢ کا لفظ اس سے مغائر اور منافی پڑے گا۔ کیونکہ اس میں پھاڑنے کا کہیں ذکر نہیں۔صرف لپیٹنے کا ذکر ہے۔ پھر ایک دوسری آیت ہے جو سورۃ الانبیاء جزء ۱۷ میں ہے اور وہ یہ ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۵)

یعنی ہم اس دن آسمانوں کو ایسا لپیٹ لیں گے جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے۔اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی۔انہیں قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔جس کو ہم کرنیوالے ہیں۔ بخاری نے بھی اس جگہ ایک حدیث لکھی ہے۔جس میں جائے غور یہ لفظ ہیں۔وَ تَكُوْنُ السَّمٰوٰتُ بِيَمِيْنِهٖ یعنی لپیٹنے کے یہ معنے ہیں کہ خداوند تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں چھپالے گا اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبّب پوشیدہ ہے۔اُس وقت مسبّب ظاہر اور اسباب زاویۂ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیات قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر ایک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلّیات الٰہیہ اس کی جگہ لیں گی اور عللِ ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علتِ تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔اسی کی طرف اشارہ ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ[1] (الرحمٰن:۲۷،۲۸)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔[2] (المومن:۱۷)

یعنی خدا تعالیٰ اپنی قہری تجلّی سے ہر ایک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانگت دکھلائے گا۔اور خدا تعالیٰ کے وعدوں سے مراد یہ بات نہیں کہ اتفاقاً کوئی بات منہ سے نکل گئی اور پھر بہر حال گلے پڑا ڈھول بجانا پڑا۔ کیونکہ اس قسم کے وعدے خدائے حکیم وعلیم کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ صرف یہ انسان ضعیف البنیان کا خاصہ ہے۔جس کا کوئی وعدہ تکلف اور ضعف یا مجبوری اور لاچاری کے مواقع سے ہمیشہ محفوظ نہیں رہ سکتا اور بایں ہمہ تقریبات اتفاقیہ پر مبنی ہوتا ہے۔نہ علم اور یقین اور حکمت قدیمہ پر۔مگر خدا تعالیٰ کے وعدے، اس کی صفات قدیمہ کے تقاضے کے موافق صادر ہوتے ہیں اور اس کے مواعید اُس کی غیر متناہی حکمت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۶)

۱؎ ہر ایک جو اس پر ہے فنا ہونے والا ہے۔اور باقی رہے گی ذات تیرے ربّ کی جو جلال اور بزرگی والی ہے۔

۲؎ جس دن کہ وہ نکل کھڑے ہوں گے۔چھپی نہ رہے گی اللہ پر ان کی کوئی چیز (اللہ فرمائے گا) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (ندا ہوگی) اکیلے اللہ کی جو بڑا زبردست ہے۔

سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ بروج کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

یہ مکی سورۃ ہے اس میں بڑی بڑی پیش گوئیاں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی کامل اور خاتم النبیین ہونے اور مخالفین ومنکرین کے ہلاک ہونے اور مومنین کے بالآخر کامیاب اور بامراد ہونے پر دلائل بیان کئے گئے ہیں اور پھر ان پیشگوئیوں کے لئے فرعون اور قوم ثمود کی ہلاکت کے واقعات کو اور اصحاب الاخدود کے واقعہ کو برنگ تائید پیش کیا ہے کہ مامورین اور مرسلین کے مخالف ہمیشہ ہلاک ہوئے اور اسی طرح آئمۃ الکفر کا حال ہوگا۔

آخر میں قرآن مجید کی حفاظت کی زبردست پیش گوئی کی ہے۔ بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ لوح محفوظ کے متعلق مسلمانوں نے جو کچھ مان رکھا ہے۔ اس کو بجائے خود رکھ کر اس سے یہ بھی مراد ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ تختیوں میں رکھا ہوا ہے یعنی کبھی زمان کا امتداد اسے انسانی دستبرد کے نیچے نہیں آنے دے گا اور اس میں کسی قسم کی تحریف وتبدیل نہ ہو سکے گی چنانچہ دوسری جگہ اس کی تائید میں فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔

قرآن مجید کی حفاظت کے اسباب کی توضیح اور تشریح یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کس کس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے بلکہ صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی کے طور پر فرما دیا ہے کہ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ہے اور واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ فی الواقع وہ محفوظ ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رسم خط تک ابتک برابر محفوظ چلا آتا ہے۔ غرض یہ سورۃ بھی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اور مختصر طور پر اسے درج کیا جاتا ہے۔

یوم الموعود سے مراد بدرؔ کا دن ہے۔جس دن بڑے بڑے اشرار اور معاندان حق ابوجہلؔ وغیرہ ہلاک ہوئے اس دن کا نام یوم الفرقان بھی ہے۔(فیصلہ کا دن) اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس دن کی آمد کو قسموں کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ۔

یہ سورۃ اس وقت اُتری۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب مسلمان جو آپ پر ایمان لائے تھے۔مصائب اور تکالیف کا نشانہ بن رہے تھے۔کفار مسلمانوں کو سخت ایذائیں پہونچاتے۔ انہیں طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتیں۔مسلمان ہونے کی وجہ سے جلتی ریت پر لٹایا جاتا اور بت پرستی کے لئے مجبور کیا جاتا۔کسی کو سولی پر لٹکا دیا جاتا۔کسی کو جان سے ہی مار دیا جاتا۔مسلمانوں کے لئے یہ سخت مصیبت اور ابتلاء کا وقت تھا۔دنیا ان پر تنگ ہو رہی تھی۔اسلام اور توحید کی خاطر جان دینا گوارا کرتے مگر ایمان دینا گوارا نہ کرتے۔ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی اور نظیراً اصحاب خندق کا واقعہ فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی۔اور کفار کو تنبیہ کی۔اور اس بات کی پیشین گوئی کی کہ جس طرح کھائی والے کافر اپنی کرتوتوں کی وجہ سے آخر کار خود ہی طعمہ نار ہوئے اُسی طرح کفار مکہ بھی آخر کار یقیناً اور لاریب طعمہ نار حرب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔اور قیامت کے دن یہ بڑا خوفناک اور پُرعبرت موقع ہوگا۔جبکہ یہی خدا کے مامور ومرسل جو دنیا میں ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔عزت کے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے اور ان کی امت کے سرکش اور شریر لوگ جو دنیا میں بڑے بڑے معزز اور رئیس خیال کئے جاتے ہیں اور تضحیک واستہزاء سے پیش آتے ہیں وہاں ذلت کے گڑھے میں گرائے جائیں گے۔اور سخت نادم اور رسوا ہوں گے۔ پس ان کفار مکہ کو اس دن کے مصائب اور تکالیف سے ڈرنا چاہیے۔جب کہ دنیا میں وہ انقلاب عظیم واقع ہو۔یوم الجزاء قائم ہو۔سب کے سامنے مالک عرش بریں کے حضور کھڑے ہوں اور اپنے اعمال کی جوابدہی کریں۔پیغمبروں کو جھٹلانے والے ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں گرائے جائیں گے۔ اور ان کے ماننے والے تختِ عزت پر جلوہ افروز ہوں گے۔اس سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے

قیامت کا ثبوت دیا ہے۔ اور قسم کے پیرایہ میں قدرت الٰہی کا ایک زبردست نشان (تغیر و انقلاب موسم کو) پیش کر کے اس بڑے انقلاب (قیام قیامت) کے وقوع پر استدلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی اس جہت سے کہ اس میں بارہ[۱۲] برج [۱] تصور کئے گئے ہیں جن کے اندر آفتاب سال بھر میں دورہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ہر ایک برج میں آفتاب کے داخل ہونے سے عالم اور اہل عالم پر ایک انقلاب جدید واقعہ ہو جاتا ہے کبھی سردی ہے کبھی گرمی۔ کبھی برسات کبھی خزاں۔ قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جس طرح ان برجوں کے اندر آفتاب کے داخل ہونے سے ایک نیا انقلاب زمانہ پر وارد ہوتا رہتا ہے اور ان انقلابات کا نظارہ اور مختلف موسموں کی تبدیلی ہر سال آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اسی طرح قریب ہے کہ وہ انقلاب عظیم بھی دنیا میں واقع ہو۔ آفتاب یکا یک حکم الٰہی سے ٹھہر جاوے۔ نظام عالم کی کل درہم برہم ہو جاوے اور اس یوم موعود کا نظارہ آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو۔ جو ذات انقلاب موجودہ پر قدرت رکھتی ہے اور ہر روز نیا انقلاب کرتی ہے۔ اس کے آگے وہ انقلاب عظیم بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ قریب ہے کہ وہ یوم موعود یعنی قیامت کا دن بھی نمایاں ہو۔ اور تمام دنیا جی اٹھے۔ محاسبہ اعمال کے لئے سب خدا کے حضور میں حاضر ہو جائیں گے اور ہر ایک گواہی دینے والا۔ یعنی نبی اپنی امت کی حالت پر گواہی دے کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ پیغامات الٰہی کو کہاں تک مانا اور کیسے کیسے دکھ دے۔ برجوں والے آسمان کی قسم قریب ہے کہ آفتاب دورہ کرتے

---

[۱] برج سے مراد کوئی گنبد یا عمارت نہیں ہے۔ بلکہ سیاروں کے اجتماع سے کوئی بیل کی شکل ہوگئی ہے۔ اس کا نام برج ثور رکھ دیا گیا۔ کوئی شیر کی اسے برج اسد کہہ دیا گیا۔ غرضیکہ ستاروں کے اجتماع سے اہل ہیئت نے ایسی شکلیں فرض کر لی ہیں۔ انہیں میں آفتاب کا ظاہری دورہ تصور کیا گیا ہے اور آفتاب ہر برج میں داخل ہو کر ایک انقلاب جدید پیدا کرتا ہے۔ کتاب ایوب ۲۸ باب ۳۲ میں ہے۔ کیا تجھ میں قدرت ہے کہ منطقہ و بروج کو ایک ایک اس کے موسم میں پیش کرے گا کیا تو افلاک کے قانونوں کو جانتا یا ان کا اقتدار زمین پر جاری کر سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں وہی دلیل قسم کی صورت میں اسجگہ ذکر کی گئی ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ اپنے وقت اور اپنے موسم پر ان کفار کو ہلاک کرے گا ہر ایک امر کا ایک وقت اور پیمانہ ہے۔ جب پیمانہ بھر جاوے پھر ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکتا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ۔

ہوئے وہ دن بھی آجاوے۔ جب کہ کفار مکہ (اصحاب خندق کی طرح) ذلت اور ہلاکت کے گڑھے میں گرے ہوئے ہوں اور پھر اس یوم موعود کی قسم ہے۔جس دن جلال الٰہی کا نظارہ لوگوں کی نظر میں جلوہ گر ہو۔اور پھر اس شخص کی قسم ہے۔ جو اس روز شاہد (حاضر) ہو اور یہ نظارہ جلالت الٰہی کا اپنی نظروں سے دیکھے۔اور مشہود (یعنی حاضر کئے گئے) کی قسم جن لوگوں کا نظارہ اہل بصیرت اسی دن مشاہدہ کریں گے۔ یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ خدا تعالیٰ کی قدرت کو سمجھیں گے اور اس کے وعدوں کو سچا پائیں گے۔کفار نابکار اسی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔جس طرح پر اصحاب اخدود یعنی کھائی والے ہلاک کئے گئے۔اور خدا کی عجیب قدرت نمایاں ہوگئی۔مختصر حال اصحاب خندق کا یہ ہے کہ ایک عیسائی لڑکا بڑا خدا پرست اور صاحب کرامت تھا۔ چنانچہ کئی آدمی اس کی کرامتیں دیکھ کر اور وعظ سن کر ایمان لے آئے۔اس وقت کا بادشاہ جو بہت بڑا بت پرست تھا لوگوں کو جبراً بت پرستی کرایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے جب ان لوگوں کا حال سنا۔تو سخت برافروختہ ہوا اور ان لوگوں کو زجر وتوبیخ کے بعد بت پرستی کے لئے مجبور کیا۔ جب انہوں نے نہ مانا تو زمین میں ایک لمبا چوڑا گڑھا کھدوایا۔اور اسے آگ سے بھروا کر ان آدمیوں کو وہاں ڈلوادیا۔وہ یہ ظلم کر ہی رہا تھا کہ دفعتہً وہ آگ اس شدت سے مشتعل ہوئی کہ اس کی لپٹ بادشاہ اور امراء تک جا پہونچی۔سب کے سب قہر الٰہی کی آگ میں بھسم ہو گئے یہ قصہ ایک عبرتناک واقعہ اور زبردست پیشگوئی تھی۔کفار مکہ کے لئے جو مسلمانوں کو سخت دکھ دے رہے تھے۔انہیں ایمان لانے سے روکتے اور طرح طرح کی ایذائیں دیتے۔کئی کو صلیب پر چڑھا دیا۔ زندوں کو تپتی ہوئی ریت میں ڈال دیتے تھے۔کئی صحابہ کو جان سے مار ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات دے دی اور ڈرایا کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (اے نبی) بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ چنانچہ آخر کار اللہ تعالیٰ ان کفار کو ایسا پکڑا کہ سب کے سب فنا ونیست ونابود ہو گئے۔اور جس طرح اصحاب خندق اسی نار میں جل مرے۔جل سے مومنوں کو جلا رہے تھے۔اسی طرح کفار مکہ بھی اسی تلوار سے مارے گئے۔جو مسلمانوں کی ایذا اور قتل کے لئے انہوں نے نکالی۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی سامان تھا؟ جس کے بھروسے پر آپ نے یہ پیشگوئی فرمائی، ہرگز نہیں۔آپ بالکل

بے زر، بے زور، بے سامان تھے اور خود آفات و بلیات کا نشانہ بن رہے تھے اور سلامت بچنے کی امید نہیں تھی۔ لیکن آپؐ نے قطعیت اور وثوق کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ضرور ضرور کفار ہلاک ہوں گے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نصرت اور فیروزی عطاء فرمائے گا۔ پس ایسا کلام بجز ملک العلام کے اور کسی کا نہیں ہوسکتا اور یہ بات دنیا کے تمام کفار، آریہ، برہمو اور عیسائی وغیرہ کے لئے حجت ہے۔ (ترجمۃ القرآن)

۲ تا ۴۔ وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ۔

ترجمہ۔ ستاروں والے آسمان کی قسم۔ اور وعدہ کے دن کی قسم۔ اور نبی کریم کی قسم اور اس کی امت کی۔

تفسیر۔ بُرُوْج۔ عربی زبان میں روشن ستاروں کو کہتے ہیں۔ بُرج کے لغوی معنے ظاہر کرنے کے ہیں۔ وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے مراد معروف بارہ برج۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان وغیرہ لئے ہیں مگر اسی قدر پر ٹھہر جانے سے آگے مطلب نہیں چلتا اور نہ آیات ماسبق کی آیات مالحق سے کوئی مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ بالاتفاق یہ سورۃ مکی ہے۔ اور اس وقت نازل ہوئی جبکہ نومسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کا شکار ہو رہے تھے۔ کوئی گرم تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا جاتا تھا اور کوئی بڑی بڑی بے رحمیوں سے قتل کیا جاتا تھا کہ گویا کہ آسمانی سطوت و جبروت کا مقابلہ زمینی حکومت سے کیا جا رہا تھا۔ اور یہ جانکاہ چیزیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری میں درپیش تھیں جن سے آپ کو اور نومسلم کمزور اصحاب کو صدمۂ عظیم تھا۔ اس لئے ان مظالم کے جواب میں جو زمینی حکومت کے ذریعہ سے کی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تین ملکوتی سطوت اور جبروت کو پیش کیا ہے جو سماء ذات بُروج[1]، یوم موعود[2]، شاہد و مشہود[3] ہیں۔

سماء ذات بروج سے سارا ملکوتی اقتدار مراد ہے۔ نہ صرف روشن ستارے یا سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب وغیرہ بروجِ معروفہ یا یوں تصور فرماویں کہ ''دولتِ برطانیہ'' کہنے کو تو ایک لفظ ہے مگر

اس ایک لفظ کے مفہوم میں انگلینڈ، آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ اور ولش اور ان کے تمامی مختلف ڈیپارٹمنٹ اور صوبے اور حکومتیں ہیں۔جن پر سے رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے کسی ساعت میں بھی آفتاب کا زوال نہیں ہوتا۔زمینی حکومت کے ذریعہ سے جو تعذیب کی جارہی تھی اس کے بالمقابل سماء ذاتِ بروج ،یومِ موعود، شاہد و مشہود کو رکھا ہے۔

یومِ موعود میں دس بارہ قول بیان ہوئے ہیں۔اس توجیہہ سے جو اوپر بیان ہوئی۔سارے ہی قول صحیح ہو جاتے ہیں۔علیٰ ھٰذا القیاس۔

شاہد و مشہود بھی۔یومِ موعود کی نسبت کہا گیا ہے کہ بدر کا دن، فتح مکہ کا دن، جمعہ کا دن، قیامت کا دن، عاشورہ کا دن، فرعون کے غرق ہونے کا دن۔غرض کہ ہر جزا سزا کے ملنے کا دن۔یہ سارے ہی دن ٹھیک اور درست ہیں۔اسی طور پر شاہد و مشہود یعنی عرفہ کا دن لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔[1] (الحج:۲۹) قیامت کا دن ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔[2] (ھود:۱۰۴) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔[3] (الانفطار: ۱۲) اور مخلوق۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی امت۔تمامی انبیاءؑ اور ان کی امتیں۔کل فرشتہ اور مخلوق۔وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ۔[4] (قٓ:۲۲) حتّٰی کہ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔[5] (النساء:۸۰) سے ذاتِ باری تعالیٰ اور تمامی مخلوق سالم بن عبد اللہ نے مراد لیا ہے۔غرض کہ یہ تین آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اور آپ کے نومسلم اور مظلوم اصحاب کی تسلی وتشفی کے لئے نازل فرمائیں۔جن میں اللہ تعالیٰ کی سطوت اور جبروت اور ملکوتی اقتدار کا بیان ہے۔جو کفار سے انتقام کے لئے کافی و وافی ہیں۔اس کے بعد نظیراً اصحاب اخدود کے واقعہ کو تین ہی آیتوں میں بالمقابل بیان فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹)

---

[1] تا کہ حاضر ہو جاویں اپنے فائدوں کے لئے۔

[2] انجام کار کا وہ دن ہے جس میں سب جمع ہوں گے اور وہ ایک دِکھتا ہوا دن ہے۔ [3] بزرگ لکھنے والے۔

[4] ہر ایک نفس آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا ایک گواہی دینے والا۔

[5] اور اس بات پر اللہ ہی کی گواہی بس ہے۔

۶ تا ۸۔ اَلنَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ۔ اِذْ ھُمْ عَلَیْھَا قُعُوْدٌ۔ وَّ ھُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُھُوْدٌ۔

ترجمہ۔ وہ خندق جس میں لکڑیئیں بہت بھر کر سلگائی گئی۔ جب وہ اس پر کھڑے یا بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ جو مومنوں کے ساتھ کرتے تھے وہ دیکھ رہے تھے۔

تفسیر۔ زمینی حکومت کے ذریعہ سے آگ کی خندقوں کا تیار کرنا اور ان پر تماشہ بینی کے لئے کرسیں بچھا کر بیٹھنا اور بالآخر اس وقت کے مؤمنین کو (جو غالبًا عیسائی موحد تھے) ان خندقوں میں جھونکنا یہ ایک ایسا نظارہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا تھا کہ جس سے ان کی اپنی تکلیفوں کا اندازہ مقابلۃً ان کو معلوم ہو گیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ان آیات کو پڑھتے تو فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَدَرَکِ الشِّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَتِ الْاَعْدَاءِ۔[۱]

اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ کے قصہ کو امام مسلم، احمد، ترمذی نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی سے نقل کیا ہے۔

اَلنَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ کے مقابلہ میں سَمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ تھا۔

اِذْھُمْ عَلَیْھَا قُعُوْدٌ کے مقابلہ میں اَلْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ تھا۔

وَّھُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُھُوْدٌ کے مقابلہ میں وَ شَاھِدٍ وَّمَشْھُوْدٍ تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۱۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَ لَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ۔

ترجمہ۔ بے شک جن لوگوں نے ستایا ایماندار مردوں کو اور ایماندار عورتوں کو پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے جہنم ہی کا عذاب ہے اور سخت جلنے کا۔

تفسیر۔ سابق کلام میں چونکہ خاص واقعات کا بیان تھا۔ اس لئے اس آیت شریفہ میں اسی قسم

---

[۱] اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بلا کی سختی اور مشقت سے اور بدبختی میں پڑنے سے اور بُری قضاء سے اور دشمنوں کی ہنسی مذاق کا (نشانہ بننے) سے۔

کے مظالم اوران کے انتقام کو عام کر دیا۔فتنہ کا لفظ ہر چھوٹے بڑے ابتلاء اور امتحان کے ہیں۔آ گ میں ڈالنا یہ بھی فتنہ ہے۔يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۔[1] (الذاریات:۱۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۱۸، ۱۹۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ۔ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ۔

ترجمہ۔ کیا تجھے لشکروں کی خبر ملی۔فرعون اور ثمود کے۔

تفسیر۔ فرعون، ثمود اوران کے علاوہ اوراور جنود کفار کے اپنے وقت کے پیغمبروں اوران کے ساتھیوں کے ساتھ جو مظالم برت کر مورِدِ انتقام ہوئے۔اصحاب اخدود کے ساتھ میں ان کو بھی بطور ضمیمہ کے یاد کرلو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۲۱۔ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ۔

ترجمہ۔ اور اللہ ان کو آگے پیچھے کو گھیر لے گا۔

تفسیر۔ وَرَآء ۔ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی پوشیدہ کرلے یا کسی چیز کی اوٹ میں آجاوے اور اس کا اطلاق پس و پیش دونوں پر آتا ہے۔اور اس آیت میں بطور اشتراک معنوی دونوں معنوں کو شامل ہے۔معنے آیت کے یہ ہیں۔آگے پیچھے گھیر رہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۲۲، ۲۳۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ۔ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔

ترجمہ۔ (کچھ نہیں) بلکہ یہ قرآن ہے بڑے رتبے کا۔تختیوں میں محفوظ رہے گا۔

تفسیر۔ جو کوشش کہ قرآن شریف اور اسلام کے مٹانے کے لئے کی گئی تھی۔اس کا اضراب بَلْ کے لفظ سے کیا۔اور قرآن کے لفظ میں فرمایا کہ یہ ہمیشہ پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس میں آتا رہے گا۔تختیوں، کاغذوں پر لکھا جایا کرے گا اور محفوظ و مصؤن رہے گا۔فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہ ایسا ہی ظہور میں آرہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷/جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

---

[1] ایک دن وہ آگ پر درست کئے جائیں گے۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ طارق کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ عظیم کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔

ترجمہ۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی۔

تفسیر۔ طرق کے لغوی معنے ٹھونکنے کے ہیں۔اس سورۃ شریفہ میں نجم ثاقب کو اس لئے طارق فرمایا کہ وہ شیاطین کو ٹھوک پیٹ کر کھدیڑتے ہیں۔اور آسمان کے لئے محافظ ہیں۔جب کہ ہر نفس کے محافظ ہیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ضیانت وحفاظت بالاولیٰ ضروری ہے۔راستہ ٹھونکنے پیٹنے سے اور اقدام کی رفتار سے مضبوط ہوجاتا ہے۔اس لئے طریق کہلاتا ہے۔مسافر لوگوں کے رات کو سو رہنے کے بعد جو دروازہ کو کھٹکھٹائے وہ بھی طارق ہے۔ایک شاعر کا قول ہے۔

طَرَقْتُ الْبَابَ حَتّٰی كَلَّمَتْنِیْ فَلَمَّا كَلَّمَتْنِیْ۔ كَلَّمَتْنِیْ [1]

غرض کہ سورۃ شریف کا موضوع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ضیانت اور حفاظت اور آپؐ کے اعداء کو آپؐ پر حملہ کرنے سے ٹھوک پیٹ کر دفع کرنا سمجھا جاتا ہے۔اور یہ حفاظت وذب ودفاع ظاہری اور باطنی دونوں طور سے متصور ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۴۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ۔

ترجمہ۔ وہ چمکدار ستارہ ہے۔

تفسیر۔ ثَاقِب: دور کا ستارہ۔ثریا اور تمامی ستارے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔کل اصحابؓ آپؐ کی

---

[1] میں نے دروازہ کھٹکھٹایا یہاں تک کہ وہ مجھ سے ہمکلام ہوئی۔جب اس نے مجھ سے گفتگو کی اس نے مجھے زخمی کردیا۔

حفاظت کے لئے نجم ثاقب تھے۔ بعض ستاروں کے طلوع کے وقت بیماریوں کے اجرام ان ستاروں کی تاثیر سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ سب سے بڑا شیطانوں کو ٹھوک پیٹ کر کھدیڑنے والا وجود نبی ہی کا ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے اس بات کو ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

آسماں سے نجمِ ثاقب اس شبِ تاریک میں سر پہ شیطانوں کے پڑنے کے لئے نازل ہوا

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹)

۶ تا ۸۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ۔

ترجمہ۔ تو انسان کو چاہئے کہ وہ دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے۔ جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتیوں کے بیچوں بیچ (یعنی دھڑ و پشت وشکم کے بیچ میں سے)۔

تفسیر۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ۔[1] اس آیتِ قرآنی پر جس میں انسان کی فطرت کا بیان مشاہدے کے طور پر بتایا گیا ہے۔ پادری صاحب اعتراض کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ کبھی قرآن کے اصلی لٹریچر سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ عوام کی سنی سنائی باتوں کو دل میں رکھ کر اعتراض جمانے لگتے ہیں۔ کسی کتاب پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کے اصلی ادب سے بلا واسطہ واقف ہونا فرض ہے۔

اعتراض: ’’نیچرل فلاسفی کے ڈاکٹر صاف صاف دکھلا سکتے ہیں کہ منی خصیے میں پیدا ہوتی ہے یہ

ا۔ پس دیکھ لے کس چیز سے آدمی بنایا گیا ہے۔ بنایا گیا ہے اُچھلتے پانی سے جو نکلتا ہے صلب اور ترائب ☆ کے درمیان کی جگہ سے۔

☆ اَلتَّرَائِبُ جَمْعُ تَرِيْبَةٍ وَهِيَ عَظْمُ الصَّدْرِ مِنْ رَجُلٍ اَوِ امْرَأَةٍ۔ (صحاح) ترائب جمع ہے تریبہ کی اور تریبہ سینے کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ مرد کی ہو یا عورت کی۔

بات غلط ہے کہ منی باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینے میں ہو۔ جیسے قرآن ہے۔‘‘

جواب: ہم کو نہایت تعجب آتا ہے جب ہم پادریوں کو نیچرل فلاسفی وغیرہ سائنٹیفک مصطلحات بولتے سنتے ہیں۔ انجیل اور فلاسفی انجیلی تعلیم سخت ہچکچاتی ہے کہ میدان میں نکل کر سائنس سے مقابلہ کرے۔ پادری ڈی ڈبلیو تھامس (تشریح التثلیث صفحہ ۲۲) مُعمّائے تثلیث کے حل سے عاجز آ کر کیسے بے اختیار کہہ اٹھے ہیں۔

’’خلقت (نیچر۔ قانونِ الٰہی) کے احوال سے استدلال اور عقلی دلائل اس میں چل نہیں سکتے۔ اس کا ثبوت بہمہ کلام الٰہی پر موقوف ہے۔‘‘

نیچرل فلاسفی! بڑا لفظ بولا۔ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے کے لئے تو بے اختیار یہ لفظ زبان سے نکلے گا۔ اندرونِ خانہ تو امید ہے کم ہی استعمال کرنے کا موقع آتا ہوگا۔

پادری صاحب! نیچرل فلاسفی کے ڈاکٹر یوشع بن نون کی خاطر سورج کا کھڑا ہونا، مُردوں کا زندہ کرنا، مجسم شخص کا آسمان پر چڑھ جانا، بے باپ کے لڑکا پیدا ہونا کب تسلیم کرتے ہیں۔ پہلے انہیں ہی نیچرل فلاسفی کی کسوٹی پر کَس لیا ہوتا۔

اب حقیقی جواب دینے سے پہلے ایک دو باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ قرآن مجید کی عظمت بخوبی واضح ہو جاوے۔

شیخ سعدیؒ ملک ایران میں پیدا ہوئے۔ جس ملک کی نسبت مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یونان اور عرب کے علوم مصر سے اور مصر کے علوم ہند یا ایران سے۔ اور بہتوں کا خیال ہے کہ ہند کے علوم بھی ایران سے لائے گئے۔ پھر اسلام کے ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جبکہ مسلمانوں کے علوم اپنے اَوج پر پہنچے ہوئے تھے۔ مزید برآں حضرت شیخ نے اپنے علوم کو سیاحت اور تجربۂ زمانہ سے اور بھی جِلا دی تھی۔ بایں ہمہ شیخ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے ’’ز صلب آورد نطفہ در شکم‘‘ [1] جس پر آجکل کی علمی دنیا ہنسی اڑاتی ہے۔

---

[1] صلب سے نطفہ پیٹ میں آتا ہے۔

ملک عرب میں بھی بالخصوص صلب واصلاب ہی کا محاورہ دائر وسائر تھا اور یہیں تک ان کے محدود ذہن کی رسائی تھی۔ مگر قرآن کریم پر قربان جایئے جو ہمیشہ ہر زمانے میں اپنی راستی اور صداقت دکھانے کو تیار ہے۔ اور ابد تک رہے گا۔

یہیں سے انسانی کلام اور الٰہی کلام کا تفرقہ معلوم ہوتا ہے۔ لیجئے اب قرآن کا مطلب سنئے۔

حقیقی جواب: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔[1] (الطارق:۶ تا ۸)

کیا معنی کہ نطفہ صلب اور ترائب کے بیچوں بیچ سے آتا ہے۔ صلب پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ ترائب جمع ہے تریبہ کی۔ سینے کی ہڈی۔

اب غور کرو نطفہ اور مَنی شریانی خون سے بنتی ہے۔ اور وہ شریان دِل سے نکلتا ہے۔ اور دل صلب وترائب کے بیچوں بیچ ہے۔

اَور طرح پر مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ باری تعالیٰ متکبر انسان کی گردنِ عجب توڑنے کو اُسے اس کی خلقتِ جسمانی منبع کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور چونکہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اور ہر مجلس میں جوانوں، بوڑھوں، عورتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ انسانی اصلاح کے ہر قسم کے مطالب واشارات اعلیٰ درجے کی پاکیزگی اور تہذیب سے ادا کرے۔

یہاں دانا سمجھ گئے ہوں گے اور حق شناس تو سمجھتے ہی ہیں کہ گردن کش انسان کو نصیحت کرنا قرآن کریم کو منظور ہے اور کس جگہ کی طرف اشارہ اُسے مقصود ہے۔

مگر اللہ اللہ کس خوبی اور لطافت سے اس مضمون کو نبھایا ہے۔ یہی اس کتاب کریم کا اصلی اور سچا معجزہ ہے۔

معترضو! خواہ مخواہ کی طعنہ زنی کے عاشقو! ترائب سے نیچے نگاہ کرتے جاؤ اور صلب کی طرف

---

[1] انسان کو چاہیے۔ دھیان کرے کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا گیا ہے اُچھلتے پانی سے جو پُشت اور سینے کی ہڈیوں کے بیچوں بیچ سے ہو کر نکلتا ہے۔

چلے جاؤ۔ عین بین یعنی بیچوں بیچ میں تم کو وہ پمپ یا فوارہ نظر آویگا۔ جس میں سے وہ اچھلتا پانی نکلتا ہے جو انسان کی پیدائش کا منبع یا مبدأ ہے۔

غور کرو، سوچو، ایمان اور انصاف سے کام لو۔ کیا مقصود تھا۔ کیا مطلب تھا۔ کس طرز پر ادا کیا۔ اس سے بڑھ کر فصیح اور پاک کلام کوئی دنیا میں ہے۔

علمِ ادب اور عربی سے آگاہی حاصل کرو۔ فصحائے عرب عضوِ تناسل کا نام جب بتقاضائے وقت لازم ہو۔ ایسی ہی نہج سے لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ افصح العرب والعجم ایک حدیث میں فرماتے ہیں۔

مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ۔ [1]

یعنی جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو فواحش اور منکرات سے روکے۔ میں اُسے جنت دلواؤں گا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ اِنْ هُوَ اِلَّا مَآ اَلْهَمَنِيْ بِهٖ رَبِّيْ۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۱)

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ دافق۔ سیال پانی۔ یکے بعد دیگرے متواتر گرنے والے قطرے۔ دافق، مدفوق کے معنوں میں ہے۔ عرب کی بولی میں فاعل مفعول کے معنوں میں کثرت سے بولا جاتا ہے۔ جیسے سِرٌّ كَاتِمٌ اَىْ مَكْتُوْمٌ۔ وَفِيْ قَوْلِهٖ۔ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ [2] (الحاقّہ:۲۲) اَىْ مَرْضِيَّةٍ۔

حضرت صاحب کی ایک نظم میں دفق کا لفظ اس طرح آیا ہے ؎

ہر کہ بر دفقِ حکم مشغول است برسرِ اُجرت است و مقبول است [3]

(براہین احمدیہ)

دفق کے معنے اس شعر میں حکم کے ساتھ ہی کودنے، پھاندنے فوراً چلے جانے کے ہیں۔ قرآن شریف کی ماسبق آیات کا ربط آیات ملحق سے یہ ہے کہ کفار جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل اور ایذاء اور مقابلہ کی ٹھان رکھی تھی۔ ان کو توجہ دلائی اس طرف کہ غرور تکبر نبی کے مقابلہ میں

---

[1] یعنی جو شخص مجھے ضمانت دے اس چیز کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور اس چیز کی جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی عضو تناسل) میں اس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ [2] پس وہ شخص تو بڑے عیش اور پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔ [3] وہ جو حکم کو فوراً ہی بجالانے میں مصروف ہے اس کو اجر مل رہا ہے اور وہ مقبول ہے۔

چھوڑ دیں۔اور اپنی پیدائش کو سوچیں کہ کس حقیر اور ناچیز قطرۂ آب سے ہوئی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰)

یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآىِٕبِ۔ ترائب کے معنے پستان کے صحیح نہیں ہیں۔اگر پستان مراد ہوتے تو صیغہ تثنیہ کا ہوتا۔ترائب تریبہ کی جمع ہے۔ترائب سینہ کے دائیں بائیں دونوں طرف کی پسلیوں کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔دل چونکہ صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے۔اور دل سے شریانی عروق پیوستہ ہیں اور انہیں شریانی خون سے مَنی پیدا ہوتی ہے۔(گو اَوعیہ منی بَیۡضَتَیۡن ہوں۔جو فلٹر کا کام دیتے ہیں مگر یہاں تو ذکر مخرج کا ہے نہ کہ فلٹر کا) اس لئے انسان کی حقیر پیدائش کا ذکر نہایت تہذیب کے ساتھ کیا۔

کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ۔[1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۰)

۹۔ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ اُس کے پلٹانے (یعنی مرے بعد پھر پیدا کرنے) پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر۔ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مسئلہ مہتم بالشان ہوتا ہے۔جیسے ہمارے اس زمانہ میں مسیح کی وفات کے مسئلہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔اسی طرح سے شرک اور بت پرستی کے علاوہ بعث بعد الموت کا سخت انکار کیا گیا تھا اس لئے قرآن شریف میں رجعت یعنی بعث بعد الموت کا ذکر بار بار کیا ہے۔ اور شریروں کو عقوبتِ اُخروی سے ڈرایا ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۱۰۔ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ۔

ترجمہ۔ ایک دن تمام بھید جانچے جائیں گے۔

تفسیر: تُبۡلَی بمعنے تَظۡھُر ہے۔سرآئِر۔سِر کی جمع ہے۔امتحان میں بھی مخفی استعداد ظاہر کی جاتی

---

[1] بادشاہوں کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔

ہے اس لئے بلاء امتحان کے معنے دیتا ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس دن جو کچھ مخفی در مخفی طور پر کئے تھے وہ بھی ظاہر ہو جائیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۱۲۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے برسات والے آسمان کی (کیونکہ زمین سے پانی جا کر واپس آتا ہے)۔

تفسیر۔ سَمَآءِ۔ بادل۔ رَجْعِ۔ بارش۔ چونکہ بخارات سمندروں سے اور زمین سے اوپر چڑھ کر بادلوں کی شکل میں مینہ بن کر واپس زمین ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس لئے بادلوں کا نام سماء اور بارش کا نام رجع ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

جس طرح زمین کا پانی آسمان کے پانی پر موقوف ہے اسی طرح عقلی چشمے الہامِ الٰہی کے محتاج ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۷۔۴۸۸)

۱۳۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔

ترجمہ۔ اور زمین کی قسم جو بہت پھٹ جاتی ہے (بسبب جھاڑ اور روئیدگیوں اور دوسرے صدمات کے)۔

تفسیر۔ صَدْعِ کے معنے پھٹنے کے ہیں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ۔[۱] (الروم: ۴۴) اَیْ یَتَفَرَّقُوْنَ۔ صَدْعِ کے لفظ سے صرف اسی قدر توجہ دلانا مقصود نہیں ہے کہ زمین کے پھٹنے سے کھیتیں اور درخت پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ آسمانی بارش سے جس طرح زمین سرسبز ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر کے آنے سے اور وحی آسمانی سے اہلِ زمین برگ و بار لاتے ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

ایں چُنیں کس، چورُو، نہد بہ جہاں ، بر جہاں ، عظمتش کُند عِیاں
چُوں بیاید ، بہار باز آید ، مَوسِمِ لالہ زار باز آید[۲]

---

[۱] اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔

[۲] اس طرح کے لوگ اگر دنیا کی طرف توجہ بھی کرتے ہیں تو ان کا مقصد یہی ہوتا کہ دنیا پر اس (خدا) کی عظمت ظاہر کریں۔ جب وہ آتا ہے تو بہار دوبارہ آجاتی ہے اور لالہ زار کا موسم دوبارہ قرار پکڑ جاتا ہے۔

باز خندد بناز ، لالہ و گُل باز خیزد ، زِ بُلبُلاں غلغل [۱]

(براہین احمدیہ) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۱۴۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۔

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن شریف فیصلہ کرنے والی بات ہے۔

تفسیر۔ اِنَّهٗ کا مرجع قرآن شریف ہے یا آسمانی بارش کے ذریعہ زمینی سرسبزی۔ دونوں ہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۱۶، ۱۷۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔

ترجمہ۔ وہ تو ایک جنگ کی تدبیریں کر رہے ہیں۔

تفسیر۔ کفارِ مکہ جس وقت اُس بنی نوع انسانی کے سچے خیر خواہ رؤف و رحیم ہادی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی تدابیر وفکر میں لگے ہوئے تھے۔ قرآن کہتا ہے اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔ [۲] (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ اوّل صفحہ ۱۳۴)

(۳) کَید کے معنے جیسے سیرۃ ابن ہشام بخاری محمد بن اسحاق میں موجود ہے۔ جنگ کرنے کے ہیں۔ بار بار مغازی میں آتا ہے خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَمْ يَلْقَ كَيْدًا اَىْ حَرْبًا۔ پس اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔ (الطارق:۱۶، ۱۷) کے معنے ہوئے۔ وہ خطرناک جنگ کی تیاریاں کرتے ہیں یا خطرناک جنگ کرنے کو ہیں اور میں بھی ان سے خطرناک جنگ کروں گا۔

(الحکم جلد ۲ نمبر ۵، ۶ مورخہ ۲۷؍مارچ و ۶؍اپریل ۱۸۹۸ء صفحہ ۸)

۱۸۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔

ترجمہ۔ پھر تُو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے ذرا اُن کو چھوڑ دے۔

تفسیر۔ اِمْهَال کے معنے مہلت دینے، ڈھیل دینے کے ہیں۔ رُوَيْدًا رَوْدَ کی تصغیر ہے۔ امر کے

---

[۱] گلاب اور باقی پھول ناز وادا کرتے ہوئے ہنس رہے ہیں اور بلبلوں نے چہچہاہٹ سے شور برپا کیا ہے۔

[۲] وہ خفیہ داؤں بچا رہے ہیں اور میں ان کے داؤں کو باطل کرنے کے درپے ہوں۔

معنے میں آیا کرتا ہے۔ جیسے نحوی اسم فاعل بمعنے امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے رُوَیْدَ زَیْدًا ای اُتْرُکْہُ وَدَعْہ. (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

جب آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باعث مکے سے نکالے گئے تو اُن سے اوران کے ہادی سے قرآن نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا:

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔[1] (الطارق:۱۸) اور اپنے آپ کو چونکہ موسیٰؑ کے مثیل کہا تھا اس لئے آپؐ نے دل بھر کے موسیٰؑ کے اتباع کا حال سنایا وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا[2] (الاعراف:۱۳۸)

اور صاف صاف تاکیدی الفاظ سے مکے میں یہ آیت پڑھ پڑھ کر سنائی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ۔[3] (القصص:۸۶)

یہ پیشین گوئیاں صاف صاف پوری ہوگئیں کہ تھوڑے عرصے میں کل سرزمینِ مکہ پر اہلِ اسلام کا تسلط ہوگیا۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸)



۱؎ ان کافروں کو کچھ مدّت فرصت دے۔ ۲؎ اور ہم نے انہیں لوگوں کو جنہیں وہ ضعیف سمجھتے تھے زمین (مکہ) کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنایا۔ ۳؎ بے شک وہ جس نے تجھے قرآن کا پابند بنایا یقیناً تجھے اصلی وطن (مکہ) میں پھیر لے جائے گا۔

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ اعلیٰ کو اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے پڑھنا شروع کرتے ہیں۔

۲۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔

ترجمہ۔ اپنے عالی شان رب کا پاکی سے نام لیا کر۔

تفسیر۔ سَبِّحِ۔ پاکی بیان کر۔ شرک وغیرہ کے عیوب سے اس کی تنزیہ کر۔ آیۃ شریف میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے۔ سبوحیت[۱]، ربوبیت[۲] اور علو[۳] شان۔ اس کے تحت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے تین پیشگوئیاں تھیں۔ جو بڑی صفائی سے پوری ہوئیں۔ آپؐ جنون، افتراء وغیرہ عیوب سے پاک تسلیم کئے گئے۔ آپ کی ربوبیت مکی زندگی کی ادنیٰ حالت سے تدریجاً یوماً فیوماً بڑھتی گئی اور اعلیٰ ترین مقام پر یہاں تک پہنچائی گئی کہ

وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔[۱] (النصر:۳)

اور اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔[۲] (المائدۃ:۴)

کی آواز آپ نے سن لی۔ روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے ہر صادق راست باز کے لئے عام مخاطبت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی۔(الاعلیٰ:۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا کام ہے کہ وہ اپنے رب کے اسماء کی تنزیہ کرتا رہے اور وہ تین طرح سے ہوتی ہے۔

اوّل۔ اللہ تعالیٰ پر بعض لوگ بدظنی کرتے ہیں اور اپنے اوپر نیک ظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے

۱؎ اور تو دیکھے لوگوں کو کہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں۔ ۲؎ اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔

کوشش تو بہت کی مگر ہماری محنت کا ثمرہ نہ ملا یہ بدظنی چھوڑ دو۔

دوم۔ اپنے چال چلن سے خدا تعالیٰ کی صفات کی عزت اور حرمت کرو۔

سوم۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر کوئی اعتراض کرے تو اس کا جواب دو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶ مورخہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

۳، ۴۔ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی۔

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ اور جس نے اندازہ کیا پھر راستہ دکھا دیا۔

تفسیر خَلَقَ ۔ تسویہ، تقدیر اور ہدایت ان چار باتوں کو علی الترتیب علت اور معلول کے سلسلہ میں بیان فرما کر حصولِ ترقی کے لئے راہ سمجھائی ہے۔ روئے سخن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور مفہوم کے اعتبار سے ہر ترقی کے خواہاں کے لئے اس میں ہدایت ہے۔

آیت الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی میں آریہ کا رد ہے جو خلقِ عالم کا منکر ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ اس مضمون کو بلفظ دیگر قرآن شریف میں یوں ادا فرمایا ہے۔

الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔[1] (طٰہٰ:۵۱)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۵، ۶۔ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی۔

ترجمہ۔ اور جس نے تازہ گھاس نکالا۔ پھر اس کو کوڑا کرکٹ بنا دیا۔

تفسیر۔ مَرْعٰی۔ زمینی گھانس پات سبز۔ غُثَآءً خشک کوڑا کرکٹ۔ غُثَآء جمع ہے۔ اس کا واحد غُثَاۃ آیا کرتا ہے۔ اَحْوٰی ۔حُوَّۃٌ سے مشتق ہے۔ سبزی کے بعد کسی چیز کا سیاہ ہو جانا حُوۃ ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں کفار کا جو انجام ہونیوالا تھا۔ ان دو آیتوں میں دکھلایا ہے۔ جو خس کم جہاں پاک کے مصداق ہو گئے۔ روئے سخن۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ربیعہ وغیرہ اس وقت کے کفار کی طرف ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے مصداق اس کے ہر صادق، راست باز کے معاند

[1] جس نے ہر ایک شئے کو عطا فرمائی اس کی اصلی صورت، پھر اس کی ضرورت کے رستے بنا دیئے۔

ہیں۔انہیں کا وجود ان کے کھیت کے لئے کھاد بن جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱)

۷،۸۔سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى۔

ترجمہ۔ ہم ضرور ہی تجھ کو قریب ہی ایسا پڑھائیں گے کہ تو پھر بھولے گا ہی نہیں۔مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ ظاہر بھی جانتا ہے اور چھپا ہوا بھی۔

تفسیر۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن شریف جسے یاد ہے۔وہ اس کو پڑھتا پڑھتا رہے۔ اگر پڑھنے میں ڈھیل دے دی گئی تو وہ کھلے ہوئے اونٹ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سینوں سے نکل جاتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر سال ایک بار دَور کیا کرتے تھے سالِ وفات آپؐ نے دو بار دَور کیا ''س'' کے معنے ضرور بالضرور کے ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے تحت میں موجود قرآن شریف کے علاوہ جس قدر مختلف قرأتیں عرب کے لب ولہجہ کی وجہ سے تھیں سب نَسْيًا مَّنْسِيًّا ہوگئیں۔ جو زیادہ تر مشہور قرأت تھی وہی متلو رہی۔قرآن شریف کے جمع کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہ کا فعل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل تھا۔شیعہ معترضین اس پر غور فرماویں۔

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کے سلسلہ میں بتایا کہ ہم تجھے پڑھائیں گے اور تُو کبھی نہیں بھولے گا۔جیسے پہلی آیتوں میں بتایا تھا کہ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے ایسے فطرتی قویٰ دیئے ہیں جو اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ ایسا ہی اس کو اس کے کمالِ مطلوبہ تک پہنچنے کا طریق بتایا ہے پس جس باوجود ہستی کو نورِ نبوت دیا جاتا ہے۔ضرور ہے کہ اس کے قوٰی میں بھی وہی قوّت اور طاقت ہو اور اس بارِ نبوّت کے اٹھانے کے لئے وہ ہمہ تن تیار ہو۔اور ہر قسم کی مشکلات جو اس راہ میں پیش آویں ان کے برداشت کرنے کا حوصلہ اور استقلال اس میں موجود ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ تیرے آنے کی جو غرض دنیا میں ہے۔اس کے حسبِ حال آپ کو قوٰی دیئے ہیں اور اس کی تکمیل کی جو راہ ہے۔ وہ آپ کو بتا دی جاتی ہے۔اگر یہ سوال ہو کہ یہ علوم جو نبوت کے متعلق ہیں۔ وہ کس طرح پر محفوظ رہیں گے اور آپ کس طرح پڑھ لیں

گے۔تو سنو! اس کے متعلق ہم پیشگوئی کرتے ہیں۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی۔ہم تجھ کو پڑھا دیں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا۔اب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور بشارت دی تھی کہ تو ہمارے پڑھائے ہوئے علوم کبھی نہیں بھولے گا۔اس وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن مجید پڑھایا اور تمام اسرار و حقائق و معارف و دقائق آپؐ پر منکشف کئے۔علومِ اولین و آخرین عطا فرمائے۔اور اس پر بھی رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔[۱] (طٰهٰ:۱۱۵) کی دعا سکھائی۔اس آیت میں یہ بھی بتایا ہے کہ بھولے گا نہیں۔مگر اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ بھی اس کے ساتھ ہے۔اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔سو یاد رکھنا چاہیے کہ ضروریاتِ دین اور کلام ربانی جس کا دنیا کو پہنچانا مقصود ہے۔وہ تو کبھی آپ کو بھول ہی نہیں سکتا اور نہ ایسا ہوسکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر امان ہی اٹھ جاوے۔قرآن مجید خود اس کی تشریح دوسری جگہ کرتا ہے۔ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ۔(بنی اسرائیل:۸۷) یعنی اگر ہم چاہتے تو جو کچھ تیری طرف وحی کیا ہے۔اسے لے جاتے۔مگر ایسا وقوع میں نہیں آیا۔اس لئے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یا لَئِنْ شِئْنَا سے یہ مراد نہیں ہوسکتا کہ ایسا وقوع میں بھی آیا۔اور اگر آیا بھی تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی قرآن کریم میں اس کا پتہ ہے۔اس لئے ایک جگہ فرمایا۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (الحج:۵۳) یعنی شیطانی القاء کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔اور اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے۔اور ایک اَور جگہ فرمایا۔ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (الشورٰی:۲۵) اللہ تعالیٰ باطل کو محو کر دیتا ہے اور اپنے کلماتِ حق کو حق ثابت کرتا ہے۔پس معلوم ہوا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ سے اگر کوئی مراد ہے تو وہ باطل اور ارادہ و تدابیر شیطانی ہیں۔جو آپؐ کی مخالفت کے لئے کی جاتی تھیں۔یہ بھی گویا عظیم الشان پیشگوئی ہے۔اس کو واقعات سے ملا کر دیکھو کہ کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پڑھایا گیا وہ قائم رہا۔اور دنیا اس کو نہیں بھول سکتی۔ قرآن کریم کی وحی آج تک بھی اسی قوت و شوکت کے ساتھ زندہ اور محفوظ ہے۔پھر اس کو مؤکد کرنے کے لئے فرمایا اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى (الاعلیٰ:۸) یعنی یہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد

---

[۱] اے میرے ربّ! مجھے علم اور زیادہ دے۔

ہے جوظاہراور مخفی تمام امور کا پوراعلیم وخبیر ہے۔پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے۔اس کے بعد ایک اور دلیل برنگ پیشگوئی فرمائی کہ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى۔یعنی تیرے ہر ایک کام میں سہولتیں اور آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔مکی زندگی جس عسر اور تنگی کی زندگی تھی وہ تاریخی اوراق سے عیاں ہے لیکن بعد میں آپؐ کے لئے جس قدر سہولتیں پیدا ہوئی ہیں۔وہ بھی ایک ظاہر امر ہے۔ہر کام میں سہولت اور آسانی پیدا ہوگئی اور اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔اس کے بعد پھر ایک پیشگوئی فرمائی کہ آپ کا کام تذکیر ہے۔آپ اس نصیحت کولوگوں تک پہنچاتے جائیں۔یہ خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ضرور اپنا مفید نتیجہ پیدا کرے گی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲)

۹۔ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى۔

ترجمہ۔ اور تجھ پر آرام کا راستہ آسان کر دیں گے۔

تفسیر۔ مکی زندگی آپؐ کی جس قسم کی عسرت کی تھی۔اس کو پیشِ نظر رکھ کر آپؐ کے عروج اور کمال تک نظر کی جاوے۔تو آیت کا مفہوم خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔علاوہ اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو دین لائے ہیں۔اس کی تعریف آپ نے یوں فرمائی ہے۔ مَا بُعِثْتُ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحِيَّةِ یعنی افراط وتفریط اور رہبانیت سے منزّہ سہل اور آسان دین کے ساتھ آپ مبعوث ہوئے۔سفر میں قصر ہے۔عذر ہو تو تیمّم ہے مسجد نہ ہو تو سب جگہ مسجد ہی مسجد ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۲)

۱۰۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔

ترجمہ۔ تو تُو سمجھاوے، بے شک سمجھانا یقیناً فائدہ ہی دیتا ہے۔

تفسیر۔ اِنْ بمعنے قَدْ ہے۔جیسے فرمایا۔ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا[۱]۔(بنی اسرائیل:۱۰۹) وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[۲]۔(آل عمران:۱۶۵) اِنْ کے معنے ہر جگہ شرطیہ نہیں ہوتے۔

۱؎ پاک ہے ہمارا ربّ بے شک ہمارے ربّ کا وعدہ تو ہوا ہوا یا ہے۔ ۲؎ یقیناً وہ اس سے پہلے صریح جہالت میں تھے۔

ان دو مقام کے علاوہ قرآن شریف میں کثرت سے اِنْ، قَد کے معنوں میں آیا ہے۔ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ۔[1] (الزخرف:٦) سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنے یا نہ سنے۔ وعظ ونصیحت کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ گوش زدہ اثر لے دارد۔[2]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۲)

۱۵ تا ۱۷۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

ترجمہ۔ تحقیق کہ وہی مراد کو پہنچ گیا جس نے سنوارا اور پاک بنا۔ اور اپنے رب کا پاک نام لیتا رہا اور نمازیں ادا کرتا رہا۔ کچھ نہیں تم تو دنیوی زندگی کو مقدم کرتے ہو۔

تفسیر۔ فلاح کے لئے ظاہری وباطنی طہارت پراگندہ خیالات سے دلجمعی، ذکرونماز وبالآخر دین کو دنیا پر مقدّم کرنا۔ یہ باتیں ضروری ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ہے۔

''مصفّٰی قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا''[3] (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۵) ایک ڈاکٹر صاحب نے جو ایم۔اے ہیں۔ اعتراض کیا کہ موتی تو کیڑے کے لعاب سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حال کی تحقیقات کا مشاہدہ ہے مگر جب ان کو توجہ دلائی گئی کہ سیپ میں کیڑا کس چیز سے پیدا ہوتا ہے۔ تو چونکہ ڈاکٹر تھے۔ خاموش ہو گئے۔ ایک اور الہام حضرت صاحب کا ہے۔ جس کو تزکیۂ نفس اور ذکر سے تعلق ہے وہ یہ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ عُرِضَ عَلٰى اَقْوَامٍ فَمَا دَخَلَ فِيْهِمْ وَمَا دَخَلُوْا فِيْهِ اِلَّا قَوْمٌ مُّنْقَطِعُوْنَ۔[4]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۱ مورخہ ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۲)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔

آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اور اس کے لئے دو قسم کی چیزیں ضروری ہیں۔ ایک جسم جو ہمیں

۱؎ کیا ہم تم سے روک لیں گے قرآن کو منہ پھیر کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے باہر نکلنے والے ہو۔ ۲؎ کان پڑی بات اثر رکھتی ہے۔ ۳؎ پاکیزہ قطرہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ گوہر بن سکے۔ ۴؎ یقیناً یہ قرآن قوموں پر پیش کیا گیا مگر ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ ہاں اس قوم نے اسے قبول کر لیا جو دنیا سے منقطع تھے۔

نظر آتا ہے۔اس کے لئے ہوا کی ضرورت ہے۔کھانے، پینے، پہننے، مکان کی ضرورت ہے۔کوئی اس کا یار وغمگسار ہو۔اس کی ضرورت ہے۔دور دراز ملکوں کے دریاؤں کے اس پار جانے کی ضرورت ہے۔زمیندار کو کھیت کی ضرورت ہے۔کیا زمین انسان بنا سکتا ہے۔پھر ہل کے لئے لکڑیاں چاہیں۔ مضبوط درخت ہو جب جا کر ہل بنتے ہیں۔ہل کے لئے لوہے کی بھی ضرورت ہے۔پھر اوزار بھی لوہے کے ہوتے ہیں۔لوہے کا بھی عجیب کارخانہ ہے۔لوہا کانوں سے آتا ہے۔جس کے لئے کتنے ہی مزدوروں کی ضرورت ہے۔پھر اور کئی قسم کی محنتوں اور مددوں کے بعد ہل بنتا ہے۔مگر یہ ہل بھی بیکار ہے جب تک جانور نہ ہوں۔پھر جانوروں کے لئے گھاس چارہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔پھر اس ہل چلانے میں علم ، فہم اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہے۔چنانچہ انہی کی مدد سے چھوٹے چھوٹے جتنے پیشے بنتے ہیں۔وہ عالی شان بنتے ہیں۔

مثلاً چکی پیسنا ایک ذلیل کسب تھا۔علم کے ذریعہ ایک اعلیٰ پیشہ ہو گیا۔یہ جو بڑے بڑے ملوں کے کارخانے والے ہیں۔دراصل چکی پیسنے کا ہی کسب ہے اور کیا ہے۔ایسا ہی گاڑی چلانا۔کیا معمولی کسب تھا۔گاڑی چلانے والا ہندوستان میں لنگوٹ باندھے ہوتا تھا۔اب گاڑی چلانے والے کیسے عظیم الشان لوگ ہیں یہ بھی علم ہی کی برکت ہے۔

حجام کا پیشہ کیسا ادنیٰ سمجھا جاتا۔یہی لوگ مرہم پٹی کرتے اور ہڈیاں بھی درست کر دیتے۔اسی پیشے کو علم کے ذریعے ترقی دیتے دیتے سرجنی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔اور سرجن بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔

میں نے تاجروں پر وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ سر پر بوجھ اٹھائے وہ در بدر پھر رہے ہیں۔رات کسی مسجد میں کاٹتے ہیں۔مگر اب تو تجارت والوں کے علیحدہ جہاز چلتے ہیں۔

وہ حکومت بھی دیکھی ہے کہ دس روپے لینے ہیں اور ایک زمیندار سے دھینگا مُشتی ہو رہی ہے یا اب منی آرڈر کے ذریعہ مالیہ ادا کر دیتے ہیں۔سنسان ویران جنگلوں کو آباد کر دیا گیا ہے۔یہ بھی علم ہی کی برکت ہے کہ اس سے ادنیٰ چیز اعلیٰ ہو جاتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جسم کے علاوہ کچھ اور بھی

عطا کیا ہے۔ یہ آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ جب تک اندر آنکھ نہ ہو۔ زبان نہیں بولتی جب تک اندر زبان نہ ہو کان نہیں سنتے جب تک اندر کان نہ ہوں۔ مگر یہ تو کافر کو بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور آنکھ وزبان وکان بھی ہے جو مومن کو دیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ آنکھ ہے جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ حق و باطل کا شنوا ہو سکتا ہے۔ حق و باطل کا اظہار کر سکتا ہے۔ اگر انسان حق کا گویا وشنوا وبینا نہ ہو تو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کا فتویٰ لگتا ہے۔

اللہ جلشانہٗ جس کو آنکھ دیتا ہے۔ وہ ایسی آنکھ ہوتی ہے کہ اس سے خدا کی رضا کی راہوں کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر ایک آنکھ اس سے بھی تیز ہے۔ جس سے مومن اللہ کی راہ پر علی البصیرت چلتے ہیں پھر اس سے بھی زیادہ تیز آنکھ ہے جو اولوالعزم رسولوں کو دی جاتی ہے۔ ان حواس کے متعلق اللہ اپنے پاک کلام میں وعظ کرتا ہے۔ دیکھو آج[۱] لوگوں نے کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کیا ہے۔ غسل کیا ہے۔ لباس حتی المقدور عمدہ ونیا پہنا ہے۔ خوشبو لگائی ہے۔ پگڑی سنوار کر باندھی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں کیا۔ صرف اس لئے ہم باہر بے عیب ہو کر نکلیں۔ بہت سے گھر ایسے ہوں گے جہاں بیوی بچوں میں اسی لئے جھگڑا بھی پڑا ہوگا۔ اور اس جھگڑے کی اصل بناء یہی ہے کہ بے عیب بن کر باہر نکلیں۔

جس طرح فطرت کا یہ تقاضا ہے اور انسان اسے بہر حال پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہارا مربی، میں تمہارا محسن ہوں جیسے تم نے اپنے جسم کو مصفّٰی ومطہر بے عیب بنا کر نکلنے کی کوشش کی ہے۔ ویسے ہی تم اپنے رب کے نام کی بھی تسبیح کرتے ہوئے نکلو اور دنیا والوں پر اس کا بے عیب ہونا ظاہر کرو۔ ادنیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ مومن اپنی زبان سے کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ

پھر وہ کلمات جن سے میں نے اپنے خطبہ کی ابتداء کی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اس میں بھی اس کی کبریائی کا بیان ہے۔ پھر اس سے ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ وہ یہ کہ یہ تسبیح دل سے ہو۔ کیونکہ یہ جناب الٰہی کے قرب کا موجب ہے۔

---

[۱] جمعہ کا دن

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ[1] اور فرماتا ہے کہ وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔[2] (الحج:۳۸) پس ضرور ہے کہ یہ تسبیح جو کریں تو دل کو مصفّا کر کے کریں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ کے فعل پر ناراض نہ ہوں اور یہ یقین کریں کہ جو کچھ خدا کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ اور جو کچھ کرے گا وہ بھی ہماری بھلائی و بہتری کے لئے کرے گا۔ ہمارے مربی و محسن پر اللہ رحم فرمائے کہ اس نے میرے کانوں میں اچھی آواز پہنچائی اور مجھے مشق کے لئے یہ شعر لکھ دیا۔

؎ سر نوشت ماز دست خود نوشت
خوشنویس است و نخواہد بد نوشت[3]

پس ہمیں چاہیے کہ اس اللہ کو جس کی ذات اعلیٰ اور تمام قسم کے نقصوں و عیبوں سے بالاتر ہے۔ رنج وراحت، عسر و یسر میں بے عیب یقین کریں اور یہ یقین رکھیں اَلشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْكَ۔[4] میں دیکھتا ہوں کہ ایک جمعہ میں مَیں نے اپنی طرف سے الوداعی خطبہ پڑھا کیونکہ میری حالت ایسی تھی کہ تھوک کے ساتھ بہت خون آتا۔ اندر ایسا جل گیا تھا کہ خاکستری دست آتے اور میں رات کو جب سوتا تو یہی سمجھتا کہ بس اب رخصت۔ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ۔[5] گھر والے بعض وقت ہمدردی سے مجھے ملامت کرتے کہ تم پرہیز کرتے۔ بہت وعظ کرتے ہو۔ سبق بدستور پڑھائے جاتے ہو۔ تو میں کہتا۔ بیشک جس قدر نقص و عیب ہیں میری طرف منسوب کرلو۔ میرا مولیٰ تو جو کچھ کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ بھلا ہی کرتا ہے۔ سچ ہے وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْكَ۔

غرض تم زبان سے سبحان اللہ کا ورد کرو۔ تو اس کے ساتھ دل سے بھی ایسا اعتقاد کرو۔ اور اپنے دل کو تمام قسم کے گندے خیالات سے پاک کردو۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھو کہ مالک ہماری اصلاح کے لئے ایسا کرتا ہے۔

۱؎ دو کلمے ہیں جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں میزان میں بہت وزنی ہیں۔ (سُبْحَانَ اللہ)۔ اللہ پاک ہے۔ (اَلْحَمْدُ للہ) سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ۲؎ لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ۳؎ اس نے ہماری تقدیر خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہے وہ بہت خوشنویس ہے اور برا نہیں لکھے گا۔ ۴؎ شر تیری طرف سے ہے اور تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ۵؎ میں نے اپنا آپ تیرے سپرد کردیا۔

پھر اس سے آگے اللہ توفیق دے تو اللہ کے اسماء پر اللہ کے صفات و افعال پر، اللہ کی کتاب پر، اللہ کے رسولؐ پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں، ان کو دُور کرو اور ان کا پاک ہونا بیان کرو۔

ہمارے ملک میں اس قسم کے اعتراضوں کی آزادی حضرت جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں شروع ہوئی ہے کیونکہ اس کے دربار میں وسعت خیالات والے لوگ پیدا ہو گئے۔ اس آزادی سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مطاعن کا دروازہ کھول دیا۔ ان اعتراضوں کو دور کرنے کے لئے ہمارے بزرگوں نے بہت کوشش کی ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت شیخ احمد سرہندی (رحمت اللہ علیہ) نے بھی بہت کوشش کی ہے۔ جلال الدین اکبر نے جب صدر جہاں کو لکھا کہ چار عالم بھیجیں جو ہمارے سامنے ان اعتراضوں کے جواب دیا کریں۔ تو یہ بات حضرت مجدد صاحب کے کان میں بھی پہنچی۔ انہوں نے صدر کو خط لکھا کہ آپ مہربانی سے کوشش کریں کہ بادشاہ کے صرف ایک ہی عالم جائے۔ چار نہ ہوں۔ خواہ کسی مذہب کا ہو۔ مگر ہو ایک ہی۔ کیونکہ اگر چار جائیں گے تو ہر ایک چاہے گا کہ میں بادشاہ کا قرب حاصل کروں اور باقی تین کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر چاروں گئے تو بجائے اس کے کہ دین کا تذکرہ ہو ایک دوسرے کو رد کر کے چاروں ذلیل ہو جاویں گے۔ اور یہ لوگ اپنی بات کی پچ میں بادشاہ کو مُلحد کر دیں گے۔

یہ تو اس وقت کا ذکر ہے۔ جب اسلام کی سلطنت تھی۔ اسلام کے متوالے دنیا میں موجود تھے۔ اس وقت کا بیج بویا ہوا اب تین سو برس کے بعد ایک درخت بن گیا ہے۔ کیسے دکھ کا زمانہ ہے کہ نبی کریمؐ کے سوانگ ڈراموں میں بنائے جاتے ہیں۔ عجیب عجیب رنگوں میں لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔ جس سے متاثر ہو کر بعض لڑکوں نے غنیمت کی آیت پر لکھ دیا۔ محمدؐ لٹیرا تھا۔ اگرچہ اس کا جواب مجھے دیا گیا کہ نقل اعتراض تھا مگر یہ داغ مٹتا نہیں۔ اور میں سربان القضاء کا مسئلہ خوب جانتا ہوں۔ اسی کے ماتحت اس کو لا کر اس کا ذکر کرتا ہوں۔

پس میری سمجھ میں یہ وقت ہے کہ جہاں تک تم میں کسی سے ہو سکے۔ اللہ کے اسماء، صفات،

افعال ، اللہ کی کتاب ، اللہ کے رسولؐ ، اللہ کے رسولؐ کے نواب وخلفاء کی پاکیز گی بیان کرے۔اور ان پر جو اعتراض ہوتے ہیں۔انہیں بقدر اپنی طاقت کے سلامت روی وامن پسندی کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کریں۔

یہ مت گمان کرو کہ ہم ادنیٰ ہیں۔وہ طاقت رکھتا ہے کہ تمہیں ادنیٰ سے اعلیٰ بنا دے۔چنانچہ وہ فرماتا ہے۔خَلَقَ فَسَوّٰى۔وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى۔[1] (الاعلیٰ:۳،۴)

جوان پڑھ ہیں۔انہیں کم از کم یہی چاہیے کہ وہ اپنے چال وچلن سے خدا کی تنزیہہ کریں یعنی اپنے طرزِعمل زندگی سے دکھائیں کہ قدوس خدا کے بندے ، پاک کتاب کے ماننے والے ، پاک رسولؐ کے متبع اوراس کے خلفاءاور پھر خصوصاً اس عظیم الشان مجدد کے پیرو ایسے پاک ہوتے ہیں۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۴۸، ۴۹ مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۸،۹)

ہراس شخص پر جو قرآن پر ایمان لایا۔جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا۔جو اللہ پر ایمان لایا۔اس کی کتابوں پر ایمان لایا۔فرض ہے کہ وہ کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کے کسی نام پر کوئی آدمی اعتراض نہ کرنے پائے۔اگر کرے تو اس کا ذبّ کرے۔اس لئے ارشاد ہوتا ہے۔سَبِّحْ۔ جناب الٰہی کی تنزیہہ کر،اس کی خوبیاں،اس کے محامد بیان کر۔

میں نے بعض نادانوں کو دیکھا ہے۔جب جناب ِالٰہی ، اپنی کامل حکمت وکمالیت سے اس کے قصور کے بدلے سزا دیتے ہیں۔اوروہ سزا اسی کی شامتِ اعمال سے ہی ہوتی ہے۔جیسے فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔[2] (الشوریٰ:۳۱) تو وہ شکایت کرنے لگ جاتے ہیں مثلاً کسی کا کوئی پیارے سے پیارا مر جائے تو اس ارحم الراحمین کو ظالم کہتے ہیں۔بارش کم ہو تو زمیندار سخت لفظ بک دیتے ہیں۔اوراگر بارش زیادہ ہو تو تب بھی خدا تعالیٰ کی حکمتوں کو نہ سمجھتے ہوئے برا بھلا کہتے ہیں۔اس لئے ہر آدمی پر حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس وتسبیح کرے۔آپ کے کسی اسم پر

---

[1] جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کر دیا۔اورجس نے اندازہ کیا پھر راستہ دکھا دیا۔ [2] اورتم پر جو کچھ مصیبت پڑتی ہے وہ تمہاری ہی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے۔

کوئی حملہ کرے تو اس حملہ کا دفاع کرے۔

اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں کوئی برا کہے یا تمہارے ماں باپ یا بھائی بہن یا محبوب کو سخت سست کہہ دے تو تمہیں بڑا بڑا جوش پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہو۔لیکن جس وقت اللہ کے کسی فعل پر (کہ وہ بھی اس کے کسی اثم کا نتیجہ ہے) کوئی نادان یا شریر اعتراض کرتا ہے تو تم کہتے ہو۔جانے دو۔کافر ہے۔بکتا ہے۔اس وقت تمہیں یہ جوش نہیں آتا حالانکہ جن کے لئے تم نے اتنا جوش دکھایا ان میں تو کچھ نہ کچھ نقص یا عیب وقصور ضرور ہوگا۔مگر اللہ تو ہر بُرائی سے منزہ، ہر حمد سے محمود ہے ہر وقت تمہاری ربوبیت کرتا ہے۔اب جو اس کے اسماء کے لئے اپنے تئیں سینہ سپر نہیں کرتا وہ نمک حرام ہی ہے اور کیا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کوئی پڑھے ہوئے ہیں۔ جو لوگوں سے مباحثے کرتے پھریں؟ تعجب کی بات ہے کہ اگر کوئی ان کے ماں باپ یا بھائی بہن کو یا کسی دوست کو یا خود ان کو برا کہہ دے تو وہ ناخواندگی یاد نہیں رہتی۔اور سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں۔اور پھر جس طریق سے ممکن ہو۔اس کا دفاع کرتے ہیں۔مگر جنابِ الٰہی سے غافل ہیں۔اسی طرح خدا کے برگزیدوں پر طعن کرنا دراصل خدا تعالیٰ کی برگزیدگی پر طعن رکھنا ہے۔اس کے لئے بھی مومنوں کو غیرت چاہیے۔بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے۔شیعہ محلہ میں رہتے ہیں۔ان کے تبرے سنتے سنتے کچھ ایسے بے غیرت ہو جاتے ہیں کہ کہنے لگتے ہیں صحابہ کو برا کہنا معمولی بات ہے۔حالانکہ ان کی برائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ پر حملہ ہے جس نے ان کو تیار کیا۔

اسی طرح مشنری عیسائی بڑی بداخلاق قوم ہے۔کوئی خلق ان میں ہے ہی نہیں ایک شخص نے کہا۔ان کی تعلیم میں تو اخلاق ہے اور ایک نے کہا ان میں بڑا خلق ہے۔ایسا کہنے والے نادان ہیں ان کے ہاں ایک عقیدہ ہے۔نبی معصوم کا جس کے یہ معنے ہیں۔ایک ہی شخص دنیا میں ہر عیب سے پاک ہے۔باقی آدم سے لے کر اس وقت کے کل انسان گنہگار اور بدکار ہیں۔ان لوگوں نے یہاں تک شوخی سے کام لیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے عیوب بیان کئے۔پھر حضرت نوحؑ کے، حضرت ابراہیمؑ

کے، حضرت موسیٰؑ کے، الغرض جس قدر انبیاء اور راست باز پاک انسان گزرے ہیں ان کے ذمہ چند عیوب لگائے ہیں۔ پھر ہماری سرکار ہے احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ان کو خاص نقارہ ہے اور دھت ہے ان کو گالیاں دینے کی۔ باوجود اس گندہ ذہنی کے پھر بھی ایسے لوگوں کو کوئی بڑے اخلاق والا کہتا ہے تو اس کی غیرتِ دینی پر افسوس۔ ایک شخص تمہارے پاس آتا ہے اور تم کو آکر کہتا ہے۔ میاں تم بڑے اچھے بڑے ایمان دار۔ آیئے تشریف رکھئے، باپ تمہارا بڑا ڈوم، بھڑوا، کنجر بڑا حرام زادہ، سؤر، ڈاکو، بدمعاش تھا۔ تم بڑے اچھے آدمی ہو اور ساتھ ساتھ خاطر داری کرتا جائے تو کیا تم اس کے اخلاق کی تعریف کرو گے۔

تمام جہاں کے ہادیوں کو جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ اور میرا تو اعتقاد ہے کہ ان کو کوئی نہیں گن سکتا۔ بدکار گنہگار کہنے والا ایک شخص کی مزوّرانہ خاطر داری سے خوش اخلاق کہلا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی تو ہتک کرتے ہیں اور تم ان کی نرمی اور خوش اخلاقی کی تعریف کرو حد درجہ کی بے غیرتی ہے۔

یہاں تک تو انہوں نے کہہ دیا کہ شریعت کی کتابیں لعنت ہیں۔ پرانی چادر ہیں۔ ان کتابوں کو جو حضرت رب العزت سے خلقت کی ہدایت کے لئے آئیں لعنت کہنا کسی خوش اخلاق کا کام ہو سکتا ہے۔ دیکھو گلیتیوں کا خط کہ اس میں شریعت کو لعنت لکھتا ہے۔ پھر خدا سے بھی نہیں ٹلے۔ کہتے ہیں، اس کا بیٹا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔[1] (مریم:۹۱-۹۲) پھر اس بیٹے پر اس غضب کی توجہ کی ہے کہ اپنی دعائیں بھی اسی سے مانگتے ہیں۔ بیٹے پر ایمان لانے کے بدُوں کسی کو نجات نہیں۔ خدا کسی کو علم نہیں بخش سکتا۔ یہ تو روح القدس کا کام ہے نہ اللہ تعالیٰ کا۔

غرض اس درجہ بداخلاقی سے کام لینے والوں کو خوش خُلق کہنا محض اس بناء پر کہ جب کوئی ان کے

---

[1] قریب ہے کہ آسمان اِس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ کانپ کے گر پڑیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے رحمٰن کا بیٹا ٹھہرایا۔

پاس گیا تو مشنری نے انجیل دیدی۔ کسی کو روپیہ دیدیا، کسی کی دعوت کر دی۔ حد درجہ کی بے غیرتی ہے ان ظالموں نے ہمارے سب ہادیوں کو برا کہا۔ تمام کتب الٰہیہ کو برا کہا۔ جنابِ الٰہی کے اسماء وصفات کو برا کہا۔ اسے سَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ علم دینے والا نہ سمجھا۔ پھر اخلاق والے بنے ہیں۔ توبہ! توبہ! ان کے کفارہ کا اُلّو ہی سیدھا نہیں ہوتا۔ جب تک یہ تمام جہان کے راست بازوں کو اور تمام انسانوں کو گنہگار، بدکار اور لعنتی نہ کہہ لیں۔ ان میں خوش اخلاقی کہاں سے آ گئی۔

ان حالات میں مومن کا فرض ہے کہ جناب الٰہی کی تسبیح کرے۔ اس کے اسماء کی تسبیح میں کوشاں رہے۔ اس کے انتخاب شدہ بندوں کی تسبیح کرے۔ ان پر جو الزام لگائے جاتے ہیں۔ جو عیوب ان کی طرف شریر منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دفاع و ذَبّ کرے اور سمجھائے کہ جنہیں میرا رب برگزیدہ کرے، وہ بدکار اور لعنتی نہیں ہوتے۔ ان کی تسبیح خدا کی تسبیح ہے۔ یہ معنے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ تمہارا خدا تو ایسا ہے کہ اس کی مخلوقات سے اس کی تسبیح و تقدیس عیاں ہے۔ اس نے خَلق کیا اور پھر تمہارے اندر نسلِ انسانی کو ایسا ٹھیک کیا کہ سب کچھ اس کے ماتحت کر دیا۔ آگ، پانی، ہوا سب عناصر کو تمہارے قابو میں کر دیا۔

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی۔ پھر چونکہ سارے جہان نے اس سے کام لینا تھا اس لئے ہر مخلوق کو ایک ضابطہ و قانون کے اندر رکھا تا کہ انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکے اور خدمت لے سکے۔ مثلاً یہ عصا ہے میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں۔ اگر بجائے ٹیک کا کام دینے کے یہ یکدم چھوٹا ہو جائے یا مجھے دبائے یا اپنی طرف کھینچ لے تو میرے کام نہیں آ سکتا۔ پس اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرّر کیا یعنی جس ترتیب سے وہ چیز مفید و بابرکت ہو سکتی ہے۔ اُس ترتیب سے اُسے بنا دیا اور پھر انسانوں کو اس سے کام لینا سکھایا۔

وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی۔ پھر ان چیزوں پر غور کریں تو ان کا ایک حصہ ردی اور پھینک دینے کے قابل بھی ہوتا ہے یا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھیتی ہے پہلے پھل دیتی ہے۔ لوگ مزے

سے کھاتے ہیں۔مگر اس کا ایک حصہ جلا دینے کے قابل ہوتا ہے۔اسی طرح انسانوں میں سے جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور انبیاء اوران کی پاک تعلیم سے روگردانی کرتے ہیں وہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ پڑھاتا ہے اور وہ یاد رکھتا ہے جس قدر اللہ چاہے اس میں سے بھول بھی جاتا ہے۔غرض اس نے اپنی پاک راہوں کو دکھانے کے لئے اپنی تعلیم بھیج دی ہے اور بتا دیا ہے کہ نیکی سیکھنے اور اس پر چلنے کا طریق یہ ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى۔کہ اللہ کو دانائے آشکارا غیب جانے۔دیکھو میں اس مقام پر کھڑا ہوں۔ یہ مقام چاہتا ہے کہ میں گند نہ بولوں۔ بدی کی راہ نہ بتاؤں۔ نیک باتیں جو مجھے آئیں تمہیں سنا دوں۔ہاں ایک امر مخفی بھی ہے۔وہ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑا ہوں، یا ریاء، سمعت وحرص کے لئے جیسا کہ کشمیر میں واعظ کرتے ہیں۔گھنٹوں منبر پر کھڑے رہتے ہیں۔ایک شخص آ کر کہتا ہے۔حضرت اب بس کرو۔ جمعہ کا وقت تنگ ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں بس کیا خاک کریں۔ابھی تو دو آنے کے پیسے بھی نہیں ہوئے۔تب ایک شخص اٹھتا ہے اور چندہ کرتا ہے۔اوراسی طرح اس سے رہائی حاصل کرتے ہیں۔اسی طرح تم کو کیا خبر میرے دل میں کیا درد ہے،اور کتنی تڑپ ہے۔دوسری طرف تم یہاں جمعہ کا خطبہ سننے اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آئے ہو مگر تمہارے دلوں کی کیا خبر کہ ان میں کیا ہے کیونکہ آخر تم ہی میں سے ہیں جو میری مخالفتیں کرتے ہیں۔میری ہی نہیں۔میرے گھر تک کی بھی۔گو نادان ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔سنبھل کر کام کرو ایسا نہ ہو کہ خدا ناراض ہو جائے۔ایک جگہ اَخْفٰی کو سر کے مقابلہ میں رکھا ہے۔چنانچہ فرماتا ہے۔ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى وہاں منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ میں ان خیالات کو بھی جانتا ہوں جو آج سے سال یا دو سال یا اس سے زیادہ مدّت بعد تمہارے اندر پیدا ہوں گے اور اب خود تمہیں بھی معلوم نہیں۔ایسے نگران علیم وخبیر، لطیف وبصیر خدا سے ڈر جاؤ اور نافرمانی نہ کرو۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ نصیحت کرتے رہو۔نصیحت ضرور سودمند ہوتی ہے میرا جی چاہتا ہے کہ تم باہر والوں کے لئے نمونہ بنو۔تمہارا لین دین، تمہاری گفتار و رفتار، تمہارا چال چلن (تمہارا سر و علن) تمہارا اٹھنا بیٹھنا ، تمہارا کھانا پینا ایسا ہو کہ

دوسرے لوگ بطور اسوہ حسنہ اسے قرار دیں میں افسوس کرتا ہوں کہ یہاں بدمعاملگی بھی ہوتی ہے، بدزبانی بھی ہوتی ہے، بدلگامی بھی ہوتی ہے اوراس سے مجھے رنج پہنچتا ہے۔تم اللہ کو علیم وخبیر وبصیر مان کر اپنے آپ کو بدیوں سے روکو۔ یہ بھی ایک قسم کی تسبیح ہے۔ جب تم ایسا کرو گے تو دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بڑھے گا۔اللہ توفیق دے۔ (الفضل جلد ۱ نمبر ۶ مورخہ ۲۳/جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲۔ ۱۳)



سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

ہم سورۂ غاشیہ کو اللہ کے نام سے پڑھنا شروع کرتے ہیں جو رحمن اور رحیم ہے۔

۲۔ ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ ۔

ترجمہ۔ کیا تجھے ڈھانپنے والی کی خبر پہنچی۔

تفسیر۔ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ سے اکثر اہل تفاسیر نے قیامت کے حوادث مراد لئے ہیں۔ سَلَّمْنَا یہ صحیح بات ہے کہ قیامت کے حوادث اپنے ہولناک ہونے کی وجہ سے غاشیات ہی ہوں گے کہ انسانوں کے ہوش وحواس عقل وفکر سب کچھ مارے جائیں گے۔ مگر قرآن کریم کے اسلوب اور اس کے لٹریچر پر نظر کرنے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ کَذَا وَ کَذَا آیا ہے وہاں دنیوی عقوبات اُخروی عقوبات کے ساتھ پیوستہ بلکہ مقدّم رکھے گئے ہیں جیسا کہ ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡجُنُوۡدِ فِرۡعَوۡنَ وَ ثَمُوۡدَ۔[1] (البروج:۱۸) اور ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ مُوۡسٰی وغیرہ آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے جیسا کہ انبیاء سابقین اور ان کی اُمم کے ساتھ جو معاملات ہوئے۔ ان کے ہم رنگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کوئی عظیم الشان عقوبت آسمانی آنے والی تھی۔ اس کو ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ میں ذکر فرمایا۔ عقوبتیں تو کفار پر بہت سی آئیں۔ مگر الفاظ قرآنی کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث الغاشیہ قحط شدید تھا۔ جو سات سال تک بزمانہ نبویؐ واقع ہوا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیۡ عَلَیۡھِمۡ بِسَبۡعٍ کَسَبۡعِ یُوۡسُفَ[2] ان الفاظ سے دعا کی تھی۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ قحط شدید پڑا جس کا ذکر سورہ دخان میں ان الفاظ سے ہے۔ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۔ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ھٰذَا

---

[1] کیا تجھے لشکروں کی خبر ملی فرعون اور ثمود کے۔ [2] اے اللہ تو ان (کفار مکہ) کے خلاف یوسف علیہ السلام (کے زمانہ) کے سات (قحط والے سالوں) کی طرح کے (قحط والے) سات (سالوں) سے میری مدد فرما۔

عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ [۱] (الدخان:۱۱۔۱۲) اس سورہ شریف کی پہلی آیت میں حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ ہے اور سورۃ الدخان میں یَغْشَی النَّاسَ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہے۔ [۲]

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۲ قادیان مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۳، ۴۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ۔ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ۔

ترجمہ۔ بہت سے چہرے اُس روز ذلیل اور خوار ہوں گے۔ تھک رہے ہوں گے۔

تفسیر۔ جب قحط شدید ہوتا ہے تو فاقوں کی وجہ سے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ ذلت اور مسکنت چہروں پر چھا جاتی ہے۔ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ۔ لوگ یوں ہو جاتے ہیں کہ کھیتیوں زراعتوں کے پیچھے محنت کرتے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ مگر پیداوار کچھ نہیں ہوتی۔ محنت کرنا اور تھکنا یہی پلے پڑتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر نمبر ۲۶ جلد ۱۲ قادیان مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۵، ۶۔ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً۔ تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ۔

ترجمہ۔ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ ان کو پانی پلایا جائے گا ایک کھولتے ہوئے چشمہ کا۔

تفسیر۔ عَذَابُ الْجُوْع کی آگ سے شکم تنور ہو جاتا ہے۔ سرد پانی کہاں جو پینے کو ملے۔ کہیں دور دراز جگہ سے یا عمیق در عمیق چاہ سے لایا جاوے گا۔ اٰنِیَۃٍ لفظ اٰنَیًا بمعنی تاخیر سے مشتق ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَھَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ۔ [۳] (الرحمٰن:۴۵) پہاڑوں میں جہاں سے چشمے نکلتے۔ بعض چشموں کا پانی نہایت سخت گرم ہوتا ہے۔ پیاسے کے لئے جس کی جان جاتی ہو۔ یہی گرم پانی غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ ع

تشنہ را دل نخواہد آبِ زلال [۴]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۱؎ جس دن آسمان لے آوے ایک ظاہر دھواں۔ ۲؎ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ ٹیس دینے والا عذاب ہوگا۔

۳؎ پھیریں گے اس میں اور کھولتے ہوئے پانی میں۔ ۴؎ پیاسے شخص کو مصفّٰی شیریں ٹھنڈے پانی کی آرزو نہیں ہوتی (یعنی اس کو صرف پانی چاہیے ہوتا ہے خواہ وہ کیسا بھی ہو)

۷۔ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ۔

ترجمہ۔ کوئی کھانا اُن کو نصیب نہ ہوگا مگر ناگ پھنی۔

تفسیر۔ ضَرِيْع ایک قسم کی گھانس ہے۔ جب تک پانی کی وجہ سے ہری رہتی ہے شبرق کہلاتی ہے مگر جب سوکھ جاتی ہے تو اسی کو ضریع کہتے ہیں۔ کانٹے دار اور بدبودار تلخ ہوتی ہے۔ تضرع اسی سے مشتق ہے۔ سورۃ المومنون رکوع چہارم (پارہ نمبر ۱۸) میں فرمایا ہے کہ قحط شدید میں ضریع کو کھا کر بھی تضرّع نہیں کیا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ۔ [۱] (المومنون:۷۷) اس آیت شریف کا نزول مفسرین نے قحطِ شدید کے وقوع کے بارے ہی میں لکھا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت میں ہوا تھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۸۔ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ۔

ترجمہ۔ جو نہ موٹا کرے بدن کو اور نہ بھوک دفع کرے۔

تفسیر۔ قحط کے مارے ہوؤں میں موٹا پا کہاں باقی رہتا ہے۔ جسم ایک پنجرے کی طرح ڈراؤنی شکل کا ہو جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۹۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ۔

ترجمہ۔ کتنے چہرے اُس روز تر و تازہ ہوں گے۔

تفسیر۔ آیت نمبر ۸ سے ۱۶ تک مومنوں کے خوش وخرّم اور متنعم رہنے کا بیان ہے۔ جن لوگوں کے شامل حال خداوند کریم کا فضل ہوتا ہے۔ ان کے لئے ضرر کے سامان بھی ضرررساں نہیں ہوتے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے شدید قحط پڑے مگر جو فاتح قومیں تھیں۔ قحط میں بھی وہ متنعم ہی رہیں۔؎

مُنعِم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت [۲]

۱۔ اور بے شک ہم نے ان کو پکڑ لیا عذاب میں تو وہ جھکتے نہیں اپنے ربّ کے سامنے اور نہ عاجزی ہی کرتے ہیں۔

۲۔ جس شخص پر خدا کا انعام ہوتا ہے وہ پہاڑوں جنگلوں اور صحراؤں میں بھی مسافر نہیں ہوتا وہ جہاں بھی جاتا ہے خیمہ لگاتا ہے اور بارگاہ بنا لیتا ہے۔

یہ ظاہر امر ہے کہ مکہ میں یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہورہی ہیں۔اور اسی حالت میں اہلِ مکّہ کو بتایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو آج تم ایک بے کس اور بے بس انسان یقین کرتے ہو اور فی الواقع آج وہ ایسا ہی ہے بھی۔کیونکہ کوئی جتھا اور جمیعت اس کے ساتھ نہیں اور تم سمجھتے ہو کہ بہت جلد اسے نابود کردو گے۔مگر یاد رکھو کہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کی قوت اور شوکت کا دائرہ وسیع ہوگا اور تم سب اس کے زیر اقتدار ہو گے۔اس وقت مخالفین عجیب گھبراہٹ کی حالت میں ہوں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ایک آگ میں وہ داخل کئے جائیں گے۔آگ سے مراد نار الحرب بھی ہوتی ہے۔اور جہنم بھی۔پس دنیا کی جنگ میں ان کی ناکامی اور نامرادی نارِ جہنم کے لئے دلیل ہے۔وہ اس مقابلہ میں ہار جائیں گے۔ان کو کھولتا ہوا پانی اور خاردار جھاڑیاں جن کو چھتّر تھوہر کہتے ہیں۔کھانے کو ملیں گی۔اس کا ثبوت دنیا میں یوں ملتا ہے کہ آتشک کے مریض کے لئے تھوہر کے دودھ میں گولیاں بنا کر دی جاتی ہیں اور اوپر سے گرم گرم پانی پلایا جاتا ہے۔غرض دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔اسی طرح پر آخرت میں بھی ہوگا۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ[۱] (الفرقان:٦٦)۔آمین۔

ان کے بالمقابل ایک گروہ خوش وخرم ہوگا اور اپنی تدابیر کے پورے ہونے اور مساعی میں خدا کے فضل سے کامیاب ہونے پر شاداں وفرحاں ہوگا۔ان کے لئے باغات عالی مرتبہ ہوں گے۔جن میں لغویات کو دخل نہیں۔اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور تخت ہوں گے۔کوزے آبخورے قرینہ سے رکھے ہوں گے قالین اور تکیے لگے اور بچھے ہوئے۔غرض یہ تمام انعامات اس دنیا میں صحابہؓ کو ملے اور انہوں نے ایسے باغات حاصل کئے۔ان تمام امور پر پہلے مختلف جگہ ہم نے بحث کر دی ہے۔اب زیادہ تفصیل اور توضیح کی حاجت نہیں۔المختصر مکہ معظّمہ میں منکرین کو عذاب کی اور موافقین ومتبعین کو کامیابی اور جنّاتِ عالیہ کی خوشخبری برنگ پیشگوئی دی جاتی ہے۔اور بتایا ہے کہ قیامت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔دنیا میں اس طرح پر ہوا۔اور یہ قیامت کا ثبوت ٹھہرا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴)

۱؎ اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دینا۔

۱۸۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۔

ترجمہ۔ تو کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں کی طرف یا بادلوں کی طرف کہ وہ کیسا پیدا کیا گیا۔

تفسیر۔ اس آیت شریف اور اس کے مابعد کی اور تین آیتوں میں صبر اور استقلال اور مصائب کے وقت یک رنگی کا بیان ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کا ذکر فرمایا کہ کس طرح وہ بارکش اور نافع للناس وجود ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

برخوان اَفَلَا یَنْظر تا قدرت ما بینی   بکرہ بشتر بنگر تاصنع خدا بینی
در خار خوری قانع، دربار کشی راضی   ایں وصف اگر جوئی در اہل صفا بینی [1]

علیٰ ھذا القیاس نزولِ بلا کے وقت اہلِ صفا آسمان کی طرح مرفوع الاحوال پہاڑوں کی طرح مستقل المزاج اور زمین کی کشادگی کی طرح وسیع الحوصلہ ہوتے ہیں۔ بعض کوتاہ نظر معترضوں نے اِبِلؔ، سَمَآء، جِبَالؔ اور اَرْضؔ ان چار مناظر کو ایک جگہ مذکور دیکھ کر اعتراض کیا کہ کلام بے ربط ہے۔ کوئی بات آسمان کی ہے تو کوئی زمین کی۔ ایک جانور ہے تو دوسرا پہاڑ۔ یہ اعتراض قلت تدبر اور سوء فہم کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مناسبت ایسی تام اور اَبْلَغ ہے کہ نظارۂ قدرت میں اس سے بڑھ کر جامع الصفات چیزیں دوسری ہیں نہیں جو فہمائش کے لئے پیش کی جاتیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۴)

۲۲۔ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۔

ترجمہ۔ پھر تُو نصیحت کرتا رہ کیونکہ اس کے سوا نہیں کہ تو نصیحت کرنے والا ہی ہے۔

تفسیر۔ میں ایک دفعہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ کسی تذکرے میں بات پر بات چلی۔ تمام بھلائیوں اور برائیوں پر جب ہمارے فطری قویٰ گواہی دیتے ہیں تو انبیاء اور رسل کی ضرورت کیا تھی۔ اس وقت یہ آیت سامنے کھڑی پکار رہی تھی۔ تم نہیں سمجھتے۔ تمہارے نبی کے حق میں الٰہی کلام اور میرا متکلم کیا کہتا ہے۔

---

[1] اس آیت اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ کو پڑھو تو ہماری قدرت تمہیں نظر آئے گی۔ اونٹ کے کوہان کو دیکھو گے تو خدا کی صناعی نظر آئے گی۔ کانٹوں کو کھا کر بھی قناعت کرتا ہے اور وزن اٹھا کر بھی راضی رہتا ہے اگر تم تلاش کرو گے تو یہ خوبی تمہیں اہلِ صفا میں نظر آئے گی۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۔[1] (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۷)

۲۳۔ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۔

ترجمہ۔ تو ان پر کوئی کوتوال اور سزا ول تو نہیں۔

تفسیر۔ مُصَیْطِرٍ س اور ص دونوں سے لکھا جاتا ہے۔ اس کے معنے جابر کے ہیں۔ نبی کا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ جو نہ مانے۔ ان پر نبی جبر نہیں کیا کرتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

۲۵۔ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۔

ترجمہ۔ تو اللہ اسے بہت بڑے عذاب میں گرفتار کرے گا۔

تفسیر۔ اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے عذاب کے علاوہ کوئی اور بھی عذاب ہے جس کا نام عذابِ اکبر رکھا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ ۔[2] (السجدہ:۲۲) سورہ دخان و سورۃ المومنون میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے قحط کی آیتوں سے سورۃ الغاشیہ کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے حدیث الغاشیہ سے مراد قحط شدید کی پیشگوئی ہم نے مراد لی ہے۔ اور بھی سورۃ الغاشیہ میں ایسے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جیسے ضَرِیْع، لَا یُسْمِنُ، عَامِلَۃ، نَاصِبَۃ وغیرہ قحط ہی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں حدیث الغاشیہ سے بطور معارف کوئی اور بھی قسم عذاب کی مراد ہو تو ممکن ہے۔ کیونکہ کلامِ الٰہی ذوالمعارف ہوتا ہے تاوقتیکہ تضاد نہ ہو۔ سارے ہی معارف صحیح سمجھے جاسکتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کو اکثر نماز جمعہ اور عیدین میں ان سورتوں کے ذوالمعارف ہونے کی وجہ سے تلاوت فرماتے تھے۔ نمازِ عشاء میں بھی ان دو سورتوں کا کثرت سے پڑھنا آپؐ کا ثابت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۳)

---

[1] سو تو سمجھا۔ تیرا کام ہی ہے سمجھانا۔ [2] اور ضرور ہم ان کو چکھائیں گے بڑے عذاب کے سوا دنیا کے عذاب سے (ہی)۔

سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ فجر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲ تا ۶۔ وَ الْفَجْرِ۔ وَ لَیَالٍ عَشْرٍ۔ وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ۔ وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِ۔ ھَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ۔

ترجمہ۔ قسم ہے فجر کی۔ اور قسم ہے حج کی دس راتوں کی۔ اور اِکّے دُکّے کی قسم۔ اور رات کی جب وہ گزرتی ہے۔ کیا ان چیزوں میں قسم صاحبِ خرد کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر۔ اَلْفَجْر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ ہے۔ خیر القرون تک تین سو برس ہوئے اور دس راتوں سے مراد دس صدیاں لیں تو کل ۱۳۰۰ ہوئے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ (الفجر:۴) میں تیرھویں اور چودھویں صدی کی طرف اشارہ فرماتا ہوا وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِ (الفجر:۵) کی خبر دیتا ہے یعنی پھر چودھویں میں آفتاب نبوت طلوع کرے گا اگر اس نبی کی اطاعت نہ کریں گے تو وہی ہوگا جو عادیوں اور فرعونیوں کے ساتھ ہوا۔ (البدر جلد ۷ نمبر ۳ مورخہ ۲۳؍ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

صبح کا وقت، دس راتیں، جفت اور طاق اور رات جبکہ رواں ہو پڑے۔ ان پانچ اوقات متبرکہ مخصوصہ کو واسطے اظہار ان کی عظمت کے بطور قسم کے یاد فرمایا ہے۔ ان پانچ اوقات متبرکہ مخصوصہ کی تعین میں بہت سے قول بیان ہوئے ہیں۔ جفت اور طاق کی تعین میں وقت کے علاوہ کوئی اور دوسری شئے بھی مراد سمجھی گئی ہے۔ ان سب اقوال میں زیادہ تر اقرب بفہم جو بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ ان آیات کے مابعد ساتھ ہی ذکر بعض بڑی بڑی قوموں مثلاً عاد ارم وغیرہ کی ہلاکتوں کا نبیوں کے مقابلہ کی وجہ سے بیان ہوا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ہتھیار پیغمبروں کے ہاتھ میں

دشمنوں کے مقابلہ کے وقت دعا ہی کا ہوتا ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے بعض اوقاتِ مخصوصہ ومقامات متبرکہ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔اس لئے ایک شق ان میں سے جو اوقات مخصوصہ ومتبرکہ کی ہے۔ذکر کی جاتی ہے۔سب سے زیادہ متبرک ایام ولیالی عشرہ اواخر رمضان المبارک ہیں۔

ا۔صبح کو بیسویں کی اعتکاف میں داخل ہوتے ہیں اور یہی مسنون ہے۔اگر چاند تیسویں کا ہوتو دس راتوں میں اعتکاف ختم ہوجاتا ہے۔اور اگر چاند انتیس کا ہوتو دنوں کی تعداد جفت اور راتیں وتر ہو جاتی ہیں۔بعد ختم عشرہ آخرہ رمضان المبارک کے شوّال کی پہلی رات لیلۃ الجائزہ کہلاتی ہے کہ اس رات میں تمامی ماہِ رمضان المبارک کا اجر وثواب اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔پہلی شب شوال کی بہ اعتبار اس کے کہ سارے رمضان شریف کا ثواب اس میں مرحمت کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں نہایت بابرکت رات بیان ہوئی جو وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِ کی مصداق ہے۔

صبح کے اوقات کی نسبت خصوصیت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ۔[1]

اس کے علاوہ ان پانچ باتوں کی توجیہات اور بھی بیان ہوئی ہیں ماحصل ان سب کا یہی ہے کہ ان سے امکنہ مراد ہوں یا ازمنہ۔

دعا کے لئے یہ بڑے زبردست ہتھیار ہیں۔جنہوں نے دشمنوں کی بڑی بڑی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِ سے شب قدر بھی مراد ہوسکتی ہے کیونکہ بخلاف اور راتوں کے یہ رات ساری کی ساری بابرکت ہوتی ہے۔

ان دس راتوں کے نظارے کو حشر کے نظارے سے بھی تشبیہ دی اور اس سے یہ بتایا ہے کہ کس طرح پر مختلف حصص عالم سے لوگ اس بیت الحرام کی طرف چلے آتے ہیں۔اور جو لوگ مکہ اور عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔وہ ہر طرف ان قوموں کے آثار اور نشانات کو مشاہدہ کرتے ہیں۔جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا اور آخر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔جیسا کہ آگے کھول کر بیان کیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ آیت نمبر ۷ سے نمبر ۱۵ تک اس میں اہلِ مکہ کو یہی سمجھانا مقصود ہے

---

[1] اے اللہ تو میری امت کے لئے اس کے صبح کے اوقات میں برکت رکھ دے۔

کہ تم اس مبارک اور محترم شہر میں ایسے عظیم الشان رسولؐ کی مخالفت کر رہے ہو۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کا سردار اور سرتاج ہے۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ کیسا عظیم الشان اعجاز ہے کہ آنحضرتؐ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا اور مکہ معظّمہ میں ابدالآباد کے لئے آنحضرت کا کوئی دشمن نہ رہنے دیا۔ مکی زندگی جن مصائب اور مشکلات سے بھری ہوئی ہے۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک زہرہ شگاف باب ہے۔ پھر انہی ایام میں یہ پرشوکت پیشگوئیاں اور جلالی تہدّیاں مخالفینِ رسالت کو سنائی جاتی ہیں۔ جل جلالہ جیسا کہ الفجر کے متعلق کہا گیا ہے کہ ثمود کی قوم کے عذاب کے وقت کی طرف اس میں اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جیسے وہ فجر مامورین ومرسلین کی حقانیت پر مہر کرنیوالی تھی اسی طرح وَ لَيَالٍ عَشْرٍ سے ان راتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں فرعونیوں کا خاتمہ ہوا اور بنی اسرائیل نے ان کے ہاتھوں سے نجات پائی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۴، ۳۲۵)

قرآن کریم میں کوئی بہت بڑا عظیم الشان مضمون جیسے اللہ جل شانہٗ کی ہستی کا ثبوت، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی، اللہ تعالیٰ کے افعال، اللہ تعالیٰ کی عبادتیں، یہ چار باتیں جناب الٰہی کے متعلق ہوتی ہیں۔ ملائکہ، اللہ تعالیٰ کے اسماء، اللہ تعالیٰ کے رسول، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں، ان کو روکنا، جزا و سزا، کتب الٰہی پر ایمان، یہ بڑے مسائل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں آتے ہیں۔ ان دلائل میں سے سب سے عظیم الشان بات جو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کریمہ میں فرمائی ہے۔ ہر ملک میں کوئی نہ کوئی قوم بڑی سخت ہوتی ہے۔ جس شہر میں میرا پُرانا گھر تھا۔ وہاں پر ایک سید کی زیارت ہے۔ اس شہر میں ان کی قبر پر جا کر قسم کھانا بڑی قسم ہے۔ اسی طرح بعض زمیندار جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں۔ مگر دودھ پوت کی قسم نہیں کھاتے۔ اسی طرح ہندو گائے کی دُم پکڑ کر قسم نہیں کھا سکتے۔ غرضیکہ ہر قوم اپنے ثبوت کے لئے کسی نہ کسی عظیم الشان قسم کو جڑھ بنائے بیٹھی ہے۔ عرب کے لوگ ہر ایک جرم کا ارتکاب کر لیتے تھے۔ لیکن مکہ معظّمہ کی تعظیم ان کے رگ وریشہ میں بسی ہوئی تھی۔

یہاں تک کہ جن ایّام میں مکہ معظّمہ میں آمدو رفت ہوتی تھی۔کیا مطلب ذی قعدہ ، ذی الحجہ اور رجب میں وہ اگر اپنے باپ کے قاتل پر بھی موقع پاتے تھے۔تو اس کو بھی قتل نہیں کرتے تھے۔تم جانتے ہو کہ جب شکاری آدمی کے سامنے شکار آجاتا ہے۔تو اس کے ہوش وحواس اُڑ جاتے ہیں۔لیکن عرب میں جب حدودِ حرم کے اندر شکار آجاتا تھا تو اس کو نہیں چھیڑتے تھے۔ پھر دس راتیں حج کے دنوں کی بڑے چین وامن کا زمانہ ہوتا تھا۔ان دنوں میں بدمعاش لوگ بھی فساد اور شرارتیں نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان امن کے دنوں میں تم اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی باوجود قابو یافتہ ہونے کے قتل نہیں کرتے تھے۔تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ اب تم لوگ اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کو ان دنوں میں بھی نہیں چھوڑتے اور کیا تم کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول جو عرب سے باہر آئے ہیں مثلاً مصر کے ملک میں فرعون تھا اس کے پاس رسول آیا یعنی فرعون کو سزا دی جو خدا کے رسول موسیٰؑ کے مقابلہ میں تھا۔ پھر ہم نے عاد اور ثمود کی اقوام کو سزائیں دیں جو ہمارے رسولوں کے مقابل کھڑی ہوئیں اور تم تو مکہ میں اور پھر حج کے دنوں میں بھی شرارت کرتے ہو اور نہیں رُکتے تو تم ہی انصاف سے کہو کہ آیا تم سب سے زیادہ سزا کے مستحق ہو کہ نہیں؟ نیکی ہو یا بدی بلحاظ زمان ومکان کے اس میں فرق آجاتا ہے۔

ایک شخص کا گرمی کے موسم میں کسی کو جنگل ریگستان میں ایک گلاس پانی کا دینا جبکہ وہ شدت پیاس سے دم بہ لب ہو چکا ہو ایک شان رکھتا ہے مگر بارش کے دنوں میں دریا کے کنارے پر کسی کو پانی کا ایک گلاس دینا وہ شان نہیں رکھتا۔ یہ بات میں نے تم کو کیوں کہی؟ تم میں کوئی رسول کریمؐ کے صحابہ مکہ میں تو بیٹھے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ میں تم کو سمجھانے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ یاد رکھو جو امن اور اصلاح کے زمانہ میں فساد اور شرارت کرتا ہے وہ سزا کا بہت ہی بڑا مستحق ہے۔

میرا یہ اعتقاد ہے۔ جہاں کوئی پاک تعلیم لاتا ہے۔ جہاں لوگ سفر کر کے جاتے ہیں۔ وہاں مکانوں کی تنگی ، کھانا سادہ ملتا ہے یا نہیں ملتا۔ایسی مصیبتیں جو لوگ اٹھا کر یہاں آئے ہیں۔اور وہ دن رات قرآن سیکھتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی فساد کرے تو وہ اصلاح کا کیسا خطرناک دشمن ہے۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔ [1] (الفجر: ۱۳، ۱۴)

مجھ کو یقین ہے کہ جہاں بڑے بڑے لوگ ہیں وہاں بڑے بڑے سامان بہت سے مل سکتے ہیں۔ ان مکانوں کو چھوڑ کر جب کوئی یہاں [2] آتا ہے تو وہ ہم کو بطور نمونہ کے دیکھتا ہے۔ ابھی ایک شخص بنگالہ سے یہاں آئے تھے۔ اتفاق سے ان کو مہمان خانہ میں کوئی داڑھی منڈا موچھڑیالہ شخص مل گیا۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ہم تو خیال کرتے تھے کہ قادیان میں فرشتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص بھی آ گیا۔ جس کی شکل سے مجھ کو بھی شبہ ہوا کہ یہ مسلمان ہے یا ہندو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے؟ کہنے لگا کہ میں بیمار ہوں علاج کرانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔

الغرض جب لوگ یہاں آتے ہیں تو تم کو بہت دیکھتے ہیں۔ اب تم کو سوچنا چاہیے کہ اگر تم اصلاح کے لئے آئے ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں امن اور اصلاح ہو۔ وہاں فساد اور شرارت بُری بات ہے۔ جہاں کوئی مصلح آیا ہو۔ وہاں فساد کیسا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر تم یہاں فساد کرو تو فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کے سب سے بڑھ کر مستحق ہو یا نہیں۔ میں تمہارے سامنے یہ بطور اپیل کے پیش کرتا ہوں جنابِ الٰہی مکہ والوں کو فرماتے ہیں کہ تم ہی انصاف کرو۔ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ۔ کیا کوئی عقل مند ہے جو ہماری بات کو سمجھ جائے اور تہہ کو پہنچ جائے۔ باہر تم گند کرو تو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جس قدر یہاں پہنچا سکتے ہو۔ جناب الٰہی فرماتے ہیں۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ۔ [3] (الفجر: ۱۶) بعض کو آسودگی سے ابتلا میں ڈالتے ہیں۔ وہ جناب الٰہی کے فضل کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں رَبِّيْۤ اَهَانَنِ کہ ہماری بڑی اہانت ہوئی۔ میں تم کو اور اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر کسی کو یہ تعلیم ناپسند ہے اور یہاں تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو

---

[1] اور کثرت سے شہروں میں فساد پھیلایا تھا۔ پھر لگایا اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا۔ [2] قادیان۔ مرتّب

[3] پس جب انسان کو اس کا رب آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے خوب عزت دی۔

تمہارے یہاں سے چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۔ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۔[1] (الفجر:۱۸،۱۹) یتیموں کا تم لحاظ کرو۔ وہ میرے پاس آتے ہیں۔ میرے میں اتنی گنجائش نہیں۔ میری اتنی آمدنی نہیں کہ سب کا خرچ برداشت کرسکوں۔ مسکینوں کے کھانے کی فکر کرو۔

یہاں مدرسہ میں ایک طالبعلم آیا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ یہاں جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔ لنگرخانہ میں تو پچاس ساٹھ روپے ماہوار خرچ کرتے ہوں گے مگر باہر سے ہزاروں روپیہ منگواتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مدرسہ میں کس قدر خرچ ہوتا ہے۔ کہا دس روپیہ ماہوارا کیلے کا خرچ ہے۔ آخر وہ یہاں سے چلا گیا۔ تم نیک نمونہ بنو۔ اگر غلطیاں ہوتی ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پڑھو۔ جناب الٰہی رحم فرمائیں گے۔

(البدر جلد ۱۲ نمبر ۲۶ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴، ۵)

۷۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔

ترجمہ۔ کیا تونے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد سے کیا معاملہ کیا۔

تفسیر۔ کیا تونے نہیں دیکھا کہ عاد کے ساتھ تمہارے خدا نے کیسا کیا۔

عاد کا واقعہ ولادتِ آنحضرتؐ سے پیشتر واقع ہو چکا ہے۔ ایسے موقعوں میں لفظ ’’دیکھا‘‘ یہ معنی نہیں رکھتا کہ موجود و حاضر ہوکر بایں چشم سر دیکھا بلکہ وہ واقعات جو مسلم اور متداول لاریب چلے آتے ہیں اور جن کی صداقت کو اخلاف واقعہ چشم دید سے کچھ کم اعتقاد نہیں کرتے۔ لفظ ’’دیکھا‘‘ سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ محاورہ ہر زبان کی عام بول چال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔ دیکھو مصر میں انگریز کیا کارروائی کررہے ہیں۔ دیکھو آئرلینڈ کے لوگ کیسا فساد مچا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ فقرات ہندوستان میں بیٹھا ہوا ایک شخص کہہ رہا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس کے اس کلام کے مخاطبین ان آنکھوں سے مصر اور آئرلینڈ میں موجود ہوکر وہ کارروائی اور فساد دیکھ رہے ہیں۔

---

[1] کچھ نہیں بلکہ تم عزت نہیں کرتے تھے یتیم کی۔ اور نہ ایک دوسرے کو ترغیب دلاتے تھے محتاج کو کھانا کھلانے کی۔

لغت میں رویت اور رأی کے معنے جن سے یَرٰی کا لفظ مشتق ہوا ہے۔غور کے قابل ہیں۔ دیکھو قاموس اللغۃ اَلرُّؤْیَۃُ النَّظَرُ بِالْعَیْنِ وَالْقَلْبِ وَالرَّأْیُ ، الْاِعْتِقَادُ یعنی رؤیت آنکھ سے دیکھنے اور دل سے دیکھنے اور رأی اعتقاد کرنے کو کہتے ہیں۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹)

۸۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔

ترجمہ۔ جو ارم کے رہنے والے بڑے بڑے ستون والے تھے۔

تفسیر۔ ارمؔ یا تو عاد کے دادا عوصؔ کے باپ کا نام ہے۔ یا ارمؔ ان کے شہر کا نام۔ دونوں مراد ہو سکتے ہیں یعنی اہلِ ارم۔ یہ لوگ سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ ھود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔طویل القد، بلند عمارتوں والے تھے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۱۱۔ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ۔

ترجمہ۔اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔

تفسیر کثرتِ لشکر اور ان کے خیموں اور خیموں کے لوازم کی وجہ سے ذِی الْاَوْتَادِ فرعون کی صفت بیان ہوئی یا سزا جو میخہ اس کی عادت تھی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۱۴۔ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔

ترجمہ۔ پھر لگایا اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا۔

تفسیر۔ ایسی سخت چابک جس سے خون بہنے لگے سوط کہلاتی۔شاید ہماری زبان میں سونٹا اسی لفظ سے بگڑ کر بنا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۱۵۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔

ترجمہ۔ بے شک تیرا رب تاک میں لگا ہوا ہے۔

تفسیر۔ مِرْصَاد۔ صید کے لئے گھات کی جگہ۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کو گھات یا تاک اور نشانے کی ضرورت نہیں۔ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۔[۱] (البقرہ:۸۲) اس کی تفصیل ہے۔ گناہوں کا حلقہ جب چاروں طرف سے پورا ہو جاتا ہے اور کسی مربوب خدا کا تیر بھی کسی خاص وقت یا خاص جگہ سے نکل پڑتا ہے تو یہ نخچیر شکار ہو جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۱۸۔ كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۔

ترجمہ۔ کچھ نہیں بلکہ تم عزت نہیں کرتے تھے یتیم کی۔

تفسیر۔ يَتِيۡمَ کے لفظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ عام یتیم بھی اس سے مراد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاوے۔ اور بدتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کو دکھ دیا جاوے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۲۳۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۔

ترجمہ۔ اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف کھڑے ہوں گے۔

تفسیر۔ دھرم پال کے اس اعتراض کے جواب میں کہ ’’خدا کو آنے کی کیا ضرورت ہے‘‘ آپ نے تحریر فرمایا۔

’’جَآءَ فعل ہے۔ افعال اور صفات کا طریق کیا ہے؟ یہ ہے کہ فاعل اور موصوف کے لحاظ سے افعال اور صفات کا رنگ اور حالت بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو مثلاً بیٹھنا ایک فعل ہے۔ ایک آپ کا بیٹھنا ہے اور ایک کسی جانور کا بیٹھنا۔ دیکھو اس بیٹھنے میں ایک جسم خاص کی ضرورت ہے۔ مکان کی ضرورت ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا ساہوکار تھا مگر اب بیٹھ گیا ہے۔ دیکھو یہ بیٹھنا اور طرح کا ہے یا کہا جاتا ہے کہ آجکل ہندوانگلستان کے تخت پر ایڈورڈ ہفتم بیٹھا ہے۔ اس بیٹھنے میں ایڈورڈ سوتا ہو، چلتا ہو، کہیں کھڑا ہو، بہرحال بیٹھا ہے۔

اب اس سے بھی لطیف موصوف اور فاعل کا حال سنو۔ تمہارے دل میں اسلام کا بغض بیٹھ گیا

۱؎ ہاں جس نے گناہ کو اپنا کسب بنالیا اور اُس کی بدیوں نے اُس کو ہر طرف سے گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ آگ میں جلتے بُھنتے رہیں گے ہمیشہ۔

ہے تمہارے دل میں آریہ سماج کی محبت بیٹھ گئی ہے۔ کیا محبت کوئی جسم ہے؟ نہیں۔ اسی طرح آنا اور حرکت کرنا ایک صفت اور فعل ہے۔ فلانا آدمی آیا۔ یہ آنا ایک طرف ایک مکان کے چھوڑنے کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک مکان کی طرف آنے کو۔ سرور میرے دل میں آیا۔ علم میرے قلب میں آیا۔ مجھے سکھ ملا۔ اگر بولا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ سرور اور علم اور سکھ کوئی جسم ہے اور اس نے کوئی مکان ترک کیا اور سنو! تمہارے گرو نے تو اپنی دعاؤں میں الٰہی حرکت کو بھی مانا ہے۔ دیکھو صفحہ نمبر ۴ ستیارتھ پرکاش

’’اے پرمیشور جس جس مقام سے آپ دنیا کے بنانے اور پالنے کے لئے حرکت کریں اس اس مقام سے ہمارا خوف دور ہو‘‘

سنو! پال اگر پرمیشر حرکت کرسکتا ہے تو ملائکہ (دیو) تو محدود ہوتے ہیں۔ ان کا حرکت کرنا کیوں حیرت انگیز ہے؟ اگر حرکت کے کوئی معنی سماج کرسکتی ہے اور روپک النکار میں اس کو لے سکتی ہے تو قرآن کریم میں مسلمان کیوں مجاز نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر قدرت میں جلوہ گری کرتا ہے۔ وہ حلول و اتحاد سے منزہ وراء الورا مظاہر قدرت میں اپنی قدرتوں، طاقتوں بلکہ ذات سے جیسے اس کی لَیْسَ کَمِثْلِهٖ ذات اور انوپیم کی شان ہے آتا ہے۔ اور کہیں سے جاتا ہے۔ کیا جیسے ودوان دھارمک کے ہردے میں آتا ہے ویسا ہی دُشٹ اناڑی کے ہردے میں بھی ہوتا ہے اور آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تمہارے ہاں تو پھاند کر بھی جاتا ہے۔ پھر اتنا کیا مشکل ہے۔ یجروید اکتیسواں ادھیا کے پہلے اشلوک میں لکھا ہے۔ وہ سب جگت کو النگھ کر ٹھہرا ہے۔ (نورالدین بجواب ترکِ اسلام صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۶)

۲۴۔ وَ جِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى۔

ترجمہ۔ اور اس دن دوزخ لایا جائے گا۔ جب کہیں انسان سمجھے اور سوچے گا اُس وقت سوچنے سے اسے کیا فائدہ ہوگا۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب رویت عذاب سے پہلے توبہ اور استغفار سے ٹل جاتا ہے۔ اور

یہی سنت اللہ ہے۔مگر جب عذاب کی رویت ہو جاوے تو پھر توبہ استغفار و انابت الی اللہ بھی کام نہیں پڑتے۔جیسا کہ فرمایا فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُھُمۡ اِیۡمَانُھُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِہٖ ۔[1] (المومن:۸۶)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۲۵۔ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ ۔

ترجمہ۔ وہ کہے گا اے کاش میں کچھ تو بھیجتا آگے اپنی اس زندگی کے لئے۔

تفسیر۔ حیات موت کے بعد کی جاودانی زندگی کو کہا گیا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)

۲۸ تا ۳۱۔ یٰۤاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ۔ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ۔ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ۔ وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ۔

ترجمہ۔ اے اللہ کے ساتھ تسکین پائے ہوئے نفس۔تو اپنے رب کی طرف واپس آ۔تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو۔اور آ میری بہشت میں رہ جا۔

تفسیر۔ ہر سورۃ کے ابتدا کو اس کے آخر سے لطیف مناسبت ہوتی ہے۔سورہ شریفہ کی ابتدائی آیات میں اوقاتِ مخصوصہ منجملہ ان کے عشرہ آخرہ رمضان المبارک اور ان کے شفع اور وتر کا ذکر تھا۔جن میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔تخلیہ ہو اور اطمینانِ قلب نہ ہو تو وہ اوقات بابرکات بھی مفید نہیں پڑتے۔؎

چو ہر ساعت از نو بجائے رود دل — بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال وجاہت وزرع و تجارۃ — چو دل باخدایست خلوۃ نشینی[2]

---

[1] تو اُن کو مفید نہ ہوا ان کا ایمان لانا جب کہ دیکھ چکے ہمارا عذاب۔اللہ کی عادت ہے جو اُس کے بندوں میں ہوتی رہی اور یہیں نقصان اٹھاتا ہے کافروں کے لئے۔ [2] جب ہر وقت دل کسی نئی طرف متوجہ ہونے کے بجائے تنہائی میں ایک ہی طرف متوجہ ہوگا تو ہی تو باطن کی صفائی دیکھ پائے گا اور اگر مال و جاہ اور کھیتی باڑی اور تجارت کے دوران بھی تیرا دل خدا کی طرف متوجہ ہے تو تُو خلوت نشین ہی ہے۔

اطمینانِ قلب نہ حاصل ہونے کی ایک وجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے ؎

از طمع جستیم ہر چیزے کہ آں بیکار بود   خود فزوں کردیم ورنہ اند کے آزاد بود [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵)



[1] ہم نے طمع کے مارے ہر وہ چیز ڈھونڈی جو بیکار تھی ہم نے آپ ہی تکلیف کو بڑھا لیا ورنہ دراصل وہ کم تھی۔

سُوْرَۃُالْبَلَدِمَکِّیَّۃٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

ہم سورۂ بلد کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس بابرکت اللہ کے نام سے جس نے نیک بننے کے لئے سب ضروری سامان مہیا کئے اور ان سے کام لینے والوں کو اب بھی نیک بدلہ دینے کے لئے تیار ہے۔

پچھلی سورۃ میں بتایا تھا کہ اہل مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرر ہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سنت اللہ کے موافق یہ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے کیونکہ ماموری ن ومرسلین کے مخالفین اور منکرین کا انجام یہی ہوا کہ وہ بالآخر تباہ اور ہلاک ہو گئے۔ اس سورۃ میں اس شہر پر عذاب آنے اور اس میں تاخیر کی وجہ بتائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں۔ جو انسان کو بدی اور سرکشی پر دلیر اور بے باک کر دیتے ہیں اور ایسا ہی یہ بھی بتایا کہ وہ ایک جوابدہ ہستی ہے اور اشرف المخلوقات ہے اس لئے ضرور ہے کہ ایسی اعلیٰ اور اشرف ہستی پر کچھ فرائض اور حدود ہوں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قویٰ دیئے ہیں اور نیکی بدی کا راستہ بنا کر اس کی تمیز فطرت میں رکھ دی ہے۔ اس پر بھی اگر وہ اعمال صالحہ نہ کرے تو سخت افسوس ہے۔ اعمال صالحہ کی تصریح اور بالآخر بتایا کہ جو آیات اللہ کا انکار کرتے ہیں وہ طعمۂ نار ہوں گے یہ خلاصہ ہے اس سورۃ کا۔

۲۔ لَآ اُقۡسِمُ بِہٰذَاالۡبَلَدِ۔

ترجمہ۔ اس شہر کی کیا قسم کھائیں۔

تفسیر۔ مخاطب کے مافی الضمیر میں جو امور مستبعد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی نفی کے لئے کلمہ لَا ہے۔ بعض تفسیروں میں اس کی نسبت لکھا ہے۔ اَلْمُرَادُوَالْاَمْرُ کَمَا وَھَمُوْا یعنی جیسا انہوں نے خیال کیا ہے ویسا نہیں بلکہ ایسا۔ قسم کے ساتھ مکہ معظّمہ کو بَلَد کے نام سے اس لیے ذکر فرمایا کہ توجہ دلائے کہ یہی بَلَد ایک وقت ایک مقام غیر آباد غیر ذی زرع تھا۔ اور اب جس خدا نے اس کو بَلَد بنا دیا ہے۔

اسی خدا کا منشاء ہے کہ ایک یتیم بے سروسامان کو بادشاہ بنادے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم ؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۵،۳۲۶)

۳۔ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔

ترجمہ۔ حالانکہ تیرا قتل تو یہاں (بزعم کفار) حلال ہوگیا ہے۔

تفسیر۔ اور تو شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ اس شہر میں مُحِلّ ہونیوالا ہے۔ یعنی نزول کرنے والا ہے۔ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (القصص: ۸۶) کا بھی یہی مطلب ہے۔ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے محرم بنایا ہے اور قیامت تک اس کا محرم ہونا باقی رہے گا صرف آپ کو فتح مکہ کے دن ایک ساعت کے لئے اجازت قتال کی دی گئی تھی اور وہ بھی اسی لیے کہ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی قتل کے لئے اسی بلد محرم میں کفار نے آپ کی نسبت ارادہ کر لیا تھا گویا والحرمات قصاص کا منشاء پورا ہوا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم ؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

تجھ کو اس شہر میں ذبح کرنا حلال سمجھا گیا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

۴۔ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے باپ اور اس کی اولاد کی۔

تفسیر۔ مکہ کے ام القریٰ ہونے کی وجہ سے اہلِ مکہ اپنے آپ کو اَوروں کا والد سمجھتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ گویا یوں فرماتے ہیں کہ ہم تو سب والدوں کے بھی والد ہیں۔ بہتر نمونہ والد اور ولد کا حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم ؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

۵۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ۔

ترجمہ۔ ہمیں نے پیدا کیا آدمی کو محنت کشی میں۔

تفسیر۔ انسان اپنے دشمن کو دکھ پہنچانے میں سنگدلی اور بے رحمی تو کرتا ہے اور یہ بے رحمی اور سنگدلی جب اُس پر الٹ پڑتی ہے تو طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتداء سے سات

آیتوں تک غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں کی طرح ان ابتدائی سات آیتوں میں مضمون نصفا نصف مشترک ہے اور اس پانچویں آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ میں یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو شاہانہ شان وشوکت ملے گی وہ آپؐ کی محنتوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے اور کفار کو جو جان و مال کی تباہی دیکھنی پڑے گی وہ ان کی الٹی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہوگا۔ مکہ کی فتح اور کفار کی شکست پر آیت کریمہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی[1] (النجم:۴۰،۴۱) ۔خوب اچھی طرح سے روشنی ڈالتی ہے۔ اب بعد ان چار یا ساڑھے تین آیتوں کے روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ یہ ثابت کر کے کہ انسان ایک مکلف اور جوابدہ ہستی ہے پھر ان اعمال صالح کی ہدایت کی جو انسان کو سعادت کی گھاٹیوں پر لے جاتے ہیں اور وہ شفقت علی خلق اللہ سے شروع ہوتے ہیں۔ ان آیات میں بھی مکہ والوں کو ڈرایا ہے کہ تمہارا انسانی اور اخلاقی فرض یہ تھا کہ یتیموں اور مسکینوں سے سلوک کرتے مگر تم نے درِّ یتیم کی قدر نہ کی۔ ہاں جنہوں نے قدر کی وہ مومن ہیں اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔ باوجودیکہ مکی زندگی میں ان کو طرح طرح کے مصائب اور مشکلات پیش آئے لیکن پھر بھی وہ حوصلہ اور برداشت سے کام لے رہے ہیں اور نیکیوں پر دوام اور استقلال سے کام لیتے ہیں اور خلق اللہ پر شفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اصحاب المیمنہ ہیں اور جنہوں نے آیات اللہ کا انکار کیا ہے وہ آتشی جیل خانہ میں جائیں گے یعنی منکرین رسالت و نبوت محمدیہ کے لئے ایک خطرناک عذاب میں ہے۔ چنانچہ یہ سب باتیں پوری ہوگئیں اور جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے کہ وہ نبوتِ محمدیہ کی صداقت کے دلائل ٹھہریں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم راگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

۶۔ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ۔

ترجمہ۔ کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا۔

تفسیر۔ لَنْ نفی تاکیدی زمانہ مستقبل کے لئے ہے۔ اور یَقْدِرَ کے ساتھ عَلٰی کا لفظ ہے جو ضرر

---

[1] اور یہ کہ آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے عمل کیا۔ اور وہ اپنی کوشش کا ضرور نتیجہ دیکھ لے گا۔

کے لئے آتا ہے۔مطلب یہ ہوا کہ کفار کو شکست ہوگی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

۷،۸۔ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ۔

ترجمہ۔ وہ کہتا ہے میں نے خرچ کر دیا مال ڈھیروں۔کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا۔

تفسیر۔ یَقُوْلُ صیغہ مضارع کا ہے۔حال اور استقبال دونوں پر شامل ہے۔مگر واقعات کے لحاظ سے مستقبل زمانہ کی طرف زیادہ تر توجہ دلاتا ہے۔کچھ تو مال مخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر خرچ کر چکے ہیں۔اور زیادہ تر اور بھی خرچ کر کے ناکام رہیں گے۔دوسری جگہ اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔[1] (الانفال:۳۷)

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ۔گزشتہ اَيَحْسَبُ کے ساتھ لَنْ تھا اور اس اَيَحْسَبُ کے ساتھ لَمْ ہے۔اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کس کی کوششیں راہِ صواب پر ہیں اور کس کی کوششیں راہ خطا پر ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

۹ تا ۱۱۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۔ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ۔ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔

ترجمہ۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔اور اس کو دو راستے نہیں بتلا دیئے (نیکی اور بدی کے)۔

تفسیر۔ مکہ غیر ذی زرع مقام تھا۔اس کا بلد بن جانا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام والد، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وَلَد کی صدق وصواب کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔آنکھوں سے دیکھو کہ یہ کعبہ

۱؎ بے شک جو کافر ہیں یہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے پھر وہ قریب ہی خرچ کرتے رہیں گے اور وہ ہوگا اُن پر حسرت اور افسوس پھر وہ مغلوب ہی ہوں گے۔

باپ اور بیٹے دونوں کے ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے۔لِسَان اور شَفَتَیْنِ سے زمزم کو پی کر دیکھو کہ یہی ان کو محن کے ایّام میں اکل وشرب کا کام دیتا تھا۔ صفا اور مروَہ کی دونوں ٹکڑیوں پر جا کر دیکھو کہ کس قدر پریشانی ان کوتھی یہاں والد اور ولد کے ساتھ والدہ بھی شامل ہے۔ یہ ایک تنگ اور دشوار گزار درہ تھا جس میں سے وہ تینوں علیہم الصلوٰۃ گزر گئے عَیْنَیْنِ، شَفَتَیْنِ اور نَجْدَیْنِ سے بچہ کی سمجھ، اُس کا دودھ چوسنا اور ماں کے پستان بھی مراد سمجھے گئے ہیں۔اس میں بھی کوئی خلاف نہیں۔

؎ برگِ درختانِ سرو در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶)

۱۲۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۔

ترجمہ۔ تو وہ اچھل کر گھاٹی پر کیوں نہیں چڑھ گیا۔

تفسیر۔اِقْتِحَام کے معنے کسی خطرناک جگہ میں بغیر پس وپیش کو سوچے دھنس جانے کے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ [2] (صٓ:٦٠) یہ آیۃ شریفہ دوزخیوں کے دھسان کے بارے میں ہے۔عرب بولا کرتے ہیں۔قَحَمَ فِي الْاَمْرِ قُحُوْمًا اَيْ رَمٰى بِنَفْسِهٖ فِي الْاَمْرِ بِغَيْرِ رُؤْيَتِهٖ۔ [3]

عَقَبَه۔ پہاڑ کے درّے اور گھاٹی کو کہتے ہیں کہ بسبب تنگ اور دشوار گزار ہونے کے پھیل کر اس میں سے نہیں گزر سکتے۔ بلکہ ایک کے عقب میں دوسرے کو راستہ کی تنگی کی وجہ سے چلنا پڑتا ہے۔

اس اقتحام عقبہ کو ذیل کی چند آیات میں ایثار نفس وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ایثار جبھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ انسان اپنی تنگی کو قبول کر لے اور دوسرے کی راحت کو مقدم کر دے۔ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ دنیا کی مفتوح قومیں جب کبھی فاتح بن گئی ہیں تو اسی اقتحام کی وجہ سے بن گئی ہیں۔ غیر آباد مقامات بلدان ہو گئے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ یکم و ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷)

---

[1] سرو کے درختوں کے پتے بھی ایک سعید فطرت انسان کی نظر میں ان میں سے ہر ایک پتہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ [2] یہ ایک جماعت ہے کہ خوب مضبوطی سے گھسنے والی ہے تمہارے ساتھ۔

[3] وہ کام میں بلا پس وپیس اور سوچ لگ گیا یعنی اس نے اپنے آپ کو کام میں بغیر دیکھے لگا دیا۔

۱۵۔ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۔

ترجمہ۔ یا فاقہ کے دن میں۔

تفسیر۔ مَسْغَبَةٍ مصدر میمی ہے۔سَغَبَ یَسْغَبُ سَغْبًا فَھُوَ سَاغِبٌ وَ سَغْبَانٌ ۔سَاغِب اور سَغْبَان بھوکے کو بولتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷)

۱۸۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۔

ترجمہ۔ پھر ہو جاتا ان لوگوں میں جنہوں نے اللہ کو مانا اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی نصیحت کرتے رہے۔

تفسیر۔ ثُمَّ واسطے تاخیر کے نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے ایثار نفسی کے کام کرنے سے جو مذکور ہوئے۔انسان مومن بن جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷)

۱۹۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۔

ترجمہ۔ یہی لوگ بڑے صاحب نصیب داہنے ہاتھ والے ہیں۔

تفسیر۔ مَیْمَنَۃٌ، یُمْن سے مشتق ہے۔ یہ لوگ بابرکت ہو جاتے ہیں یا یَمِیْن سے یعنی راست باز۔نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پانے والے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷)

۲۰۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ۔

ترجمہ۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہی شامت کے مارے بائیں ہاتھ والے ہیں۔

تفسیر۔ مَشْئَمَۃ۔ شامت اور بدبختی والے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷)

۲۱۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ۔

ترجمہ۔ انہیں پر آگ بند کی ہوئی ہوگی (جو گھیرے رہے گی)۔

تفسیر۔ مُؤْصَدَةٌ کے معنے مُطْبَقَةٌ کے ہیں۔ یعنی دوزخ کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷)



سُوْرَۃُالشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

پڑھنا شروع کرتے ہیں ہم اللہ کے نام سے جو بڑا رحمن ورحیم ہے۔

سورۃ الشّمس کی تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ تحریر فرمائی ہے اس کو بالاختصار آپ ہی کے الفاظ میں ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ از کتاب توضیح مرام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۷۷ سے صفحہ ۸۴ تک۔

خدائے تعالیٰ نے سورۃ الشّمس میں نہایت لطیف اشارات واستعارات میں انسان کامل کے مرتبہ کو زمین وآسمان کے تمام باشندوں سے اعلیٰ وبرتر بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

۲۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا۔

ترجمہ۔ قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی۔

تفسیر۔ یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔

۳۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے۔

تفسیر۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے۔

۴۔ وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ سورج کو ظاہر کرے۔

تفسیر۔ اور قسم ہے دن کی جب اپنی روشنی کو ظاہر کرے۔

۵۔ وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰہَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لے۔

تفسیر۔ اور قسم ہے رات کی جو بالکل تاریک ہو۔

۶۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰہَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے آسمان اور اس ذات پاک کی جس نے اسے مضبوط بنایا۔

تفسیر۔ اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے اُسے بنایا۔

۷۔ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰہَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے اسے ہموار بنا کر بچھایا۔

تفسیر۔ اور قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے اُسے بچھایا۔

۸۔ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا۔

ترجمہ۔ اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اسے اعتدال کامل اور وضع استقامت کے جمیع کمالات متفرقہ عنایت کئے (اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا بلکہ پہلے قسموں کے نیچے جتنے کمالات تھے وہ اس میں جمع کر دیئے)۔

تفسیر۔ اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اسے اعتدالِ کامل اور وضع استقامت کے جمیع کمالاتِ متفرقہ عنایت کئے اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا بلکہ سب کمالات متفرقہ جو پہلی قسموں کے نیچے ذکر کئے گئے ہیں اس میں جمع کر دیئے۔ اس طرح پر کہ انسان کامل کا نفس آفتاب اور اس کی دھوپ کا بھی کمال اپنے اندر رکھتا ہے اور چاند کے خواص بھی اس میں پائے جاتے ہیں کہ وہ اکتساب فیض دوسرے سے کرسکتا ہے اور ایک نور سے بطور استفادہ اپنے اندر بھی نور لے سکتا ہے اور اس میں روز روشن کے بھی خواص موجود ہیں کہ جیسے محنت اور مزدوری کرنے والے لوگ دن کی روشنی میں کماحقہٗ اپنے کاروبار کو انجام دے سکتے ہیں۔ ایسا ہی حق کے طالب اور سلوک کی راہوں کو اختیار کرنے والے انسان کامل کے نمونہ پر چل کر بہت آسانی اور صفائی سے اپنی مہمات دینیہ کو انجام دیتے ہیں۔ سو وہ

دن کی طرح اپنے تئیں بکمال صفائی ظاہر کرسکتا ہے اور ساری خاصیتیں دن کی اپنے اندر رکھتا ہے۔[۱]

اندھیری رات سے بھی انسان کامل کو ایک مشابہت ہے کہ وہ باوجود غایت درجہ کے انقطاع اور تبتل کے جواس کو منجانب اللہ حاصل ہے۔ بحکمت و مصلحتِ الٰہی اپنے نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف بھی کبھی کبھی متوجہ ہوجاتا ہے یعنی جو جو نفس کے حقوق انسان پر رکھے گئے ہیں۔ جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور مزاحم معلوم ہوتے ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا اور بیوی کے حقوق ادا کرنا یا بچوں کی طرف التفات کرنا یہ سب حقوق بجالاتا ہے اور کچھ تھوڑی دیر کے لئے اس تاریکی کو اپنے لئے پسند کر لیتا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ اس کو حقیقی طور پر تاریکی کی طرف میلان ہے بلکہ اس وجہ سے کہ خداوند علیم و حکیم اس کو اس طرف توجہ بخشتا ہے تا روحانی تعب و مشقت سے کسی قدر آرام پا کر پھر اُن مجاہداتِ شاقہ کے اٹھانے کے لئے تیار ہوجائے جیسا کہ کسی کا شعر ہے۔

؎ چشم شہباز کار دانانِ شکار از بہر کشادن ست گردوختہ اند[۲]

سو اسی طرح یہ کامل لوگ جب غایت درجہ کی کوفت خاطر اور گدازش اور ہمّ وغم کے غلبہ کے وقت کسی قدر حظوظِ نفسانیہ سے تمتع حاصل کر لیتے ہیں۔ تو پھر جسم ناتواں ان کا روح کی رفاقت کے لئے

۱؎ سورج بحکمت کاملہ الٰہی سات سوتیس تعینات میں اپنے تئیں متشکل کر کے دنیا پر مختلف قسموں کی تاثیرات ڈالتا ہے اور ہر یک متشکل کی وجہ سے ایک خاص نام اس کو حاصل ہے اور یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ وغیرہ درحقیقت باعتبار خاص خاص تعینات ولوازم و تاثیرات کے سورج کے ہی نام ہیں۔ جب یہ لوازم خاصہ بولنے کے وقت ذہن میں ملحوظ نہ رکھے جائیں اور صرف مجرد اور اطلاقی حالت میں نام لیا جائے تو اس وقت سورج کہیں گے۔ لیکن جب اسی سورج کے خاص خاص لوازم اور تاثیرات اور مقامات ذہن میں ملحوظ رکھ کر بولیں گے تو اس کو کبھی دن کہیں گے اور کبھی رات، کبھی اس کا نام اتوار رکھیں گے اور کبھی پیر اور کبھی سانون اور کبھی بھادوں، کبھی اسوج کبھی کاتک۔ غرض یہ سب سورج کے ہی نام ہیں اور نفس انسان بھی باعتبار مختلف تعینات اور مختلف اوقات و مقامات و حالات مختلف ناموں سے موسوم ہوجاتا ہے۔ کبھی نفس زکیہ کہلاتا ہے اور کبھی امارہ کبھی لوامہ اور کبھی مطمئنہ۔ غرض اس کے بھی اتنے ہی نام ہیں۔ جس قدر سورج کے۔ مگر بخوفِ طول اسی قدر بیان کرنا کافی سمجھا گیا۔ منہ

۲؎ شاہین کی آنکھ جو شکار کی ماہر آنکھ ہے اگر کبھی وہ بند بھی ہوتی ہے تو کھلنے کے لئے ہی بند ہوتی ہے۔

ازسرِ نوقوی اورتوانا ہوجاتا ہےاوراس تھوڑی سی محجوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے مراحل نورانی طےکر جاتا ہےاور ماسوااس کےنفس انسان میں رات کےاور دوسرےخواص دقیقہ بھی پائے جاتے ہیں جن کوعلم ہیئت اور نجوم اورطبعی کی باریک نظرنے دریافت کیا ہے۔ایسا ہی انسانِ کامل کےنفس کوآسمان سےبھی مشابہت ہے۔مثلاً جیسے آسمان کا پول اس قدروسیع اور کشادہ ہے کہ کسی چیز سے پُرنہیں ہوسکتا۔ ایسا ہی ان بزرگوں کانفس ناطقہ غایت درجہ کی وسعتیں اپنے اندررکھتا ہےاور باوجود ہزارہا معارف وحقائق کے حاصل کرنے کے پھربھی مَاعَرَفْنَاكَ کانعرہ مارتا ہی رہتا ہےاور جیسے آسمان کا پول روشن ستاروں سے پُر ہے ایسا ہی نہایت روشن قویٰ اس میں بھی رکھے گئے ہیں کہ جوآسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظرآتے ہیں ایسا ہی انسان کامل کےنفس کوزمین سےبھی کامل مشابہت ہے۔یعنی جیسا کہ عمدہ اوراول درجہ کی زمین یہ خاصیت رکھتی ہے کہ جب اس میں تخم ریزی کی جائے اور پھرخوب قلبہ رانی اورآب پاشی ہواورتمام مراتب محنت کشادرزی کے اس پر پورے کردیئے جائیں تو وہ دوسری زمینوں کی نسبت ہزارگونہ زیادہ پھل لاتی ہے اور نیز اس کا پھل بہ نسبت اور پھلوں کے نہایت لطیف اور شیریں ولذیذ اوراپنی کمیت اورکیفیت میں انتہائی درجہ تک بڑھا ہوا ہوتا ہے۔اسی طرح انسانِ کامل کےنفس کا حال ہے کہ احکام الٰہی کی تخم ریزی سے عجیب سرسبزی لےکراس کےاعمال صالحہ کے پودے نکلتے ہیں اورایسے عمدہ اورغایت درجہ کےلذیذ اس کےپھل ہوتے ہیں کہ ہر یک دیکھنے والے کوخدائے تعالیٰ کی پاک قدرت یادآ کرسبحان اللہ سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے۔سو یہ آیت وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا صاف طور پر بتلارہی ہے کہ انسانِ کامل اپنے معنے اورکیفیت کے رو سے ایک عالم ہےاورعالم کبیر کے تمام شیون وصفات وخواص اجمالی طور پراپنے اندرجمع رکھتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے شمس کی صفات سے شروع کرکے زمین تک جو ہماری سکونت کی جگہ ہے سب چیزوں کےخواص اشارہ کےطور پر بیان فرمائے یعنی بطور قسموں کےان کا ذکرکیا۔بعداس کےانسانِ کامل کےنفس کا ذکرفرمایا تامعلوم ہوکہ انسانِ کامل کانفس ان تمام کمالاتِ متفرقہ کا جامع ہے جوپہلی چیزوں میں جن کی قسمیں کھائی گئیں الگ الگ طور پر پائی جاتی ہیں.............

اس جگہ یہ سوال ہوگا کہ جو نفس انسان کے موجود بالذات ہونے کے لئے قسموں کے پیرایہ میں شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ ان شواہد کے خواص بدیہی طور پر نفس انسان میں کہاں پائے جاتے ہیں اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ پائے جاتے ہیں۔ اس وہم کے رفع کرنے کے لئے اللہ جل شانہٗ اس کے بعد فرماتا ہے۔ (بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۷۷ تا ۸۰ و ۸۲)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۷، ۳۲۸)

۹ تا ۱۲۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ۔

ترجمہ۔ اور پھر نفس انسان کے لئے ظلمت اور نورانیت اور ویرانی اور سرسبزی کی دونوں راہیں کھول دیں۔ بے شک جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور کلی اخلاق ذمیمہ سے دست بردار ہو گیا وہ مراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے (بے جا خواہشوں کی) خاک میں گاڑ دیا وہ نامراد رہا۔ ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی۔

تفسیر۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے نفسِ انسان کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت اور ویرانی اور سرسبزی کی دونوں راہیں اس کے لئے کھول دی ہیں۔ جو شخص ظلمت اور فجور یعنی بدکاری کی راہیں اختیار کرے تو اس کو ان راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اندھیری رات سے اس کی سخت مشابہت ہو جاتی ہے اور بجز معصیت اور بدکاری اور پر ظلمت خیالات کے اور کسی چیز میں اس کو مزہ نہیں آتا ایسے ہی ہم صحبت اس کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایسے ہی شغل اس کے جی کو خوش کرتے ہیں اور اس کی بدطبیعت کے مناسب حال بدکاری کے الہامات اس کو ہوتے رہتے ہیں یعنی ہر وقت بدچلنی اور بدمعاشی کے ہی خیالات اس کو سوجھتے ہیں۔ کبھی اچھے خیالات اس کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اور اگر پرہیزگاری کا نورانی راستہ اختیار کرتا ہے تو اس نور کو مدد دینے والے الہام اس کو ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی خدائے تعالیٰ اس کے دلی نور کو جو تخم کی طرح اس کے دل میں موجود ہے۔

اپنے الہامات خاصہ سے کمال تک پہنچا دیتا ہے اور اس کے روشن مکاشفات کی آگ کو افروختہ کر دیتا ہے تب وہ اپنے چمکتے ہوئے نور کو دیکھ کر اور اس کے افاضہ اور استفاضہ کی خاصیت کو آزما کر پورے یقین سے سمجھ لیتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کی نورانیت مجھ میں بھی موجود ہے اور آسمان کے وسیع اور بلند اور پُر کواکب ہونے کے موافق میرے سینہ میں بھی انشراح صدر اور عالی ہمتی اور دل اور دماغ میں ذخیرہ روشن قویٰ کا موجود ہے جو ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ تب اسے اس بات کے سمجھنے کے لئے اور کسی خارجی ثبوت کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اندر سے ہی ایک کامل ثبوت کا چشمہ ہروقت جوش مارتا ہے اور اس کے پیاسے دل کو سیراب کرتا رہتا ہے اور اگر یہ سوال پیش ہو کہ سلوک کے طور پر کیونکر ان نفسانی خواص کا مشاہدہ ہو سکے تو اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ یعنی جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلی رذائل اور اخلاقِ ذمیمہ سے دستبردار ہو کر خدائے تعالیٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈال دیا۔ وہ اس مراد کو پہنچے گا اور اپنا نفس اس کو عالم صغیر کی طرح کمالات متفرقہ کا مجمع نظر آئے گا۔ لیکن جس شخص نے اپنے نفس کو پاک نہیں کیا۔ بلکہ بے جا خواہشوں کے اندر گاڑ دیا۔ وہ اس مطلب کے پانے سے نامراد رہے گا۔ ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ بلاشبہ نفس انسان میں وہ متفرق کمالات موجود ہیں جو تمام عالم میں پائے جاتے ہیں اور ان پر یقین لانے کے لئے یہ ایک سیدھی راہ ہے کہ انسان حسب منشائے قانونِ الٰہی تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ تزکیہ نفس کی حالت میں نہ صرف علم الیقین بلکہ حق الیقین کے طور پر ان کمالاتِ مخفیہ کی سچائی کھل جائے گی۔ پھر بعد اس کے اللہ جل شانہٗ ایک مثال کے طور پر ثمود کی قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ انہوں نے بباعث اپنی جبلی سرکشی کے اپنے وقت کے نبی کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کے لئے ایک بڑا بدبخت ان میں سے پیش قدم ہوا۔ (بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸۲ تا ۸۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ ؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹)

۱۳۔ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا۔

ترجمہ۔ جب ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھا۔

تفسیر۔ تکذیب کے لئے ایک بڑا بد بخت پیش قدم ہوا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۹)

۱۴۔ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡيٰهَا۔

ترجمہ۔ تو اُن کو اللہ کے رسول نے سنا دیا کہ اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اس کا پانی نہ بند کرنا۔

تفسیر۔ اس وقت کے رسول نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ ناقۃ اللہ یعنی خدائے تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی جگہ کا تعرض مت کرو۔.... یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے نفس کو نَاقَةُ اللّٰهِ سے مشابہت دینے کے لئے اس جگہ لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی درحقیقت اسی غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تا وہ ناقۃ اللہ کا کام دیوے۔ اس کے فنافی اللہ ہونے کی حالت میں خدائے تعالیٰ اپنی پاک تجلّی کے ساتھ اس پر سوار ہو جیسے کوئی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔ سو نفس پرست لوگوں کو جو حق سے منہ پھیر رہے ہیں۔ تہدید اور انذار کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قومِ ثمود کی طرح نَاقَةُ اللّٰهِ کا سُقۡيَا یعنی اس کے پانی پینے کی جگہ جو یادِ الٰہی اور معارفِ الٰہی کا چشمہ ہے جس پر اس ناقۃ کی زندگی موقوف ہے۔ اس پر بند کر رہے ہو۔ اور نہ صرف بند بلکہ اس کے پیر کاٹنے کی فکر میں ہو تا وہ خدائے تعالیٰ کی راہوں پر چلنے سے بالکل رہ جائے۔

(بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹)

۱۵، ۱۶۔ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا۔ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا۔

ترجمہ۔ تو انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو ان کے رب نے ان پر

ہلاکت بھیج دی ان کے گناہ کے سبب پھر برابر کر دیا وہ ملیا میٹ ہو گئے۔ اور ان کے انجام اور بال بچوں کی بھی کچھ پروا نہ کی۔

تفسیر۔ فَکَذَّبُوْہُ فَعَقَرُوْھَا۔ یعنی پیغمبر کی نصیحت کی تکذیب کی اور صالح ؑ کی اونٹنی کے پیر کیا کاٹے اپنے ہی نفسوں پر چھری پھیر لی۔

سو اگر تم اپنی خیر مانگتے ہو تو وہ زندگی کا پانی اس پر بندمت کرو اور اپنی بے جا خواہشوں کی تیرو تبر سے اس کے پیر مت کاٹو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ ناقہ جو خدائے تعالیٰ کی سواری کے لئے تم کو دی گئی ہے مجروح ہو کر مرجائے گی۔ تو تم بالکل نکمے اور خشک لکڑی کی طرح متصوّر ہو کر کاٹ دیئے جاؤ گے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤ گے۔ (بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۸۵)

مگر انہوں نے نہ مانا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹے۔ سو اس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کی مار ڈالی۔ اور انہیں خاک سے ملا دیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور بے کس عیال کا کیا حال ہوگا۔

(بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۹)



سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم پڑھنا شروع کرتے ہیں سورۃ اللیل کو اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲ تا ۵۔ وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۔ وَ النَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۔ وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰٓی ۔ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۔

ترجمہ۔ رات کی قسم ہے جب کہ وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو۔ اور اُس ذات کی قسم ہے جس نے پیدا کیا مرد و عورت نر و مادہ کو۔ بے شک تمہارے کام الگ الگ ہیں۔

تفسیر۔ ماحصل ان چاروں آیتوں کا ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ نتائج ہر کام کے اسی قدر نکلیں گے جس قدر کہ خیر یا شر کے وہ کام کئے گئے ہیں ع

گندم از گندم بروید جَو ز جَو[1]

رات دن کا کام نہیں دیتی۔ دن رات کا کام نہیں دیتا۔ مرد جن کاموں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں عورتوں سے وہ کام نہیں ہوتے۔ عورتیں مردوں کا کام نہیں دے سکتیں۔ ہر ایک کے مختلف کام اپنے حسبِ حال مختلف نتیجے پیدا کرتے ہیں۔ یہ تمہید اس سورہ شریفہ کی ہے۔ تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ سورہ شریفہ کا نزول حضرت ابوبکرؓ اور امیہ بن خلف کافر کے متضاد مختلف کوششوں کے بارہ میں ہوا ہے۔ مضمون سے اور واقعات کے لحاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ نہ خصوص سبب کا۔ ہمارے اس وقت کے حسبِ حال صادق کو قبول کرنے والے اور دینی کاموں میں چندہ دینے والے اور ان کے مخالفوں کے لئے بھی خصوصیت سے اس سورہ شریف میں عبرت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۹)

۱؎ گندم سے گندم اور جو سے جو ہی پیدا ہوتے ہیں۔

جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم کو بیان کرتا ہے۔ وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے وہ چیز قانونِ قدرت میں قسم والے مضمون کے واسطے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے۔ اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہوگا۔ مثلاً اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی الخ ایک مطلب ہے جس کے معنے ہیں ''لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں اور ان کے نتائج بھی الگ الگ ہیں''۔ قرآن مجید اس مطلب کو قانونِ قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔ وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۔ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۔ وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰٓی ۔ کیا معنی؟ رات پر نظر کرو۔ جب اس کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے۔ پھر دن پر نظر ڈالو۔ جب اس نے اپنے انوار کو ظاہر کیا۔ پھر مرد اور عورت کی خلقت اور بناوٹ پر غور کرو اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کو سوچو تو تمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ الگ اور ان کے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۶۳، ۱۶۴)

دھرم پال کے قسموں پر اعتراض کے جواب میں فرمایا:

اگر قسم ہنسی کی بات اور بُری ہے۔ تو جو یجر وید بھاش چھٹا باب منتر بائیس میں بانی آریہ سماج نے لکھا ہے وہ تو ضرور ردّ کے قابل ہے۔ ''ہے (ورن) نیا کرنیوالے سبھا پتی (منصف راجہ) کئے ہوئے میں نیا اگھنیا نمار نے یوگ گئو[1] آدی پشئوں کی شپت (قسم۔ سوگند) ہے۔ اتی اسی پرکار (اسی طرح) جو آپ کہتے ہیں اور ہم لوگ بھی شیام ہی شپت کرتے ہیں آپ بھی اس پر تگیا (قانون) کو مت چھوڑیئے اور ہم لوگ بھی نہیں چھوڑیں گے''

غور کرو! گئو ادی پشئوں میں کس قدر گائے، بیل، ہرن، بکری، اونٹ، سؤر، کوے، مرغ، چیل، کیڑے مکوڑے داخل ہیں۔ انصاف کرو اور پھر سوچو!! وہ جو منو جی اور بھرگ جی کی جامع سنگھتا میں بُرا بول بولا۔ جس نے کہا اور ویدک قانون بتایا دیکھو منو جی ۸۔ ۸۸ گئو بیج اور سونا کی قسم دیکر ویشیہ سے پوچھے منو ۸۔ ۱۰۹ میں ہے۔ سوگند کے وسیلہ سے اصلی بات کو دریافت کرے اور کیا غلط کہا جو منو ۸۔ ۱۱۰ میں ہے۔ دیوتا اور بڑے بڑے رشی لوگوں نے کام کے واسطے سوگند کھائی ہے اور بسوامتر کے جھگڑے میں بششٹ رشی نے پیون کے بیٹے سداماں راجہ کے روبرو قسم کھائی تھی۔

---

[1] نہ مارنے کے لائق گائے وغیرہ جانوروں کی۔

ہماری پاک کتاب میں قسموں کا ہونا ایک معجزہ ہے اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ بلکہ اسلامی اصطلاح کے مطابق ایک آیت اور نشانِ نبوت ہے اور عظیم الشان نشانِ نبوت ہے۔ کیونکہ عرب میں ایک مثل تھی۔ اِنَّ الْاَیْمَانَ تَدَعُ الْاَرْضَ بَلَاقِعَ۔ قسمیں ملک کو ویران کر دیتی ہیں۔

اور منو کہتا ہے ۸۔۱۱۱ کیونکہ جھوٹی قسم کھانے سے اس لوگ میں اور پرلوگ میں نشٹ ہوتا ہے۔ پنجابی میں مثل ہے۔ ''جھوٹی قسم تاں پٹ مار دی اے'' اب سوچو اور خوب سوچو کہ قرآن اور صاحبِ قرآن اس قدر قسموں کے ساتھ کیسا فاتح اور کیسا کامیاب ہوا کہ اس کے دشمنوں کا نام ونشان نہ رہا۔ ذرا اس پر غور وتامل کرو! ان قسموں کا ثبوت تجارب وضرب المثلوں اور منو کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور تمہارے خیال میں ایک مجنون اور جھوٹے کا فعل ہے۔ جلسہ مہوتسو کے اسلامی مضمون میں امام مہدی نے اور بھی واضح فرما دیا ہے۔ اور بانیٔ اسلام تو تمہارے نزدیک جیسے ہیں۔ تمہارے اقوال وافعال سے ظاہر ہے۔ مگر دیکھ لو کہ کس طرح روز افزوں ترقی اسلام اور بانیٔ اسلام اور عرب کو ہوئی۔ پس اگر قسم زہر تھی تو اس نے تریاق کا کام دیا اور اگر حق ہے تو کیسی حقیقت حق کی ظاہر ہوئی کہ تمہارے ملک میں بھی آبراجا۔

سنو! مطالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل بڑے ضروری۔ دوسرے ان سے کم درجہ کے۔ بڑے ضروری مطالب کو بہ نسبت دوسرے مطالب کے تاکید اور براہین اور دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ میرا دعویٰ بہت صاف اور ظاہر ہے۔

تاکید کے لئے ہر زبان میں مختلف کلمات ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی عربی زبان میں بھی تاکید کے لئے بہت الفاظ ہیں مگر ایشیائی زبانوں میں........ علی العموم قسم سے بڑھ کر کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔ ایسے ہی عربی کے لٹریچر میں بھی قسم سے زیادہ کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس لئے اس میں عربی محاورات پر ضروری مطالب میں قسموں کا استعمال بھی ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ اہم اور ضروری امور میں براہین اور دلائل کا بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان مطالب میں قسموں کے علاوہ اور کیا ثبوت دیا ہے۔ سو یاد رہے جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم

کو بیان کرتا ہے وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے۔ وہ چیز قانونِ قدرت میں قسم والے مضمون کے لئے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے۔ اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہوگا۔

مثلاً اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی الخ۔ ایک مطلب ہے جس کے معنے ہیں۔ لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں اور ان کے نتائج بھی الگ الگ ہیں۔ قرآن مجید اس مطلب کو قانونِ قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۔ وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۔ وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی (اللّیل: ۲ تا ۴) کیا معنی؟ رات پر نظر کرو جب اس کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے۔ پھر دن کی بناوٹ پر غور کرو جب وہ اپنے انوار کو ظاہر کرتا ہے پھر مرد اور عورت کی خلقت اور بناوٹ پر نظر ڈالو۔ اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کو سوچو۔ تو تمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ الگ اور ان کے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے ہی باری تعالیٰ کے نام پر جان و مال کو دینے والے اور نافرمانیوں سے بچنے والے اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کے مصداق اور اس کے مقابل جان اور مال سے دریغ کرنے والے نافرمان اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کے مکذب بھی الگ الگ نتیجہ حاصل کریں گے۔

حضرت امام حجۃ الانام نے توضیح میں فرمایا ہے۔

’’تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام عادت وسنت الٰہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات واحقاق کے لئے ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے۔ جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کھلا کھلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہوسکتا کہ سورج موجود ہے اور اس کی دھوپ بھی ہے۔ اور چاند بھی موجود ہے اور وہ نور آفتاب سے حاصل کرتا ہے۔ اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے ہے اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے۔ اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا کھلا کھلا وجود اور کھلے کھلے خواص رکھتی ہیں۔ جن میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ اور نفس انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود میں ہی

صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنے روح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتی ہے اور جو بعض لوگ نفس کے وجود اور اس کی بقا اور ثبات کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس کی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے۔ جو کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم صرف اسی غرض کے لئے دنیا میں آئے ہیں کہ حیوانات کی طرح کھانے پینے اور حظوظِ نفسانی میں عمر بسر کریں۔ وہ اس بات کو جانتے بھی نہیں کہ نفسِ انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور قوتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور اگر وہ کسبِ کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات وفضائل وانواع پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ سو اللہ جلّشانہٗ نے اس سورہ مبارکہ میں نفسِ انسان اور پھر اس کے بے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے پس اول اس نے خیالات کو رجوع دلانے کے لئے شمس اور قمر وغیرہ چیزوں کے متفرّق خواص بیان کر کے پھر نفسِ انسان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ جامع ان تمام کمالاتِ متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفسِ انسان میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات وخاصیات بہ تمامہا موجود ہیں جو اجرامِ سماویہ اور ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی کہ ایسے عظیم الشان اور مستجمع کمالاتِ متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو موت کے بعد باقی رہ سکے یعنی جبکہ یہ تمام خواص جو ان مشہود ومحسوس چیزوں میں ہیں۔ جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ ایک اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے۔ نفسِ انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں۔ تو نفس کے مستقل اور قائم بالذّات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو چیز اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتی ہو اور اس جگہ قسم کھانے کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جلشانہٗ نے پسند کیا ہے کہ قسم قائم مقام شہادت کے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حکام مجازی بھی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کی قسم سے وہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں جو کم سے کم دو گواہوں سے اٹھا سکتے ہیں۔ سو چونکہ عقلاً وعرفاً وقانوناً وشرعاً

قسم شاہد کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے لہٰذا اسی بناء پر خدائے تعالیٰ نے اس جگہ شاہد کے طور پر اس کو قرار دیدیا ہے۔

پس خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی درحقیقت اپنے مرادی معنے یہ رکھتا ہے کہ سورج اور اس کی دھوپ یہ دونوں نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے کے شاہدِ حال ہیں۔ کیونکہ سورج میں جو جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ پائے جاتے ہیں یہی خواص مع شیئ زائد انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں۔ مکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفوسِ کاملہ میں پائی جاتی ہے اس کے عجائبات سورج کی گرمی اور روشنی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ سو جبکہ سورج موجود بالذات ہے تو جو خواص میں اس کا ہم مثل اور ہم پلہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یعنی نفسِ انسان۔ وہ کیونکر موجود بالذات نہ ہوگا۔

اسی طرح خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے چاند کی۔ جب وہ سورج کی پیروی کرے۔ اس کے مرادی معنے یہ ہیں کہ چاند اپنی اس خاصیّت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے۔ نفسِ انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے پر شاہدِ حال ہے۔ کیونکہ جس طرح چاند سورج سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالبِ حق ہے ایک دوسرے انسان کامل کی پیروی کر کے اس کے نور میں سے لے لیتا ہے۔ اور اس کے باطنی فیض سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے کیونکہ چاند تو نور حاصل کر کے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ پس جبکہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذّات اور قائم بالذات مانا جائے مگر نفسِ انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بکلّی انکار کر دیا جائے۔

غرض اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفسِ انسان کے پہلے قسم کھا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کے رُو سے شواہد اور ناطق گواہ قرار دیکر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نفسِ انسان واقعی طور پر موجود ہے اور اسی طرح ہر یک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی

قسمیں کھائی ہیں۔ ان قسموں سے ہر جگہ یہی مدّعا اور مقصد ہے کہ تا امر بدیہہ کو اسرارِ مخفیہ کے لئے جو ان کے ہم رنگ ہیں بطور شواہد کے پیش کیا جائے‘‘ (بحوالہ توضیح مرام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸۰ تا ۸۲)

(نور الدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائز ڈ ایڈیشن صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۸)

۶ تا ۸۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى۔ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔

ترجمہ۔ تو جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور اللہ کو سپر بنایا۔ اور دین اسلام کو عمدہ سمجھا۔ تو قریب ہی ہم اس کے لئے آسان کر دیں گے آسانی کا گھر۔

تفسیر۔ چندہ دینے والے متقی اور صادق کو قبول کرنے والے اس دنیا میں بھی مشکلات سے امن میں رہے اور آخرت میں بھی امن سے رہیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام میں سب سے پہلے یہ کام کیا تھا۔ خلافت کے ابتدا میں جو مشکلات پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان سب سے بہ آسانی خلیفہ اول کو عبور کرا دیا اور ہر ایک کے لئے یہی وعدہ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ راگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۹)

۹ تا ۱۱۔ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى۔ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔

ترجمہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا۔ اور دین اسلام کو جھٹلایا۔ تو ہم اس کو آہستہ آہستہ پہنچائیں گے سختی کے گھر میں۔

تفسیر۔ جنہوں نے نہ مال خرچ کیا نہ تصدیق کی۔ ان پر ایسی عسرت پڑی کہ جو خوشحالی پہلے تھی وہ بھی جاتی رہی۔ جو رسائل اشاعتِ دین کے نام سے نکلتے تھے۔ وہ بھی بند ہو گئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ راگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۹)

۱۳ تا ۱۴۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۔ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى۔

ترجمہ۔ ہمارے ذمہ ہے راہ دکھانا۔ اور بے شک اوّل و آخر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔

تفسیر۔ مشکلات کے وقت آسانی کی راہیں متقیوں کے لئے سجھا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اُوْلٰی یعنی دنیوی فتوحات اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو خوب دیں۔ اِنَّ لَنَا سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے اور

یہ فتوحات دنیوی آخرت کے لئے گواہ ٹھہریں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۱۸۔ وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی۔

ترجمہ۔ اور اس سے ہٹایا جائے گا بڑے متقی کو۔

تفسیر۔ اَلْاَتْقٰی سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی مالی خدمات کا ذکر اس طور پر ہے کہ قرآن شریف اور حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں آپ کی اس صفت کے بیان کرنے میں متفق اللفظ واللسان ہیں۔ اور اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کسی خاص سبب کا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۱۹۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی۔

ترجمہ۔ جو اپنا مال دیتا ہے تا کہ اپنے نفس کو پاک بنائے۔

تفسیر۔ یوں تو صحابہ میں سے ہر ایک نے بقدر اپنی طاقت اور وسعت کے عشرت کے ایام میں خدمات کیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی خدمات کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَكْرٍ یعنی جس قدر ابی بکرؓ کے مال نے مجھے نفع پہنچایا اس قدر کسی اَور کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا اور یہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا محض لوجہ اللہ تھا۔ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے طور پر نہیں تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۲۰ تا ۲۲۔ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی۔ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی۔

ترجمہ۔ اور اس آدمی پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اتارا جائے۔ لیکن وہ اپنے رب عالی شان کی خوشنودی کے لئے دے رہا ہے۔ وہ ضرور خوش ہوگا۔

تفسیر۔ ان ہر سہ آیات کے ترجمہ میں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ فَمَا اَشْبَهَ اللَّیْلُ بِالْبَارِحَةِ یعنی کل کی رات کو جو گزر گئی۔ آج کی رات سے بہت شدید مشابہت ہے۔ رَبِّهِ الْاَعْلٰی کا

جملہ بھی پوری موافقت ومناسبت رکھتا ہے۔ یَرۡضٰی کا مرجع رب اور اتقی دونوں کی طرف صحیح ہوسکتا ہے۔ فَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ۔

آیت نمبر ۲۰ وَمَا لِاَحَدٍ الخ بطور جملہ معترضہ کے درمیان میں آ پڑی ہے۔ اس لئے ترجمہ کسی قدر پیچیدہ ہوگیا ہے۔ اس درمیانی آیت کو تھوڑی دیر کے لئے الگ کرکے آیت ۱۹ سے پڑھی جاوے تو عبارت سہل اور سریع الفہم ہوجاتی ہے یعنی تقدیر عبارت کی یوں ہے۔ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی یعنی وہ اَتۡقٰی دیتا ہے مال کو تزکیۂ نفس کے لئے صرف اپنے رب کی رضا کی خاطر وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی اور نہ کسی کا اس پر احسان تھا۔ جس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے وہ اَتۡقٰی اپنا مال دے رہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)



سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

ہم پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲،۳۔ وَالضُّحٰی ۔ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۔

ترجمہ۔ قسم ہے چاشت کے وقت کی ۔اور قسم ہے رات کی جب سب کو ڈھانک لے۔

تفسیر۔ ضُحٰی کے معنے سخت روشنی کے ہیں اور لَیْلِ سَجٰی کے معنے سخت اندھیرے کے ہیں۔ یہ دونوں کلمے ایک دوسرے کے متقابل بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ آئندہ آنیوالی عبارت میں بھی یتیم ابواے ۔عیل غنٰی ۔ اس قسم کے الفاظ اور ان کے معانی و مطالب ایک دوسرے کے متضاد آ پڑے ہیں۔اس لئے تمہیدی طور پر ان دو کلموں کو قسمیہ شہادت کے طور پر ذکر فرمایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ر اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۴۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۔

ترجمہ ۔ نہ تو تجھے چھوڑا تیرے رب نے اور نہ تجھ سے اکتایا۔

تفسیر۔ وَدَّعَ کے معنے دوستی کو وداع کرنے اور قطع محبت کر دینے کے ہیں۔ قَلٰی ۔بمعنی عداوت ۔ دشمنی ۔ بیزاری۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی ۔ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ۔[1] (الشعراء:۱۶۹)

وجہ اس سورہ شریفہ کے نزول کی یہ بیان ہوئی ہے کہ چند روزہ فترتِ وحی کی وجہ سے ابوسفیان کی بہن نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ یوں کہا تھا کہ مَا اَرٰی شَیْطٰنَكَ اِلَّا قَدْ تَرَكَكَ[2] اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج ہوا اور یہ آیتیں تسلی بخش نازل ہوئیں۔ اس شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھ کر آیت کریمہ مَا وَدَّعَكَ الخ کے ساتھ ضُحٰی اور لَیْلِ سَجٰی سے مراد چہرۂ انور آنحضرت صلی اللہ

---

[1] میں تو تمہارے کاموں سے بیزار رہوں۔ [2] میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔

علیہ وسلم اورآپؐ کے سیاہ گیسومبارک عمدہ توفیق اورتوجیہ رکھتے ہیں۔ ؎

والضّحٰی رمزے زِ روئے ہمچو ماہ مصطفٰی است
معنی واللّیل گیسوئے سیاہ مصطفٰی است [1]

مائیں اپنے بچوں کو پیار اور محبت کے وقت دیکھا گیا ہے کہ اسی قسم کے الفاظ سے خطاب کرتی ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۵۔ وَ لَلْاٰخِرَۃُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔

ترجمہ۔ حالانکہ پچھلا زمانہ تیرے لئے پہلے سے بہتر ہے۔

تفسیر۔ آیت شریف میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی يَوْمًا فَيَوْمًا۔ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ ہر آن کی لاانتہا ترقیات کا ذکر ہے۔ ہر اگلا قدم آپ کا پچھلے قدم سے بڑھ کر رہا۔ امت کے جس قدر حسنات ہیں۔جس قدر درود شریف دنیا میں آپؐ پر پڑھا جارہا ہے۔کسی دوسرے بانی مذہب کے لئے اس قدر دعائیں نہیں کی جاتیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۶۔ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

ترجمہ۔ اور البتہ تیرا رب تجھ پر بہت کچھ انعامات کرتا رہے گا کہ تو راضی ہو جائے۔

تفسیر۔ سورۃ الفتح اور سورۃ الکوثر سے بڑھ کر اور کوئی تفصیل اس آیت کی کیا ہو سکتی ہے۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک ایک بھی امتی میرا دوزخ میں رہے گا۔ میں راضی نہ ہوں گا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۸ /اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۰)

۷ تا ۱۲۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

ترجمہ۔ کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا پھر اس نے تکلیف کے بعد جگہ نہیں دی آرام کی۔ اور تجھے

[1] وَالضُّحٰی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند چہرہ کی طرف اشارہ ہے اور وَاللَّيْل سے مراد آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سیاہ گیسوئے مبارک ہیں۔

طالب اور عاشق خود پایا تو اس نے اپنے ملنے کی راہ بتادی۔ اور تجھے بہت جورو بچے والا پایا پھر اس نے تجھے غنی کر دیا۔ تو تُو یتیم پر خفا نہ ہونا۔ اور سائل کو نہ جھڑ کنا۔ اور اپنے رب کی نعمت کا بیان کرتے رہنا۔

تفسیر۔ اس سورہ شریف کے ابتدا سے اخیر تک ایک عجیب طور پر لف ونشر بیان ہوا۔ آیات نمبر ۴ ونمبر ۷ ونمبر ۱۰ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور آیات نمبر ۵ ونمبر ۸ ونمبر ۱۱ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور آیات نمبر ۶ ونمبر ۹ ونمبر ۱۲ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں۔ قَلٰی کے مقابلہ میں یَتِیْمًا فَاٰوٰی اور اَلْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ہے۔ خَيْرٌلَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی تشریح ضَآلًّا فَهَدٰى سے اور اَلسَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ سے کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ضَآلّ کے معنے سائل یعنی سالک راہِ طریقت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف:۹۶) فرمایا۔ یعنی آپ تو یوسف کی محبت میں اپنے آپ کو گُم گشتہ کئے ہوئے ہو۔ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کے مقابلہ میں اَغْنٰى اور بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ہے۔ یتیم کے ساتھ لَا تَقْهَرْ کی نہی اور سائل کے ساتھ لَا تَنْهَرْ کی نہی یوں مناسبت رکھتی ہے کہ سائل کا تعلق صرف ایک وقتی تعلق رکھتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے لئے اور لَا تَقْهَرْ کے معنے یہ ہیں کہ اس پر ہمیشہ دباؤ نہ ڈالتے رہو۔ اس کے مال میں اسے مقہور نہ کرو۔ کَهر۔ قَهر کے معنے میں یہی آیا۔ کَهر خفیف دباؤ۔ قَهَر سخت دباؤ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۱)

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا میں ضلال کا اثبات نبی کریمؐ کے لئے ہے۔ مگر مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ (النّجم:۳) میں ضلال کی نفی بھی آپ کے حق میں موجود ہے۔ تو دونوں پر ایمان لاکر ایک جگہ ضلال کے معنے محب طالب سائل کے کرو۔ جو وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی ترتیب سے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری جگہ گمراہ کے معنے لو جو مَا غَوٰى کے مناسبت سے درست ہیں۔

(نورالدین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۳)

نکتہ معرفت۔ رات اور ضحٰی کی قسم میں ایک عجیب سرّ ہے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک مقام ہے جو ان لوگوں کے لئے جو سلسلہ وحی سے افاضہ حاصل کرتے ہیں آتا ہے۔ وحی کے سلسلہ سے شوق اور محبت

بڑھتی ہے۔ لیکن مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو محبت کے مدارج عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ اس سے قلق اور کرب میں ترقی ہوتی ہے اور روح میں ایک بے قراری اور اضطراب پیدا ہوتا ہے جس سے وہ دعاؤں کی روح اس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانہ الوہیت پر یاربّ یاربّ کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے جیسا کہ ایک بچہ جو تھوڑی دیر کے لئے ماں کی چھاتیوں سے الگ رکھا گیا ہو بے اختیار ہو ہو کر ماں کی طرف دوڑتا اور چلاتا ہے۔ اسی طرح پر بلکہ اس سے بھی بے حد اضطراب کے ساتھ روح اللہ کی طرف دوڑتی ہے۔ اور اس دوڑ دھوپ اور قلق وکرب میں وہ لذت اور سرور ہوتا ہے جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو روح میں جسقدر اضطراب اور بے قراری خداوند تعالیٰ کے لئے ہوگی اسی قدر دعاؤں کی توفیق ملے گی اور ان میں قبولیت کا نفخ ہوگا۔ غرض یہ ایک زمانہ ماموروں اور مرسلوں اور ان لوگوں پر جن کے ساتھ مکالمات الٰہیہ کا ایک تعلق ہوتا ہے آتا ہے اور اس سے غرض اللہ تعالیٰ کی یہ ہوتی ہے کہ تا اون کو محبت کی چاشنی اور قبولیت دعا کے ذوق سے حصہ دے اور ان کو اعلیٰ مدارج پر پہنچادے۔ تو یہاں جو ضُحٰی اور لَیْل کی قسم کھائی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج عالیہ اور مراتب محبت کا اظہار ہے اور آگے پیغمبر خدا کا ابراء کیا کہ دیکھو دن اور رات جو خدا نے بنائے ہیں ان میں کس قدر وقفہ ایک دوسرے میں ڈال دیا ہے۔ ضُحٰی کا وقت بھی دیکھو اور تاریکی کا وقت بھی خیال کرو۔ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ۔ خدا تعالیٰ نے تجھے رخصت نہیں کر دیا اس نے تجھ سے کینہ نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ ایک قانون ہے جیسے رات اور دن کو بنایا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایک قانون ہے کہ بعض وقت وحی کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ ان میں دعاؤں کے لئے زیادہ جوش پیدا ہو اور ضحیٰ اور لیل کو اس لئے بطور شاہد بیان فرمایا ہے تا آپ کی امید وسیع ہو اور تسلی اور اطمینان پیدا ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۱)



سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ہم سورۂ انشراح کو اس بابرکت اللہ کے اسم مبارک سے پڑھنا شروع کرتے ہیں جو رحمن و رحیم ہے۔

۲۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔

ترجمہ۔ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔

تفسیر۔ اس سے ماقبل کی سورۃ سورۃ الضحٰی میں ظاہری و جسمانی انعامات کا ذکر تھا۔ اور اس سورہ شریفہ میں آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روحانی نعمتیں ہوئیں ان کا ذکر ہے۔ شرح صدر ایک کشفی کیفیت تھی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی۔ جبکہ آپؐ کی عمر دس سال سے کچھ اوپر تھی اور بعد میں نبوت کے زمانہ میں بھی دوبارہ وہ کشفی اور روحانی معاملہ شرح صدر کا آپؐ سے کیا گیا۔ ظاہری اثر اس کا آپؐ پر یہ تھا کہ جو وسیع الحوصلگی آپؐ کی تھی۔ اس کی نظیر اوروں میں تو کیا اولوالعزم نبیوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ نوح علیہ السلام نے قوم سے دکھ اٹھا کر رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔[۱] (نوح:۲۷) کہہ دیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم سے دکھ اٹھا کر وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔[۲] (یونس:۸۹) کی دعا کرتے ہیں۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب طائف کے شریروں سے اس قدر پتھروں کی مار سے دُکھ اٹھایا کہ سارا بدن آپؐ کا خون آلود ہو گیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا تو یہ فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[۳] (بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۴) جبرئیل علیہ السلام نے طائف والوں کی ہلاکت کے لئے عرض کیا تو فرمایا

---

[۱] اے میرے ربّ! نہ چھوڑ خاص زمین پر کافروں کا کوئی گھر بسنے والا۔ [۲] اور سخت کر دے اُن کے دل کہ وہ تجھ پر ایمان ہی نہ لائیں جب تک نہ دیکھ لیں ٹیس دینے والا عذاب۔ [۳] اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ (مجھے) نہیں جانتے۔

کہ نہیں میں امید رکھتا ہوں کہ ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نو بیبیاں تھیں۔ انسان ایک دو بیبیوں کی ناز برداری سے تنگ آ جاتا ہے۔ مگر آپؐ سے تمام بیبیاں خوش تھیں۔ آیۂ تطہیر کے اترنے پر جو سورۃ الاحزاب میں ہے۔ آپؐ نے سب بیویوں کو اختیار دے دیا تھا۔ مگر کسی نے بھی آپؐ کے حسنِ اخلاق اور انشراح صدر کو معلوم کر کے آپؐ سے جدائی کو پسند نہ کیا۔ یہ کیسا انشراحِ صدر اور عالی حوصلہ تھا کہ فتح مکہ کے روز جن ظالموں نے آپؐ کو شہر سے نکالا تھا اور آپؐ کے اصحابؓ کو طرح طرح کی بے رحمیوں سے قتل کیا تھا۔ ان سب کو آپؐ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر یک لخت معافی دے دی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲)

اَلَمْ نَشْرَحْ۔ غور کرو موسیٰؑ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ کی دُعا کرتے ہیں اور یہاں اَلَمْ نَشْرَحْ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

اس میں شک نہیں کہ آپ کا شق صدر ہوا۔ قرآن کریم اس پر صریح ”اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ“ (الم نشرح:۲) میں ارشاد فرماتا ہے۔ بھلا آپ غور کریں اگر شرح صدر نہ ہوتو وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزمرہ کرتے تھے کسی غیر مشرح الصدر کا کام ہے آپ کی نو یا گیارہ بیویاں تھیں اور سب کی سب آپ پر فدا تھیں ان کے ساتھ اگر آپ کامل معاشرت نہ فرماتے تو کیا وہ رہ سکتی تھیں۔ پھر پانچ وقت آپ ہی جماعت کرانا اور بڑی بڑی سورتیں پڑھنا پھر تہجد کو بطور فرض اتنی لمبی قرأت سے پڑھنا کہ سورہ بقر، سورہ اٰل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ کبھی کبھی ایک ایک رکعت میں پڑھ جاتے تھے۔ پھر عرب کے وحشیوں سے مناظرہ، یہود سے مناظرہ، عیسائیوں سے مناظرہ، غرض علماء جہلاء دونوں سے مقابلہ اور پھر اپنا ایک ہی طرز واحد رکھنا۔ پھر یہی نہیں کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو بلکہ اپنی تاثیر سے ہزاروں کو عملی طور پر اپنے ساتھ ملا لیتے تھے۔ سائل نے کوئی ایسا لیڈر دیکھا ہوتو ذرہ اس کا نام ہی بتائیں کہ اس کی تقریر سے لوگ اپنے جان و مال اور ہر ایک چیز کو استقلال و دوام کے ساتھ

قربان کردیں۔ پھر تمام بادشاہان وقت سے خط وکتابت کرنا اور پھر باوجود اس کے سورہ حجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو بولنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر رات دن کی مہمان نوازی کے لیے نہ کوئی خزانہ ہے نہ اور کوئی مہمان خانہ تھا نہ کوئی باورچی خانہ ہے نہ کوئی لنگر کا مہتمم ہے نہ کوئی چارپائی ہے اور پھر کوئی مہمان ناراض نہیں جاتا۔ پھر قوانین جن میں عبادات ومعاملات وروحانی اخلاق کی اصلاح ہو سکے ان کا وقتاً فوقتاً ایجاد کرنا اور ان کو کر کے دکھا دینا اور عمل کروا دینا پھر سارے معاملات کا فیصلہ بھی آپ ہی کرنا۔ پھر فوجی افسروں کو مقرر کرنا اور کمان اپنے ہاتھ میں رکھنا اور ساری سکرٹری شپ (یعنی منشی کا کام) آپ کی زبان ہی تھی پھر عرب جیسے جنگجو طبائع کو مسخر کرنا اور ان کے عمائد کو ان کے غربا کے ساتھ کھڑا کر دینا اور سب کے سر زمین پر جھکا دینا اور پچھلے خواہ کتنے ہی بڑے شریف ہوں اور اگلے خواہ کتنے ہی وقیع ہوں ان کے پاؤں کے ساتھ ان کے سروں کو لگا دینا۔ تمام ملک کی خبر رکھنا اور فوجوں کی روانگی کے لیے ایسا سخت انتظام رکھنا کہ کسی کے مال کو راستہ میں چور نہ لوٹیں اور فتح کے وقت ایک سوئی یا ایک سوئی کا دھاگا کسی سپاہی کو کسی سے لینے کی اجازت نہ دینا۔

پھر قرآن شریف کو ایسا یاد رکھنا کہ ایک نقطہ اور زیر وزبر کی غلطی نہ ہونے دینا بعض دنوں آپ نے صبح کی نماز سے لے کر عشاء کی نماز تک لیکچر خطبہ پڑھا ہے۔ نہ زبان کو وقفہ نہ بیان میں اختلاف ہوا اور پھر تئیس برس کے سارے بیانات میں یہ کہنا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں اور پھر تئیس برس اس عہدہ کی خدمت کرنا کیا کوئی ایسا گورنر جنرل آپ نے دیکھا ہے جو تئیس برس کی ملازمت میں یہ لفظ بول سکے۔

پھر کھانا، پینا، مکان میں رہنا، بیوی سے تعلق رکھنا، سفر کرنا، صلح کرنا، جنگ کرنا، معاملات بیع وشرا، تجارت، نکاح، طلاق، عتاق، قضاء، شہود، شہادات، معاہدات، مرنے کے بعد کے قوانین، یتامیٰ اور کم عقلوں کی خبر گیریاں اور ان کے اموال وغیرہ کی حفاظتیں اس کے سوا قرب الٰہی کے ہزاروں ہزار شغل واذکار اور قسم قسم کے مراقبات اور قسم قسم کی خلوتیں اٹھتے بیٹھتے سوتے، چلتے

پھرتے ، جماع ، ولادت۔ موت اور قسم قسم کی آیات اللہ جیسے خسوف کسوف اور ان کے متعلق الٰہی یادگاریں اور دعائیں اور قوانین تجویز کرنا پھر ایسے آرام سے بیٹھنا کہ بیویوں کو کہنا کہ آؤ میں تمہیں جاہلیت کے زمانہ کی کہانیاں سناؤں۔

اگر آپ کو شرح صدر کے متعلق کوئی دقت ہے تو اس آیت پر توجہ کرو جس میں لکھا ہے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام:۱۲۶) وہی صدر کا لفظ اس میں موجود ہے۔ اس شرح صدر کے لیے ضرور ہے کہ صاحب شرح صدر کو ایک نظارہ دکھایا جاوے جس میں اس کا سینہ چیر کر اس میں حکمت ونور وایمان بھر دیا جاوے۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں کس طرح آنحضرتؐ نے گزارہ کیا۔ نصرانیوں کی سلطنت حبش اور یہودیوں کے ماتحت کس طرح گزارہ کیا۔ پھر جب آپ نے جمہوری سلطنت وہاں قائم کی ہے تو کس طرح گذارہ کیا ہے۔ پھر عرب جیسے بے قانون ملک کو کس طرح قانون کے نیچے جکڑ دیا ہے یہ وہی جانتا ہے جو سرحدی مشکلات سے واقف ہو۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۰ مورخہ ۲۴؍ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۶، ۷)

۳۔ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔

ترجمہ۔ اور اتار دیا تیرے اوپر سے تیرا بوجھ۔

تفسیر۔ سینہ کی تنگی۔ یہ سب سے بڑھ کر وِزْر انسان پر ہوتا ہے۔ عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی کے برابر سبکدوش رکھنے والی انسان کے لئے کوئی دوسری چیز نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲)

اور سنو۔ فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔[1] (الفتح:۲) کے معنے آپ لوگوں کو معلوم نہیں۔ اس آیت شریف کی تفسیر کے لئے قرآن ہی عمدہ تفسیر ہے۔ اور وہ آیت مفسرہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ[2] ہے فتح سے مراد ہے۔ دل پر علومِ باری اور آسمانی بادشاہت کے اسرار کا کھولنا اور جب وہ کھلتے ہیں تو توبہ اور خشیت اور خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ جس کے باعث گناہ نہیں رہتے۔ انسان نئی زندگی پاتا ہے۔ نیا جلال حاصل کرتا ہے۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصہ اوّل صفحہ ۱۶۲)

۱۔ ہم نے تجھ کو کھلم کھلا فتح دی۔ ۲۔ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ اور اتار دیا تیرے اوپر سے تیرا بوجھ۔

۵۔ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

ترجمہ۔ اور تیرے ذکر کو بلند کیا۔

تفسیر۔ اذان میں کلمۂ شہادت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپؐ کا بھی نام تمامی دنیا میں بلند آوازوں سے پکارا جارہا ہے۔مکی زندگی آپؐ کی ایسی تھی جیسی کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کی تھی اس وقت اس قسم کی زبردست پیشگوئی کا کیا جانا اور پھر اس کا پورا ہونا یہ بجائے خود آپؐ کی رفعتِ شان پر دلیل ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲)

۶،۷۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔

ترجمہ۔ بےشک ہر دُکھ کے بعد سُکھ بھی ہے۔اور بےشک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔

تفسیر۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آئے گی۔اگرچہ عسر کا لفظ بھی دوبار ہے۔اور یسر کا لفظ بھی دوبار ہے۔مگر اَلْعُسْرُ مُعَرَّف بِاللَّام مکرر ہے۔اور وہ معرف ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہے اور یسر نکرہ دوبار ہے۔اس لئے دو یسر الگ الگ مراد ہوں گے۔اسی مضمون پر کسی کا ایک شعر ہے۔ ع

اِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْبَلْوٰى فَفَكِّرْ فِيْ اَلَمْ نَشْرَحْ
فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ اِذَا فَكَّرْتَهٗ فَافْرَحْ [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲)

۸،۹۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔

ترجمہ۔ پھر جب تو ایک کام سے اللہ کے فارغ ہو تو دوسرے کام میں لگ جایا کر۔اور تیرے ہی ربّ کی طرف تو دل لگائے رکھ۔

تفسیر۔ یہ سنت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ ظاہری کوشش اور محنت کے ساتھ باطنی

---

[1] جب تجھ پر بہت سخت مصیبت آپڑے تو الم نشرح یعنی سورہ انشراح میں غور کر۔پس دو آسانیوں کے درمیان ایک مصیبت ہے۔جب تو اس پر غور کرے گا تو خوش ہوجا۔(یعنی یہ مصیبت چھٹ جائے گی اور اس کے بعد آسانی ظاہر ہوگی) پس جب تو فارغ ہوجائے تو کمر ہمت کس لے اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کر۔

عقدِ ہمت دعا اور توجہ الی اللہ ان کا کام ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہری محنتوں سے کعبے کو بنایا مگر ساتھ ہی عقدِ ہمت سے دعائیں بھی کیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔[1] (البقرۃ:۱۲۸) محنت ہو۔ کوشش ہو مگر دعا نہ ہو کام ناتمام ہے۔ اسی طرح صرف دعا ہی دعا ہو مگر کچھ محنت نہ ہو پھر بھی کام ناتمام ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ ۳۳۲)



[1] اے ہمارے رب! تو ہمارے بنائے ہوئے مکان کو پسند فرما لے تُوتو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اس بابرکت اللہ کے نام کی مدد سے پڑھتا ہوں جو رحمن و رحیم ہے۔

۲۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔

ترجمہ۔ قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔

تفسیر۔ تِیْن۔ زیتون۔ طور حضرت عیسٰی و حضرت موسیٰؑ کے لئے تجلی الٰہی کی جگہ اور یہ بلدِ امین آپؐ کے لئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

’’خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت ہے۔ ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا‘‘ (توریت کتاب ۵ باب ۳۳۔۲)

آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمان کو جمال سے چھپا دیا اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔ حبقوق باب ۳۔ ۳۔ سینا سے موسیٰؑ جیسا بادشاہ صاحبِ شریعت ظاہر و باطن نکلا۔ سعیر سے جس کے پاس بیتِ لحم اور ناصرہ ہے مسیح ظاہر ہوا۔

قرآن نے اس پیشین گوئی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان کیا ہے۔ دیکھو۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ۔ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ۔[1]

ان تین مقامات کی خصوصیت نہایت غور کے قابل ہے۔ عہد عتیق میں اس تخصیص کی وجہ مفصل مذکور ہوئی تھی۔ قرآن کا طرز ہے کہ جس بات کی تفصیل عہد عتیق و جدید میں نہ ہو۔ اس کی تفصیل کرتا ہے اور جس کا بیان وہاں مفصل ہو اس کی طرف مجمل اشارہ کرتا ہے۔ اب دیکھو۔ قرآن نے مسیحؑ کے مبدائے ظہور کو تین اور زیتون سے تعبیر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیتون کے پہاڑ کے پاس مسیح نے

---

[1] قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی۔

ایک گدھے کا بچہ منگوایا اور اس کے ذریعے سے اپنی نسبت ایک بڑی پیشین گوئی کو ثابت کیا دیکھولوقا باب ۱۹۔۳۰ متی باب ۲۱۔۱۔مرقس باب ۱۱۔۱

تِیْن کے درخت کے پاس ایک معجزہ ظاہر کیا۔

دیکھو مرقس باب ۱۱۔ ۱۴۔اور انجیر کا نشان دینے پر ایک شخص ایمان لایا۔ یوحنا باب ۱۔۴۸۔ وادیٔ فاران اور دشتِ فاران کی تفسیر قرآن نے یہ فرمائی ہے کہ فاران سے شہر مکہ مراد ہے۔ جہاں مسیحؑ جیسا بشیر اور موسیٰؑ جیسا بشیر ونذیر نکلا۔جس کی شریعت کی نسبت کہا گیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [1] (المائدہ:۴)

۱۔ فاران کے پہاڑ سے ایسا ظاہر ہوا کہ تمام دنیا اس کا لوہا مان گئی۔اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ہے۔اس کا لشکر ملائکہ کا لشکر ہے۔اس کے سبب سے خدا جنوب سے آیا۔اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔موافق اور مخالف نے محمدؐ محمدؐ یا احمدؐ احمدؐ پکارا۔اس سے زیادہ زمین ستائش سے اور کیا بھرتی۔دشمن بھی محمدؐ کے نام سے پکارتے ہیں۔ پرانے عربی ترجموں میں ’’اس کی ستائش سے زمین بھر گئی‘‘ کے بجائے یہ لفظ لکھے ہیں۔وَامْتَلَأَ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِیْدِ اَحْمَدَ۔[2]

نوٹ۔ محمدؐ بمعنے ستائش کیا گیا اور احمدؐ بڑا ستائش کیا گیا۔ کیونکہ صیغۂ افعل مبالغۂ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے آتا ہے۔

۲۔سینا کی جنوبی حد سے فاران شروع ہوتا ہے۔مکّہ ، مدینہ اور تمام حجاز فاران میں ہے۔کون دنیا کی ابتداء سے سوائے نبی عربی صاحب شریعت ستائش کیا گیا۔یعنی محمدؐ یا احمدؐ کے فاران میں پیدا ہوا۔

۳۔وادیٔ فاطمہ [3] میں گل جذیمہ یعنی پنجۂ مریم بیچنے والوں سے پوچھو کہ وہ پھول کہاں سے لاتے

۱؎ آج میں نے پورا کر دیا تمہارے لئے دین کو تمہارے اور پوری کر چکا میں اوپر تمہارے نعمت کو اپنی اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین۔ ۲؎ اور بھر گئی زمین ستائش سے احمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی۔

۳؎ وادیٔ فاطمہ مکے اور مدینے کے درمیان ایک پڑاؤ ہے۔ملکی زبانی روایتوں کے رو سے جو تواریخ قدیمہ کی جزوِ اعظم خیال کی جاتی ہیں یہ ثبوت بھی عجیب ثبوت ہے۔

ہیں تو لڑکے اور بچے بھی یہی کہیں گے کہ مِنْ بَرِیَّۃِ فَارَانَ یعنی دشتِ فاران سے۔

۴۔ وہ کون سا فاران ہے جس میں سے خدا ظاہر ہوا۔ جہاں سے مسیحؑ کے بعد رسول نکلا اور اس پر روشن شریعت نازل ہوئی۔ وہ کون سا مذہب ہے جو فاران سے نکل کر تمام دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔

۵۔ اسماعیلؑ کی اولاد کو برکت کا وعدہ تھا۔ وہ اولاد اسمٰعیلؑ کی عرب میں آباد ہوئی تھی اور ان میں سے موسیٰؑ کا سا نبی ظاہر ہونا تھا۔

۶۔ فاران کے معنے وادی غیر ذی زرع کے ہیں اور یہی مکّے کی صفت قرآن میں بیان ہوئی۔ اس مضمون کے شروع میں دیکھ لو۔

۷۔ یسعیاہ ۲۱ باب ۱۶ میں دیکھ۔ قیداریوں کا عرب میں ہونا ثابت ہے۔ اور وہ اسمٰعیل کا بیٹا ہے۔ دیکھو توریت لشکر ملائکہ کے ثبوت کے لئے۔ دیکھو یہودا کا عام خط باب ا۔ ۱۴۔ دیکھ خداوند اپنے لاکھوں مقدّسوں کے ساتھ آتا ہے۔ تا کہ سبھوں کی عدالت کرے۔ عیسائیوں نے اس بشارت پر بڑی کوششوں سے اعتراض جمائے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان کے اعتراض اور تردیدوں کا بیان کیا جائے حضرت ہاجرہ والدہ اسمٰعیلؑ اور اسماعیلؑ کا قصّہ مختصراً بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ اعتراضات اور جوابات میں امتیاز رہے۔

ا۔ حضرت ابراہیمؑ جب بہت بوڑھے ہُوئے چاہا کہ اپنے غلاموں سے کسی کو وارث بنا دیں۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔ تیرا بیٹا ہی تیرا وارث ہوگا۔ پیدائش باب ۱۵۔ ۴

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بی بی حضرت سارہ بہت بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کے نکاح میں دے دیا۔ پیدائش باب ۱۶۔ ۳

۳۔ حضرت ہاجرہ سے سارہ کو جیسی کہ عادتاً سوتوں میں ایک رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ کچھ کشیدگی سی ہو گئی۔ اس لئے حضرت ہاجرہ تنگ آ کر وہاں سے نکلیں۔ راستے میں فرشتے نے کہا۔ واپس جا۔ اللہ تجھے برکت دیگا۔ تیری اولاد وسیع اور بے شمار ہوگی۔ تیرے ایک لڑکا ہوگا۔ اُس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا۔ وہ

عربی ہوگا۔اس کا ہاتھ سب پر ہوگا۔ پیدائش ۱۶ باب ۶۔۱۱

نوٹ: حال کے ترجموں میں ’’اس کا ہاتھ سب کی ضد میں‘‘ لکھا ہے۔اگرچہ اس ترجمے کو تسلی اور برکت کا لفظ باطل کرتا ہے۔اِلَّا پھر بھی ایک عجیب بات اس کے سچ ماننے پر ہمیں مائل کرتی ہے۔وہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب کو ہمیشہ سے حضرت اسمٰعیلؑ اور بنی اسمٰعیل سے ضد رہتی تھی۔یہ ایک قدرتی ثبوت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت اسمٰعیلؑ کی حقیقت کھٹکتی چلی آتی ہے۔

اور وہ بمقابلے اپنے بھائیوں کے سکونت کریگا پیدائش ۱۶ باب ۱۳

۴۔ حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں۔ اور لڑکا جنیں اور اس کا نام اسمٰعیلؑ ہوا۔ پیدائش باب ۱۶۔ ۱۵۔

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اب تیرا نام ابرام نہ پکارا جاوے گا۔ بلکہ ابراہام۔ کیونکہ تجھ سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی۔اور تو سب کا باپ کہلائے گا۔ پیدائش ۱۷ باب ۵۔

۶۔ پھر ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کے لئے دعا کی۔ خدا نے کہا۔ میں نے تیری دعا اسمٰعیلؑ کے حق میں سنی۔ بے شک میں اسے برکت دوں گا۔ اور برومند کروں گا۔ اس کی اولاد بکثرت ہوگی اور اس کی پشت سے بارہ امام یا شاہزادے پیدا ہوں گے اور میں ان کو ایک قوم عظیم اور ممتاز کروں گا۔ پیدائش باب ۱۷۔ ۲۰۔

۷۔ اسمٰعیلؑ کے لئے برکت اور عہد دونوں ہیں۔ پیدائش باب ۱۷۔ ۷۔

۸۔ حضرت اسمٰعیلؑ جب تیرہ برس کے ہوئے۔ان کا ختنہ ہوا اور کہیں اسحٰقؑ پر ہنسے۔سارہ اس پر ناراض ہوئیں اور کہا ہاجرہ کو مع اس کے فرزند کے نکال دے اس لئے کہ یہ بشمول اسحٰق [1] وارث نہ ہو۔ خدائے تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے فرمایا۔ رنجیدہ مت ہو۔ جیسے سارہ کہتی ہے۔ ویسے ہی کر۔ اسحاق

---

[1] سارہ کا یہ کلام رنجش اور کمزوری کے سبب سے ہے۔خدا کی طرف سے الہام نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے دل سارہ کی طرف سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو اسمٰعیلؑ کی نسبت اُن کے دِل صاف نہیں ہوتے۔

تیری اولاد ہے۔ مگر مجھے ہاجرہ کے فرزند سے ایک قوم بنانا ہے۔ کیونکہ وہ تیرا نطفہ ہے۔ علی الصباح ابراہیمؑ نے ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو روٹی اور پانی دیکر نکال دیا۔ اور انہوں نے بیرشبع پر راستہ گم کیا۔ قصہ مختصر خشک بیابان میں تکلیف اٹھاتے اٹھاتے ایک دفعہ پانی سے ناچار ہوگئیں اور درخت کے نیچے بچے کو ڈال دیا۔ اور آپ دور جا بیٹھیں تا کہ اس کی پیاس کی موت کو نہ دیکھیں اور آسمان کی طرف منہ کر کے روئیں۔ تب فرشتے نے آواز دی۔ کیا تو بیمار ہے۔ خوف مت کر خداوند نے تیرے بچے کی آواز سن لی۔ اے ہاجرہ اٹھ اور بچے کو اٹھا۔ اس واسطے کہ میں اسے قوم کا بزرگ بناؤں گا۔ اور خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں۔ تب انہوں نے ایک چشمہ پایا (وہی جسے مسلمان چاہ زمزم کہتے ہیں) اسمٰعیلؑ بڑھے اور تیرانداز ہوئے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ہاجرہ نے پھرتے پھرتے آخر کہاں مقام فرمایا۔ اور کس جگہ سکونت اختیار کی تحقیق طلب بات ہے۔ لیکن ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ فاران میدان میں بمقام بیت اللہ مکہ معظّمہ میں وہ ٹھہریں اور اس امر کے ثبوت کے لئے وجوہات ذیل ہیں۔

۱۔ تواتر۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ اگر اس پر وثوق نہ رہے۔ تو پھر تواریخ قدیمیہ کے اثبات کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ تورات کو موسیٰؑ کی کتاب مانا تو تواتر سے۔ مسیحؑ کو ناصری یا ابن داؤد مانا تو تواتر سے۔

۲۔ ملکی اور قومی روایات اور مشہورہ حکایات سے جن کا ذکر تواریخ میں اور لوگوں کی زبانوں پر غیرمتبدل اور مستحکم چلا آتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اس قصے کی تصدیق ضروری اور لابدی امر ہے۔ کیونکہ کسی تاریخی واقعے کی تکذیب کر دینا باایں کہ وہ عقل کے مخالف نہ ہو اور کسی معلومہ قانون قدرت کو باطل نہ کرے اور ضروری علوم اس کے مخالف نہ ہوں، سخت غلطی ہے۔

پس جبکہ ملکی روایات اور مشہورہ حکایات اور تواریخِ قدیمیہ متفقًا ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ نے وادیٔ مکہ میں سکونت کی اور ملکِ حجاز۔ وہی دشتِ فاران ہے۔ تو کونسی بات ان امور کے قبول کرنے سے ہمیں مانع ہے۔ کیا کوئی قانونِ قدرت اسے محال بتلاتا ہے۔ یا عقل اس کو باور کرنے سے

کتراتی ہے۔

۳۔ پرانے جغرافیوں اور قدیم کھنڈرات کی تحقیقات کرنی چاہیے کہ اسمٰعیلؑ کہاں آباد ہوئے جہاں وہ مقام ملے۔ وہی ان کی سکونت کا مقام ہوگا۔ اور وہی مقام وادیٔ فاران ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ **پہلا نبایوت** عرب کے شمال مغربی حصے میں آباد ہوا۔ ریورنڈ کاتری پی کاری ایم اے نے اپنے نقشے میں اس کا نشان ۳۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶ و ۳۸ درجہ طول مشرقی کے درمیان میں لگایا ہے۔ ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں۔ کہ نبایوت کی اولاد عربیا پیٹرا سے مشرق کی طرف عربیا ڈیزرٹا تک اور جنوب کی طرف خلیج الامتک وحجاز تک پھیل گئی تھی۔

اسٹریبر کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ نبایوت کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا۔ اور مدینے تک اور بندر حور اور بندر نیبوتک جو بحرِ قلزم کے کنارے پر ہے۔ اور مدینے سے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ان کی عمل داری ہوگئی۔ ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوت کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رہی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی۔

ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ نبایوت کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصے میں پھیل گئی ہو۔ اِلَّا یہ بات کہ نبایوت کی سکونت اور اس کی اولاد کی سکونت عرب ہی میں تھی۔ بخوبی ثابت ہے۔

دوسرا بیٹا قیدار[1] نبایوت کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا۔

ریورنڈ مسٹر فاسٹر لکھتے ہیں کہ اشعیا نبی کی کتاب سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ بھی شامل ہے۔ اور زیادہ ثبوت اس کا حال کے جغرافیے میں شہر الخذر اور بنت سے پایا جاتا ہے۔ جو اصل میں القیدار اور بنا یرث ہیں۔ یورنیس اور بطلمیوس اور پلینے اعظم

---

[1] معنی لفظ قیدار صاحب الِابل۔ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۳۳۱۔ لفظ قیدار کے معنی ہیں اونٹوں والا۔ معلوم ہوا کہ قیداری حضرت اسماعیلؑ کے ولی عہد اور معتنی بہ شخص تھے۔ آپ کا نام بھی عرب اور اس کی خصوصیات سے عجیب مناسبت رکھتا ہے۔

کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں۔ کیڈری یعنی قیڈری۔ دری مخفف قیدری اور گڈرونائینی یعنی قیداری کدربتی یعنی قیڈری۔ دیکھو ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۸۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا۔ کاتری پی کاری نے اپنے نقشے میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ عرض شمالی اور ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا۔

تیسرا بیٹا ادبئیل ہے۔ بموجب سند جوزیفس کے ادبئیل بھی اپنے ان دونوں بھائیوں کے ہمسائے میں آباد ہوا۔

چوتھا بیٹا مبسام ہے مگر اس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں بیٹا مشماع ہے۔ مسٹر فاسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو مشماع لکھا ہے۔ اسی کو یونانی ترجمہ سبٹو الجینٹ میں مِسما اور جوزیفس نے مسماس اور بطلمیوس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا اولاً قریب نجد کے آباد ہوا۔

چھٹا بیٹا دوماہ تھا۔ مشرقی اور مغربی جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ دومۃ الجندل کا نام واقدی کی حدیث میں دوماہ الجندل آیا ہے۔ اور ابنِ ثقیفہ نے اس کو اعمال مدینہ میں گنا ہے۔ اس کا نام دوم ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کے نام پر ہوا۔ اور زجاجی کہتا ہے کہ اسمٰعیل کے بیٹے کا نام دومان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام دمّہ تھا۔ ابن کلبی کہتا ہے کہ دوماہ اسمٰعیل کا بیٹا تھا۔ جب تہامہ میں حضرت اسماعیلؑ کی بہت سی اولاد ہوگئی تو دوماہ وہاں سے نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا اور وہاں ایک قلعہ بنایا اور اس کا نام دوماہ اپنے نام پر رکھا۔ اور ابوعبید سکونی کا قول ہے کہ دومۃ جندل قلعہ اور گاؤں شام اور مدینے کے درمیان میں ہیں۔ قریب جبل طیٔ کے اور دومہ وادیٔ قریٰ کے گاؤں میں سے ہے۔ مسٹر فاسٹر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہ ایک مشہور جگہ عرب میں موجود ہے۔

ساتواں بیٹا مسّا تھا۔ یہ بیٹا حجاز سے نکل کر یمن میں آباد ہوا۔ اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسّا کا نام قائم ہے۔ کاتری پی کاری نے اپنے نقشے میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجے اور ۳۰ دقیقے

عرض شمالی اور ۴۳ درجے اور ۳۰ دقیقے طول شرقی میں قائم کیا ہے۔ اسمٰعیلؑ اور ان کی تمام اولاد حجاز میں تھی۔ بلا شبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہوگئی۔ تب مختلف مقاموں میں جا کر سکونت اختیار کی۔ مگر عمدہ بات قابلِ غور یہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے۔

آٹھواں بیٹا حدر۔ اس کو عہد عتیق میں حدّاد بھی لکھا ہے۔ یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام بتلا رہا ہے۔ اور قومِ حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے۔ اسی کے نام کو یاد دلاتی ہے۔ زہیری مؤرخ کا بھی یہی قول ہے اور مسٹر فاسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتا ہے۔

نواں بیٹا تیما تھا۔ اس کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گیا۔

دسواں بیٹا یطور تھا۔ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اس کا مسکن جدورؔ میں تھا۔ جو جبل کسیونی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے۔

گیارہواں بیٹا نافلیش تھا۔ مسٹر فاسٹر جوزیفس اور توراۃ کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈیزرٹا میں اُن کی نسل کے نام سے آباد تھے۔

بارہواں بیٹا قید ماہ۔ انہوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی۔ مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے کہ اصحاب الرس اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور وہ دو قبیلے تھے۔ ایک کو قدمان اور دوسرے کو یامین کہتے تھے۔ اور بعضوں کے نزدیک رعویلؔ اور یہ یمن میں تھے۔

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیے کے رُو سے نہایت اطمینان کے قابل ہے دو باتیں ثابت ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی اور دوسرے یہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا۔ جہاں اسمٰعیلؑ کی مقدم اولاد کا مسکن ہوا تھا اور پھر اُس مرکز سے اور طرف عرب میں پھیلے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی اور اسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسٰیؑ اور حضرت حبقوق نے اپنی اپنی بشارتوں میں بتایا۔

عیسائیوں کے اعتراض

اگرچہ یہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادیٔ حجاز اور وادیٔ فاران دونوں ایک ہیں۔ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر بااین ہمہ عیسائی اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں قرار دیتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ اس وسیع میدان کو جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ فاران کہتے ہیں۔

۲۔ قادیش جہاں ابراہیمؑ نے (بیر شبع) کھودا اور فاران ایک ہیں۔

۳۔ فاران اسی وادی کا نام ہے جو سینا سے غربی نشیب پر ہے۔ جہاں قبریں عمارتیں اب ملی ہیں۔

جواب

۱۔ بتاؤ یہاں اسمٰعیلؑ اور اس کی صلبی اولاد کب آباد ہوئی؟

۲۔ کتاب ۳۔ ۱۳۔ ۲۵و۲۶ وہ سردار کنعان کو دیکھ کر پھرے تو بیابانِ فاران میں سے قادیش میں پہنچے (قادیش شمالی حد فاران کی ہے) یاد رہے اس آیت کی اصل عبری عبارت یہ ہے۔ اِلٰی مِدْبَرْ فَارَان قَادَشِیَّہ۔ لفظی ترجمہ طرف وادی فاران کے بہ نیل مرام۔ قادیش کے معنے ہائل کے بھی ہیں دیکھو ترجمہ انقلس۔

فاران تین ہیں۔ ایک حجاز میں۔ دوسرا طور یا سینا کے پاس تیسرا سمرقند میں۔ سمرقند والا فاران مبحث سے خارج ہے۔ اور جو فاران طور یا سینا کے قرب میں واقع ہے۔ وہ فاران نہیں جو ابراہیمؑ کے وقت تھا۔ وہ نہیں جس کا تورات میں ذکر ہے۔ وہ نہیں جہاں ہاجرہ نے اسمٰعیل کے ہمراہ بیر شبع میں راستہ گم کر کے اقامت کی اور وہ نہیں جہاں ابتداءً اسمٰعیلؑ کی اولاد آباد ہوئی۔ وہ نہیں جہاں سے بعد سعیر خدا نے ظہور کیا۔

ہاں بلاشبہ زمانے کے دَور میں اسمٰعیلؑ کی اولاد حجاز سے نکل کر تمام عرب میں خلیجِ فارس تک پھیل گئی۔پس اگر حجاز کے سوا اور جگہ سے پرانے ایسے کھنڈرات ملے ہوں جو بنی اسمٰعیل کے ناموں کے مشابہ ہوں یا مطابق تو وہ اس نفس الامری بات کو اٹھا سکتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ حجاز میں آباد ہوا۔جو فاران سینا کے مغرب میں ہے۔اور جس کے آثار ملے ہیں۔وہ توریت کا فاران نہیں۔موسیٰؑ کے زمانے میں اس کا وجود نہ تھا۔موسیٰؑ مصر سے نکلے اور بحرِ احمر سے پار ہوئے۔توشور میں پہنچ کرسن کو طے کر کے افیدیم میں ٹھہرے وہاں کتاب ۲۔۷ لغایت ۸ میں ہے عمالیق آن کر اترے۔اس سے ثابت ہوتا ہے۔عمالیق افیدیم کی نہ تھی۔یہاں یاد رکھو کہ افیدیم کوہ سینا کے مغرب اور مصر کے شرق میں ہے۔پھر افیدیم سے موسٰے مشرق کی طرف سینا کو چلے اور سینا میں پہنچے۔اس سینا کے غربی فاران کا ذکر موسیٰؑ نے نہیں کیا۔پھر سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے۔اس راہ میں حضرت موسیٰؑ کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھہر گیا۔ (گنتی باب ۱۰ آیت ۱۲)

اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت فاران کوہ سینا کے شمال مشرق میں قادیش کے قریب واقع تھا اور وہی حجاز کا بیابان ہے۔نہ غربی نشیب سینا کا۔البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔عرب کی ایک قوم جو فاران بن حمیر کی اولاد میں سے تھی اور بنی فاران کہلاتی تھی کسی زمانے میں سینا کے مغرب میں آباد ہوئی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہو گیا۔یہ وہ فاران نہیں جس کا ذکر تورات میں ہے۔(خطبات الاحمدیہ بتبدیلٍ یسیرٍ)

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ دوم صفحہ ۲۰۷ تا صفحہ ۲۱۴)

تین اور زیتون۔ان دو چیزوں کو قسمیہ بطور شہادت کے اس لئے بیان کیا کہ علاوہ غذا کے جسمانی امراض کے لئے بھی بطور دوا کے یہ دونوں چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔کبھی طبیب تین تجویز کرتا ہے تو کبھی تبدیل نسخہ کے لئے زیتون مفید سمجھتا ہے۔زیتون کو مؤخر اور تین کو مقدم ذکر کرنے کی وجہ انشاءاللہ تعالیٰ آگے بیان ہوگی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ قادیان مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲)

۳، ۴۔ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔

ترجمہ۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔

تفسیر۔ ایک زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوتوں کے توسط سے اپنے تخت کو بنی اسرائیل کے لئے طورِ سینین اور ملک شام کی طرف بچھایا۔ اور اب دوسرے زمانہ میں اپنی حکمت اور مصلحت کی بناء پر بنی اسمٰعیل اور تمام دنیا کے لئے اپنے تخت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط سے بلد اللہ الامین میں تجویز فرمایا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ ۳۳)

۵۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔

ترجمہ۔ بے شک ہم نے پیدا کیا آدمی کو عمدہ سے عمدہ ترکیب پر۔

تفسیر۔ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کے لفظ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ذرا سی بے اعتدالی سے انسان تقویم کے اعتدال سے یکسو ہو کر جسمانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے۔ تینؔ یا زیتون کا نسخہ تجویز کرنا پڑتا ہے۔ ایک سے اچھا نہ ہو تو دوسرا بدلنا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانیت کی تقویم کا بھی ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہو کر انسان اَسْفَلُ السّٰفِلِيْن میں جا گرتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ ۳۳)

بعض لوگ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:۵) کے یہ معنے کرتے ہیں کہ انسان کو خوبصورت بنایا مگر بعض انسان تو سیاہ رنگ اور بدصورت بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر چیز کو اس کے قابو میں کر دیا۔ سرکس میں کسی نے تماشہ دیکھا ہوگا کہ کیسے کیسے کام جانوروں سے لیتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے احسان ہیں۔ (الفضل جلد ۱ نمبر ۱۸ مورخہ ۱۵؍اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۶۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔

ترجمہ۔ پھر اس کو پھینک دیا نیچے سے نیچے (اس کی بد اعمالی کے سبب سے)۔

تفسیر۔ رَدَدْنٰهُ میں یہ اشارہ فرمایا کہ بادشاہیاں چھن جاتی ہیں۔ محتاجیوں کے قعر میں جا پڑتے ہیں نبوتیں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایک قوم نالائق ہوتی ہے۔ تو محروم رکھی جاتی ہے اور اس کی جگہ

اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری قوم کو منتخب فرماتا ہے۔جیسا کہ بنی اسرائیل اور بنی قیدار کا حال ہوا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲)

۷ تا ۹۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ۔

ترجمہ۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو مانا اور بھلے کام کئے تو ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ (تو اے آدمی) ان سب باتوں کے بعد دین میں تجھے کون جھوٹا سمجھے یا دین کی تکذیب پر کونسی چیز تجھے آمادہ کرتی ہے۔کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

تفسیر۔ یہ استثناء بڑا ضروری تھا اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نئی نبوت کے قائم ہونے کے وقت پرانے نبی کے متبعین اگر موجودہ زمانہ کے مرسل کو بھی قبول کر لیں گے۔تو ان کا اجر ممنون یعنی منقطع نہ ہوگا بلکہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے کہ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ (الحدید:۲۹) یعنی دوہرے اجر ملیں گے۔اگلے بھی اور پچھلے بھی۔

معنے دین کے جزاسزا کے ہیں۔ بَعْدُ بِالدِّيْنِ سے یہ مطلب ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔جس طرح کہا کرتے ہیں کہ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ یعنی جس طرح تم ہمارے ساتھ معاملہ کرو گے اسی طرح ہم بھی تم سے کریں گے۔

سورہ شریفہ بہت چھوٹی ہے۔مگر ایک ایک لفظ سے اشارات یہ پائے جارہے ہیں کہ انتقالِ نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں جو ہوا۔تو حق اور حکمت کے ساتھ ہوا۔بے وجہ نہیں ہوا۔طبیب نے نسخہ تبدیل کیا تو سوچ سمجھ کر ہی کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ۔اب اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیری تکذیب سے ان کو کیا فائدہ؟ جبکہ جزا سزا، یا یوں کہو کہ مرض کی دوا موافق طبیعت کے ملی ہے۔سورہ شریفہ کے مطلع میں تمہیداً تینؔ کو زیتونؔ پر مقدم کر کے ذکر فرمایا تھا مؤخر کرنے میں۔

تین، سینین، بلدالامین، مقفہ بھی ہو جاتا مگر نہ کیا وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ زیتون سے

تشبیہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی ہے جو بعد میں آنے والے تھے اور فوائد اور نفع رسانی کی رو سے بہ نسبت انجیر کے زیتون میں منافع بہت زیادہ ہیں۔کھانے کے علاوہ روشنی کے کام میں بھی آتا ہے اور روشنی بھی ایسی کہ جس میں دھوئیں کا نام تک نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

والے رکوع میں ۱۱ / ۱۸ زیتون سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دے کر اس رکوع کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے اس کو براہین احمدیہ صفحہ ۱۷۷ میں ملاحظہ کر لیں۔مقام تو اس قسم کا تھا کہ اس سارے بیان کو براہین سے ہم نقل کر دیتے مگر چوں کہ یہ صرف نوٹ ہی کے طور پر ہیں اس لئے طوالت کے خیال سے صرف۔حوالہ پر کفایت کیا گیا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ۔حاکموں پر جو حاکم ہوتا ہے۔اس کا یہی کام ہوتا ہے کہ حکمت اور مصلحت کی بناء پر ماتحت حکومتوں کو بدل دے۔سورۃ شریف کا مکی ہونا یا مدنی ہونا مختلف فیہ ہے۔حضرۃ عباسؓ فرماتے ہیں کہ مدینے میں نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ کچھ حصہ مکی اور کچھ مدنی ہو۔حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات نماز عشاء میں سورۃ التین کو ایسی خوش الحانی اور سہانی آواز سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا کہ بخدا آپ کی اس قرأۃ سے زیادہ خوش الحانی میں نے کسی اور سے نہیں سنی۔مسنون ہے کہ اس سورہ شریف کے ختم پر جواباً بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ کہا جاوے۔

بَلَدُ الْاَمِیْن۔یہ تمہارا شہر جو دارالامن ہے خدا کی زبردست طاقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔اس گھر کا بنانے والا ابراہیم علیہ السلام تھا۔جو ابوالملت کہلاتا ہے۔اس کے دشمنوں نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے کیا کیا منصوبے کئے مگر بالآخر خدا کا ہاتھ اپنا کام کر گیا۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں کا کوئی نام ونشان بھی نہیں جانتا اور آپ کی ذریت اس قدر ہے کہ اسے کوئی گن نہیں سکتا اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا حال ہوگا۔یہ واقعات اہل مکہ کو

برنگ پیشگوئی سنائے گئے اور پہلی آیتوں میں جو نوح مراد لیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح کے طوفان کے وقت جو کبوتری خشکی کی خبر لائی اس کے منہ میں زیتون کی شاخ تھی اور دوسری نہج پر اس سے مراد یہ لی گئی ہے کہ دراصل ان آیات میں حضرت مسیح اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بتایا ہے اور ان بشارتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمائی تھیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں ان عظیم الشان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جو توراۃ شریف میں مذکور ہیں۔ کتاب استثناء ۳۳ باب ۲ میں مسطور ہے۔ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔

اور حبقوق ۳ باب ۳ میں ہے۔ ’’آئے گا اللہ جنوب سے (یعنی مکہ سے) اور قدوس فاران کے پہاڑ سے (جو مکہ کا پہاڑ ہے) اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔ چنانچہ سینا سے حضرت موسیٰؑ جیسا صاحب شریعت نکلا۔ ساعیر سے حضرت مسیح ظاہر ہوئے اور فاران سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ ان آیات میں حضرت مسیحؑ کا پتہ تین اور زیتون سے دیا گیا۔ وہ پہاڑ جس پر یروشلم آباد ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک کو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں۔ اور ساعیر ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ سو تین اور زیتون کے ذکر سے حضرت مسیحؑ کی جائے ظہور کا پتہ دینا منظور ہے کیونکہ زیتون پہاڑ کے پاس مسیحؑ نے ایک گدھے کا بچہ منگوایا تھا اور اس کے ذریعہ سے اپنی نسبت ایک بڑی پیشینگوئی کو ظاہر کیا تھا (دیکھو لوقا ۱۹ باب ۳۰۔ متی ۲۱ باب ۱، متی ۱۱ باب ۱) اور تین پہاڑی کے پاس (جس کو تین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہاں انجیر کے درخت تھے) حضرت مسیحؑ نے ایک معجزہ ظاہر کیا تھا (دیکھو مرقس ۱۱ باب ۱۴) اور انجیر کا نشان دیکھنے پر ایک شخص ایمان لایا (یوحنا ۱ باب ۴۸)

طورِ سینا پر حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے احکام ملے اور ان پر تجلی الٰہی ہوئی۔ امن والا شہر یعنی

مکہ معظّمہ دشتِ فاران میں ہے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سرزمین میں چھوڑ گئے تھے (دیکھو پیدائش ۲۱ باب ۲۱)

اس دشت سے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جلوہ گر ہوئے اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فتح مکہ کے دن مکہ میں تشریف لائے۔ اوران کے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی۔

یعنی مجرموں اور ستم گاروں کو شمشیر تیز کی نار میں بھسم کرنے آئے تھے۔ آپؐ ہی کے سبب سے خدا جنوب سے آیا اور دنیا اس کی ستائش سے بھر گئی۔

پس تِیْن وَ زَیْتُوْن۔ طُوْرِ سِیْنِیْن۔ بَلَدُ الْاَمِیْن (یعنی شہر مکہ) تین عظیم الشان انسانوں کی یادگار ہیں۔ جن کی ستائش ہزارہا سال سے تمام عالم میں ہو رہی ہے۔ کیا امیر کیا غریب، کیا بادشاہ کیا فقیر ان مقدس انفاس کی مدح و ستائش کو موجبِ برکت سمجھتا اور اُن کے فیوضات سے مستفیض ہو رہا ہے۔

اور یہ بات اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا کیا ہے اور روحانی اور جسمانی دونوں حیثیتوں سے اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ خلقت عطا ہوئی ہے۔ جن کے نمونے یہ تینوں برگزیدہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور جن کی تبلیغ سے ہر ایک انسان اپنی فطرت پر قائم اور فطری نقشے پر جما رہ سکتا ہے۔ مگر بدعملی اور بے ایمانی کی وجہ سے بھی انسان ایسا خراب ایسا بد اور ایسا غلیظ ہو جاتا ہے کہ ارذل ترین حیوانات سے بھی پرے جا رہتا ہے۔ ہاں جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم ہیں اور اس تنزل اور فساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ اجر غیر منقطع حاصل کرتے ہیں۔ پس ایسے ایسے الٰہی انتظامات انسان کے احسن تقویم میں پیدا کرنے پر بھی جو شخص خدا کے مقصد اور مصلحتِ حقہ پر نظر نہ کرے اور آفرینش انسان کو بطور لہو ولعب سمجھے اور اس کو اعمال کے نتائج کے ملنے کا ذمہ وار اور جزا سزا کا مورد نہ سمجھے بڑا ہی بے وقوف ہے۔ جزا اور یوم الجزا کی تکذیب کرتا ہے۔ حالانکہ وہ دنیا میں برابر مطیع اور غیر مطیع بروں اور بھلوں کے انجام و عواقب کو دیکھتا ہے۔ جو دنیاوی حکام کی طرف سے ان کو ملتے رہتے ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے وہ انسان کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دے گا اور

اس کے کاموں پر جانچ پڑتال نہ کرے گا اور مطیع اور غیر مطیع میں امتیاز نہ کرے گا اور یہی بھاری دلیل ہے۔ جزا اور یوم الجزا کے قیام کی فَتَفَکَّرُوْا یَآاُولِی الْاَبْصَار۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۲ تا ۳۳۴)



سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ علق کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس باعظمت اللہ کے نام پاک سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

۲ تا ۶۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔

ترجمہ۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے ہر ایک شے کو پیدا کیا۔ انسان کو پیدا کیا جونک سے۔ پڑھ اور تیرا رب بہت بزرگ ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ سے۔ سکھایا انسان کو جو وہ جانتا نہ تھا۔

تفسیر۔ ان آیات میں آپؐ کی ترقی اور کامیابی اور کمالات پر جو کچھ لفظ رَبِّکَ اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اور رَبُّکَ الْاَکْرَمُ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ وہ عقل والے آدمی سے مخفی نہیں۔ پھر یہ پیشینگوئی جیسی پوری ہوئی وہ بالکل معجزہ ہے۔ (فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۲۴)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ یہ پہلے الفاظ ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئے۔ ہر کام بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے۔ خلق کے بعد ربوبیت لازمی اور ضروری ہے۔ ظاہری جسمانی پرورش سے پرورشِ روحانی مقدم ہے۔ رب کے لفظ میں یہ بھی سمجھایا کہ آپؐ کی روحانی نشوونما کا یہ پہلا اور ابتدائی قدم ہے جو بتدریج ترقی کرکے آپؐ کو عظیم الشان بنادے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴)

پہلا الہام جو ہمارے سید ومولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ وہ بھی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ ہی تھا اور پھر رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا تعلیم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ علم کی کس قدر ضرورت ہے۔ سچے علوم کا مخزن قرآن شریف ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے

پڑھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور عمل کے واسطے پڑھنے کی بہت بڑی ضرورت ہے۔اور یہ حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ اللہ سے مامور من اللہ کی پاک صحبت میں رہ کر۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی سلامتی، صدقِ نیت، شفقت علیٰ خلق اللہ، غَایَتُ الْبُعْدِ عَنِ الْاَغْنِیَاءِ، آسانی، جودتِ طبع، سادگی، دور بینی کی صفات سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ علق بغیر ہڈی کے گوشت کے کیڑے کو کہتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کی ابتدا اس باریک کیڑے سے ہوتی ہے جو نطفہ مَنی میں ہوتا ہے۔ جس کو ڈاکٹری اصطلاح میں سپر موٹوزہ کہتے ہیں۔ ربوبیت کی ابتدائی کیفیت اور علق کی ابتدائی کمیت مساوی الحال ہوتے ہیں۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ اکرم کے لفظ میں پیشگوئی فرمائی کہ آپؐ مکرم و معظم ہو جاویں گے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عرب ایک ایسا جزیرہ نما تھا کہ اسلام سے پہلے کوئی تاریخ نہیں بتا سکتی کہ وہاں سے کوئی کتاب تصنیف ہوئی ہو۔ ایسی عظیم الشان ربوبیت ہوئی کہ اسلام کی کتابوں کو اب کوئی گن بھی نہیں سکتا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملّت بشست [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴)

۷، ۸۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔

ترجمہ۔ کچھ شک نہیں یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے۔ جب وہ اپنے کو مالدار دیکھتا ہے۔

تفسیر۔ اب یہاں سے ذکر مخالف کا چل پڑا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے ساتھ مخالف کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالفت کرنے والے بڑے اغنیاء ہی ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا ۔[2] (الانعام:۱۲۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴)

---

[1] ایک یتیم نے کہ جو قرآن بھی دیا ہے اس نے کئی قوموں کے کتب خانوں کا صفایا کر دیا ہے۔

[2] اسی طرح ہم نے پیدا کئے ہر بستی میں جنابِ الٰہی سے قطع تعلق کرنے والے سردار گناہ گاروں کے۔

۱۰ تا ۱۵۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى۔ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى۔ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔

ترجمہ۔ تُونے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے۔ بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا تُو دیکھ تو سہی اگر یہ شخص ہدایت پر ہوتا۔ اور تقویٰ کا حکم کرتا (تو کیا اچھا ہوتا)۔ کیا تُو نے دیکھا کہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی (تو اب کیا حال ہوگا)۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے (اس کی بُری حرکتیں)۔

تفسیر۔ اَرَءَيْتَ فرما کر ایک ہی سیاق سے اپنے نبی اور مخالف کو مخاطب فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۵؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴)

۱۶۔ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ۔

ترجمہ۔ وہ سُن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آئے گا۔

تفسیر۔ سَفْعٌ کے معنے زور سے کھینچنے اور گھسیٹنے کے ہیں۔ نَاصِيَة پیشانی اور مقدم رأس کے بال، غیظ وغضب کے وقت پیشانی پر بل ڈال کر نہایت ڈراؤنی شکل سے انسان اس کو گھُرکتا ہے۔ جس کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔

یہ حرکت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ابوجہل نے کعبہ میں کی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے یہ پیشگوئی اس کے حق میں بدر کے دن پوری ہوئی کہ ناصیہ سے پکڑ کر گھسیٹ کر گڑھے میں اس کی لاش کو ڈال دیا گیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵)

۱۸، ۱۹۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔

ترجمہ۔ چاہئے کہ وہ بلالیں اپنے ہم نشینوں کو۔ ہم بھی اب بلائے لیتے ہیں آتشی فرشتوں کو۔

تفسیر۔ نَادِیَ سے اہل نادی مراد ہیں اور نادی کے معنے مجلس کے ہیں۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ تَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ۔[1] (العنکبوت: ۳۰) مکہ کے دارالندوہ کو اس لئے نادیٰ کہا کہ اس میں

---

[1] اور کرتے ہو اپنی مجلس میں ناشائستہ حرکتیں۔

مشورہ کرنے کے لئے لوگوں کو پکار کر بلایا جاتا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ ہمارے وطن کے علماء جو قوم کے پیشوا کہلاتے ہیں اپنے لئے بجائے ندوۃُ العلماء کے قَدوۃُ العلماء نام تجویز کرلیں تو بہتر ہے۔

بُلبُلا مژدہٗ بہار بیار خبر بد بہ بُومِ شُوم گذار [۱]

کَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَھَا حَیْثُ وَجَدَھَا [۲]

زَبَانِیَۃَ۔ زَبْنٌ سے مشتق ہے جس کے معنے دفع کے ہیں۔ جنّ اور انس میں سے ہر متمرد شخص کو زَبْنِیَۃ کہتے ہیں۔ اکثر اہل لغت کا قول ہے کہ زبانیہ ان جمعوں میں سے ہے۔ جن کا مفرد نہیں۔ جیسے ابابیل وغیرہ۔ غرض کہ زبن جس کے معنے دفع کے ہیں۔ ابتدا ہی سے اسلام میں یہ قاعدہ رکھا گیا ہے کہ جنگ صرف دفاعی طور پر کی جائے۔ آیت باب کے الفاظ کی ترتیب بھی یہی تعلیم دے رہی ہے۔ پہلا مقابلہ نادیہ اور زبانیہ کا اسلام میں بدر کے دن ہوا۔ لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابوجہل نے ایک ایسا طمانچہ مارا تھا۔ جس سے ان کا کان پھٹ گیا تھا۔ بدر کے دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کو اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کا سر کاٹنے کے لئے اس پر مسلط کیا۔ جب سر کاٹ چکے تو اس کے کان میں رسہ پرو کر سر کو گھسیٹتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں لایا گیا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ اُذُنٌ بِاُذُنٍ وَالرَّأْسُ ھٰھُنَا مَعَ الْاُذُنِ۔ [۳]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۵)

۲۰۔ کَلَّا ؕ لَا تُطِعْہُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ۔

ترجمہ۔ نہیں نہیں اس کا کہانہ مان اور سجدہ کر اور اللہ کے نزدیک ہو۔

تفسیر۔ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ۔ قرآن کریم کے سجداتِ تلاوت میں سے یہ آخری سجدہ ہے۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں خداوندتعالیٰ سے بہت ہی نزدیک تر ہوتا ہے۔ حدیث شریف کا اور اس آیت شریف کا مطلب گویا کہ ایک ہی ہے۔ وضو نہ ہو تو تیمم ہی کافی ہے۔

۱؎ اے بلبل بہار کی خوشخبری لاؤ۔ بری خبر کو کینوس پر چھوڑ دیں۔ ۲؎ حکمت کا کلمہ مومن کی گمشدہ میراث ہے وہ اسے لے لیتا ہے جہاں بھی اسے پاتا ہے۔ ۳؎ کان کے بدلے کان اور سر بھی کان کا حصہ ہے۔

گو بے وضو بھی جائز ہے مگر کم از کم تیمم کر لیا جاوے تو بہتر ہے۔ دعا کے لئے سجدہ ایک بے نظیر موقع ہے جس کو زبان عربی نہ آتی ہو وہ اپنی مادری زبان ہی میں تسبیح کے ساتھ اپنی مشکلات کے لئے دعا بھی کر لے۔ سجدات کے وقت کی دعائیں خطا نہیں جاتیں۔ یہ وقت بہت ہی قرب الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔ جس قدر سجدات کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اسی قدر قرب کے مدارج بھی زیادہ ہوں گے۔ جن کے لئے یہ نعمت مقدر ہی نہیں وہ اس ادنیٰ سی حرکت کی توفیق پانے سے محروم رہتے ہیں۔ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا تمام عبادتوں کا مغز ہے اور سجدہ تمام منازلِ قرب کا انتہائی مقام ہے۔ یہ دونوں باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔

اس کلامِ الٰہی میں پانچ پیشگوئیاں ہیں۔ اوّل۔ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربوبیتِ الٰہی نے جو تیری خاص پرورش فرمائی ہے اور اپنے اندازہ خاص سے قویٰ مرحمت کئے اور خاص کلام کے لئے تجھے منتخب کیا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے تیرا پیڑ لگایا ہے اور تیرے مبارک پھلوں کے انتظار میں بیٹھی ہے وہ تجھے ضرور کامیاب اور سرسبز کرے گی اور تیرے نونہال کو اعداء کے تبر اور مخالف جھونکوں سے محفوظ رکھے گی۔

دوسری پیشگوئی خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ یعنی اس منی کے کیڑے یا جونک کی طرف دھیان کرو کہ وہ کیسا حقیر اور ذلیل تھا جس کا ایسا خوبصورت اور باکمال انسان بنا۔ جب ہماری ربوبیت نے نظرِ عنایت سے ایک کیڑے کو اس صورت و شکل تک پہنچایا ہے اور ایک مقصد اور غایت کے لئے جو ربوبیت کا اصلی تقاضا ہے۔ یہ خلعت کمال مرحمت فرمایا ہے۔ تو کیا اب ہماری ربوبیت اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ ہم اپنی ربوبیت کا سایہ عاطفت اس پر رکھیں گے۔ جب تک وہ انسان اپنی خلقت کی علتِ غائی کو پہنچ نہ جائے۔ قرآن کریم میں تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ نبوت کی تربیت اور اُسے کمال مطلوب تک پہنچانا خدا تعالیٰ کے اسم رب کا خاصہ ہے۔ اور جہاں جہاں خدا تعالیٰ نے ضرورتِ نبوّت کی قرآن کریم میں بحث چھیڑی ہے دلیل میں اپنے اسم رب کو مذکور فرمایا ہے اس لئے کہ جیسے اس ربوبیت نے انسان کے عالم اجسام کے لئے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی اشیاء کو

مسخر کیا اور خدمت میں لگا دیا ہے ویسے ہی اس کی ربوبیت نے تقاضا کیا کہ انسان کی روح کی تربیت کے لئے جو اصلی مقصود اور ابدی غیر فانی شے ہے اس کی تربیت کے مناسب حال سامان مہیا کرے۔ سو اس کے لئے اس نے نبوت کا سلسلہ اس جہان میں قائم کیا۔ اور جہاں نبوت کے اعداء اور مخالفین کو مقابلہ سے ڈرانا چاہا اور ان کے بارے میں خوفناک وعید بیان کرنے چاہے ہیں وہاں نبوت کی حمایت و دفاع میں اسم اللہ کو جو جامع جمیع صفاتِ کاملہ ہے پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کا اصلی مقصد توحیدِ الوہیت کا قائم کرنا اور الہٰہ باطلہ اور ہر قسم کی طواغیت کا ابطال کر کے خداوند تعالیٰ کے لئے معبودیت اور الوہیت کا یگانہ استحقاق اور لاشریک منصب مخصوص کرنا ہوتا ہے تو جب عداوت اور مخالفت اپنے ہتھیار پہن کر اس کا استیصال کرنے پر آمادہ ہوں۔ تب غیرت اور جوش بھی اسی کو آنا چاہیے جس کی خدمت کے لئے نبوّت میدان میں نکلی ہے۔ بہر حال اس علق اور الانسان کے لفظ میں بڑی بھاری پیشگوئی ہے۔

تیسری پیشگوئی۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ اس سلسلہ تبلیغ میں تیری سخت مخالفت ہوگی اور ایک عالم تجھے ذلیل وخوار کرنے پر آمادہ ہوگا اور حکمتِ الٰہیہ کے اقتضاء سے کچھ عرصہ تک بظاہر ایسا ہوگا کہ تو مغلوب اور شکستہ نظر آئے گا اور کفر وشرک اپنی جیت پر ناز کرے گا مگر آخر کار غلبہ اور فتح تیرے حصہ میں آئے گی اور تو اکرم اور عزیز ہوگا۔ اس لئے تیرا رب جس نے تجھے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے پرورش کیا ہے وہ اکرم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کا مربوب بھی بطور ظل کے اکرم ہو۔

چوتھی پیشگوئی۔ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتابِ عجیب میں جو تجھے دی جاتی ہے اور جو بظاہر انسانی قلم سے لکھی جاتی ہے۔ وہ وہ علومِ عالیہ ہوں گے کہ کُل بنی آدم کے معلومات اس کے مقابلہ سے عاجز آ جائیں گے۔ اَلْاِنْسَان سے مَا لَمْ یَعْلَمْ ملا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ فطرتاً اور اکتساباً انسان کی بساط میں اور اس کے قویٰ کی رسائی میں وہ علومِ عالیہ آ ہی نہیں سکتے۔ جن پر قرآن مجید مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ علوم لاریب خداوند علیم خالق انسان

کی طرف سے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ذہینوں کے ذہن ، عقیلوں کی عقلیں اور عالموں کے علم اور محرروں کی قلمیں ان سماوی علوم کے مقابلہ میں ٹوٹ جائیں گی ۔

پانچویں پیشگوئی کَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ ۬ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ۔ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ۔ فَلۡیَدۡعُ نَادِیَہٗ ۔ سَنَدۡعُ الزَّبَانِیَۃَ ۔ کَلَّا ؕ لَا تُطِعۡہُ وَ اسۡجُدۡ وَ اقۡتَرِبۡ ۔(العلق:۱۶ تا ۲۰) دشمن کی عداوت کی پیش رفت نہ جائے گی ۔ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی جھوٹی خطا کار چوٹی کو پکڑ کر زور سے کھینچیں گے اور یوں ذلت سے گھسیٹ کر ہاویہ میں گرائیں گے ۔ پھر وہ اپنی مجلس کو جن کے بل بوتے پر اسے ناز تھا بلائے اور ان کی دہائی دے ہم بھی سیاست کے پیادوں کو بلائیں گے ۔ وہ ہرگز اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوگا ۔ تو اپنے کام میں لگا رہ اور ان کے خلاف کی ذرہ بھی پرواہ نہ کر اور کبھی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملا ۔ اس لئے کہ ان کے ہاتھ تیرا کوئی نفع اور ضرر نہیں اور ہماری فرماں برداری میں لگا رہ اور جس قدر تو ہمارا فرماں بردار ہوگا ۔ ہماری جناب میں تیرا قرب اور درجہ اتنا ہی بڑھے گا ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۵ ، ۳۳۶)



سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ قدر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ کے اسم پاک کی مدد سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں اتارا ہے۔

تفسیر: لَیْلَ۔ ظلمت اور قدر دال کے سکون کے ساتھ بمعنے مرتبہ۔ یہ دونوں صفتیں اس جگہ اکٹھی کی گئی ہیں۔ لیلۃ القدر۔ ایک خاص رات رمضان شریف کے آخیر دھاکہ میں ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الفجر میں وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ۔[1] (الفجر:۵) میں بھی کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔[2] (البقرہ:۱۸۶) اور دوسری جگہ بیان فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (القدر:۲) ان دونوں آیتوں کے ملانے سے بھی معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان شریف میں ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور بھی زیادہ تشریح کر کے یہ پتہ دیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخیر دھاکہ کی طاق راتوں میں ہوا کرتی ہے۔

کسی سال اکیسویں شب کو، کسی سال ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ ویں شب کو۔ اس شب کے فضائل صحیح حدیثوں میں بے حد بیان فرمائے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ کا مرجع جس طرح قرآن شریف سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک بھی مراد ہے۔ اسی لئے اَنْزَلْنٰہُ فرمایا تا کہ قرآن اور منزل علیہ القرآن دونوں ہی مرجع ٹھہریں۔ ورنہ اَنْزَلْنٰہُ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ فرمانا کوئی بعید بات نہ تھی۔ لیل وہ ظلمت کا زمانہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے وقت سے پہلے کا زمانہ تھا۔ جس کو عام طور پر ایام جاہلیت

---

[1] اور رات کی جب وہ گزرتی ہے۔ [2] رمضان کا مہینہ جس کے بارے میں قرآن اتارا گیا۔

کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور قدْر دال کی سکون کے ساتھ وہ قابلِ قدر زمانہ ہے۔ جس زمانہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت شروع ہوئی اور اس کی مدت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سے ۲۳ سال کی مدّت تھی۔ جس میں ابتدا الیٰ آخر سارے قرآن شریف کا نزول ہوا۔ ایک طرف ظلمت کے ایام ختم ہوئے اور دوسری طرف قابلِ قدر زمانہ شروع ہوا۔ اس لئے یہ متضاد صفات لَیلؔ اور قدرؔ یہاں آ کر اکٹھے ہو گئے۔ شبِ قدر یا لیلۃ القدر دال کی حرکت کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ قرآن شریف میں بھی شہر اور فجر کی طرح قدر کی دال متحرک ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو اس وقت ان کی بعثت کی بڑی ضرورت تھی۔ لوگ نہ اسماء الٰہی کو جانتے تھے نہ صفات الٰہی کو۔ نہ افعال سے آگاہ تھے، نہ جزا و سزا کے مسئلہ کو مانتے تھے۔ انسان کی بدبختی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مالک، اپنے خالق کے نہ اسماء کو جانے نہ صفات کو۔ غرض لوگ اس کی رضامندی سے آگاہ تھے نہ اس کے غضب سے۔ ایسا ہی انسانی حقوق سے بے خبر۔ سب سے بڑا مسئلہ جو انسان کو نیکیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ وہ جزا و سزا کا مسئلہ ہے۔ اگر شریف الطبع انسان کو معلوم ہو کہ اس کام کے کرنے سے میری ہتک ہو گی یا مجھے نقصان پہنچے گا تو وہ کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ بلکہ ہر فعل میں نگرانی کرتا ہے۔ مختلف طبائع کے لوگ اپنے مالک کے اسماء، صفات کے علم اور جزا و سزا کے مسئلہ پر یقین کرنے سے نیکیوں کی طرف توجہ کرتے اور بدافعالیوں سے رکتے ہیں۔

چنانچہ ملک عرب میں شراب کثرت سے پی جاتی اور اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ[1] صحیح بات ہے۔ پھر فرمایا اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ۔[2] سومؔ۔ ملک میں کوئی قانون نہیں تھا۔ ایسا اندھیر پڑا ہوا تھا۔ جن سعادتمندوں نے نبی کریمؐ کے ارشاد پر عمل کیا۔ وہ پہلے بے خانماں تھے۔ پھر بادشاہ ہو گئے۔

---

[1] شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔

[2] عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

خشن پوش تھے حریر پوش بن گئے۔ نہ مفتوح تھے نہ فاتح۔ مگر اس اطاعت کی بدولت دنیا میں فاتح قوموں کے امام خلفاء راشدین اور اعلیٰ مرتبت سلاطین کہلائے۔

یہ سب اس کتاب کی برکت تھی جسے اللہ نے ایسی اندھیری رات میں جسے لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اپنے بندے پر نازل کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی حالات میں ہم میں ایک مجدد کو بھیجا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرک کا زور تھا۔ سو اس کی تردید میں آپؐ نے پوری کوشش فرمائی۔ قرآن مجید کا کوئی رکوع شرک کی تردید سے خالی نہیں۔ اس زمانہ میں لوگوں میں یہ مرض عام تھا کہ دنیا پرستی غالب ہے۔ دین کی پرواہ نہیں۔ اس لئے آپؑ نے بیعت میں یہ عہد لینا شروع کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ کیونکہ دنیا پرستی کا یہ حال ہے کہ جیسے چوہڑے کا چھرا حلال و حرام جانور دونوں پر یکساں چلتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کی فکر اور عقل حرام حلال کمائی کے حصول پر ہر وقت لگی رہتی ہے۔ فریب سے ملے۔ دغا سے ملے۔ چوری سے ملے۔ سینہ زوری سے ملے۔ کسی طرح روپیہ ملے سہی۔ ملازم ایک دوسرے سے تنخواہ کا سوال نہیں کرتے۔ بلکہ پوچھتے ہیں بالائی آمدنی کیا ہے۔ گویا اصل تنخواہ آمد میں داخل نہیں۔

مسلمانوں پر ایک تو وہ وقت تھا کہ اپنی ولادت، موت تک کی تاریخیں یاد اور لکھنے کا رواج تھا یا اب یہ حال ہے کہ لین دین شراکت تجارت ہے مگر تحریر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تحریر ہے۔ تو ایسی بے ہنگم جس کا کوئی سر پیر نہیں۔ نہ اختلاف کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ نہ اصل بات سمجھ آ سکتی ہے۔ ہمارے بھائیوں (احمدیوں) کو چاہیے کہ وہ امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ پس وہ دنیا میں ایسے منہمک نہ ہوں کہ خدا بھول جاوے۔ پھر فرمایا کہ جھوٹے قصے اپنے وعظوں میں ہرگز روایت نہ کرو۔ نہ سنو۔ مخلوق الٰہی کو قرآن مجید سناؤ۔ ہدایت کے لئے کافی ہے۔

سلیمان کی انگشتری اور بھٹیاری کا بھٹ جھونکنے کا قصّہ بالکل لغو اور جھوٹ ہے۔ اگر ایک پتھر میں جو جمادات سے ہے اتنا کمال ہے تو کیا ایک برگزیدہ انسان میں جو اشرف المخلوقات ہے۔ یہ کمال نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کی ذات میں کمال ہوتے ہیں۔ اِسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔[۱] (الانعام:۱۲۵)

پس تم خوب یاد رکھو کہ انبیاء دنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔ جیسے کہ سلیمانؑ کی نسبت شیاطین نے دنیا میں مشہور کیا۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کی شکل بن سکتا ہے تو امان ہی اٹھ جائے۔ مثلاً ایک نبی وعظ کرنے لگے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ یہ نبی ہے۔ یا نعوذ باللہ کوئی برا آدمی ہے۔ خدا نے ایسی باتوں کا رد فرما دیا ہے کہ وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا۔[۲] (البقرہ:۱۰۳) تم ایسی باتوں سے توبہ کرلو۔ اگر کوئی ایسا وعظ سنائے تو صاف کہہ دو کہ انبیاء کی ذات جامع کمالات ایسے افتراؤں سے پاک ہے۔ (بدر جلد ۱۰ نمبر ۳۹ مورخہ ۲۷؍جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

۴۔ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔

ترجمہ۔ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

تفسیر۔ لیلۃ القدر کے اگر صرف اسی قدر معنے ہوتے کہ رمضان شریف کے آخری دھاکہ میں طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے وبس۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں۔ تو اس صورت میں بارہ مہینے ہی بجائے ہزار مہینے کے کافی تھے۔ کیونکہ دوسرے رمضان شریف میں تو لیلۃ القدر پھر دوبارہ بالیقین موجود ہے۔ پھر اس سے آگے اور آئندہ رمضان شریف فَھَلُمَّ جَرًّا۔

ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ کسی سال تو رمضان شریف میں لیلۃ القدر ہوتی ہے اور کسی سال نہیں ہوتی۔ نہیں بلکہ بالیقین رمضان شریف میں ہر سال کسی نہ کسی طاق رات میں لیلۃ القدر ضرور ہوتی ہے۔ خواہ ستائیسویں کو ہو یا اکیسویں کو مگر پہلی آیت میں اس سورہ شریف کے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ اَنْزَلْنٰہُ کا مرجع منزّل علیہ القرآن بھی ہے اور ایک اور مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف دونوں کو ایک ساتھ نازل شدہ فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا۔ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ۔[۳] (الطلاق:۱۱،۱۲) اس جگہ ذِکْرًا کا بدل رَسُوْلًا واقع ہوا

---

[۱] اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت رکھنی چاہیے۔

[۲] اور سلیمان توحق چھپانے والی باتوں سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا لیکن شریر ہلاک کرنے والوں ہی نے کفر کیا۔

[۳] بے شک اللہ نے تم کو نصیحت کرنے والا رسول نازل فرما دیا ہے۔ جو پڑھتا ہے تم پر اللہ کی کھلی کھلی آیتیں۔

ہے۔یعنی ذکر بھی نازل ہوا اور رسول بھی نازل ہوا۔قرآن شریف رَسُوْلٌ یَّتْلُوْا نہیں ہے۔ رَسُوْلًا ہے۔غرض کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور اور آپؐ کی بعثت کے انوار پوری آب و تاب کے ساتھ قرونِ ثلاثہ مَشْهُوْدٌ لَّهَا بِالْخَيْرِ تک تھے۔ہزار مہینے گزرنے تک دنیا نے ظلمانی حالت پھر اختیار کرلی اور پھر وعدۂ الٰہی لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کا پورا ہوا فَهَلُمَّ جَرًّا۔اسی طرح سے ہر ہزار مہینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اس قرآنی وعدہ کے بموجب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تجدید کے لئے ہر صدی پر جو قریباً ہزار مہینے کے بعد آتی ہے مجدد دین کو نازل فرماتا رہا۔اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔[1] حدیثِ نبویؐ اور آیت قرآنی دونوں متفق ہوگئے۔قرآن شریف میں پیغمبروں کی نسبت جبکہ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔[2] (المومن:۷۹) آیا ہے تو مجدد دین کی تفتیش کہ کون کون تھے۔ یہ عبث ہے۔لوگ جن جن کو مجدد قرار دیں گے ہم ان کو مان لیں گے۔مگر دیکھنا تو یہ ضروری ہے کہ ہماری اس صدی چہار دہم میں یہ وعدہ قرآن شریف کا اور حدیث شریف کا وقوع میں آیا بھی یا نہیں۔اگر اور صدیوں میں وقوع میں آتا رہا اور اس صدی میں وقوع میں نہیں آیا تو ہمارے جیسا بد بخت اور کوئی نہیں کہ ظلمت میں چھوڑ دیا گیا۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۶،۳۳۷)

۵۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۔

ترجمہ۔اس میں فرشتے اور کلام الٰہی اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں ہر ایک ضروری کام میں۔

تفسیر۔ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ کے معنے لِكُلِّ اَمْرٍ ہیں۔ ہر کام کی سلامتی سے یہ مراد ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی سے زمانہ نے اپنی دینی و دنیوی دونوں قسم کی ترقیات کا رنگ پکڑ لیا۔سائنس کی نت نئی تحقیقات اور ان کی ایجادیں دنیوی اعتبار سے مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کی طرف مصداق ہو رہی ہیں۔تو دینِ اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی دوسرے پہلو پر مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کو

---

[1] یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمائے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ [2] اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تجھ کو بیان کئے اور سنا دیئے اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات تجھ کو نہیں سنائے۔

دکھلا رہی ہے۔ ہرکارے وہر مردے۔

رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں جونزول ملائکہ ہوتا ہے۔ وہ بھی بجائے خود مسلم و متیقن ہے اور صدی کے رأس پر جونزول ملائکہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی تاثیرات وشواہد کی رُو سے مشہود ومرئی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍اگست ۱۹۱۲ءصفحہ ۳۳۷)

۶۔ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

ترجمہ۔ وہ سلامتی کی رات ہے جب تک فجر طلوع ہو۔

تفسیر۔ زبان خلق نقارۂ خدا۔ یہ جملہ ایک حد تک بہت صحیح ہے۔ عام طور پر ہمارے اس موجودہ زمانہ کو روشنی کا زمانہ، روشنی کا زمانہ کہا جارہا ہے۔ مگر غور سے اسے دیکھا جاوے تو یہ روشنی کا زمانہ بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے ہی شروع ہو گیا ہے اور اب توضحیٰ کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دَابَّۃُ الْاَرْضِ ضُحٰی (یَخْرُجُ الدَّابَّۃُ عَلَی النَّاسِ ضُحًا) کے وقت نکلے گا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ضحیٰ کے وقت کیا نکلے گا۔ روشنی کے زمانہ میں نکلے گا۔ اب اگر کہو کہ دَابَّۃُ الْاَرْض نہیں نکلا تو کہنا پڑیگا کہ روشنی کا زمانہ اس زمانہ کو کہنا بھی غلط ہے۔ مگر نہیں زمانہ ضرور روشنی کا ہے۔ اور دَابَّۃُ الْاَرْضِ نے بھی زمینی علوم اور سائنس کی ایجادوں میں بڑی ترقی کی ہے اور مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ کے وعدہ کے بموجب دنیوی ترقیات کے ایک حصہ کو پورا کیا ہے باقی رہا دوسرا حصہ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ اور هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کا جو دینی ترقیات کا دوسرا پہلو ہے۔ وہ اس شخص کی ذاتِ بابرکات سے وابستہ ہے۔ جس نے دنیا میں آکر بڑے زور سے چلّا کر کہا کہ ؎

مُؤیّدے کہ مسیحا دم ست و مہدیٔ وقت بشانِ اُو دِگرے کے زاتقیا باشد
چو غنچہ بود جہانے خموش و سر بستہ من آمدم بقدومی کہ از صبا باشد [1]

(تریاق القلوب صفحہ ۳)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍اگست ۱۹۱۲ءصفحہ ۳۳۷)

---

[1] وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور مہدی وقت ہے اس کی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ جہان ایک غنچہ کی طرح بند تھا میں اس کے لئے برکتوں کو لے کر آیا ہوں جو باد صبا لایا کرتی ہے۔

سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اُس بابرکت اللہ کے اسم شریف کی مدد سے پڑھتا ہوں جو رحمٰن ورحیم ہے۔

۲ تا ۴۔ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَہُمُ الْبَیِّنَۃُ۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً۔ فِیْہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ۔

ترجمہ۔ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہوئے اہل کتاب ومشرکوں میں سے باز آنے والے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آجاتی (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم)۔یعنی اللہ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہو۔جس میں پائدار کتابوں کی صداقتیں ہیں۔

تفسیر۔ لَمْ یَکُنِ ...... مُنْفَکِّیْنَ کے معنے یہ ہیں کہ اہلِ کتاب کے تمامی فرقے اور مشرکین کے تمامی فرقے شرک اور بت پرستی کے اغلال سے کبھی جدا ہونے والے نہ تھے۔اگر بینہ نہ آتی۔آگے بینہ کے معنی خود ہی بیان فرمادئے۔آیت شریفہ میں پتہ دیا گیا ہے اس بات کا کہ رسول کے آنے کا زمانہ کب ہوتا ہے۔پہلے پارہ کے چودہویں رکوع میں بھی رسول کے آنے کے زمانہ کی خبر دی ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔

وَ قَالَتِ الْیَہُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَہُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ ہُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ۔[۱] (البقرہ:۱۱۴)

اور مزہ یہ ہے کہ دونوں ہی فرقے آسمانی کتاب سے استدلال لے رہے ہیں۔دونوں فرقوں کے پاس آسمانی کتاب ہو اور پھر وہ باہم استدلال میں ایک دوسرے کی مخالفت میں تل جائیں۔تو

---

[۱] اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی حقیقت و ہدایت پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی سچائی و ہدایت پر نہیں حالانکہ دونوں کتاب پڑھتے ہیں۔

بالطبع ضروری اور لازمی ہوگا کہ کوئی تیسرا حَکم اور عدل آوے اور خدائی فیصلہ ان کو خدا کی طرف سے سناوے۔ یہی حال ہمارے وقت میں اندرونِ اسلام قرآن کریم ہی سے تمسّک کرنے والے مسلمانوں کا ہو گیا تھا۔ اہلِ حدیث غیر اہلِ حدیث کے اور ائمہ سلف کے متبعین باہم ایک دوسرے کے باوجود ایک ہی آسمانی کتاب کے متمسک ہونے کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ وقت بتلا رہا تھا کہ اب کوئی آسمانی حکم اور عدل آوے۔ سو خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے بمقتضائے وقت حکم و عدل آیا۔ چاہیے تو تھا کہ فیصلہ ہو جاتا مگر نظیر موجود ہے کہ

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنَۃُ۔[1] (البینۃ:۵)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۷)

اہل کتاب اور مشرکوں کا کافر گروہ اپنی شرارت وکفر سے کبھی نہ ٹلتے۔ اگر اللہ کا ایسا رسول جو ایک کھلی دلیل ہے نہ آتا۔ اور یہ پاک صحیفہ جس میں تمام مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ نہ پڑھ سناتا۔

(تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائز ڈ ایڈیشن صفحہ ۲۵۴ حاشیہ)

گزشتہ ایام میں چونکہ رستے صاف نہ تھے۔ تعلّقات باہمی مضبوط نہ تھے۔ اس لئے ایک ایک قوم میں نبی اور رسول آتے رہے۔ جب مشرق اور مغرب اکٹھا ہونے لگا۔ خدا کے علم میں وہ وقت خلط ملط کا آ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ انبیاء علیہم السلام اور جس قدر رسول آئے۔ فرداً فرداً قوموں کی اصلاح کے لئے آئے۔ ان کا جامع اور راستبازوں کی تمام پاک تعلیموں کا مجموعہ قرآن کریم ہے۔ جو جامع اور مھیمن کتاب ہے۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ فرمایا۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۷ مورخہ ۳/مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۴)

فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ۔ کل دنیا کی صداقتیں اور مضبوط کتابیں سب کی سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۷ مورخہ ۱۲/مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱)

کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور ساری صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷/مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶)

---

[1] اور اہل کتاب نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس آ چکی کھلی دلیل۔

قرآن کریم تمام انبیاء کی پاک باتوں اور کتابوں کے مجموعہ کا خلاصہ ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ قرآن کریم سب کتابوں کا محافظ ہے اس میں دلائل کو اور زیادہ کر دیا ہے۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۳ مورخہ ۷؍ ۲؍فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۴)

ساری مضبوط تعلیمات اور ہدایات جامع کتاب حضرتِ قرآن ہے جس نے تمام اگلی صداقتوں کو بھی بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ رنگ میں فرمایا ہے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۳۰؍ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ جو کتاب دنیا میں آئی اور جو اس میں نصیحتیں ہیں ان تمام کا جامع قرآن ہے۔ باوجود اس جامع ہونے کے ایک ایسی زبان میں ہے جو ہر ایک ملک میں بولی جاتی ہے۔ (الفضل جلد ۱ نمبر ۲۶ مورخہ ۱۰؍ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۵۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۔

ترجمہ۔ اور اہل کتاب نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس آ چکی کھلی دلیل۔

تفسیر۔ حکم و عدل کی بات کو بھی لوگ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ [۱] (البقرہ: ۲۱۴) کی وجہ سے نہیں مان لیا کرتے۔ آیت شریفہ میں دو اگلی نظیریں موجود ہیں۔ اہلِ کتاب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر بھی بیّنہ آنے پر تفرقہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے تفرقہ کو تو نظیر ہی اگلے تفرقہ کی بتلایا ہے۔ اِذَا تَثَنّٰى فَتَثَلَّثَ۔ جو دو نظیریں موجود ہیں تو تیسری نظیر کیوں نہ قائم ہو؟ یہ اختلاف نبی کی صداقت کی دلیل ہے۔ نبی مسلمات کو ماننے کے لئے نہیں آیا کرتے۔ بلکہ کچھ اپنی منوانے کے لئے آتے ہیں۔ قرآن شریف میں ۱۱۴ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۷، ۳۳۸)

۶۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔

ترجمہ۔ اور ان کو تو یہی حکم دیا گیا کہ اللہ ہی کی عبادت کریں خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے

---

[۱] آپس کی ضد سے۔

سب سے الگ ہوکر اسی کی طرف متوجہ ہوکر اور ٹھیک نماز کو درست رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی تو قائم دین ہے۔(یعنی عملی حالت کا)۔

تفسیر: مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ۔حنیف کے معنے خود ہی اس جگہ مخلص موجود ہیں۔دوسری جگہ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔[1] (الانعام:۸۰) فرمایا ہے۔یہاں بھی عدم شرک جو اخلاص کے مترادف ہے۔حنیف کی صفت بیان ہوئی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۸)

خدا کی عبادت ایسے طور سے کی جاوے کہ کوئی چیز خدا کے سوا دل میں ، زبان میں ، حرکات میں، سکنات میں معبود نہ رہے۔قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا۔[2] وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ[3] یہودی اور عیسائی اس اسلامی اصل کا بظاہر اقرار کرتے ہیں اور حسب کتبِ مقدّسہ خود اسلام کے مخالف نہیں۔کیونکہ ان کے یہاں بھی شرع کا بڑا اور پہلا حکم یہی ہے کہ ”خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان ،اپنی ساری سمجھ سے پیار کر“(متی ۲۲ باب ۳۷۔استثناء ۶ باب ۵)

فائدہ۔خلوص کا لفظ اور لَا تُشْرِكْ کا لفظ اس سارے،سارے،ساری کہنے سے اعلیٰ درجے پر ہے۔

انصاف کرو۔عیسائیوں کے صرف لسانی اور کتابی اقرار کی کیا قدر کی جاوے۔جب وہ اس کے ساتھ مسیحؑ بن مریم جیسے خاکسار بندے کے سر پر الوہیت کا تاج دھرا یقین کرتے ہیں۔اگر وہ کہیں مسیحؑ کوئی علیحدہ اللہ نہیں، بلکہ اسی اللہ خالقِ زمین و آسمان، جامع صفاتِ کاملہ، تمام نقائص سے منزہ نے جب جسم کو قبول فرمایا تو مسیح ابن اللہ کہلایا۔ذاتاً وہ ایک ہی ہے۔تو یہ بڑی سخت نافہمی اور غلطی ہوگی۔کیوں؟

عیسائی خدا کو بے حد اور بے انت مانتے ہیں اور اسے ہر جگہ موجود یقین کرتے ہیں۔جب

---

[1] سب سے الگ ہوکر، ایک ہی کا بن کر۔میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ [2] اور بندگی کرو اللہ کی اور مت ملاؤ ساتھ اس کے کسی کو۔ [3] اور نہیں حکم کیے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی خالص اس کے واسطے بندگی ایک طرف ہوکر (یا ابراہیم کی راہ پر)۔

اللہ تعالیٰ بے حد ہر جگہ ہے تو وہ صرف محدود رحم مریم میں کیونکر سمایا۔ جب وہ محیط کُل ہے تو جسمانی حدود نے اس کا کیسے احاطہ کیا۔ اگر ابنِ مریم باعتبار مظہر الوہیت ہونے کے ابن اللہ اور اِلٰہِ مجسم ہے تو پھر کیوں تمام مخلوق مظہر نہیں ہوسکتی؟

اور کیوں ابن اللہ اور اِلٰہِ مجسم مانی نہیں جاتی۔ مسیح کھاتا پیتا لڑکپن سے تیس بتیس برس کی عمر تک پہنچا۔ جو کھانے پینے کا محتاج ہوا۔ وہ تمام مخلوق کا محتاج ہوا۔ پانی، ہوا، چاند، سورج، مٹی، نباتات، جمادات سب کی ضرورت اسے لاحق ہوئی۔ جب محتاج بنا تو خدا صفاتِ کاملہ کا متصف نہ رہا۔ پھر عیسائی کہتے ہیں۔ یہود کے ہاتھ سے پٹا اور ان کے ٹھٹھوں میں اڑایا گیا۔ آخر ایلی ایلی پکارتے جان دی۔

یہ عذاب اور پھر جامع صفاتِ کاملہ اور الوہیت کا مستحق۔

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۲۵، ۲۶)

اور نہیں حکم کئے گئے وہ لوگ مگر اس بات کا کہ عبادت و پرستش کریں اللہ کی صرف اس لئے خالص کرنیوالے ہوں اپنے دین کو۔ (نور الدّین بجواب ترکِ اسلام۔کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۱۸۰)

۷، ۸۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ۔

ترجمہ۔ بے شک جنہوں نے حق چھپایا اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے سچے دل سے اللہ کو مانا اور بھلے کام کئے تو وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔

تفسیر۔ بَرِیَّة اور بَرَایَا دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی مخلوق بَرَأَ ، خَلَقَ۔ باری خالق کے خداوند تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۸)

۹۔ جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ
اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ۔

ترجمہ۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس سدا رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے رب سے خوف رکھتا ہے۔

تفسیر۔ جو وعدے صحابہؓ کو دیئے گئے تھے۔ وہ صرف آخرت ہی کے نہیں تھے بلکہ دنیا اور آخرت دونوں ہی کے تھے۔ دنیا کے انہار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے جیحوں۔ سیحوں، دجلہ اور فرات تھے ابداً کی شہادت اس وقت تک کے قبضہ سے موجود ہے۔ آیت ۸ میں اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کی کمزوری جس قدر ہوگی۔ اسی قدر ان انہار و جنات وغیرہ کے قبضہ میں بھی کمزوری واقع ہوگی۔ اہلِ شیعہ پر بھی یہ آیت شریف حجت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوتے تو یہ انہار و جنات ان کو کس طرح ملتے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ۔ آگے فرمایا کہ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ۔ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم غاصب نہیں تھے۔ خشیۃ اللہ ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔

اس سورۃ کی ابتدا میں تو بتایا کہ مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور اہلِ کتاب میں جو انقلاب مقدّر تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت پر موقوف تھا۔ چنانچہ یہ بات کسی مزید توضیح کی محتاج نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور آپؐ سے پہلے ساری قومیں تمام فرقے اور اہل مذاہب اپنے مرکزِ توحید سے دور جا پڑے تھے اور ہر قسم کی بداعتقادیوں، بداخلاقیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے فرمایا۔ ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ۔[1] (الروم:۴۲)

علاوہ بت پرست مشرکوں کے، اہل کتاب بھی مختلف قسم کے شرکوں اور عملی نجاستوں میں گرفتار تھے۔ اور اس طرح پر روحانی نکتۂ خیال سے دنیا مر چکی تھی اور یہ بگڑی ہوئی قومیں اصلاح پذیر نہیں ہو

[1] ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں۔

سکتی تھیں جب تک اَلْبَیِّنَۃ نہ آوے۔ چنانچہ وہ موعود اَلْبَیِّنَۃ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آئے اور آپؐ نے دنیا کو اس گند اور ناپاکی سے پاک کیا۔جس میں وہ مبتلا تھی۔ اَلْبَیِّنَۃ کے معنی خود قرآن مجید نے کر دیئے ہیں۔رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً یعنی وہ اللہ کا موعود رسول جو ان پر پاک صحیفے پڑھتا ہے۔ کتبِ مقدسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس میں یہی لکھا تھا کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی۔اس میں بھی یہی کہا گیا تھا کہ ایسا رسول مبعوث فرما۔ جو تیری آیتیں ان پر تلاوت کرے یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر میں بار بار آیا ہے۔يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (جمعہ:۳) غرض وہ کامل اور خاتم رسول آ گیا اور وہ پاک صحیفے ان پر تلاوت کرنے لگا۔ مگر باوجود اس کے کہ زمانہ کی حالت طبعی اور قوموں کی عملی اور اعتقادی سخت تقاضا کر رہی تھی کہ ایک زبردست رسول آئے اور خود اہلِ کتاب بھی تورات اور صحائف انبیاء اور عہدِ جدید کی پیشگوئیوں کے موافق منتظر تھے کہ مثیلِ موسیٰؑ اور مبشر عیسٰی (فارقلیط) آنے والا ہے۔مگر جب وہ آ گیا تو بغض وحسد سے انکار کر دیا۔حالانکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ضرورتِ نبوت کے وہ قائل اور مثیلِ موسیٰؑ اور مبشر عیسٰی کے وہ منتظر اور پھر آنیوالے نے کوئی نئی تعلیم نیا مذہب پیش نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاک صحیفے ان پر تلاوت کرتا ہے۔اور تمام دنیا کی صداقتیں اس کی کتاب میں موجود ہیں۔فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے کہ تمام دنیا کی الہامی کتب کی جمیع محکم اور مستقل صداقتیں اس میں موجود ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ پر شامل اور جامع اور مہیمن کتاب ہے اور ہر قسم کی تحریف وتبدیل، ترمیم وتنسیخ سے پاک اور خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الکتاب ہے۔ بہر حال اس نبی نے کوئی نئی تعلیم پیش نہیں کی اور کہا کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ[1] (الاحقاف:۱۰) اور وہی تعلیم دی جو سب نبی دیتے آئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔اخلاص کے ساتھ اپنی عملی اور اعتقادی حالت کی اصلاح کرو۔شرک چھوڑ دو۔نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ کیونکہ یہی دین قیم ہے اس طرح پر ان پر اتمام حجت کیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۸)

---

[1] تو کہہ دے میں نیا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم پڑھنا شروع کرتے ہیں سورۂ زلزال کو اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲ تا ۴۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا۔

ترجمہ۔ جب زمین ہلا دی جائے گی اُس کے زلزلے سے۔ اور زمین اپنے بوجھ نکال ڈالے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔

تفسیر۔ زمینی تزلزل اور اور اِخراجِ اثقال کے معنے دو طرح پر ہیں۔ ایک تو قیامت کو زمین کا سخت بھونچال ہونا اور تمامی مدفونوں کا باہر نکلنا اور دوسرے معنے یہ کہ اَلْاَرْضُ سے مراد اہلِ ارض ہیں۔ جیسا کہ فَلْيَدْعُ نَادِيَه۔[۱] (العلق:۱۸) میں نادی سے اہلِ نادی مراد ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲ / اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۸)

زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا سے مراد ہے کہ خوب زور شور کی جنبشیں اہلِ ارض میں پیدا ہوں گی۔ دراصل اس سورہ شریفہ کے الفاظ سورہ القدر کے بیان کے مفسر ہیں۔ سورۃ القدر میں فرمایا تھا کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۔[۲] (القدر:۵) یعنی قابلِ قدر زمانہ میں فرشتوں کا نزول کثرت سے ہوگا۔ اور الروح جو فرشتوں کے سردار ہیں ان کا بھی نزول ہوگا۔ اس جگہ آیت نمبر ۳ میں وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ فرشتوں ہی کی تحریکات سے اہلِ ارض زمین سے ہر قسم کے اثقال باہر نکال دیں گے۔

۱۔ چاہئے کہ وہ بلالیں اپنے ہم نشینوں کو۔ ۲۔ اس میں فرشتے اور کلام الٰہی اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔

یہ اثقال معدنیات کے قسم سے بھی ہیں اور علوم وفنون کے قسم سے بھی ہیں۔جس قدر معدنیات اس وقت میں نکلے اور نکل رہے ہیں۔اس کی نظیر اگلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔اور جس قدر علوم وفنون اہلِ ارض کے ہاتھوں سے ملائکۃ اللہ کی تحریکات سے اب ظاہر ہورہے ہیں۔اس کی بھی نظیر سابقہ زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔چوتھی آیت میں جو وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ہے۔اس سے زیادہ تر رجحان اسی بات کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات قبل از قیامِ ساعت دنیا ہی میں ہونیوالے ہیں۔کیونکہ انسان کا استعجاب سے مَا لَهَا کہنا۔دنیوی روزافزوں ترقیات وعجائبات کے ظہور کی وجہ سے ہوگا۔آخرت میں بعث بعد الموت کے وقت تو تمامی امور سب پر حق الیقین کے طور پر کھل جاویں گے۔اس وقت انسان تعجب کا کلمہ نہیں کہے گا بلکہ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ۔[1] (الفجر:۲۵) کہے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹)

۵، ۶۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔

ترجمہ۔ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔اس لئے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی۔

تفسیر۔ اہلِ ارض جس قدر اپنے اخبار اس وقت شائع کر رہے ہیں۔وہ ظاہر ہے۔جس قدر باریک در باریک علوم وفنون اہل ارض اس وقت ظاہر کر رہے ہیں۔یہ ملائکۃ اللہ ہی کی تحریک کے نتائج ہیں یہ ایسی وحی ہے جیسے کہ شہد کی مکھی (نحل) کی وحی ۔ وحی کے معنے صرف لطیف، رموز و اشارات و کنایات کے ہیں۔ وحی کے تین مراتب سورۃ الشوریٰ میں مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (الشوریٰ:۵۲) میں بیان ہوئے ہیں۔یہاں صرف لغوی معنے وحی کے مراد ہیں۔اور دوسری اور تیسری قسم وحی کی یہی مراد لی جاوے تو بھی صحیح ہوسکتی ہے۔کیونکہ نزول ملائکہ کے ساتھ الروح کے بھی نزول کا ذکر ہے جو ملائکہ کے سردار ہیں۔اور سردار سرداروں سے ملا کرتے ہیں۔مشہور قول ہے کہ ’’جیسی روح ویسے فرشتے‘‘۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹)

اس آیت پر اعتراض کرتے ہوئے ایک آریہ نے اعتراض کیا کہ:

---

[1] اے کاش میں کچھ تو بھیجتا آگے اپنی اس زندگی کے لئے۔

’’زمین باتیں کرے گی سورج چاند کیوں نہ کریں گے ستارے کیوں خاموش ہیں‘‘

الجواب:۱۔اولؔ تو سورج اور چاند کی خاموشی کا ذکر نہیں جو آپ کو اس پر تعجب ہوا۔۲۔دومؔ ستارے بھی تمہارے دیانند کے اعتقاد میں زمین ہی ہیں۔پس ان کی خاموشی بھی ثابت نہیں۔کیونکہ وہ بھی زمین ہیں یا زمین کی طرح ہیں۔پس جیسے یہ زمین باتیں کرے گی۔وہ بھی باتیں کریں گے۔

۳۔سومؔ یہ تاتستھ او پادہی ہے۔اگر تم کو اس کی سمجھ نہیں تو پڑھو۔ستیارتھ پرکاش صفحہ نمبر ۲۵۴۔ اہم برہم اسمی کے ارتھ میں لکھا ہے۔اس موقع پر تاتستھ او پادہی استعارہ ظرف ومظروف کا استعمال ہے۔جیسے:

(مَنچا کُری شرنتا) منچ پکارتے ہیں۔چونکہ منچ جڑ ہیں۔ان میں پکارنے کی طاقت نہیں۔اس لئے منچ کے جاگزیں آدمی پکارتے ہیں۔پس اسی طرح اس موقع پر بھی سمجھنا چاہیے۔

۴۔چہارمؔ۔ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کے ساتھ ہے بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا(الزلزال:۶،۵) بیان کرے گی زمین اپنی خبریں اس لئے کہ تیرے رب نے اسے وحی کے ذریعہ حکم کیا ہے۔

پس ہمہ سامرتھ (القادر) سرب شکتی مان (الغنی، القادر) جو دوسرے کا محتاج نہیں۔اگر وہ زمین کو فرماوے کہ تُو بیان کر تو کیا وجہ ہے کہ پھر بیان نہ کر سکے۔تم بھی تو قویٰ خداداد سے ہی بولتے ہو۔ زمین بھی قویٰ خداداد سے بول سکتی یا بیان کرسکتی ہے۔

۵۔پنجم۔’’ تحدث میں یہ ضرور نہیں کہ ہماری تمہاری طرح پنجابی یا اردو بولے۔ ہر ایک کا بولنا اس کے مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ پھر الفاظ کی ضرورت بھی نہیں۔ ایک لسان الحال اور ایک لسان الافعال بھی ہوتی ہے۔اب تم خود سمجھ لو کہ زمین کی لسان کس نوع کی ہے۔جس سے وہ بولے گی۔اور ظرف ومظروف کے استعارہ پر کیوں تم خود سمجھ نہیں سکتے؟

(نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔کمپیوٹرائز ڈایڈیشن صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰)

وحی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

كُلَّمَا اَلْقَيْتَهٗ اِلٰى غَيْرِكَ فَهُوَ وَحْيٌ۔ جو بات کسی کو پہنچائی جاوے وہ وحی ہے۔قرآن کریم میں یہ لفظ عام ہے۔حتّٰی کہ زمین کی نسبت بھی فرمایا ہے کہ اُسے وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔يَوْمَئِذٍ

تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔اس لئے کہ تیرے ربّ نے اُسے وحی کی۔ (نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۰۸)

۷۔ يَوْمَىِٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۔

ترجمہ۔ اس دن آدمی پلٹیں گے مختلف حالتوں پر۔تاکہ اپنے کرتوتوں کو دیکھیں۔

تفسیر۔ صُدُوْر ضد ہے وُرُوْد کا۔ماحصل آیت کا بلفظ دیگر یہ ہے کہ كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ ہر برتن سے وہی چیز ٹپکے گی جو اس ظرف میں ہوگی۔خداوندتعالیٰ کی طرف سے ملائکۃ اللہ کے ذریعہ سے وحی تو ہوئی مگر ’’ہر چہ گیرد عِلّتے علت شود‘‘ [1] کے قاعدہ کے بموجب دابّۃ الارض یعنی زمینی کیڑے سفلی علوم کی ترقی کی طرف جھک پڑے اور خداوندتعالیٰ کے پاک روحوں کو پاک روح کے نزول سے ایسے حقائق معارف کھلے کہ جو دین اور دارِ آخرت کے لئے مفید ہیں۔صدور جس کے معنے لَوٹنے کے ہیں۔اس سے مراد ملائکۃ اللہ کے اثر سے متأثر ہوکر مخفی استعدادوں کو مکمن قوت سے حیزِ فعل میں لانے کے ہیں۔یہی لوگوں کا صدور اور ان کا لوٹنا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹)

۸،۹۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔

ترجمہ۔ توجس نے ذرّہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی تو وہ اس کو دیکھ لے گا۔اور جس نے ذرّہ برابر بھی بدی کی ہوگی تو وہ اُسے دیکھ لے گا۔

تفسیر۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں آیتوں کو جَامِعَةٌ فَاذَّةٌ فرمایا ہے۔ہر نیکی بدی کے تولنے کے لئے یہ کانٹے کی میزان ہے۔مثقال ترازو کے بٹے کے وزن کا نام ہے اور ذرہ بہت ہی کم مقدار چیز ہے۔جزاو سزا بھی انسان کو ہر وقت ملتی رہتی ہے۔اگر غور کرتا رہے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ فلاں عمل کی یہ جزا ملی اور فلاں کی یہ۔نامۂ اعمال کے جزاو سزا کا حال بھی آنکھ کے بند ہونے پر

[1] جس کے باطن میں خرابی ہے وہ جو فعل بھی کرے علت سے خالی نہیں ہوتا۔

معلوم ہوجائے گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت کہ با کہ باختۂ ای عشق در شبِ دیجور [۱]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹)

موت کی کوئی خبر نہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہر وقت مسلمان بنے رہو۔ یہ مت سمجھو کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کی کیا ضرورت ہے اور وہ کیا کام آئے گا۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کے فعل کو ضائع نہیں کرتا۔ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ۔ [۲] (الزلزال:۸)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات کیا کرتا تھا۔ کیا اس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہوگا۔ فرمایا۔ اَسۡلَمۡتَ عَلٰی مَا اَسۡلَفۡتَ تیری وہی نیکی تو تیرے اس اسلام کا موجب ہوئی۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ، اور اس کو سچی فرماں برداری کے نمونے سے ثابت کرو۔ ٹھیک یاد رکھو کہ ہر نیک بیج کے پھل نیک ہوتے ہیں۔ بُرے بیج کا درخت بُرا پھل دے گا۔

ع گندم از گندم بروید جَو زِ جَو از مکافاتِ عمل غافل مشو [۳]

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۷ مورخہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)



---

۱ صبح کے وقت تجھ پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ اندھیری رات میں تو کس کے ساتھ عشق بازی کرتا رہا ہے۔

۲ تو جس نے ذرّہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی تو وہ اس کو دیکھ لے گا۔

۳ ۔گندم سے گندم اور جو سے جو ہی نکلتی ہے۔ اس لئے مکافات عمل سے غافل مت ہو۔

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۃ عادیات کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ بزرگ کے اسم شریف سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اس سورہ شریفہ کا مضمون شریف الطبع گھوڑے کی وفاداری اور اس کے بالمقابل انسان کی بے وفائی اور اس پرمردہ دلوں سے پروردگار کی طرف سے مناقشہ ہے۔ ترتیبِ آیات میں وفاداری کی تدریجی ترقیات کو دکھایا ہے۔

۲۔ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا۔

ترجمہ۔ قسم ہے ان کی جو دوڑتے دوڑتے ہانپ اٹھتے ہیں۔

تفسیر۔ عَادِیَۃٌ کی جمع عَادِیَاتٌ ہے۔ عَادِیَۃٌ، عَدْوٌ سے مشتق ہے۔ عَدْوٌ کے معنے دوڑنے کے ہیں۔ جمع میں و۔ ی سے بدل گئی۔

ضَبْح۔ گھوڑے کی اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو دوڑنے کے وقت اس کے حلق و سینہ سے نکلتی ہے۔ یہ وفاداری کا پہلا قدم ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹)

۳۔ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا۔

ترجمہ۔ نیز ان گھوڑسواروں کی جن کے مرکب چوٹ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں۔

تفسیر۔ اِیْرا کے معنے آگ نکالنے کے ہیں۔ بیچارہ بے زبان محبت کی آگ کس ذریعہ سے نکالے؟ پتھریلی زمین میں ٹھوکریں کھا کر نعل در آتش ہو کر آگ جھاڑتا ہے۔ اور اپنے سوار کو وفاداری دکھلاتا ہے یہ وفاداری کا دوسرا قدم ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰)

۴۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا۔

ترجمہ۔ پھر صبح ہی صبح حملہ کرنے والوں کی۔

تفسیر۔ مالک کے دشمن پر رات بھر کی دوڑ کا تھکا ہوا صبح کے وقت جا پڑتا ہے۔ یہ وفاداری کا تیسرا قدم ہے۔ غارہ چھاپہ مارنے کو کہتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۵۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا۔

ترجمہ۔ پھر دوڑ دھوپ سے گرد اٹھاتے ہیں۔

تفسیر۔ نَقْعَ کے معنی گرد و غبار کے ہیں اور اَثَرَ ان کا اڑانا ہے۔ یہ وفاداری کا چوتھا قدم ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر یاد آ گیا۔

اگرچہ در درِ جاناں چو خاک گردیدم
دِلَم تپد کہ فدایش غبار خود بکنم [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۶۔ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔

ترجمہ۔ پھر جماعت کے بیچ میں جا گھستے ہیں۔

تفسیر۔ عادیات، موریات وغیرہ ہر فعل کو جمع کے صیغہ سے بیان فرما کر آخر میں بھی جَمْعًا فرمایا۔ اس تاکید میں یہ اشارہ ہے کہ جس جماعت کا شیرازہ کمزور ہے۔ وہ جماعت فاتح نہیں ہوسکتی۔ پانچواں قدم وفاداری کا یہ بیان ہوا ہے کہ میدانِ جنگ کے وسط میں تلواروں اور نیزوں کی زد کے نیچے یہ گھوڑے اپنے مالک کو پشت پر سوار لئے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر آگے وفاداری و جاں بازی کے جو کچھ حرکات اس شریف الطبع بے زبان جانور سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کو ان کے سوار ہی خوب جانتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

---

[1] بے شک میں اپنے محبوب کے دروازہ میں خاک کی مانند ہو گیا ہوں لیکن پھر بھی میرا دل کرتا ہے کہ میں اس پر اپنا یہ غبار بھی قربان کردوں۔

۷۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔

ترجمہ۔ بےشک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

تفسیر۔ یہ ساتویں آیت جوابِ قسم ہے۔ کَنُوْد کَنَدَ سے ماخوذ ہے۔ اور کَنَدَ کے معنے قطع کرنے کے ہیں۔ رسی کے کاٹ دینے کو کَنَدَ الْحَبْلَ کہتے ہیں۔ گھوڑا گھاس، توڑی، بھوسہ کھاتا ہے اور وفاداری میں بڑا جانباز ہے۔ انسان ہزاروں قسم کی لذیز سے لذیذ نعمتیں اپنے رب کی دی ہوئی کھاتا ہے اور وفاداری کے وقت اس رشتۂ ربوبیت کو کاٹ دیتا ہے۔ بے وفا ناز پروردہ انسان جو بھینسے کی طرح پھولا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شعر میں خوب بیان کی گئی ہے۔

اسپ لاغر میاں بکار آید روزِ میداں نہ گاہ پرداری [۱]

گھوڑا میدان کے دن بڑا چست ہوتا ہے مگر بے وفا انسان کند ہوتا ہے۔ کنود میں اسی بات کو بیان فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ رستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۹۔ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔

ترجمہ۔ اور البتہ وہ مال کی محبت کا بڑا دلدادہ ہے۔

تفسیر۔ شَدِیْد کے معنے بخیل اور ممسک کے بھی ہیں۔ فَلَانٌ شَدِيْدٌ وَ تَشَدَّدَ بولا کرتے ہیں۔ خَیْر بمعنی مال۔ جیسا کہ فرمایا اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ (البقرہ:۱۸۱) حُبّ کے لغت کے معنے پُر ہونے اور بھر جانے کے ہیں۔ معنے آیت یہ ہیں کہ دل کے ہر گوشہ میں مال کی محبت جاگزیں ہوگئی اور پُر ہوگئی ہے کہ رب کی وفاداری کے لئے کوئی گوشہ خالی نہ رہا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ رستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۱۰ تا ۱۲۔ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ۔ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ۔ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ۔

ترجمہ۔ پس کیا وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ قبروں میں ہے انہیں اٹھایا جائے گا۔ اور جو کچھ سینوں

---

[۱] کمزور گھوڑا لڑائی میں کام نہیں آتا ہے نہ پلا ہوا موٹا تازہ بیل (کہ نمائش کے کام آئے)۔

میں ہے وہ نکال لیا جائے گا۔ تو اس روز ان کا جو ایسا حال ہوگا اس سے تو ان کا رب ہی بے شک خبر دار ہے۔

تفسیر۔ بُعْثِرَ کے معنے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (الانفطار:۵) میں بیان ہو چکے ہیں۔ بُعْثِرَ اور بُحْثِرَ کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور یہ دونوں بعث اور بحث سے مرکب ہیں۔ جن کے معنے کرید نے اور مناقشہ کرنے کے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ نُوْقِشَ عُذِّبَ۔ جس کے حساب میں ذرا بھی کرید کی گئی۔ وہ عذاب کیا جائے گا۔ ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ مردہ دل بے وفا جو پنجر قالب میں مقیّد ہیں۔ ان کی وفاداری اور بے وفائی کی جب کرید ہوگی تو ان کا پرورش کنندہ ان سے ان کی باغیانہ حرکتوں کی خوب خبر لے گا۔ ل تاکید کے لئے ہے۔ یہ کرید حساب کی دنیا میں بھی ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ۔[۱] (الانبیاء: ۲) میں دونوں حساب مراد ہیں۔ بلکہ نبی کی معرفت دنیوی محاسبہ اقرب ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ۔[۲]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)



۱؎ انسانوں کا حساب قریب ہو گیا ہے۔ ۲؎ میں وہ حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔

سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اُس بابرکت اللہ کے اسم شریف سے پڑھتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲، ۳۔ اَلْقَارِعَۃُ۔ مَا الْقَارِعَۃُ۔

ترجمہ۔ کھڑکھڑا ڈالنے والی۔ کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی۔

تفسیر۔ اَلْقَارِعَۃُ۔ قَارِعَۃ قَرَعَ سے مشتق ہے۔ قَرع کے معنے کسی چیز کو سختی اور شدت سے بجانے اور مارنے کے ہیں۔ خوفناک حادثہ اور مصیبت کو بھی قارعۃ اسی لئے کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ۔[۱] (الرعد:۳۲) معلوم ہوا کہ دنیا کا عذاب بھی قارعہ ہے اور آخرت کی مصیبت بھی قارعہ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۵۔ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۔

ترجمہ۔ ایک دن لوگ بکھرے ہوئے ہوں گے پروانوں کی طرح۔

تفسیر۔ فَرَاش: ٹڈیاں بلکہ کُل پَردار چھوٹے چھوٹے جانور جو چراغ کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔

مَبْثُوْث: منتشر۔ بکھرے ہوئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۶۔ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ۔

ترجمہ۔ اور ہوجائیں گے پہاڑ جیسے سرخ اُون دُھنکی ہوئی۔

---

[۱] اور کافروں کو تو ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کے کرتوتوں کے سبب مصیبت۔

تفسیر۔ عِھْن۔ اُون یا صوف مختلف رنگ کے۔نفش کے معنے دھنکنے کے ہیں۔ مَنْفُوْش دھنکے ہوئے۔ جبال کا اطلاق بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی کیا جاتا ہے۔آیت میں دونوں قسم کے عذاب اور تباہیوں کا ذکر ہے۔ جوجنگوں میں ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔جیسا کہ تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ۔[۱] (الرعد:۳۲) سے واضح ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۰)

۹ تا ۱۲۔ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَاھِیَہْ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ۔

ترجمہ۔ اورجس کا وزن ہلکا ہوا۔تو اس کی ماں ہاویہ ہے (جس کے گود یا پیٹ میں وہ رہے گا)۔ اورتُو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے وہ۔وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

تفسیر۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔ ہاویہ کو اُم کہنے میں یہ مطلب ہے کہ جب تک تربیت یافتہ نہ ہو۔ ماں سے تعلق رہتا ہے۔ بعد تربیت پا لینے کے ماں سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد طول مکث کے دوزخی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔ھَاوِیَہ۔ طبقے کے بھی نکال دیئے جائیں گے۔ جوسب سے نیچے کا طبقہ ہے۔اسی لئے وہ طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔اُمّ اور ھَوٰی دونوں ایک جا جمع ہونے سے یہ اشارۃً پائی جاتی ہے۔

نَارٌ حَامِیَۃٌ۔ نارِ دوزخ اور نارِ حرب دونوں مراد ہیں۔حرب کو بھی نار ہی فرمایا ہے۔ کُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ۔[۲] (المائدہ:۶۵)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۱)

تمام وہ لوگ جن کے اچھے اعمال نہیں۔ یا ان کے اچھے اعمال کم ہیں۔ وہ دوزخ میں جائیں گے دوزخ کی گود میں رہیں گے وہی ان کی ماں ہے۔دیکھو قرآن۔

۱؎ پہنچتی رہے گی ان کے کرتوتوں کے سبب مصیبت۔ ۲؎ وہ سلگاتے ہیں لڑائی کی آگ تو اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاھِیَہْ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ۔ [1]

بھلا جن کی ماں دوزخ کی گرم آگ ہوئی۔ وہ لوؤں کی آگ سے نہ بنے ہوں تو پھر کس سے بنیں۔سنو۔سارے شریر شیطان یا شیطان کے فرزند ہیں (یوحنا باب ۸ آیت ۴۴ متی ۱۳ باب ۳۹۔متی ۱۶ باب ۲۳)۔جس طرح شریر شیطان کا فرزند ہے۔اور عیسائی مسیحؑ کے فرزند۔ اُسی طرح دوزخ کی آگ شریر کی ماں ہے۔اور وہ لوؤں کی آگ سے بنا ہے۔ بھلا صاحب جب عام شریروں کی ماں ہاویہ دوزخ ٹھہری تو ان اشرار کا شرارتی آپ شیطان دشمنِ آدم لوؤں سے کیونکر نہ بنا ہوگا۔ضرور وہ ہمارا دشمن نارالسموم سے بنا۔ وہ تو پہلے ہی سموم نار سے بنا تھا۔اور یہی سچی فلسفی ہے۔جس کے خلاف پر کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں۔‘‘

(فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب حصّہ اوّل صفحہ ۱۷۱)



[1] اور جس کی تول ہلکی ہوئی تو اس کا ٹھکانہ گڑھا۔اور تجھ کو نہ معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے آگ ہے دھکتی ہوئی۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

اُس بابرکت اللہ کے اسم شریف سے پڑھتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲ تا ۹۔ اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۔ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ۔ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۔ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ۔

ترجمہ۔تم کو بہتات کی ہوس نے تباہ کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبروں کی جگہ سے جا ملو۔نہیں نہیں آگے چل کر تمہیں معلوم ہو گا۔ پھر تم جان جاؤ گے۔نہیں نہیں معلوم کرو کہ اگر تم یقینی طور پر جانتے (تو یہ کفر کی حالت نہ رہتی)۔جس کے سبب سے تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ ہاں پھر اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے۔ پھر تم سے اُس دن باز پُرس ہو گی نعمتوں کی ۔

تفسیر۔ اللہ جل شانہٗ نے انسان کو ایسا تو بنایا ہے کہ یہ کھانے کا بھی محتاج ہے۔ پینے کا بھی محتاج ہے۔ کپڑے کا محتاج ہے۔ مکان اور بیوی کا بھی بہت محتاج ہے۔ بچوں کی بھی ایک حاجت مخفی در مخفی رکھتا ہے۔عزت کو بھی چاہتا ہے اور ذلت سے بھی بچنا چاہتا ہے۔غرض اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی خواہشیں لگا رکھی ہیں۔جس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔ہاں اگر کوئی پاگل ہو تو اور بات ہے۔ پاگل اور عقلمند میں بھی ایک بڑا بھاری فرق ہے۔ پاگل کی باتیں سن سن کر عقلمند بول اٹھا کرتے ہیں کہ یہ تو بڑا احمق ہے۔

بہت بولتے رہنا اور زیادہ بکواس کرتے رہنا بھی احمق کا کام ہے۔ اور جو آٹھوں پہر چپ رہے۔ وہ بھی پاگل ہوتا ہے۔ بہت بولنا اور بہت چپ پاگل اور احمق کا نشان ہے۔ جو شخص ہمیشہ کھانے پینے میں مصروف رہے وہ بھی پاگل اور جو نہ کھائے وہ بھی پاگل۔غرض جب بات حد سے بڑھ

جائے تو وہ جنون ہوتا ہے۔

ضرورتیں تو بے شک انسان کو بہت لگی ہوئی ہیں۔خواہ کتنے ہی امور کیوں نہ ہوں اور خواہ کیسی ہی حاجتیں کیوں نہ ہوں۔ان تمام کاموں میں انسان تکاثر کو چاہتا ہے۔اکثر اوقات انسان چاہتا ہے کہ عیش وعشرت کے ایسے ایسے سامان میسر آ جاویں۔ایسا مکان ہو۔ایسا لباس ہو۔اور یہ سب خواہشات انسان کے شاملِ حال ہیں۔پھر ان میں غلطی کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے بھی ایک دعا سکھائی ہے یعنی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً (البقرہ:۲۰۲) اس دعا میں اللہ کریم سے اسی دنیا میں حسنہ مانگی گئی ہے۔مگر یاد رکھو غلطی صرف یہ ہے کہ ناجائز طریقوں سے یہ خواہشات پوری کرنے کی کوشش کی جاوے۔ اور ان دھندوں میں پھنس کر اپنے مولیٰ سے انسان غافل ہو جاوے۔ اللہ جل شانہٗ سے غفلت بہت بری بلا ہے۔

اکثر انسان آنکھیں بھی بند کیا کرتے ہیں۔اپنے گھٹنوں میں سر بھی رکھا کرتے ہیں۔نادان سمجھتا ہے کہ یہ جنابِ الٰہی میں دھیان لگائے بیٹھے ہیں اور روحانی نظارہ دیکھ رہے ہیں۔مگر وہ وہی دیکھتا ہے جو ظاہراً دیکھنے کا عادی ہے۔پھر اسی غفلت عن اللہ میں مر جاتا ہے۔

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

اس غفلت کا بدنتیجہ تم سمجھ ہی لو گے۔پھر ہم ہشیار کر کے تمہیں کہتے ہیں کہ تم ضرور سمجھ لو گے آج جو فعل انسان کرتا ہے۔کل کے لئے یہ ایک سبب ہوتا ہے۔اور کل جو فعل انسان کریگا۔وہ پرسوں کے لئے ایک سبب ہوگا۔

انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ جب کبھی اسے کوئی علم حاصل ہو جاتا ہے۔بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو اور علم والا عقلمند ہو تو پھر اس علم کے خلاف عمل نہیں کرتا۔انسان کیا بلکہ حیوان بھی ایسا نہیں کرتا۔ دیکھو ایک اونٹ کتنا بڑا حیوان ہے۔مگر ایک بچہ بھی نکیل ڈال کر کہیں کا کہیں لئے پھرتا ہے مگر ایک گڑھے میں داخل کرنے کے لئے اسے کھینچیں تو وہ نہیں جاتا۔کیوں نہیں جاتا۔صرف اس لئے کہ اسے صحیح علم گڑھے کا حاصل ہے اور یہ کہ اس میں ہلاکت ہے۔

مَیں نے اپنے بچوں کو دیکھا ہے کہ اگر گرم غذا انہیں دیں یا ان کا ہاتھ اٹھا کر اس گرم غذا پر رکھیں تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور کھاتے نہیں کیونکہ انہیں صحیح علم حاصل ہو جاتا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کو خدا کی سچی کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول اور نبی یقین کرتے ہیں۔ ائمہ کو سچا سمجھتے ہیں۔ کسی واعظ کو سچا سمجھتے ہیں وہ سوچیں کہ کیا ان لوگوں کے ذریعہ سے انہیں صحیح علم حاصل نہیں ہوا کہ اِن اِن کاموں سے خدا راضی ہے۔ اور اِن اِن باتوں سے ناراض ہے؟ پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ باوجود سننے کے بھی تم علم کے خلاف کرتے ہو۔ خوب یاد رکھو کہ صحیح علم کے خلاف کرنا بہت برا ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین رب العالمین ہمارا رہبر ہے اور ہمارے زمانہ کا امام اس کی اتباع کو نجات کا موجب سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کیسا علم ہے جو ان سب باتوں سے ہمیں غافل کر دیتا ہے۔

دنیوی کاموں میں مختلف اغراضوں میں کچہریوں میں جھوٹی قسمیں، حرفہ، پیشہ، تجارت، ملازمت میں ایسے اعمال کہ گویا اللہ پر ایمان نہیں۔ یہاں تک کہ نمازوں میں بھی ریا۔ یہ کیا سر ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ یقین کم ہے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۔[۱] (التکاثر۶،۷)

تم لوگ اگر یقین رکھتے تو جزا سزا کا خیال رکھ کر برے کاموں سے نفرت اور اچھے کاموں سے محبت رکھتے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۔[۲] (التکاثر:۸)

اور یاد رکھو کہ یہ صرف علم ہی نہیں رہے گا بلکہ تمہیں یہ بھی دکھا دیں گے کہ تمہارے اعمال کا کیا نتیجہ ہے۔

۱؎ نہیں نہیں معلوم کرو کہ اگر تم یقینی طور پر جانتے (تو یہ کفر کی حالت نہ رہتی)۔ جس کے سبب سے تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ ۲؎ ہاں پھر اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۔(التکاثر:۹)

اور پھر تم سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، زبان، علم و دولت دیا گیا۔ ہادی تمہاری طرف بھیجے گئے اور پھر ہم مسلمانوں کا تو رسول ہی افضل الرسل خاتم النبیین ہے جو ہماری رہبری کے لئے آیا۔ وہ تمام نبیوں کی فضیلتوں کا مجموعہ ہے۔

ہماری کتاب قرآن مجید سچی، محفوظ اور جامع کتاب ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ مجدد ہوتے رہے۔ اور پھر موجودہ زمانہ کا امام جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر اتنی غفلت! اس سے ضرور پوچھے جاؤ گے اور نتیجہ بھوگو گے۔

اس غفلت کو دور کرنے کے میں تین علاج تم لوگوں کو بتاتا ہوں۔ پہلا علاج تو ایسا ہے جو تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور وہ ہے استغفار۔ یاد رکھو۔ انسان کی بدیاں اور بدیوں کی طرف اس کو کھینچتی ہیں اور اس کی نیکیاں اور نیکیوں کی طرف اس کو کھینچتی ہیں۔ استغفار کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے خدا میری غفلت، غلط کاریاں اور ناراض کرنیوالی باتیں اور عدول حکمیں جو مجھے یاد ہیں یا میری یاد سے بھول گئی ہوئی ہیں۔ ان کے بدنتائج سے مجھے بچا کے اور آئندہ غلطیوں سے محفوظ رکھ۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ لَاحَوْل بہت پڑھے۔

اپنی عاجزی کا اقرار کرے اور اپنے آپ کو محض کمزور اور ناکارہ سمجھے۔ اس طرح سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور بڑی مدد ملے گی۔

تیسرا علاج یہ ہے کہ دعائیں بہت مانگے۔ اپنے محسنوں کے لئے بھی دعا کرے۔ انہیں دعاؤں میں سے ایک دعا اور بڑی اعلیٰ دعا درود شریف بھی ہے۔ جو اپنے پیارے محسن اور نہایت ہی عظیم الشان محسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگی جاتی ہے۔ وہ ہمارا بڑا بھاری محسن ہے۔ ایسے محسن پر اللہ جلشانہٗ اپنے خاص خاص فضل اور عام رحمتیں کرے تا کہ اس کے بدلہ میں ہم پر بھی خاص رحمتیں اور عام فضل ہو۔ چاہیے کہ درود شریف بہت پڑھا جاوے اور اپنے محسن کے لئے بہت دعا مانگی

جاوے تا کہ ہم پر بھی رحم ہو۔ اللہ کریم ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲)

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ۔ اَلْهَا کے معنے کسی چیز سے غافل کر کے دوسری چیز میں مشغول کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔[1] (النور:۳۸) تَكَاثُر ایک دوسرے پر زیادتِ مال کی حرص کرنا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مَنْ شَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ صَنَمُكَ۔[2]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۱)

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ صحیحین میں روایت ہے کہ ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور دو چیزیں اس کی جوان رہ جاتی ہیں۔ ایک ان میں سے حرص مال ہے۔ ابوھریرہؓ سے یہ مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ التّکاثر پڑھی اور پھر فرمایا۔ بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ حالانکہ اس کا مال تو صرف اتنا ہی ہے۔ جو کھالیا وہ تو فنا کر دیا۔ اور جو پہن لیا اس کو پرانا کر دیا۔ اور جو خدا کی راہ میں دیدیا اس کو آگے کے لئے جمع کیا۔ ان تین قسموں کے سوا جو کچھ اور مال ہے وہ تو لوگوں کا ہے۔

مقابر کے ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے۔ ملخصاً آپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔ ’’برزخ لغتِ عرب میں اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولے[3] کے درمیان واقع ہے اس لئے اس کا نام برزخ ہے۔ برزخ۔ عربی لفظ ہے جو مرکب ہے بَرَّ اور زَخَّ سے جس کے معنے یہ ہیں کہ طریق کسبِ عمل ختم ہو گیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائیدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے۔ جسم کسی گڑھے

[1] وہ ایسے لوگ ہیں جن کو غافل نہیں کرتی ان کی سوداگری اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔ [2] جو چیز تجھے اللہ کے علاوہ کسی اور طرف مشغول کر دے تو وہ تمہارا رب ہے۔ [3] موجودہ طرز تحریر میں ’’اولیٰ‘‘ لکھا جاتا ہے۔

میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑ جاتی ہے۔جس پر لفظ زَخّ کا دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ افعال کسب خیر یا شر پر قادر نہیں ہوسکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہو سکتے تھے۔ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکمی ہے یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد روح جس کے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پا سکتی ہے اگر ہم قصہ کے طور پر اس کو قبول کریں تو قبول کریں۔لیکن معقولی طور پر اس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنیٰ ادنیٰ خلل کے وقت بے کار ہو کر بیٹھ جاتی ہے وہ اس روز کیوں کر کامل حالت پر رہے گی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کی جائے گی کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لئے جسم کی صحت ضروری ہے جب ایک شخص ہم میں سے پیرِ فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روح بھی بوڑھی ہو جاتی ہے۔اس کا تمام علمی سرمایہ بڑھاپے کا چور چرا لے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔

لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا

یعنی انسان بوڑھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بن جاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں اور یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدا کا یہ کام لغو ٹھہرتا کہ اس کو خواہ نخواہ جسم فانی سے پیوند دے دیتا اور یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے۔پس جس حالت میں انسان اس مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے مجرد روح سے حال نہیں کر سکتا تو کیوں کر امید رکھیں کہ ان نامتناہی ترقیات کو جو ناپیدا کنار ہیں۔بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کر لے گا سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کی رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک

روح کوکسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے کہ بعض جسم نورانی اور بعض جسم ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ہی ظلمت سے طیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسان کامل ایسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پا سکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں اگرچہ ایسے آدمی کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔لیکن جن کو علم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے طیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہوتا ہے۔

میں اس میں صاحب تجربہ ہوں جو مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔غرض میں اس کوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ضرور مرنے کے بعد ہی ہر ایک کو ایک جسم ملنا ہے خواہ نورانی ہو۔خواہ ظلمانی۔انسان کی یہ غلطی ہوگی کہ اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے ایک اور بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں پڑ گئے اپنے کلام میں مُردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکوکاروں کو زندہ قرار دیا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل مرے۔ان کی زندگی کے اسباب جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی۔منقطع ہو گئے اور روحانی غذا میں ان کو کچھ حصہ نہ تھا۔پس وہ درحقیقت مر گئے۔ وہ صرف عذاب اٹھانے کے لئے زندہ ہوں گے مگر جو لوگ خدا کے محب ہیں وہ موت سے نہیں مرتے۔ کیونکہ ان کا پانی اور ان کی روٹی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لئے دو مقام

پائے جاتے ہیں ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہرایک شخص جزا پائے گا۔ برے لوگ مرنے کے ساتھ ہی جہنم میں داخل ہوں گے۔ نیک لوگ مرنے کے بعد ہی جنت میں آرام پائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے۔ قیل ادخل الجنۃ ۱ / ۲۳ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ۔ قبر یا تو ایک باغ ہے۔ جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے۔ دوزخ کے گڑھوں سے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۲ ؍اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲)

لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ۔ ان ہرسہ آیات میں یقین کے تین مراتب کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک علم الیقین۔ دوسرا عین الیقین۔ تیسرا حق الیقین۔ دنیا میں بعض اوقات جزاسزا کے ملنے پر آخرت کی جزاسزا کا یقین علمی پیرایہ میں ہوجاتا ہے۔

قبر اور برزخ کی جزاسزا۔ عین الیقین کے طور پر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں جنت یا دوزخ کی طرف سے کھڑکئیں کھول دی جاتی ہیں۔

یوم الحشر کی جزاسزا حق الیقین ہیں جو عین یقین ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ ؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۲)



سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ عصر کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

۲ تا ۴۔ وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

ترجمہ۔ قسم ہے زمانہ کی۔ بے شک انسان بڑے گھاٹے میں ہے۔ ہاں جنہوں نے سچے دل سے اللہ کو مانا اور بھلے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہے۔ اور پیچھے لگے رہے صبر کرانے کے (یعنی نیکیوں پر جمے رہے اور بدیوں سے بچتے رہے۔ لوگوں سے بھی اس پر عمل کراتے رہے)۔

تفسیر۔ گھاٹے سے وہی بچتا ہے جو چار خصلتیں رکھے۔ (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) حق سکھلائے (۴) صبر کرے اور سکھلائے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

دو صحابی آپس میں ملتے تھے تو کم از کم اتنا شغل کر لیتے تھے کہ اس سورۃ کو باہم سناویں۔ سو اس نیت سے کہ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔[1] (التوبہ:۱۰۰) کے ماتحت رضامندی کا حصہ مجھے بھی مل جاوے۔ میں بھی تمہیں یہ سورت سناتا ہوں۔

عصر کہتے ہیں زمانہ کو جو ہر آن گھٹتا جاتا ہے۔ دیکھو میں کھڑا ہوں۔ جو فقرہ بولا۔ اب اس کے لئے پھر وہ وقت کہاں ہے؟ قسم ہمیشہ شاہد کے رنگ میں ہوتی ہے۔ گویا بدیہیات سے نظریات کے لئے ایک گواہ ہوتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی عمر گھٹ رہی ہے۔ جیسے کہ زمانہ کوچ کر رہا ہے۔ عصر کی شہادت میں ایک یہ نکتہ معرفت بھی ہے۔ زمانہ کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔ جیسا کہ بعض قوموں کا قاعدہ ہے فارسی لٹریچر میں خصوصیت سے یہ برائی پائی جاتی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَاتَسُبُّوا الدَّھْرَ خدا جس کو گواہی میں پیش کرے۔ وہ ضرور عادل ہے۔ زمانہ برا نہیں۔

---

[1] اور ان کی اچھی پیروی کرنے والے لوگ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

ہمارے افعال برے ہیں جن کا خمیازہ زمانہ میں ہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔

عصر سے مراد نمازِ عصر بھی ہے۔اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جیسے شریعتِ اسلام میں نماز عصر کے بعد کوئی فرض ادا کرنے کا وقت نہیں۔اسی طرح ہر زمانہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔جو پھر نہیں ملے گا۔اس کی قدر کرو۔

عصر کے معنے نچوڑنے کے بھی ہیں۔گویا تمام خلاصہ اس صورت میں بطور نچوڑ کے رکھ دیا ہے۔

غرض عصر کو گواہ کر کے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایک برف کا تاجر ہے۔جو بات لڑکپن میں ہے وہ جوانی میں نہیں۔جو جوانی میں ہے وہ بڑھاپے میں نہیں۔پس وقت کو غنیمت سمجھو۔ائمہ نے بحث کی ہے کہ جو نماز عمداً ترک کی جاوے۔اس کی تلافی کی کیا صورت ہے۔؟ سو سچی بات یہی ہے کہ اس کی کوئی صورت سوائے استغفار کے نہیں۔اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس خسر کی تلافی کے لئے فرماتا ہے کہ ایک تو ایمان ہو جس کا اصل الاصول ہے۔لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔اسی واسطے میری آرزو ہے کہ ہمارے واعظ اذان کے واعظ ہوں کہ وہ اسلام کا خاصہ ہے۔ایمان کیا ہے۔اللہ کو ذات میں بے ہمتا، صفات میں یکتا، افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ یقین کیا جاوے۔چونکہ اس کے ارادوں کے پہلے مظہر ملائکہ ہیں اس لئے ان کی تحریک کو تسلیم کیا جاوے۔برہمو جو قوم ہے۔یہ بڑی بری زبان کے لوگ ہیں۔اسلام کے سخت دشمن ہیں۔میں حیران ہوتا ہوں۔جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑے اچھے ہوتے ہیں۔یہ تو تمام انبیاء کو مفتری قرار دیتے ہیں۔اس سے بڑھ کر اور کوئی گالی کیا ہو سکتی ہے کہ خدا کے راستبازوں کو مفتری سمجھا جاوے۔چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔[1] (الانعام:۲۲) ایک برہمو سے میں نے انبیاء کے دعویٰ وحی حق کے بارے میں پوچھا۔تو اس نے کہا۔دروغ مصلحت آمیز جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو انبیاء کی نسبت کیسا گندہ خیال ہے۔یہ لوگ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت يُرْسِلُ رَسُوْلًا اور اس کے متکلم ہونے کے قائل نہیں اور ملائکہ ماننا شرک ٹھہراتے ہیں۔حالانکہ خدا نے انہیں عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔[2] (الانبیاء:۲۷) فرمایا ہے۔اور جن پر وہ نازل ہوتے ہیں۔ان کی نسبت فرمایا مَنْ يُّطِعِ

---

[1] اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے۔ [2] رب بندے ہیں۔

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔[1] (النساء:۸۱) پھر جزا وسزا کا ایمان ہے۔ وہ بہت سی نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ آپ تو ابدالآباد غیر منقطع عذاب کے قائل نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ بازار میں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ روپے لو اور دو جوت کھا لو۔ نہ مجھے کوئی جانتا ہے نہ تمہیں۔ اس نے قبول نہ کیا کہ میری ہتک ہوتی ہے۔ میں نے کہا پھر جہاں اولین آخرین جمع ہوں گے۔ وہاں یہ بے عزتی کیسے گوارا کرسکو گے۔

پھر ایمان بالقدر تمام انسانی بلند پروازیوں کی جڑ ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین ہو کہ ہر کام کوئی نتیجہ رکھتا ہے۔ تو انسان سوچ سمجھ کر عاقبت اندیشی سے کام کرتا ہے۔ دیکھو اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اور اس سے انگریز قوم نے خصوصیت سے فائدہ اٹھایا ہے پشاور سے کلکتہ تک رستہ صاف کیا تو کیا کچھ پایا۔ مسلمان اگر مسئلہ قدر پر ایمان مستحکم رکھتے تو ہمیشہ خوشحال رہتے۔ پھر جیسا ایمان ہو اسی کے مطابق اس کے اعمالِ صالحہ ہوں گے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ ، حج، اخلاقِ فاضلہ ، بدیوں سے بچنا۔ یہ سب ایمان کے نتائج ہیں۔

پھر اسی پر مومن سبکدوش نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ جو حق پایا ہے۔ اسے دوسروں کو بھی پہنچائے۔ اور اس حق پہنچانے میں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور صبر کی تعلیم دے۔ صوفیاء میں ایک ملامتی فرقہ ہے۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتا ہے۔ جس سے لوگ ملامت کریں۔ رنڈیوں کے گھروں میں کسی دوست کے سامنے چلے جائیں گے۔ وہاں جا کر پڑھیں گے قرآن شریف اور نماز۔ مگر رات وہیں بسر کریں گے۔ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا۔ کہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر خود ملامتی فرقہ ہوتا ہے۔ جب مومن کسی کو بری رسوم و عادات کی ظلمت سے روکے گا تو تاریکی کے فرزندوں سے ملامت سنے گا۔ میرا حال دیکھ لو کہ ملامتی فرقے والے مجھ سے زیادہ بدنام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس مومن کو کسی فرقے میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ حق کا مبلغ اور اس پر مستقل مزاجی اور استقامت سے قائم رہے۔ پھر وہ ہر قسم کے دنیا و آخرت کے خسران سے محفوظ رہے گا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۵ مورخہ ۳؍فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۔۲)

---

[1] جس نے رسول کا حکم مانا اور اس کی اطاعت کی بے شک اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

میں دیکھتا ہوں کچھ امراء ہیں، کچھ علماء، کچھ سجادہ نشین اور کچھ وہ لوگ ہیں جو قوم کے لئے آئندہ کالجوں میں تعلیم پانے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ یہ لوگ اگر سست ہوں تو عوام مخلوقات کا کیا حال ہوسکتا ہے۔اس واسطے میں نے یہ سورۃ عصر پڑھی تھی۔ میرا مقصد اس کے پڑھنے سے یہ بتانے کا ہے کہ زمانہ جس طرح کی تیزی سے گزر رہا ہے۔اسی طرح ہماری عمریں بھی گزر رہی ہیں۔یعنی عصر کا آناً فاناً گزرنا ہماری عمروں پر اثر ڈال رہا ہے۔

اللہ نے اس کا یہ علاج بتایا ہے کہ تمہیں زمانہ کی پرواہ نہ ہو اگر ہمارا حکم مان لو۔ وہ حکم یہ ہے کہ مومن بنو اور عملِ صالحہ کرو۔ دوسروں کو مومن بناؤ اور حق کی وصیت کرو اور پھر حق پہنچانے میں تکالیف سے نہ ڈرو۔

یہ وہ سورۃ ہے کہ صحابہ کرامؓ جب باہم ملتے تو اس سورہ کو پڑھ لیا کرتے۔تم اور ہم بھی آج ملے ہیں۔اس لئے اسی سنتِ کریمہ کے مطابق میں نے بھی اس کو پڑھا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں (تم میرے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے نہ اس کا لکھا پڑھ سکتے ہو۔البتہ میری زبان کے اقرار سے پوچھے جاؤ گے اور اس سے اگر نفع اٹھاؤ۔تو تمہارا بھلا ہوگا)۔میں جس ایمان پر قائم ہوں وہ وہی ہے جس کا ذکر میں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں کیا ہے۔میں اللہ کو اپنی ذات میں واحد صفات میں یکتا اور افعال میں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ اور حقیقی معبود سمجھتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔اور تمام ان رسولوں اور کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے بھیجیں ایمان رکھتا ہوں۔میرا یقین ہے کہ تمام انبیاء تمام اولیاء اور تمام انسانی کمالات کے جامع لوگوں میں ایک ہی ہے جس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔میرے واہمہ کے واہمہ میں بھی نہیں آتا کہ کوئی اور ہو۔حضرت صاحب کا ایک شعر یاد آ گیا ہے۔

؎ اے در انکار و شکے از شاہ دیں خادمان و چاکرانش را بہ بین[1]

ہم جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کیسے پاک گروہ تھے اور مجدد کیسے۔یہ تو قصے کہانی بات ہوجاتی۔

---

[1] اے وہ شخص جو دین کے بادشاہ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات بابرکات کے بارہ میں شک وانکار میں مبتلا ہے تو ذرا ان کے خادموں اور نوکروں کو تو ملاحظہ کر۔

لیکن تمہارا وجود اس گاؤں میں گواہی ہے کہ احمد کا غلام بننے سے کیا فضل آتا ہے میں تم کو اب اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ میرے پھر تقریر کرنے تک تمہیں کوئی بات سنائے یا تقریر کرے۔ تو یاد رکھو ہمارا معیار یہ ہوگا کہ ان مذکورہ بالا عقائد کے موافق کوئی بات ہو یا اس کی تفصیل ہو تو ہماری طرف سے ہے اور اگر اس کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔ اسلام چونکہ حق کے اظہار کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ اس سورہ شریف سے ظاہر ہے۔ اس لئے جہاں دین کی بہت سی باتیں پہنچانی پڑتی ہیں۔ وہاں ہم تم کو دنیا کے متعلق بھی ایک مختصر سی بات سناتے ہیں اور وہ بھی دراصل دین ہی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا کا کام امن پر موقوف ہے۔ اور اگر امن دنیا میں قائم نہ رہے تو کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ جس قدر امن ہوگا۔ اسی قدر اسلام ترقی کرے گا۔ اس لئے ہمارے نبی کریمؐ امن کے ہمیشہ حامی رہے۔ آپؐ نے طوائف الملوکی میں جو مکہ معظّمہ میں تھی اور عیسائی سلطنت کے تحت جو حبشہ میں تھی۔ ہم کو یہ تعلیم دی کہ غیر مسلم سلطنت کے ماتحت کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اس زندگی کے فرائض سے ''امن'' ہے۔ اگر امن نہ ہو تو کسی طرح کا کوئی کام دین و دنیا کا ہم عمدگی سے نہیں کر سکتے۔ اس واسطے میں تاکید کرتا ہوں کہ امن بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور امن کے لئے طاقت کی ضرورت ہے۔ وہ گورنمنٹ کے پاس ہے۔ میں خوشامد سے نہیں بلکہ حق پہنچانے کی نیت سے کہتا ہوں کہ تم امن پسند جماعت بنو تا تمہاری ترقی ہو۔ اور تم چین سے زندگی بسر کرو۔

اس کا بدلہ مخلوق سے مت مانگو۔ اللہ سے اس کا بدلہ مانگو۔ اور یاد رکھو کہ بلا امن کوئی مذہب نہیں پھیلتا اور نہ پھول سکتا ہے۔

میں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے اس احسان کے بدلہ میں ہم اگر امن کے قائم کرنے میں کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ ہم کو ضرور دے گا اور اگر ہم خلاف ورزی کریں گے تو اس کے بد نتیجے کا منتظر رہنا پڑے گا۔

دوسری بات جو سمجھاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ باہم محبت بڑھاؤ۔ اور بغضوں کو دور کر دو۔ اور یہ محبت

بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر تم صبر سے کام نہ لو۔ اور یاد رکھو۔صبر والے کے ساتھ خدا خود آپ ہوتا ہے۔اس واسطے صبر کنندہ کو کوئی ذلت و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

تیسری بات جو میں کہنی ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے ’’فتح اسلام‘‘ میں پانچ شاخوں کا ذکر کیا ہے۔اور ان پانچ شاخوں میں چندہ دینے کی تاکید کی۔مثلاً آپ کی تصانیف کی اشاعت، اشتہارات کی اشاعت۔آپ کے لنگر خانہ کو مضبوط کرنے کی تاکید اور مہمان خانہ کی ترقی کی طرف توجہ اور آمدورفت پر بعض وقت جو خرچ پڑتے ہیں۔ان کے لئے مکان بنانے پڑتے ہیں۔ ان میں انفاق کرنے کی تاکید آپ نے فرمائی ہے۔ میں اس تاکید پر تاکید کرتا ہوں کہ ہمارا مہمان خانہ کسی قدر آپ لوگوں کی سستی کا مظہر ہے۔میں جس طرح دیکھتا ہوں کہ ایک مدرسہ چلتا ہے۔ لنگر اور دینی مدرسہ بہت کمزور رنگ میں ہے۔

ہمارے بھائیوں کو توجہ چاہیے کہ ان دونوں امور کی طرف بہت کوشش کریں اور انفاق سے کام لیں ...... میں یہ باتیں اس لئے بتاتا ہوں کہ تم کو دین اور دنیا دونوں کا وعظ کروں۔ یہ نہیں کہ مجھے دنیا کی غرض ہے۔کیونکہ میری عمر کا بہت بڑا حصہ اللہ کے فضل سے گزرا ہے۔ یہ تھوڑے دن جو باقی ہیں۔ میں مخلوق سے سوال کرنے میں اپنی ہمت کو ضائع نہیں کرتا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۳ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۳،۴)

یہ سورۃ (وَالْعَصْرِ) میں نے بارہا لوگوں کو سنائی ہے چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو ہر شخص کے لئے بابرکت ہو خدا تعالیٰ کی کتاب میں میرے خیال میں اس کے سوا اور نہیں آئی۔قرآن کریم کے ہر ایک فقرہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور محض فضل سے سارے جہان کی تعلیم و تربیت اور پاک تعلیم و تربیت حاصل اور ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تھے تو اس سورۃ کو پڑھ لیتے تھے۔ممکن ہے کہ میری آواز سب لوگوں کے کان میں نہ پہنچے کیونکہ میں بیمار ہوں۔صبح سے اب تک خطوط پڑھتا تھا تھک گیا ہوں اور بوڑھا بھی ہوں جو لوگ دور ہیں اور ان کے کانوں میں میری آواز نہیں پہنچ سکتی ان کے کانوں میں وہ لوگ جو سنتے ہیں پہنچا دیں۔

اورکوشش کریں کہ سب کے کانوں تک اس سورۃ کی آواز ضرور پہنچ جائے جو سنتے ہیں وہ اس شکریہ میں دوسروں تک پہنچائیں یہ بڑی مختصر سورۃ ہے۔ پہلی بات اس سورۃ شریفہ میں یہ ہے کہ وَالْعَصْرِ عصر ایک زمانہ کو کہتے ہیں۔ ہر آن میں پہلا زمانہ فنا اور نیا پیدا ہوتا جاتا ہے۔ ہر وقت زمانہ کو فنا لگی ہوئی ہے۔کل کا دن ۲۶۔دسمبر ۱۹۱۲ء اب کبھی نہیں آئے گا۔ ۲۷۔دسمبر ۱۹۱۲ء آج کے بعد کبھی دنیا میں نہ آئے گا۔آج کی صبح اب کبھی نہ آئے گی۔ یہ زمانہ بڑا بابرکت ہے۔ یہ جو آریہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ زمانہ مخلوق نہیں اور جو قدیم ہے وہ فنا نہیں ہوتا۔ وَالْعَصْرِ کا الفظ ان کے لئے خوب رد ہے۔ میں جس زمانہ میں بولا۔ وہ اب چلا بھی گیا۔اور جس میں آگے بولوں گا۔ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔زمانہ کو غیر مخلوق ماننے والوں کے لئے کیسا عمدہ رد ہے۔زمانہ کو جہاں تک لیے جائیں۔ایک حصہ مرتا جاتا ہے۔ایک حصہ پیدا ہوتا جاتا ہے۔اس مرنے اور پیدا ہونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ایک فائدہ عصر میں یہ ہے کہ ہر ایک وقت جو انسان پر گزرتا ہے اس کو فنا لازم ہے۔اس طرح انسان کے اجزاء بھی ہر آن میں فنا ہوتے ہیں اور ہر آن نئے اجزاء پیدا ہوتے ہیں۔اس طرح ایک نئی مخلوق بن کر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ جب میں جوان تھا میرے سب بال سیاہ تھے۔ آج کوئی بال سیاہ نہیں۔ جب ہم نئی حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ مجھ میں بینائی کی قوت ہے۔اگر بینائی رک جائے تو کیا کیا جائے؟ غرض کہ ہر آن اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے ہیں کہ ہر آن میں تم ہمارے محتاج ہو۔اگر میرا فضل و کرم نہ ہو تو تم کچھ بھی نہیں۔

ایک بات عصر میں یہ ہے کہ لوگ زمانہ کو برا کہتے ہیں۔شاعروں نے تو یہ غضب کیا کہ دنیا کا ہر ایک دکھ اور مصیبت زمانہ کے سر تھوپ دیا۔خدا تعالیٰ کا نام ہی درمیان سے نکال دیا۔گردشِ روزگار کی اس قدر شکایت کی ہے کہ جس کی حد نہیں۔ گویا ان کا دارومدار، ان کا نافع اور ضار سب کچھ زمانہ ہی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔زمانہ کی شکایت نہ کرو۔ یہ بھی قابلِ قدر چیز ہے۔عصر کے بعد پھر کوئی وقت نہیں ہوتا۔ جو ہم فرض نماز ادا کریں۔میرا یقین ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی غرض

ہے کہ اب قرآن شریف جیسی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا رسول جس کے جانشین ہمیشہ ہوتے رہیں گے اب دنیا میں نہ آئے گا۔ عصر سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانشینوں کا زمانہ ہے۔ اب اور کے لئے زمانہ نہیں رہا۔ یہاں تک کہ دنیا کا زمانہ ختم ہو۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔ جس طرح زمانہ گھاٹے میں ہے، اسی طرح انسان۔ ایک شخص مجھ سے کہنے لگا کہ زمانہ قدیم ہے۔ میں نے کہا جب تم ماں کے پیٹ اور باپ کے نطفہ میں تھے۔ وہ وقت اب ہے اور جب تم مرو گے۔ وہ زمانہ اب موجود ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا۔ ایک موجود ہے۔ وہ معدوم ہے۔ وہ موجود ہوگا۔ انسان کا جسم ایک برف کی تجارت ہے۔ اسی طرح زمانہ ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ گھاٹے میں تو سب ہیں۔ مگر ایک شخص مستثنیٰ ہے۔ وہ کون؟ ایماندار کہ اس کو گھاٹا نہیں۔ ایمان کیا ہے؟ غیب الغیب ذات پر ایمان رکھنا، اس کو مقدّس سمجھنا، اس کی نافرمانی سے ڈرنا اور یہ یقین کرنا کہ اگر ہم نافرمان ہوں تو اس پاک ذات کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ نماز پڑھنا اور سنوار کر پڑھنا، لغو سے بچنا، زکوٰۃ دینا، اپنی شرم گاہوں کو محفوظ کرنا، اپنی امانتوں اور عہود کا لحاظ کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک، صفات، افعال، اسماء۔ اس کے محامد اور اس کی عبادات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ ملائک کی نیک تحریک کو ماننا، انبیاء کی باتوں اور کتابوں کو ماننا۔ قرآن کریم تمام انبیاء کی پاک باتوں اور کتابوں کے مجموعہ کا خلاصہ ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البیّنۃ:۴) قرآن کریم سب کتابوں کا محافظ ہے۔ اس میں دلائل کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ اس کتاب (قرآن کریم) کو اپنا دستور العمل بنانا، اس کو پڑھنا، سمجھنا، اس پر عمل کرنا، خدائے تعالیٰ سے توفیق مانگنا کہ اس پر خاتمہ ہو، جزا و سزا پر یقین کرنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاتم کمالاتِ نبوت و رسالت اور خاتم کمالات انسانیہ یقین کرنا، دنیا میں جس قدر ہادی ان کے بعد اور آئیں گے، سب انہیں کے فیض سے آئے۔ ہمارے مسیحؑ آئے مگر غلام احمدؑ ہو کر آئے۔ وہ فرماتے ہیں:

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم گر کُفر ایں بود بخدا سخت کافرم [1]

---

[1] خدا تعالیٰ کی ذات کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں بہت بڑا کافر ہوں۔

یہ حضرت صاحب کا سچا دعویٰ ہے اور اسی پر عمل درآمد تھا۔ایک نکتہ بھی دینِ اسلام سے علیحدہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔تم خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرو۔اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرو۔مخلوق کا لفظ میں نے بولا ہے۔تم ایسے بنو کہ درختوں، پہاڑوں، جانوروں سب پر تمہارے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔مخلوقِ الٰہی پر شفقت کرو۔انسان پر جب تباہی آتی ہے۔تو اس کی وجہ سے سب پر تباہی نازل ہوتی ہے۔

ع از زنا رفتہ وباء اندر جہات [1]

جنابِ الٰہی نے جس طرح حکم دیا اس پر عمل کرو۔گھاٹ پر پاخانہ پھرنے سے، درختوں کے نیچے اور راستوں پر پاخانہ پھرنے سے ہماری شریعت نے منع فرمایا ہے۔ایمان کے ساتھ اعمال بھی نیک ہوں۔جس میں بگاڑ ہے وہ خدائے تعالیٰ کا پسندیدہ کام نہیں۔پھر ان سچے علوم کو میری زبان سے تم نے کچھ سنا ہے اپنے گزشتہ امام سے سنا ہے۔اور اس کی پاک تصانیف میں دیکھا ہے۔وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ پاک تعلیم یعنی حق کو دوسری جگہ پہنچاؤ۔بہت سے لوگ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔اور ہم سے محبت اور اخلاص چاہتے ہیں مگر ایمان کے حاصل کرنے اور ایمان کے مطابق سنوار کے کام کرنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے میں متامّل ہیں۔بہت سے لوگ یہاں بھی آئے ہیں اور مجھ سے ملے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ ہم سے بالکل مِل جائیں تو ہم آپ کے ہو جاتے ہیں۔میں نے کہا۔ہماری تعلیم پر عمل کرو گے؟ تو کہتے ہیں۔تعلیم تو ہماری آپ کی ایک ہی ہے۔میں نے کہا جبکہ تم ہماری تعلیم پر عمل کرنے سے جی چراتے ہو تو پھر ہم تم ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔یہ سن کر شرمندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔یہ سب کے سب منافق طبع لوگ ہوتے ہیں۔ایسے منافق بہت ہیں۔یہ سب ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔تم حق کو پہنچاؤ اور حق کے پہنچانے میں علم وحکمت اور عاقبت اندیشی سے کام لو۔جو عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتے۔وہ بعض اوقات ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں۔جن سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔کسی شخص نے مجھ کو خط لکھا کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ میں میرے لئے دُعا کرنا۔ایک احمدی نے سن کر کہا کہ مکہ مدینہ کا کیا کوئی الگ خدا ہے۔اس پر اس شخص کو بڑا ابتلاء پیش آیا۔اگر

[1] زنا سے تمام جہات میں وباء پھیلی۔

نرمی سے کہا جاتا تو نتیجہ خطرناک نہ ہوتا۔اس طرح کہ مکہ مدینہ بیشک قبولیتِ دعا کے مقام ہیں۔ پھر کہتا ہوں کہ خدا یہاں بھی ہے۔ وہاں بھی ہے۔تم دونوں جگہ دعا مانگو یعنی یہاں بھی دعا ضرور مانگو۔خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے خسر سے کہا تھا کہ میرے لئے عرفات میں دعا کرنا۔ میرے خسر کا بیٹا جوان کے ہمراہ حج میں موجود تھا۔اب موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے باپ نے عرفات میں دعا مانگی اور میں آمین آمین کہتا جاتا تھا۔

مگر انسان سے اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ان غلطیوں کے دور کرنے کے لئے مَیں نے کہا تھا کہ میں تین مہینہ میں قرآن شریف پڑھا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ پانچ سات آدمیوں کی ایک جماعت ہو۔ قرآن کے لئے بھی دعا مانگنی چاہیے اور متقی بننا چاہیے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۸۳) جو تقوٰی اختیار کرتا ہے۔اس کو خدا سکھاتا ہے۔قرآن پڑھو۔سیکھو۔اس کے علم میں ترقی کرو۔ اس پر عمل کرو۔قرآن سے تم کو محبت ہو۔وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔حق کے پہنچانے میں کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے دوسرے کو صبر سکھاؤ اور خود بھی صبر کرو۔ یہ سورۃ اگر تم نے سمجھ لی ہے تو دوسروں کو بھی سمجھاؤ اور برکت پر برکت حاصل کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔اس کے ملائکہ سے نبیوں اور رسولوں سے محبت کرو۔اور کسی کی بے ادبی نہ کرو۔تم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمت عطا کی ہے۔حضرت صاحب کا دنیا میں آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ تم اس طرح یہاں بیٹھے ہو۔ یہ انہیں دعاؤں کا نتیجہ ہے دعائیں بہت کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوسروں تک حق پہنچانے کے لئے توفیق دے۔ (بدر جلد ۱۲ نمبر ۳۱ تا ۳۳ مورخہ ۲۷ر فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳، ۴)

وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔عصر کے معنے مطلقاً وقت کے ہیں۔قسم کے طور پر وقت کو اس لئے یاد فرمایا کہ اس کی عظمت اس کا مفید ہونا انسان سوچے۔انسان کی عمر کا وقت برف کے تاجر کی طرح ہے کہ ہر لمحہ ہر دقیقہ معرضِ خُسران میں پڑا ہوا ہے جس نے چٹ پٹ اس سے فائدہ اٹھالیا۔ وہ مزے میں رہا۔عصر کے معنے نچوڑنے کے ہیں۔اس صورت میں وَ الْعَصْرِ کے یہ معنے ہیں کہ اسلام سارے ادیان کے حقائق و معارف کا نچوڑ ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ

یعنی جس کے دودن برابر رہے۔ اوراس نے کوئی ترقی نہ کی یا ان دودنوں میں کوئی کسبِ خیر نہ کیا وہ گھاٹے میں ہے۔ ابومزینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ جب دو صحابی بھی آپس میں ملاقات کرتے تو تذکیر کے طور پر یہ سورہ شریفہ ایک دوسرے کو سناتے۔ نماز عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی فرض نماز نہیں۔ سنت الطواف کے سوائے بھی کوئی نفل نماز نہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور شریعت نہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

ایمان اور عملِ صالحہ کے لئے بعض زمانہ بڑا ہی قابلِ قدر ہوتا ہے۔ قرآنِ شریف میں ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا۔[1] (الحدید:۱۱)

حدیث شریف میں اسی آیت کی تفسیر یوں ہے کہ سابقین اولین میں سے جو اصحاب پہلے پہل ایمان لائے اور انفاق فی سبیل اللہ ایک مٹھی بھر جَو کے ساتھ کیا۔ بعد میں ایمان لانے والے اور پہاڑ برابر سونا خرچ کرنیوالے ان اگلوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی[2] (الحدید:۱۱) اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب کو نیک وعدے دیئے ہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کی نسبت بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جوحق بات جانتا ہے اور بیان نہیں کرتا وہ گونگا شیطان ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایسے کو بروزِ قیامت آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ ایمان، اعمالِ صالحہ، وصیت بالحق اور وصیت بالصبر جو اسلام کا نچوڑ ہے۔ اس چھوٹی سی سورۃ میں بیان فرمادیا۔ اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم بطور تذکیر ملاقاتوں کے وقت ایک دوسرے کو سنا دیا کرتے۔ احباب بھی اس سنتِ صحابہ پر عمل کریں۔

۱؎ تم میں سے برابر نہیں ہوسکتا وہ شخص جس نے خرچ کیا مکہ کی فتح سے پہلے اور دین کے لئے لڑا (اس کے بعد کے خرچ کرنے والے اور لڑنے والے سے) یہی لوگ درجے میں بڑھے ہوئے ہیں ان سے جنہوں نے خرچ کیا فتح کے بعد اور لڑے۔ ۲؎ اور سب سے اللہ نے وعدہ فرمالیا ہے نیک حالی کا۔

گوش زدہ اثرے دارد۔[1] وصیت بالحق میں اتنا غلو نہ کرے کہ ھُمَزْ اور لُمَزْ تک نوبت پہنچ جاوے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۲)

فونوگراف اور حکیم الامت کا وعظ

حضرت حکیم الامت کا ایک مختصر وعظ سورہ والعصر پر فونوگراف میں بند کیا گیا تھا ناظرین کے فائدہ کے لئے لکھا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: ۱ تا ۴)

اس مختصر سی سورۂ شریف میں اللہ تعالیٰ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین نے محض اپنی رحمانیت سے کس قدر قرب کی راہیں اور آرام وعزت وترقی کی سچی تدابیر بتائی ہیں۔ اول یہ بتایا کہ کسی مرسل من اللہ کا زمانہ اور انسان کے کامل فہم اور تجارب صحیحہ کا وقت لوگوں کے لئے عصر تیسرا حصہ دن کا آخری وقت ہوتا ہے۔ جس طرح عصر کے بعد پہروں کا وقت ان نمازوں کے لئے نہیں رہتا جو ایمان والوں کے لئے معراج دعا اور قرب کا ذریعہ اور ہر ایک بے حیائی اور بغاوت سے روکنے کا سبب ہیں اسی طرح مرسل من اللہ کا زمانہ اور انسان کے فہم اور تجارب صحیحہ کے بعد اور کوئی وقت نہیں رہتا جس میں انسان اپنے گھاٹے کو پورا کر سکے اس لئے ہر ایک مرسل من اللہ کے زمانہ اور صحت عقل کے وقت کو لوگ غنیمت جان کر یہ کام کرلیں۔

اول۔ سچے اور صحیح علوم کو حاصل کریں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی، یکتائی، بے ہمتائی۔ غرض وحدہٗ لاشریک ذات کو مانیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں، اس کی تعظیمات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کریں۔ ملائکہ کی پاک تحریکات کو مان لیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں اور جزا سزا اور قیامت اور دیگر سچے علوم پر یقین کریں۔

دوم۔ ان سچے صحیح واقعی علوم کے مطابق سنوار کے کام کریں اور کرتے رہیں۔ کوئی کام اس کا نہ ہو

---

[1] کان پڑی بات اثر رکھتی ہے۔

جوسنوار اور اصلاح کے خلاف ہو۔

سوم۔ دوسروں کو آخری دم تک بتاکید حق بتاتے رہیں اور ہر دم کونفس واپسیں یقین کر کے بطور وصیت حق پہنچادیں۔

چہارم۔ ان سچائیوں صداقتوں پر عمل درآمد کرانے میں کوشش کریں کہ وہ دوسرے لوگ بھی بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر مضبوط رہنے میں استقلال کریں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸، مورخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲، صفحہ ۴)

میرے دوستوں نے مجھے کچھ وعظ کہنے کے لئے فرمائش کی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق دی ہے کہ تم لوگوں کو کچھ سنادوں۔ میں اترا ابھی اسی غرض سے ہوں کہ کوئی آدمی کوئی بات سن لے اور اللہ تعالیٰ نفع دے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:۱تا۴)

یہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے اور میں نے اسی نظارہ پر اس کو پڑھا ہے کہ اس میں عصر کا ذکر آتا ہے۔ یہ وقت عصر کا ہے اور دن کا آخری حصہ ہے اور میں اس سورہ شریف کو عصر کے وقت شروع کرتا ہوں۔ اس نظارہ نے مجھے ادھر ہی متوجہ کر دیا کہ شاید اتنے وقت میں پوری ہوجاوے جو سورج غروب ہو۔

عصر کے معنی: اس سورۃ کے ابتدا میں عصر کا لفظ آیا ہے۔ عصر مطلق زمانہ کا نام ہے۔ ہماری زبان میں بھی یہ لفظ ان معنوں پر بولا جاتا ہے۔ فلاں میرا ہمعصر ہے۔

اخبارنویس بھی یہ لفظ بولتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمارے عصر نے یہ لکھا ہے۔ غرض زمانہ کو بھی عصر کہتے ہیں۔ پھر عصر نچوڑنے کو کہتے ہیں۔ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا (یوسف:۳۷)

عصر اس حصہ کو کہتے ہیں جو ظہر کے بعد نماز کے لئے مقرر ہے۔ یہ وہی وقت ہے جس کی ابھی نماز پڑھی ہے۔ پس عصر کے تین معنی ہیں۔ زمانہ، نچوڑنا اور بعد ظہر نماز کا وقت۔

قسمہائے قرآنی کی حقیقت: قرآن کریم میں جہاں بڑے بڑے عجائبات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض سورتوں کے شروع میں اور بعض کے درمیان قسموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں نے قرآن مجید کی ان قسموں پر بڑا غور کیا ہے تو میں نے یہ پایا ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں معجزانہ رنگ رکھتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔عوام پھران سے بڑھ کر سمجھدار پھران سے بھی بڑھ کر حکومت پیشہ لوگ۔

عوام میں یہ بات مشہور ہے (اگرچہ اس زمانہ میں اس کے خلاف ثبوت موجود ہے) کہ قسم کھانا جھوٹوں کا کام ہے۔ پڑھے لکھے نوتعلیم یافتہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سویلزیشن کے خلاف ہے، بیہودہ امر ہے۔ بہت قسمیں کھانے والے کا اعتبار نہیں کرتے۔قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (القلم:۱۱)

مگر باوجود اس کے قرآن میں قسمیں موجود ہیں۔ میری سمجھ میں ان قسموں میں کچھ حصہ عوام کا ہے کچھ خواص کا اور کچھ حکام کا ہے۔

عرب میں اس جہالت کا دور دورہ تھا ان کا اعتقاد تھا کہ قسم ذلیل کر دیتی ہے۔ ان میں ایک ضرب المثل یا کہاوت تھی۔ کہاوت یا ضرب المثل ایک فقرہ ہوتا ہے جو بڑے تجربوں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وہ ضرب المثل جو عربوں میں قسم کے متعلق تھی یہ ہے۔ اِنَّ الْاَيْمَانَ تَدَعُ الْاَرْضَ بَلَاقِعَ۔ قسمیں ملک کو ویران کر دیتی ہیں اور قسمیں کھانے والے کی عزت نہیں رہتی۔اب قابل غور یہ امر ہے کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ قسمیں ذلیل کر دیتی ہیں اور ملک کو تباہ کر دیتی ہیں ان کے سامنے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قسمیں نکلوائیں اور اس طرح پر ان کے اپنے مسلمہ عقیدہ کے رو سے حجت پوری کی کہ عوام کے خیال کے موافق تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ذلیل اور ہلاک ہوجاتے مگر آپ روز افزوں ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ آپ کے اقبال سے شاہان وقت لرزہ کھا جاتے تھے۔ پس عوام کے لئے یہ معجزہ بلکہ آیت اللہ اور سلطان مبین ہے۔

حکام کے لئے بادشاہ وقت تک تخت پر بغیر قسم کے نہیں بیٹھ سکتا۔ وزراء، پارلیمنٹ کے ممبر قسم

---

[۱] اور تو کہا نہ مان ہر ایک بڑی جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل بے عقل کا۔

کے بغیر اپنے عہدہ پر متعین نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے عہدہ داران جیسے چیف کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج ہیں ان سے بھی قسم لی جاتی ہے۔ یہ شخصی بات سہی مگر ہماری فاتح قوم نے تو حد کر دی اس کے قانون میں یہ بات لازم ہے کہ مسیحی آدمی قسم کھائے اور باقی کے لئے اقرار صالح کافی ہے۔

غرض عوام کا وہ حال ہے اور حکام کا یہ۔ بیچ میں رہے فلاسفرز لوگ ان کے لئے قرآن کریم کی قسمیں عجائبات پر مبنی ہیں۔ سنن الٰہیہ یا لاز آف نیچر سے جب قرآن کریم استدلال کرتا ہے تو فلسفی کا دماغ بھی اس کے ماننے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم میں فلسفی مضمون ہوتا ہے جس کے ماننے میں عقلمند کو مضائقہ نہیں ہوتا اور یہ قسمیں بطور شواہد اور دلائل کے ہوتی ہیں۔ میں قرآن مجید سے ایک دو قسموں کے مقام تمہیں سناتا ہوں۔

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ـ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ـ وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰٓى ـ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ـ[1] (الّیل: ۲ تا ۵)

اس سورت کو بھی قسم سے شروع کیا ہے اور اس میں رات دن کے قدرتی مناظر اور ان کے مختلف نتائج اور عورت و مرد کے باہمی تفاوت اور پھر تعلقات اور نتائج کو بطور شاہد پیش کر کے مسئلہ جزائے اعمال کا ثبوت دیا ہے کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا کیا پتا ہے۔ نیکوں کو دکھ اور بدوں کو سکھ مل جاتے ہیں۔ اس مضمون کو ایک فقیر نے ادا کیا ہے اس کے معنی تو لطیف ہو سکتے ہیں مگر عوام نے اس سے اباحت اور جرأت سیکھی ہے۔

’’او تھے گھاڑ گھڑیندے ہور۔ پکڑن سادھ تے چھڈن چور لیکھا بے پروائیاں دا‘‘

یعنی دنیا اعتبار کے قابل نہیں ایسے مضامین کبھی لوگ غلط سمجھ لیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حقائق صحیحہ اور نتائج صحیحہ واقعی ہیں یا وہم ہیں۔

اس پر دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو مذہب کے پابند ہیں اور بعض مذہب کے پابند نہیں رہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مذہب کا بڑا پابند ظاہر کرتے ہیں اور اگر ذرا بھی بے ادبی

---

[1] رات کی قسم ہے جب کہ وہ چھا جائے اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اس ذات کی قسم ہے جس نے پیدا کیا مرد و عورت نر و مادہ کو۔ بے شک تمہارے کام الگ الگ ہیں۔

اپنے مقتدا کے خلاف دیکھیں تو جان تک خطرہ میں ڈال دیتے ہیں مگر عمل کچھ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عملی رنگ میں جزا وسزائے اعمال کے منکر ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں اس عقیدہ باطلہ کو رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ جیسے اسباب مہیا کرو گے ویسے ہی نتائج ہوں گے۔ اس دعویٰ کا ثبوت ایک قدرتی نظارہ سے دیا جاتا ہے۔ وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۔ رات کی طرف دیکھو اس کے صفات اور آثار الگ ہیں۔ جو باغ دن کو راحت بخش ہیں اور جن سے دن کو آکسیجن نکلتی ہے وہی باغات رات کو راحت بخش نہیں اور اب انہیں درختوں سے کاربن نکلتی ہے جو قاطع حیات ہے اور بچوں کے لئے تو وہ خوبصورت درخت رات کو ہوّے نظر آتے ہیں۔ دانا کہتے ہیں کہ درختوں سے رات کو کاربن نکلتی ہے۔ مذہب منع کرتا ہے کہ رات کو درختوں کے نیچے نہیں سونا چاہیے۔

دن کی تاثیریں اور عجائبات بالکل جدا ہیں۔ وہی درخت جو رات کو کاربن نکالتے تھے دن کو آکسیجن چھوڑتے ہیں اور ہندوؤں نے تو درختوں کے متعلق مذہبی قواعد بنا دیئے بہت دانائی اور عاقبت اندیشی کی۔ اس گرم ملک میں بڑ اور پیپل خدا کی نعمت ہے ان کی حفاظت ایسی نہ ہوتی جیسی اب مذہبی پیرائے میں ہو رہی ہے۔

غرض رات اور دن کے جدا جدا لوازمات ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ رات کو درختوں کے نیچے سویا کریں تو وہ نقصان اٹھائے گا۔ دن کو باغات کی سیر کرنے اور ان کے نیچے سونے کو پسند کیا جاتا ہے اور اس سے طبیعت میں خوشی پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی اتنا باریک علم نہ رکھتا ہو تو دن اور رات کے خواص اور تاثیرات پر فلسفی نظر نہ رکھتا ہو تو فرمایا۔ وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤى ۔

عورت و مرد کے مساوات والے پڑھیں:

عورت اور مرد کی بناوٹ پر غور کرو۔ دو جدا جدا ہستیاں ایک ہی نوع کی ہیں مگر ہر دو کے اعمال اور قدرتی فرائض جدا جدا ہیں۔

آج کل تھوڑی تعلیم کے لوگ مساوات کی بحث کرتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں۔ میں ایک مرتبہ کشمیر میں ایک دوست کے مکان پر بلا تکلف چلا گیا۔ وہاں ایک بڑا ڈاکٹر موجود تھا۔ ڈاکٹر سے مراد علم طب کا ماہر نہیں بلکہ عالم مراد ہے۔ اس نے عورتوں اور مردوں کے حقوق کی مساوات پر بحث

کی۔اس نے دومرتبہ کہا کہ عورت اور مرد باہم برابر ہیں۔تب میں نے اس کو مخاطب کیا اور پوچھا۔ آپ کا کوئی بیٹا ہے؟ پہلے تو اس نے مکروہ سمجھا کہ میں نے بدوں انٹروڈیوس اس سے خطاب کیا مگر جب اس نے دیکھا کہ صاحب مکان میری تکریم کرتا ہے تو اس نے جواب دینا پسند کیا اور بڑی خوشی سے کہا کہ ہاں! میں نے نہایت بے تکلفی سے اس کی چھاتی پر ہاتھ مار کر ٹٹولا اور کہا کہ اب تو آپ کی باری بچہ جننے کی ہوگی۔میری اس حرکت سے اس نے سمجھ لیا کہ یہ بڑی جرأت والا آدمی ہے اس لئے اس نے گھر والے سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔اس نے کہا کہ یہ آپ ہی کہہ دیں گے میری تو جرأت نہیں کہ بتاؤں۔پھر اس کو پتا لگ گیا۔میرے اس عملی اعتراض پر وہ بہت گھبرایا اور آخر اسے ماننا پڑا کہ عورت اور مرد باہم مساوی نہیں۔غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرد اور عورت کے خواص الگ ہیں اور ان کے فرائض جدا جدا۔اگر ان امور پر تم نظر کرو گے تو تمہیں صاف معلوم ہو جائے گا اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى۔

جب کام جدا جدا ہیں تو ان کے نتیجے بھی الگ الگ ہوں گے۔اسی طرح پر نیکی اور بدی میں تفاوت ہے۔نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد ہوگا۔اس کے مطابق اب مسئلہ سزا و جزا کا حل ہو گیا۔ اس طرح پر قرآن مجید کی قسمیں بڑے بڑے مسائل کا حل کرتی ہیں۔۳۵ مقامات پر قسمیں آئی ہیں اور وہ حقیقت مدعا کی مثبت ہیں۔

وَ الْعَصْرِ میں جو قسم ہے وہ بھی ایک امر کی مثبت ہے۔فرمایا عصر کو دیکھو۔انسان گھاٹیل حالت میں ہے۔ہر گھڑی جو اس پر آتی ہے وہ اس کو کچھ کم ہی کرتی ہے۔ماں کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ ایک دو سال کا ہوتا ہے تو لوگ مبارک باد دیتے ہیں کہ بچہ بڑا ہو گیا مگر غور کرو تو دو سال اس کی عمر سے کم ہو گئے اور دن بدن وہ گھٹتا جاتا ہے۔انسان گویا برف کا سوداگر ہے ہر لحظہ اس کو کم کر رہا ہے اسی طرح پر انسان کی عمر گھٹتی چلی جاتی ہے تو اب سوال ہوتا ہے کہ کیا اس کی تلافی کا بھی کوئی انتظام ہے خواہ عصر کے کچھ ہی معنے کرو۔یہاں بتایا ہے کہ اس کی تلافی کی صورت ہے وہ کیا؟

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:۴)

کچھ لوگ ہیں جو گھاٹے سے بچائے جاتے ہیں وہ کون ہیں جو مومن اور اعمال صالحہ کرنے والے ہیں۔اب اگر عصر کے معنی زمانہ کے کرو تو اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

کو عصر سے تشبیہ دی ہے کیونکہ پہلے تو ایک نبی آتا تھا اور شریعت لاتا تھا اور نئی راہیں خدا کی رضامندی کی ظاہر ہوتی تھیں مگر اب تو عصر کا وقت ہے پھر سورج غروب ہوگا۔ آپؐ جامع کمالات نبوت، جامع کمالات انسانیت اور خاتم کمالات نبوت اور خاتم کمالات انسانیہ تھے پھر عصر کے لفظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نچوڑنے سے مصفّٰی چیز الگ ہو جاتی ہے اور اس کا ردی حصہ تہ نشین ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لائے وہ خالص اور تمام صداقتوں کا نچوڑ ہے۔ دنیا میں کثرت سے انبیاء آئے ہیں۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔[۱] (المؤمن:۷۹)۔ پھر جو آئے ہیں تو کچھ معلوم نہیں کہ ان کی کتابیں محفوظ ہیں یا نہیں۔ پھر وہ کتابیں کمی بیشی، تغیر وتبدل سے پاک ہیں یا نہیں؟ غرض بیسیوں شبہات وارد ہوتے ہیں۔

پھر انسانی تاریخ کا پتا نہیں۔ عیسائی تو پانچ چھ ہزار برس سے پرے کچھ کرنے نہیں دیتے۔ حد سات ہزار برس بتاتے ہیں۔ آریوں نے ۴ ارب کے اندر خدا کی بادشاہی کو محدود کیا ہے۔ زرتشت کے اتباع نے مہاں سنکھ کے آگے سترہ صفر بڑھا دیئے ہیں۔ مگر ہمارے مولا کے خالق، مالک، حی، قیوم اور رازق ہونے کے لئے کسی وقت کی حد بست کرنا سخت جہالت ہے۔ اس لئے ہماری مقدس کتاب قرآن کریم نے کوئی تاریخ نہیں دی۔

پھر نچوڑنے کے معنوں کو مدنظر رکھ کر فرمایا۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ:۴) تمام صداقتوں کا مضمون قرآن مجید میں موجود ہے۔ کوئی صداقت اس پاک کتاب سے باہر نہیں۔ ہم نے مختلف رنگوں میں دنیا کے سامنے اس سوال کو پیش کیا ہے کہ تم کوئی صداقت بتاؤ جو قرآن کریم میں نہ ہو۔ اولاد، بیوی، والدین، اپنی قوم اور دوسری قوموں سے تعلقات اور خدا کے ساتھ تعلقات کی کوئی جامع کتاب بتاؤ۔ میری عمر بہت ہوگئی ہے اور مذاہب کی تحقیقات کا اتنا شوق رہا ہے کہ میں نے اپنے ہم جولیوں میں نہیں دیکھا۔ پھر مدد الٰہی ایسی پہنچی کہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کے خریدنے کے لئے اموال کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسا فضل کیا کہ وہ مجھے ایسے مخفی طور سے دیتا ہے کہ انسان کی طاقت نہیں کہ معلوم کر سکے۔ ان تمام اسباب سے میں نے اس صداقت کو ہمیشہ لانظیر پایا۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔

---

[۱] اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تجھ کو بیان کئے اور سنا دیئے اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات تجھ کو نہیں سنائے۔

غرض اس سورۃ وَ الْعَصْرِ میں تلافی کے چار قاعدے بتائے جن پر عمل کرنے سے انسان خسارہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اول۔ ایمان ہو۔ سچی باتوں کا علم ہو۔ عقائد صحیحہ ہوں۔

دوم۔ اس علم اور عقائد کے موافق اعمال صالحہ ہوں۔

سوم۔ وہ سچی باتیں اور عقائد صحیحہ، پاک تعلیمات جن پر ایمان لاتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ دوسروں کو پہنچائے اس کا نام وصیت الحق ہے۔

چہارم۔ چونکہ سچائی کے پھیلانے میں دشمن ضرور ہوں گے اس لئے اس کی مخالفت میں صبر و استقلال سے کام لے۔

یہ چار قاعدے ہیں جو شخص ان پر عمل کرے گا وہ خسارہ سے محفوظ رہے گا۔ اس نسخہ کو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اکابر اولیاو آئمہ نے استعمال کیا۔ اس زمانہ میں ہماری سرکار مرزا صاحب نے تجربہ کیا لیکن جب مسلمانوں نے اس نسخہ کو چھوڑنا شروع کیا اسی وقت سے ان پر زوال آنے لگا۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے ایسی جامع کتاب کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہاں ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے کتنے ہیں جو اس کو پڑھتے ہوں اور پھر اس کے مطلب کی تہ کو پہنچ کر عمل کرتے ہوں پھر اس کے حقائق پہنچاتے ہوں اور ان حقائق کے پہنچانے میں جو تکلیفات پیش آئیں صبر و استقلال سے اس کا مقابلہ کرتے ہوں؟

موجودہ حالت: چار قومیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک زمیندار ہیں جو صبح سے شام تک گویا مزدوری پیشہ ہیں۔ ان کو کون سا وقت ملتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو پڑھیں اور سمجھیں۔ پھر امراء ہیں انہوں نے اول تو نماز چھوڑ دی ہے اگر پڑھیں بھی تو انہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مشکل ہو رہا ہے۔ گھر میں موقع مل گیا تو پڑھ لی نہیں تو نہیں۔ ہاں ایسا دیکھا ہے کہ اگر کوئی افسر مال ہو اور وہ نماز پڑھنے لگے تو کم از کم ذیلدار پڑھ لیتا ہے وضو ہو یا نہ ہو۔ پھر علماء اور گدی نشینوں کے قبضہ قدرت میں بڑی مخلوق ہے۔ ان کا جو حال ہے اس کو دنیا خوب جانتی ہے۔ ایک چیز ان کے بغل میں ہے کفر کا فتویٰ یا عورتوں کے حلالے کرنا۔ اسی سے ان کا کام خوب چلتا ہے۔ رہی عزت وہ جو کچھ بھی ہے لوگ خوب جانتے ہیں۔ رہے گدی نشین۔ میں خدا کے فضل سے دونوں میں داخل ہوں۔

اللہ کا فضل دستگیری کرے تو بات بنتی ہے۔کوئی سات سو برس کی بات ہے۔ایک نازک خیال فہیم کہتا ہے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند[1]

بڑے داناؤں اوران کی مجلسوں کے پریسیڈنٹوں سے پوچھو مجھے تو بڑی حیرت ہے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ توبہ فرما آپ کیوں توبہ کم کرتے ہیں۔ساری کتاب میں اس سوال کا جواب نہیں دیا گیا وہاں ایک جگہ وہ چوٹ کر کے کہتا ہے۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند[2]

اس کو سخن شناس سمجھتے ہیں۔اب قرآن کریم کا پڑھنا اور پھر اس پر عمل کرنا اور پھر دوسروں کو پہنچانا اور بالمقابل جب لوگ فتویٰ دیں اور تو تیاں بجانے والوں کے مقابلہ میں صبر کرے تو گھاٹے میں نہیں رہتا۔

یہ بھی شہر ہے اور بہت بڑا شہر ہے۔بہت مخلوق اس میں ہے یہاں مسلمانوں کے کئی گروہ ہیں۔ایک گروہ غزنویوں کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ایک اہل فقہ کی جماعت ہے۔کچھ حصہ ثناء اللہ کے ساتھ ہے اور کچھ پیر کشمیر سے آجاتے ہیں۔ان میں باہم بغض وعناد اور دشمنی ہے اور قرآن مجید سے اس کا پتا لگتا ہے۔فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ (المائدۃ:۱۵) آپسی میں دشمنیاں تو ہم دیکھتے ہیں پھر شاید یہ بے ادبی ہو اگر ہم ان کو کہیں کہ تم نے قرآن چھوڑ دیا ہے مگر ہم کیا کریں ایسا کہنے پر ہم بھی مجبور ہیں۔کیونکہ قرآن مجید یہی فرماتا ہے اگر کوئی عداوت اور کینہ ہے تو صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ تمہیں **والعصر** سنا دوں۔خدا کے فضل اور توفیق سے میں نے سنا دی ہے البتہ میری یہ خواہش ہے اور زبردست خواہش ہے کہ جب مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں تو وہ اس کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں پھر وہ لوگوں کو پہنچائیں اور اگر مخالفت ہو تو

---

[1] میرا ایک سوال ہے مجلس کے سب سے ذہین شخص سے دوبارہ پوچھو کہ جو لوگ ہمیں توبہ کی نصیحت کرتے ہیں وہ خود کیوں کم توبہ کرتے ہیں۔ [2] یہ واعظ لوگ جو محراب اور منبر پر نصیحت کرتے ہیں جب بھی خلوت میں ہوتے ہیں تو ان وعظوں کے برعکس عمل کرتے ہیں۔

صبر واستقلال سے مقابلہ کریں۔اللہ تعالیٰ کی ہی توفیق سے یہ ہوسکتا ہے۔

مجھے کبھی بھی اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ سننے والے بہت آدمی ہیں یا تھوڑے وہ اعلیٰ طبقہ کے ہیں یا عوام ہیں۔خدا تعالیٰ نے میرے دل سے ان باتوں کو نکال دیا ہے۔ میں تو خدا کا کلام پہنچانا چاہتا ہوں خواہ کوئی ایک ہی سننے والا ہو۔یہ بھی یاد رکھو کہ جو بڑے آدمی ہیں وہ ہمارے ساتھ سردست تعلق نہیں رکھ سکتے ہاں وقت آجائے گا کہ بڑے بڑے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔

ہماری سرکار سے (حضرت مسیح موعودؑ) اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔مگر اس وقت یہ نہیں ہوسکتا کہ جارج پنجم قادیان میں آجاوے اور آکر مرید ہوجاوے کیونکہ اگر وہ آئے تو اس کے آنے سے پہلے سڑک، مکان، تارگھر وغیرہ سب کچھ فوراً تیار ہوجاوے اور جب وہ وہاں آکر یہ سوچے کہ میرے آنے سے قادیان والوں کو کیا فائدہ ہوا اور مجھ کو قادیان سے کیا فائدہ ہوا؟ تو یہی کہے گا کہ ان غریبوں کے پاس پہلے ہی کیا تھا۔میری وجہ سے ان کو یہ فائدہ پہنچا، وہ نفع ہوا وہ اس پاک صحبت کی قدر نہیں کرسکتا۔پس یہی حال بڑے آدمیوں کا ہوتا ہے۔ اس لئے سنت اللہ اسی طرح پر چلی آتی ہے کہ جب کوئی مامور و مرسل دنیا میں آتا ہے تو اولاً اس کو غریب اور ضعیف لوگ قبول کرتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا [1] (الانعام:۱۲۴) اکابر ماموروں کے ساتھ نہیں ہوئے۔غریب اور مسکین ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔پھر ان چھوٹوں کو ان سے نفع پہنچتے ہیں۔

میں بھی ایک نمونہ ہوں۔میرا گھر جہاں تھا میرے اب وہ وہم وگمان میں بھی نہیں آتا۔میری ماں اعوان قوم کی ایک زمیندارنی تھی۔اپنی قوم میں وہ اکیلی پڑھی ہوئی تھی اور کوئی مرد یا عورت پڑھے ہوئے نہیں تھے۔قرآن مجید سے اس کو بہت محبت تھی اور ہمیشہ قرآن پڑھایا کرتی تھی۔خدا تعالیٰ نے میری غذا بھی کلام پاک ہی بنائی ہے میں ہمیشہ اس کو سنا کر جیتا ہوں۔

میرا باپ ایک غریب اور مسکین آدمی تھا۔اپنی ضرورت کے موافق تجارت کر لیتا تھا۔میں اپنا

---

[1] اسی طرح ہم نے پیدا کئے ہر بستی میں جنابِ الٰہی سے قطع تعلق کرنے والے سردار گناہ گاروں کے۔

حال جانتا ہوں اور میں خوب سمجھ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب کی صحبت میں مَیں نے کیا پایا۔ میں نے وہ کچھ پایا جو اہل دنیا اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ مرزا نے مجھے کتنا بڑا آدمی بنادیا۔ جارج کی سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آسکتی۔ اس لئے ارادہ الٰہی اسی طرح ہوتا ہے کہ وہ غرباء کو ماموروں کی صحبت میں بھیج دیتا ہے اور اکابران فیوض سے محروم رہ جاتے ہیں۔

عبداللہ ابی بن سلول اور ابوجہل بڑے آدمی تھے وہ اگر مسلمان ہوجاتے تو پھر اپنی ہی خوبی جتاتے۔ اسلام کے احسان اور فضل کو کبھی تسلیم نہ کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے غرباء کو ساتھ کردیا اور وہی غرباء آخر مقوقس اور ہرقل کے مقابلے میں آئے اور دنیا کے فاتح کہلائے۔ میرے تو دل میں کبھی آتا ہی نہیں کہ امیر کیوں الٰہی سلسلوں میں نہیں آتے۔ پس میں تمہیں اللہ ہی کے سپرد کرتا ہوں۔

(الحکم جلد ۱۶ نمبر ۲۸، ۲۹ مورخہ ۱۴، ۲۱ /اگست ۱۹۱۲ء۔ صفحہ ۱ تا ۴)

وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ الی الآخر۔

قرآن کریم سے بڑھ کر دنیا کے لئے کوئی نور، شفا، رحمت، فضل اور ہدایت نہیں ہے اور قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مجموعہ سچی باتوں کا نہیں ہے۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے۔ اَصْدَقُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ۔ اس قرآن کی ایک مختصر سی سورۃ میں اس جمعہ میں سنانے کو کھڑا ہوا ہوں۔ ذرا سی سورت ہے ایک سطر میں تمام ہوگئی ہے۔ لیکن اگر اسی ذرا سی سورۃ کو انسان اپنا دستور العمل بنالے تو کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہ جاتی۔ اس سورۃ کو مولیٰ کریم نے عصر کے لفظ سے شروع فرمایا ہے۔ انسان کے واسطے دن معاش کا ذریعہ اور رات آرام کا وقت بنایا ہے اور فرمایا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا[1] (النبا: ۱۲) سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ بُكُوْرِهَا[2] (ترمذی کتاب البیوع) فرمایا۔ کس قسم کا معاش؟ دنیوی معاش، اخروی معاش کے لئے یہ جگہ ہے۔ اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔[3] جیسا بیج بوؤ گے انجام کار ویسا پھل پاؤ گے۔ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ جَو کے بونے والے کو آخر جَو کاٹنے پڑیں گے۔ اس دن میں آخری حصہ کا نام عصر ہوتا ہے۔ عصر کے بعد کوئی وقت فرضی نماز کے ذریعہ رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے باقی نہیں رہتا۔ دن کی نمازوں کی انتہا عصر

۱؎ اور دن کو روزی کمانے کا وقت۔ ۲؎ اللہ نے ان کی صبحوں میں برکت ڈال دی۔ ۳؎ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

کی نماز ہے جو عصر کی نماز ترک کرتا ہے اسے اب دن نہیں ملتا۔ اسی طرح جس کو عصر کے وقت تک مزدوری نہیں ملی اب اس کا دن ضائع گیا اور اسے مزدوری نہیں مل سکتی۔

اسی طرح پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا زمانہ عصر کا زمانہ ہے۔ ایک حدیث میں تصریح آئی ہے کہ بعض قومیں صبح سے دوپہر تک مزدور بنائے گئے ہیں اور بعض دوپہر سے عصر تک مزدور بنائے گئے اور ایک قوم عصر سے غروب آفتاب تک ٹھیکہ دار ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا زمانہ عصر سے مناسبت رکھتا ہے۔ جیسے قرآن کریم کے بعد اور کوئی کتاب نہیں اور شرائع الٰہیہ کے بعد اور شرع نہیں۔ عصر کے بعد کسی نماز کا وقت نہیں۔ پس اس عصر کی نماز کے لئے بہت تاکیدیں فرمائی ہیں۔ جو عصر کی نماز چھوڑتا ہے اس کا اہل و مال کاٹا گیا۔ اسی نماز کے لئے فرمایا کہ یہ نماز منافق کی تمیز کا نشان ہے جو سورج کے غروب کے وقت چار ایک چونچیں سی لگا دیتا ہے۔ امت محمدیہ میں آنے والے لوگوں کے لئے بھی عصر کا نمونہ ہے۔ ہم کھلے طور پر مدلل مبرہن دکھا سکتے ہیں۔ حجت ملزمہ کی طرح یقین دلانے کو تیار ہیں اگر فطرت سلیم ہو۔ یہ حقیقی وقت ہے کہ کوئی کاسر صلیب مامور ہونے والا ہو۔ پس یہ عصر کا وقت ہے اس کو غنیمت جانو۔ جب سایہ زرد ہوتا ہے اور آفتاب غروب ہونے کو ہوتا ہے مفید وقت جاتا رہتا ہے اسی وقت منافق کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ ایسا ہی جو قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام نہ ہوئی وہ آخر خلفاء کے زمانہ میں مسلمان تو ہوئے مگر وہ عزت اور شوکت ان کی نہ رہی۔ رعب کے نیچے آکر کثرت کو دیکھ کر بہت سے لوگ ایک جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں مگر ابتلا کے وقت مخلص ہی شامل ہوتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن، ساحر، مفتری، مجنون کہا جاتا تھا اس وقت جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آکر ملے اور آپ کی دعوت کو قبول کیا ان کے ساتھ پیچھے آنے والے کب مل سکتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی سابقین کے ایک مٹھی جَو کے برابر قدر نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ سر عظیم تھا جس کو پہنچ کر صحابہ نے ابو بکر صدیق کو حضور علیہ السلام کا جانشین بنایا۔ غار ثور میں جب آپ تشریف رکھتے تھے اس تیرہ و تار غار میں ساتھ جانے والا جو کچھ لے گیا ہے وہ دوسروں

کو نصیب نہیں ہے۔غرض عصر کے وقت کو غنیمت سمجھو۔

اس عصر کے وقت میں کیا کر سکتے ہو؟ چار کاموں کے لئے ارشاد فرمایا۔ وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ساری مخلوق گھاٹے میں ہے۔انسان گویا برف کا تاجر ہے۔ برف پر ایک وقت آئے گا کہ ساری پگھل جائے گی اس لئے برف کے تاجر کو لازم ہے کہ بہت ہی احتیاط کرے۔انسان بھی اگر غور کرے تو عمر کے لحاظ سے اس کو برف کا کارخانہ ملا ہے۔ایک بچہ کی ماں اپنے بیٹے کو چار برس کا دیکھ کر خوش ہو رہی ہے لیکن حقیقت میں اس کی عمر میں سے چار برس کم ہو چکے ہیں۔پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر دم بدم گزرتی اور برف کی طرح پگھلتی جاتی ہے اور اس وقت کا علم نہیں جب یہ تمام ہو۔اس لئے انسان کو لازم ہے کہ اپنے وقت کی قدر کرے اور عمر کو غنیمت سمجھے اور اس تھوڑے سے دنوں میں جو اس کو مل گئے ہیں مولا کریم سے ایسا معاملہ کرے کہ ان کے گزرنے پر اس کو عظیم الشان آرام گاہ حاصل ہو۔بڑے بدبخت ہیں وہ جو اپنے بیوی بچے کے آرام کے لئے دین برباد کرتے ہیں۔یاد رکھیں کہ مال، اسباب، عزیزوں، رشتہ داروں سے برخوردار ہونا اور فائدہ اٹھانا محض مولیٰ کریم کے فضل پر منحصر ہے۔

اس سورہ شریفہ میں فرمایا کہ سب انسان گھاٹے میں پڑ رہے ہیں مگر ایک قوم نہیں۔وہ کون؟ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ چار باتوں کو دستور العمل بنا لے تو اس عصر کے وقت سارے دن کی مزدوریوں سے زیادہ مزدوری مل جاوے۔حدیث میں لکھا ہے کہ صبح سے شام تک مزدور کے لئے ایک دینار ہے۔پس صبح والے مزدوروں نے دوپہر تک کام کیا اور چھوڑ بیٹھے، پھر اور مزدوروں نے دوپہر سے عصر تک کام کیا اور پھر کام کو ترک کر دیا۔مگر تیسری اور جماعت مزدوروں کی آئی جنہوں نے عصر سے کام کو شروع کیا آخر دن تک ،تو ان کے لئے دو دینار مزدوری ملی۔مگر قرآن شریف سے یہ ملتا ہے کہ جب ایک مومن عمل کرتا ہے تو اس کو دس گناہ بڑھ کر اجر ملتا ہے۔غرض وہ چار باتیں کیا ہیں جن کا اس سورہ میں ذکر ہے؟

ان میں اول اور مقدم ایمان ہے۔یہ عظیم الشان چیز ہے۔بدوں اس کے کوئی عمل مقبول ہی نہیں ہوتا۔ہر ایک عمل میں ضروری ہے کہ ایمان، اخلاص اور صواب ہو۔یہ پتا لگانا کہ کس درجہ کا

مومن ہے، آسان نہیں۔ایک دراز تجربہ کے بعد معلوم ہوسکتا ہے۔شادی غمی کا موقع آتا ہے۔ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے اور دوسری طرف برادری کا قانون اور قومی محرکات۔اب اگر اللہ تعالیٰ کی حکومت سے نہیں نکلتا اور قومی اور برادری کے اصولوں کی پرواہ نہیں کرتا تو بیشک مخلص مومن ہے۔ایک طرف نفس کا فیصلہ ہو، دوسری طرف قوم کا فیصلہ اور تیسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ۔اب اگر اپنے اور قوم کے فیصلہ کی کچھ پرواہ نہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے نیچے گردن رکھ دیتا ہے تو یقیناً مومن ہے۔

میں دیکھتا ہوں شادیاں ہوتی ہیں تو بڑی قوم کی تلاش ہوتی ہے۔تقویٰ کی تلاش نہیں کی جاتی!!! بدمعاش، آوارہ مزاج، شریر ہو، کچھ پروا نہیں مگر ہڈی پسلی اور خون کسی بڑی قوم کا ہو۔افسوس! صد افسوس!! پھر شادی کی دعوتوں میں مسکینوں کو دھکے دے کر باہر نکالا جاتا ہے لیکن شریرالنفس اور بے حیا لوگوں کو بلا بلا کر بٹھایا جاتا ہے۔جن لوگوں کے اموال کا تلف کرنا غضب الٰہی کا موجب ہے نہایت بیباکی اور شوخی کے ساتھ اس کو تباہ کیا جاتا ہے۔دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانے میں بیباک ہیں۔مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوکر احکام الٰہی کو سنتے ہیں۔مگر اپنی جماعت یا سوسائٹی کے کسی معمول بہ عمل کے خلاف دیکھ کر اس کے لینے میں مضائقہ کرتے ہیں۔میرا تو یقین ہے کہ یہ لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتے تو آپ کی باتوں کے ماننے میں اسی طرح مضائقہ کرتے جیسا آج امام کی اتباع سے مضائقہ کرتے ہیں۔

غرض ایمان موقوف ہے خدا کی ذات میں، اسماء میں، یاد میں۔عظمت و جبروت میں دوسرے کو شریک نہ کرے خواہ فرشتہ ہو یا رسول ہو، نبی ہو یا ولی ہو۔کیسا افسوس آتا ہے کہ موحد لوگ توحید کا اقرار کرکے پھر مسیح کو خَالِقٌ کَخَلْقِ اللّٰہِ اور مُحْيِيْ کَاِحْیَآءِ اللّٰہِ مانتے ہیں!!! کیا یہی توحید ہے۔اور یہ کہنا کہ خدا کے اذن سے کرتے تھے ایک دھوکا ہے۔اگر کوئی کام اذن الٰہی سے بھی کیا جاوے تو کیا وہ خدا کی طرح کا کام ہو جاتا اور کرنے والے کو خدا کا شریک بنا دیتا ہے...... خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ایک شخص امام علیہ السلام کے پاس آیا۔جب اس سے پوچھا گیا کہ مسیح اور خدا تعالیٰ کی چمگادڑوں میں کچھ فرق بھی ہے تو اس نے کہا کہ رل مل گئے ہیں۔آہ!

ایمان کی پہلی شرط ہے ایمان باللہ کہ کسی حمد، فعل، عبادت، حسن و احسان الٰہی میں کسی غیر کو شریک نہ کرے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب آیا کرتا ہے جو اپنی محرومیّت کے باعث خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے سے محروم ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ الہام حجت نہیں ہے وہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [1] (التغابن:۱۳) کے کیا معنے کرتے ہیں۔ قرآن کریم تو ہمیں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ کا موقع ہی کب ملتا ہے۔ رسول کے ذریعہ ماننا اس کے بھی بعد ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدر کرو ایسا نہ ہو کہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ (الانعام:۹۲) کے نیچے آ جاؤ۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہا پھر کیا وجہ ہے کہ وہ آج چپ ہو گیا؟ مجھے اس آیت پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب قوم نے بچھڑہ کو خدا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دلیل دی ہے کہ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ:۹۰) یعنی تم دیکھتے ہو کہ تمہاری بات کا جواب نہیں دیتا یہ تفہیم ہوئی کہ جو خدا جواب نہ دے وہ بچھڑہ کا سا خدا ہوا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ سارے جگ سے بات کرنا کبھی نہیں ہوا۔ انسان اپنے اندر وہ خوبیاں اور خواص پیدا کرے جو کلام الٰہی کے لئے ضروری ہیں پھر جواب ملے گا۔

دوسری شرط ایمان کی اخلاص ہے یعنی خدا ہی کے لئے ہو۔ اور تیسری شرط صواب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق عملدرآمد ہو۔ کوئی عمل قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتا جب تک اخلاص اور صواب سے نہ ہو۔

پھر ایمان بالملائکہ ہے۔ ایمان بالملائکہ ایسی چیز ہے جس کی طرف سے تساہل کر کے لوگ نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ آج کل کے لوگ سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ بدوں سبب کے فعل سرزد نہیں ہوتا۔ پس بیٹھے بیٹھے جو انسان کو دفعتاً نیکی کا خیال آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک لمۃ الملک انسان کے ساتھ ہے۔ اس کے ذریعہ نیک خیال پیدا ہوتے ہیں اور شیطانی تعلقات سے برے خیالات اٹھتے ہیں پس انسان کو لازم ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر فی الفور نیکی کرے۔ ایسا نہ ہو يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ [2] (الانفال:۲۵) کا مصداق ہو جاوے۔ ایمان بالملائکہ کا یہی فائدہ ہے کہ نیکی سے تغافل نہ کرے۔ پھر اللہ کی کتابوں، اس کے رسولوں پر ایمان لاوے۔

---

[1] اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ [2] اللہ آڑے آ جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔اس کو دستورالعمل بناوے۔افسوس ہے کہ مسلمان اس کو کتاب اللہ جان کر بھی دستورالعمل بنانے میں مضائقہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں اَلسُّنَّۃُ قَاضِیَۃٌ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ[1] کا فتوی دیتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قرآن کو کس ادب اور عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ساری حدیث کی کتابیں دیکھو۔جن مسائل پر قرآن کریم نے مفصل بحث فرمائی ہے مثلاً ہستی باری تعالیٰ،ضرورت نبوت،مسئلہ تقدیر وغیرہ،ان پر احادیث میں بحث نہیں کی گئی اور نہ ان کے دلائل دیئے۔پھر تقدیر کے مسئلہ پر ایمان لاوے کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ فاسق کو عمدہ نتیجہ ملے۔پھر جزا وسزا پر ایمان لاوے۔اس کے بعد دوسری بات عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔اس کا عام اصول ہے کہ ہر سنوار کا کام کرے اور اس کے معلوم کرنے کے واسطے قرآن کریم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد معیار رہے۔پھر انسان سوچ لے کہ امت محمدیہ کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّۃٍ[2] (اٰل عمران:۱۱۱) قرار دیا ہے۔پس جس سے آٹھ پہر میں کوئی بھلائی بھی نہ ہو وہ اپنی حالت پر غور کرے۔ایسی ہی وصیت الحق ضروری ہے۔گونگا شیطان بننا اچھا نہیں۔مقابلہ میں مشکلات پیش آتی ہیں۔پھر کوشش کرے اور صبر واستقلال سے کام لے۔یہ ہیں چار دستورالعمل جو اس مختصر سی سورت میں بیان ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ قرآن ہمارا دستورالعمل ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطاع ہو اور وہ یہ زمانہ جو امن اور ایمان کے لئے ہے اس کی قدر کریں۔آمین۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶؍اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۴ تا ۷)



[1] سنت، کتاب اللہ پر قاضی ہے۔

[2] تم نیک ترین امت ہو۔

سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اس بابرکت اللہ کے نام کی مدد سے پڑھتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔

۲۔ وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ۔

ترجمہ۔ ہر ایک عیب چین غیبت کرنے والے پر افسوس ہے۔

تفسیر۔ ھُمَزَۃ میں ۃ مبالغہ کے واسطے ہے۔ جیسے عَلَّامٌ عَلَّامَۃٌ۔ ھَمْزٌ کے معنے توڑنے کے ہیں اور لَمْزٌ کے معنے طعنہ مارنے کے ہیں۔ ھَمَزَہ۔ لَمَزَہ کے معنے لوگوں کی آبروؤں، عزّتوں میں طعن و تشنیع کے ذریعہ شکستگی پیدا کرنے کے ہیں۔ ھَامِز وہ شخص ہے جو روبرو بدگوئی کرے یا آنکھ اور ابرو وغیرہ کے اشارات سے کسی کی تحقیر کرے۔ اور لَامِز جو پسِ پشت کسی کی بدگوئی کرے۔ کُلّ کا لفظ جامع ہے۔ ہر قسم کے ھامزین و لامزین پر۔ کسے باشد مسلم ہو یا کافر۔ انبیاء کے اخلاق میں کبھی یہ ضعف پایا نہیں جاتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

۳۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ۔

ترجمہ۔ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔

تفسیر۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ مال کے جمع کرنے کی حرص کو ہر قسم کے گناہ سے شدید مناسبت ہے۔ منجملہ ان کے ایک ھمّازی اور لمّازی بھی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

۶۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَۃُ۔

ترجمہ۔ اور تو کیا سمجھا کہ حُطَمَہ کیا چیز ہے۔

تفسیر۔ حَطْمَ کے لغوی معنی بھی توڑنے ہی کے ہیں۔ زراعت کا غلّہ جو چُورنے کے لئے جانوروں کے پیروں سے روندا یا جاتا ہے۔ وہ حُطام کہلاتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ لَوْ نَشَآءُ

لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا[1] (الواقعہ:٦٦)ھُمَزَ اور لُمَزَ کی جزا میں بھی سزا بالمثل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم کے طبقہ کا نام حُطَمَۃ بیان فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

۸ تا ۱۰۔ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ۔ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَۃٌ۔ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ۔

ترجمہ۔ جو دلوں پر بھڑکتی ہے۔ بے شک وہ ان پر بند کی جائے گی۔ لمبے لمبے ستون کے گھروں میں (یا ستونوں کی شکل میں)۔

تفسیر۔ جو شخص مال کے جمع کرنے کی فکروں میں چُور رہتا ہے۔اس کے دِل پر ذرا ذرا سے نقصان کے وقت آگ کی لپٹ کی طرح صدمات شعلہ زن ہوتے رہتے ہیں۔اسی دنیا میں ایسا شخص زندہ درآتش ہوتا ہے۔اس دل کی کیفیت کے اعتبار سے آگ کی لپٹ کی نسبت دل کی طرف کی۔

آیت نمبر ۹ میں مُؤْصَدَۃٌ کے لفظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی راحتوں اور آرام کے دروازے بھی باوجود مال و دولت کے ہونے کے ان لوگوں پر بند ہوتے ہیں۔

فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ لمبی لمبی امیدوں میں مبتلا ہو کر اس عذاب کا مزہ دنیا میں بھی چکھتے رہتے ہیں۔ اور یہی عذاب آگ کا دنیا سے وہ آخرت میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

اس سورہ شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں اور نکتہ چینوں کو جو مکّہ میں تھے آگاہ کیا ہے کہ ایک وقت آتا ہے کہ تمہارے یہ مال و منال جو تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کے لئے جمع کئے ہوئے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے پاس ہمیشہ رہیں گے اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔کام نہ آئیں گے اور تم ہلاک ہو کر خطرناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔اور عام طور پر دوسروں کی حقارت۔نکتہ چینی اور عیب بینی سے منع کیا کہ بالآخر یہ خصالِ بد انسان کو ہلاکت کے کنویں میں گرا دیتی ہیں۔مخالفین مکّہ آخر اس پیشگوئی کے موافق مبتلائے عذاب ہوئے اور ان کے اموال کام نہ آئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

---

[1] اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اس کو چورا چور۔

سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم سورۂ فیل کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اللہ رحمٰن و رحیم کے نام کی مدد سے۔

۲۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ۔

ترجمہ۔ تجھے نہیں معلوم کیا برتاؤ کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ (تو کیا تیری طرف سے کچھ ان دشمنوں کو نہ ہٹائے گا ایسا تو ہوگا نہیں)۔

تفسیر۔ اَلَمْ تَرَ کے معنی اَلَمْ تَعْلَمْ کے ہیں۔ کیونکہ اصحٰب فیل کا واقعہ متواتر بیان سے ایسا معتبر و مشہور تھا کہ رؤیت اور علم کا حکم رکھتا تھا۔ جس سال اصحاب فیل تباہ ہوئے۔ اسی سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپؐ کی ولادت ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔

آپؐ کی ولادت باسعادت کے لئے اصحاب الفیل کا واقعہ بطور توطیہ وتمہید کے تھا۔ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ فرما کر ربوبیت کے لفظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی فرمائی کہ آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی جبکہ آپؐ کے رب نے آپ کی خاطر اس قسم کی صیانت کی ہے کہ ایک بادشاہ کے زبردست لشکر کو ہلاک کر دیا۔ تو کیا وہ ربوبیت جبکہ آپ پیدا ہو چکے ہیں تو آپ سے اب الگ ہو سکتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

عباسیوں کی سلطنت تھی۔ ایک دفعہ محمود غزنوی سے ان کی کچھ رنجش ہوگئی۔ محمود غزنوی نے اس خلیفہ کو لکھا کہ میں ہندوستان کا فاتح ہوں اور میرے پاس اتنے ہاتھی ہیں۔ خلیفہ نے اس کے جواب میں اَلَمْ اَلَمْ نہایت خوبصورت لکھوا کر بھیج دیا۔ محمود کے دربار میں تو سب فارسی دان ہی تھے۔ چنانچہ اس زمانہ کی یادگار صرف ''شاہ نامہ'' ہی باقی ہے۔ وہ تو کچھ سمجھے نہیں۔ آخر محمود نے کہا کہ خلیفہ نے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ یاد دلائی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ہاتھی

ہیں تو ہمارا وہ رب ہے جو اصحاب فیل کو ہلاک کر چکا ہے۔ بہت ڈر گیا اور معذرت کی جس پر تعلقات درست ہو گئے۔مگر پھر بغداد کا حال ہمیں معلوم ہے۔وہ محمود غزنوی جو خلیفہ کے اَلَمۡ اَلَم سے ڈر گیا تھا۔ اسی پایۂ تخت کو ہلاکو اور چنگیز نے تباہ کر دیا۔ایک ہزار شخص جن پر سلطنت کے متعلق دعویٰ کا گمان تھا ان سب کو دیوار میں چن دیا۔وہ بی بی جس کا نام نسیم السحر رکھا تھا ایک گلی میں اس حالت میں دیکھی گئی کہ کتے اس کا لہو چاٹ رہے تھے۔

اور پھر میری آنکھوں کے سامنے بخارا، سمرقند، دہلی، لکھنؤ اور طرابلس کی سلطنتیں مٹ گئیں۔ دہلی کے شہزادوں میں سے ایک کو میں نے جموں میں ستار بجاتے میراسیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۷ مورخہ ۸؍اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

سورۃ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدر اور مرتبہ ظاہر کیا ہے۔ یہ سورۃ اس حالت کی ہے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مصائب اور دکھ اٹھا رہے تھے۔اللہ تعالیٰ اس حالت میں آپ کو تسلی دیتا ہے کہ میں تیرا مؤید و ناصر ہوں۔

اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا کیا یعنی ان کو اپنے منصوبہ اور تجویز میں نامراد رکھا اور ان کا مکر اٹھا کر ان پر ہی دے مارا۔ اور چھوٹے چھوٹے جانور ان کے مارنے کے لئے بھیج دیئے ان جانوروں کے ہاتھوں کوئی بندوقیں نہ تھیں بلکہ مٹی تھی ۔ سِجِّیۡل بھیگی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں ۔اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خانہ کعبہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح پر اصحاب الفیل کے حملہ سے بیت اللہ محفوظ رہا اسی طرح پر تو ان مشرکین اور مخالفین سے محفوظ رہے گا اور تیری کامیابی یقینی ہے تو منصور اور مؤید ہوگا۔یعنی آپ کی ساری کارروائیوں کو برباد کرنے کے لئے جو سامان آپ کے مخالفین کر رہے ہیں اور جو تدابیر عمل میں لاتے ہیں ان کے تباہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان کی ہی تدبیروں اور کوششوں کو اٹھا کر انہیں ہلاک کر دے گا اور تیری ضعیف اور کمزور جماعت ان پر غالب رہے گی۔ جیسے ہاتھی والوں کو ابابیلوں نے تباہ کر دیا۔ (الحکم جلد ۱۴ نمبر ۱۰ مورخہ ۲۱؍مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۳)

۳۔ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ۔

ترجمہ۔ کیا (ان کو حملہ سے قبل ہلاک کر کے) ان کے منصوبہ کو باطل نہیں کر دیا۔

تفسیر۔ تَضۡلِیۡلٍ کے معنے تدبیر کے اکارت ہونے کے ہیں۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ [۱] (محمدؐ: ۲) سورۃ محمدؐ کی اس آیت اور آیت بالا دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ رستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

۴۔ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ۔

ترجمہ۔ اور ان پر جُھنڈ کے جُھنڈ پرندوں کے بھیجے۔

تفسیر۔ ابابیل۔ ڈاروں کے ڈار (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

ابابیل کے معنے جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ لفظ جمع ہے۔ واحد اس کا نہیں ہوتا بعضوں نے اِبَّوۡل اِبۡیَال اور ابّالہ اس کا واحد قرار دیا ہے۔ غرضیکہ ابابیل کے معنے پَرے باندھ کر قطار در قطار آنے والے جانوروں کے ہیں۔ عرب کہا کرتے ہیں جَاءَتِ الۡخَیۡلُ اَبَابِیۡلَ مِنۡ ھٰھُنَا وَ مِنۡ ھٰھُنَا یعنی گھوڑوں کا لشکر قطار باندھ کر اس طرف سے اور اُس طرف سے آ پہنچا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ رستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

۵۔ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ۔

ترجمہ۔ جو ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے۔

تفسیر۔ سِجِّیۡلٍ کے معنے سخت کنکری کے ہیں۔ سنگ اور گِل سے اس لفظ کو مرکب جنہوں نے کہا ہے غلطی کی ہے۔ عربی جیسے وسیع اور بامعنی زبان کو اس طور پر مرکب کرنے کی کیا ضرورت جس مقام پر یہ لشکر ہلاک ہوا۔ وہ مزدلفہ اور منٰی کے درمیان کی جگہ ہے۔ اب بھی حاجی لوگ رمی جمار کے لئے اسی میدان سے کنکریاں چن کر ساتھ لے آتے اور ان سے رمی جمار کرتے ہیں۔ غالباً علاج فاسد بافسد اس کا مطلب ہو۔ سِجِّیۡلٍ اِسۡجَالٌ سے مشتق ہے۔ اِسۡجَال اور اِرۡسَال ایک معنی ہیں۔ بعضوں کی تحقیق ہے کہ جن کفار پر وہ کنکریاں گرتی تھیں۔ ان کو چیچک نکل آتی تھی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ رستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

---

[۱] ان کے اعمال اکارت گئے۔

تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ ۔شکاری جانوروں کی عادت ہے کہ وہ گوشت کو پتھر پر مار کر کھاتے ہیں ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ ۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

۶۔ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ۔

ترجمہ۔ توان کو ایسا کر ڈالا جیسے چبایا ہوا بھوسا۔

تفسیر۔ عَصۡفٍ مَاۡکُوۡلٍ کے معنے خوید پس خوردہ کے ہیں۔ چڑیاں ان کی لاشوں کو نوچ کر لے جاتیں اور پہاڑوں میں کھاتیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ ؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۳)

دھرم پال آریہ کے اعتراض ’’طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ‘‘ ۔کجا ہاتھی اور کجا کرم خور جانور‘‘ کے جواب میں تحریر فرمایا:

’’قبل اس کے کہ ہم آپ کو اس سوال کا جواب دیں۔ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کے سوال میں جو الفاظ آئے ہیں۔ان کے معانی بتلائیں۔ پہلا لفظ کَیۡد ہے۔......... یہاں یاد رہے کہ کَیۡد کے معنے لڑائی کے ہیں۔ دوسرا لفظ تَضۡلِیۡل ہے تَضۡلِیۡل کے معنے باطل کرنے اور اہلاک کے ہیں۔ تیسرا لفظ اَبَابِیۡل ہے۔ اَبَابِیۡل جمع ہے ابیّل اور ابوّل کی۔ ابیّل اور ابوّل کے معنے جماعت کے ہیں۔ ابابیل کے معنے ہوئے بہت سی جماعتیں۔ ہماری زبان میں ترجمہ ہوا۔ڈاروں کی ڈار۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے۔قَالَ الزَّجَاجُ فِیۡ قَوۡلِہٖ تَعَالٰی۔ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ جَمَاعَاتٌ مِنۡ ھٰھُنَا وَ جَمَاعَاتٌ مِنۡ ھٰھُنَا وَ قِیۡلَ یَتَّبِعُ بَعۡضُھَا بَعۡضًا اِبِیۡلًا اِبِیۡلًا اَیۡ قَطِیۡعًا خَلۡفَ قَطِیۡعٍ۔[1]

دوسرا سوال اس کے بعد یہ پیش آتا ہے کہ دشمن کی فوج کی ہلاکت کو جانوروں سے کیا تعلق ہے۔سو اس کے واسطے سام وید فصل نمبر ۳ پر پاٹیک نمبر ا کی عبارت دیکھو۔اس میں لکھا ہے۔ ا۔کوؤں اور مضبوط بازو والوں پرندوں کو ان کے تعاقب میں بھیج ۔ہاں تو اس فوج کو کرگسوں کی غذا بنا۔اے اندر! ایسا کر کہ کوئی ان میں سے نہ بچے۔کوئی نیک[2] بھی نہ بچے۔ان کے پیچھے تو تعاقب کرنیوالے پرندوں کو جمع کر دے‘‘

---

[1] زجاج اللہ تعالیٰ کے قول طیراً ابابیل کی تشریح میں کہتے ہیں۔ کچھ گروہ یہاں سے کچھ گروہ وہاں سے۔اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے تھے۔ابیلا ابیلا یعنی ایک گروہ دوسرے گروہ کے پیچھے۔

[2] لطیفہ۔نیکوں کے لئے بھی بددعا ہے۔

پھر سام وید فصل دوم پر پاٹیک نمبر ۳ میں یوں ہے۔

’’اے روشن اشاس جب تیرے وقت رجوع کرتے ہیں تو کل چو پائے اور دریاؤں والے حرکت کرتے ہیں اور تیرے گرد باز و والے پرندے آسمان کی تمام حدود سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔‘‘

عربی میں بھی ایسے محاورات بکثرت ہیں اور انہی معنوں اور استعاروں میں پرندوں کے الفاظ وہاں مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ النابغة الذبیانی کا شعر ہے

اِذَا مَاغَزَا بِالْجَیْشِ حَلَّقَ فَوْقَھُمْ عَصَائِبُ طَیْرٍ تَھْتَدِیْ بِعَصَائِبِ

جب وہ لشکر لے کر دشمنوں پر چڑھتا تو پرندوں کے غولوں کے غول دشمنوں کے لاشوں کے کھانے کو جمع ہو جاتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے اس موقع پر ایک شعر لطیف لکھا ہے۔ وہ ہمارے جواب کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ گو مولوی صاحب نے اس کے معنے کچھ ہی کئے ہوں مگر وہ ہماری وہ ذکر کردہ دلیل کا ہی مثبت ہے اور وہ شعر یہ ہے۔

اَیْنَ الْمَفَرُّ لِمَنْ عَادَاہُ مِنْ یَدِہٖ وَ الْوَحْشُ وَ الطَّیْرُ اَتْبَاعٌ تُسَائِرُہٗ [۱]

یہاں طیر سے مراد وہی مردار خور پرندے ہیں اور سباع بھی وہی مردار خور ہیں۔ جو فتح مندی کا نشان ہیں۔ اسی قسم کے انداز بیان میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اشارہ کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہلاک کئے جاویں گے۔ جیسے فرماتا ہے:

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل:۸۰)

کیا وہ ان پرندوں کے حالات پر غور نہیں کرتے۔ جنہیں ہم نے آسمان کے جوّ میں قابو کر رکھا ہے۔ ہم ہی نے تو انہیں تھام رکھا ہے (اور ایک وقت آنے والا ہے کہ انہیں نبی کریمؐ کے دشمنوں کی لاشوں پر چھوڑ دیں گے) مومنوں کے لئے ان باتوں میں نشان ہیں۔

یہاں بھی پہلے ایک شریر قوم کا بیان کیا ہے۔ جو بڑی نکتہ چینی کی عادی اور موذی تھی۔ اور اسلام کو

---

[۱] ممدوح سے جو دشمنی کرے وہ اس کے ہاتھ سے کہاں بھاگ کر جائے گا۔ درندے اور شکاری پرندے اس کے ساتھ ساتھ پیچھے جارہے ہوتے ہیں۔ (ممدوح کے ہاتھوں مرنے والوں کی لاشوں کا گوشت کھانے کے لئے)۔

عیب لگاتی تھی۔ اور بہت سے اموال جمع کر کے فتح کے گھمنڈ میں مکہ پر انہوں نے چڑھائی کی۔ یہ ایک حبشیوں کا بادشاہ تھا۔ جس نے اسی سال مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی جبکہ حضرت رحمۃ للعالمین نبی کریمؐ پیدا ہوئے۔ جب یہ شخص وادیٔ محصر میں پہنچا۔ اس نے عمائد مکہ کو کہلا بھیجا کہ کسی معزّز آدمی کو بھیجو۔ تب اہلِ مکہ نے عبدالمطلب نامی ایک شخص کو بھیجا جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ جب عبدالمطلب اس ابرھہ نام بادشاہ کے پاس پہنچے۔ وہ مدارات سے پیش آیا۔ جب عبدالمطلب چلنے لگے اس نے کہا کہ آپ کچھ مانگ لیں۔ انہوں نے کہا کہ میری سو اونٹنیاں تمہارے آدمیوں نے پکڑی ہیں۔ وہ واپس بھیج دو۔ تب اس بادشاہ نے حقارت کی نظر سے عبدالمطلب کو کہا کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ تمہیں اپنی اونٹنیوں کی فکر لگ رہی ہے۔ اور ہم تمہارے اس معبد کو تباہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ عبدالمطلب نے کہا۔ کیا ہمارا مولیٰ جو ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ جب یہ معبد اسی کے نام کا ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ وہ اس کی حفاظت نہیں کرے گا؟ اگر وہ اپنے معبد کی خود حفاظت نہیں کرنا چاہتا۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آخر اس بادشاہ کے لشکر میں خطرناک وبا پڑی اور چیچک کا مرض جو حبشیوں میں عام طور پر پھیل جاتا ہے ان پر حملہ آور ہوا اور اوپر سے بارش ہوئی۔ اور اس وادی میں سیلاب آیا۔ بہت سارے لشکری ہلاک ہو گئے اور جیسے عام قاعدہ ہے کہ جب کثرت سے مردے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو کوئی جلانے والا اور گاڑنے والا نہیں رہتا تو ان کو پرندے کھاتے ہیں۔ اُن موذیوں کو بھی اسی طرح جانوروں نے کھایا۔ یہ کوئی پہیلی اور معمانہیں۔ تاریخی واقعہ ہے۔ پر افسوس تمہاری عقلوں پر!!

مکہ معظّمہ کی حفاظت ہمیشہ ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔ کوئی تاریخ دنیا میں ایسی نہیں جو یہ بتا سکے کہ اسلام کے مدعیوں یا ابراہیمؑ کے تعظیم کرنیوالوں کے سوا کوئی اور بھی اس کا مالک ہوا ہو۔ یونانی سکندر بگولے کی طرح یونان سے اٹھ کر تمہارے ملک میں پہنچا اور اسے پامال کیا۔ اور رچرڈ سارے یورپ کے ساتھ اسلام کی بربادی کو اٹھا اور نپولین مصر تک پہنچ گیا۔ مگر عرب کی فتح سے یہ سب ناکام اور نامراد رہے۔ اس میں خدا ترسوں کے لئے بڑے نشان ہیں۔ پہلا بابل میں ہلاک

ہوا اور دوسرا ملک شام سے نامراد واپس ہوا اور تیسرا سینٹ ہلینا کے قلعہ میں بے انتہا حسرتوں کو دل میں لے کر مرا۔

تمہارے آریہ ورت کو ہم دیکھتے ہیں اہلِ اسلام اس کے مالک ہوئے یا اُن کے ساتھی اب اہلِ کتاب ہیں۔ تمہارے ہرؔی دوار اور کاشی وغیرہ کی حکومت دوسروں کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کوئی معبد غیر مفتوح نہیں رہا۔ غیر قوموں کے گھوڑوں کے سُموں نے سدا انہیں پامال کیا۔ یہ عجائبات اور معجزات ہیں!! (نورالدّین بجواب ترکِ اسلام۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۱)



سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَّکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم سورۂ قریش کو پڑھنا شروع کرتے ہیں اُس اللہ کے نام کی مدد سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

۲ تا ۵۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ۔ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ۔ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔

ترجمہ۔ واسطے الفت دلانے قریش کے ان کو الفت دلانا سفر جاڑے اور گرمی میں۔ پس چاہیے کہ عبادت کریں پروردگار اس گھر کے کی جس نے کھانا دیا ان کو بھوک سے اور امن دیا ان کو خوف سے۔

تفسیر۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ پر حملہ کرنے والے اصحاب فیل کو ہلاک کیا اور اس گھر کی عزت کے واسطے کئی معجزات دکھائے تا کہ قریش اور ان کے ذریعہ سے پھر تمام دنیا الفت پکڑے ان کی الفت کے واسطے جاڑے اور گرمی کے سفر کے اسباب مہیا ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے اس قدر فضل اور انعام پر نگاہ کر کے چاہیے کہ اس رب کی عبادت کریں جس نے اپنے اس عبادت گاہ کی عزت بے نظیر طور پر دنیا میں قائم کی اور جس نے اس کے اہل کو طعام کے سامان بہم پہنچا کر فقر و فاقہ سے بچایا اور ہر طرح کے خوف سے بے خوف کر کے اس جگہ کو دار الامن بنا دیا۔

اَللَّامُ ۔ لَامُ التَّعَجُّبِ۔ کَمَا فِیْ ۔

اَغَرَّكَ اِنْ قَالُوْا لِعِزَّۃِ شَاعِرٍ

خَیَالُ اَبَاہُ مِنْ عَرِیْفٍ وَّ شَاعِرٍ

اَلْاَلْفُ اِجْتِمَاعٌ مَعَ اِلْتِئَامٍ قَالَہُ الرَّاغِبُ وَ قَالَ الْھَرَوِیُّ فِی الْغَرِیْبَیْنِ۔ اِیْلَافُ عُھُوْدٍ بَیْنَھُمْ وَ بَیْنَ الْمُلُوْكِ۔ فَکَانَ ھَاشِمٌ یُؤَالِفُ مَلِكَ الشَّامِ وَ الْمُطَّلِبُ کِسْرٰی وَ عَبْدُ

شَمْسٍ وَنَوْفَلُ يُؤَالِفَانِ مَلِكَ مِصْرَ وَالْحَبَشَةِ وَ يُؤَالِفُ مَعْنَاهُ يُعَاهِدُوَ يُصَالِحُ اَلَفَ يُؤَالِفُ اِلَافًا۔

قُرَيْشٌ وُلْدُ نَضْرِبْنِ كَنَانَه۔ وَسَأَلَ مُعَاوِيَةُ اِبْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فَقَالَ دَآبَّةُ الْبَحْرِ وَاسْتَدَلَّ بِقَوْلِ الْحَجْبِيِّ كَمَا قَالَ ؎

وقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِيْ تَسْكُنُ الْبَحْرَ۔ وَبِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشًا تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِيْنَ وَلَاتَتْرُكُ مِنْهَا لِذِيْ جَنَاحَيْنِ قُرَيْشًا۔

وَقَالَ الْفَرَّآءُ وَ مِنَ التَّقَرُّشِ بِمَعْنَى التَّكَسُّبِ سُمُّوْالِتَجَارَتِهِمْ وَ قِيْلَ مِنَ التَّقْرِيْشِ هُوَ التَّفْتِيْشُ قَالَ الْحٰرِثُ بْنُ حِلِزَه ؎

اَيُّهَا الشَّامِتُ الْمُقَرِّشُ عَنَّا

عِنْدَعُمْرٍ وَفَهْلِ لَنَا وَاِبْقَاءٍ

لِاَنَّ اَبَاهُمْ كَانَ يُفَتِّشُ عَنْ اَرْبَابِ الْحَوَائِجِ لِيَقْضِيَ وَ عَلٰى ذِى الْخَلَّةِ لِيَسُدُّوْهَا وَ التَّصْغِيْرُ لِلتَّعْظِيْمِ۔

"اِيْلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ" اِيْلَافِهِمْ بَدَلٌ۔ مِنْ اِيْلَافِ قُرَيْشٍ۔

"فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ" كَمَا قَالَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَكَاتُ۔ "رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔" وَكَانُوْا فِيْ اَرْغَدِ عَيْشٍ مَعَ اَنَّهٗ كَانَ النَّاسُ يُتَخَطَّفُوْنَ مِنْ حَوْلِهِمْ وَ اَشَارَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ اِلٰى هٰذَا فِيْ قَوْلِهٖ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (نمل)

ترجمہ:۔

لام تعجب کے لئے ہے۔ ؎

کیا تجھے اس بات نے دھوکہ دیا ہے کہ لوگوں نے کہا کہ عزہ بڑا شاعر ہے اس کے

باپ پر تعجب ہے کہ اس کا بیٹا کیسا مبصر اور شاعر ہے۔

راغب اور ہروی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ الف ایسے طور پر اکٹھا کرنے کو کہتے ہیں کہ مجتمع اشیاء میں پوری پیوستگی ہو۔ ایلاف سے مراد وہ عہد واقرار ہیں جو قریش اور اس وقت کے ملوک کے درمیان قرار پا چکے تھے۔ ہاشم کا عہد و پیمان بادشاہِ شام کے ساتھ تھا اور مطلب کا کسریٰ کے ساتھ تھا اور عبدشمس اور نوفل کا عہد و پیمان مصر اور حبشہ کے بادشاہوں کے ساتھ۔ الف کے معنے معاہدہ اور مصالحت کے ہیں۔

قریش نضر بن کنانہ کا بیٹا تھا۔ حضرت معاویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا تھا کہ قریش کے لفظ کے کیا معنے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ قریش ایک سمندری چار پایہ کا نام ہے اور اس پر حجمی کے اشعار کو بطور ذیل کے پڑھا جن کے یہ معنے ہیں کہ قریش وہ جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے۔ اُسی کے نام پر قبیلہ کا نام قریش ہوا وہ دُبلے اور موٹے سب کو کھا جاتا ہے اور کسی پروں والے کے پر باقی نہیں چھوڑتا۔

فراء کا قول ہے کہ لفظ قریش لفظ تقرش سے نکلا ہے اور تقرش کے معنی کسب کمائی ہے چونکہ یہ قبیلہ تجارت کرتا تھا اس واسطے اس کا نام یہ ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ تقرش سے نکلا ہے جس کے معنے تفتیش کے ہیں۔ حرث بن حلنزہ کا ایک شعر ان معنوں کی تائید کرتا ہے اس شعر کے یہ معنے ہیں۔

اے ہمارے دشمن عیب تلاش کرنے والے عمر کے پاس ہے کیا تو ہمارا پیچھا چھوڑے گا یا نہیں۔ قریش کا یہ نام اس واسطے ہوا کہ ان کے بزرگ اہل حاجات کو تلاش کرتے تھے کہ ان کی حاجتیں پوری کریں اور بھوکوں کو خوراک دینے کے واسطے تلاش کرتے تھے اور اس جگہ تصغیر تعظیم کے واسطے ہے۔

اس سورہ شریف میں جو یہ حکم ہوا ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو بھوک سے غنی کرنے کے لئے کھانا کھلایا یہ آیت شریف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام والبرکات کی اس

دعا کے مطابق ہے کہ میرے پروردگار اس شہر کو امن کی جگہ بنا۔ اس دعائے ابراہیمی کی قبولیت کے سبب قریش بڑے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے گردونواح کی مخلوق ہلاکت میں پڑی ہوئی تھی۔ اسی مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں سورۂ نحل میں بھی اشارہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک گاؤں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ جس کے باشندے اطمینان کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔ ہر طرف سے اس کو رزق بافراغت پہنچتا تھا۔ پھر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی جس پر خدا نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب وارد کیا۔ جو ان کی اپنی بدعملیوں کا نتیجہ تھا۔

شمار :- اس سورہ شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد چار آیتیں اور تیرہ کلمے اور تہتر حروف ہیں۔

مقام نزول :- یہ سورہ شریف جمہور کے نزدیک مکی ہے۔ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی تھی۔ قریش کو خاص خطاب اور رب البیت کی عبادت کا حکم بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ سورہ شریف مکی ہے بعض بزرگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے اس اختلاف کی صورت میں وہی امر مدنظر رکھنا چاہیے۔ جو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایک بار بلکہ کئی بار نازل ہوئی ہوں اور کسی نے نزول اول کے مقام اور وقت کو یاد رکھا ہو اور کسی نے نزول دوم کے مقام اور وقت کا خیال رکھا ہو۔ اس کا نظارہ ہم اس تازہ وحی الٰہی میں بھی دیکھتے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتی ہے کہ ایک پیشگوئی وحی الٰہی میں ایک دفعہ نازل ہو کر مثلاً کتاب براہین احمدیہ میں چھپ چکی ہے۔ لیکن جب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ تو نزول اول کے بیس[۲۰] پچیس[۲۵] سال بعد پھر وہی الفاظ الہام الٰہی میں وارد ہوئے اور اخبار میں ایک تازہ تاریخ کے نیچے لکھے گئے۔

اس جگہ شانِ نزول و مقام نزول کے اختلاف میں اس نکتہ کا دوبارہ لکھنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ جو کہ ہم سورہ الماعون کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ یہ بھی حکمت الٰہی ہے کہ انجیل اور توریت کی طرح

قرآن شریف میں ہر آیت کے ساتھ اس کا شان نزول درج نہیں۔ ابتدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے درمیان کبھی شان نزول یا مقام نزول ساتھ ساتھ نہیں لکھائے۔ جیسا کہ توریت انجیل میں اور دیگر صحف انبیاء میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کوئی اور نبی پھر اس مقام پر گیا اور اس آدمی کو ملا۔ اور اس وقت اس پر یہ وحی نازل ہوئی یا خود اس نے یہ کلام کیا۔ برخلاف اس کے قرآن شریف اول سے خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک سمندر کی طرح اس کی روانی ہے جس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ بشر کے کلام کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ چونکہ یہ کلام نہ کسی خاص مکان کے واسطے تھا اور نہ کسی خاص قوم کے واسطے جیسا کہ توریت انجیل وغیرہ دیگر کتب سماوی ہیں۔ اس واسطے اس میں شان نزول ساتھ ساتھ نہ لکھے گئے بلکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ اس بات کی حفاظت بھی پورے طور سے نہ ہوئی کہ یہ آیتیں کب اور کس کے حق میں اول نازل ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ ترتیب نزولی بھی خدا تعالیٰ نے قائم نہ رہنے دی۔ قرآن شریف کی ترتیب اور اس کے درمیان شان نزول اور مقام نزول کا نہ لکھا جانا خود اس بات کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے کہ یہ کتاب برخلاف دیگر کتب سماوی کے تمام زمین کے واسطے اور قیامت تک سب زمانوں کے واسطے اور سب قوموں کے واسطے خدا تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

نام۔ اس سورہ شریف کا نام سورۂ قریش ہے کیونکہ اس میں قریش کا خاص ذکر ہے اور اس سورۃ کو اس کے پہلے لفظ کے سبب لِاِیْلٰفِ بھی کہتے ہیں۔

ربط ماقبل اور مابعد کے ساتھ۔ اس سورہ کے ماقبل قرآن شریف میں سورۃ الفیل ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ یمن کا بادشاہ ابرھ جب بہت سے ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے واسطے مکہ معظّمہ پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کے لشکر کو ہلاک کر کے اس گھر کی حفاظت کی۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک انعام تھا۔ جو بالخصوص قریش پر ہوا۔ کیونکہ قریش یمن اور شام کی طرف تجارۃ کے واسطے جایا کرتے تھے اور ابرھ کی اس ہلاکت سے تمام قوموں پر خانۂ کعبہ کی عظمت کا رعب چھا گیا اور وہ لوگ قریش کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اسی انعام کو یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت کی

طرف متوجہ کرتا ہے سورۃ الفیل اور سورۃ القریش کا ربط باہم ایسا ہے کہ ابی بن کعب اور ایسا ہی بعض دیگر بزرگ بھی ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھتے تھے گویا یہ دونوں ملا کر ایک ہی سورۃ ہے۔ دوٗ جدا سورتیں نہیں ہیں۔ سورہ مابعد یعنی سورۃ الماعون کے ساتھ اس کا یہ ربط ہے کہ جب اس سورہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنے انعام یاد دلا کر اپنی عبادت کی طرف متوجہ کیا ہے تو سورۃ الماعون میں ان رذایل سے بچنے کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

تشریح ومعانیٔ الفاظ

قریش۔ قریش کا لفظ قرش سے نکلا ہے۔ قرش ایک سمندر کے جانور کا نام ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو کھا جاتا ہے مگر اُسے کوئی نہیں کھاتا یعنی بہت طاقتور جانور ہے سب پر غالب رہتا ہے اسی سبب سے اس قوم کا نام قریش رکھا گیا تھا۔ عرب کا ایک شعر ہے ؎

وَ قُرَیْشٌ هِیَ الَّتِیْ تَسْکُنُ الْبَحْرَ

بِهَا سُمِّیَتْ قُرَیْشٌ قُرَیْشَا

ترجمہ۔ قریش وہ ہے جو سمندر میں رہتا ہے۔ اسی کے سبب سے قوم قریش کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

قرش کے معنی کسب کے بھی ہیں چونکہ قریش اپنی تجارت میں کسب اور محنت کے ساتھ اپنی روٹی کماتے تھے اس واسطے بھی ان کا یہ نام ہوا۔

لیثؒ کا قول ہے کہ تقرش جمع ہونے کو کہتے ہیں پہلے یہ قوم مختلف مقامات پر پراگندہ پھرتی تھی۔ پھر قصی بن کلاب نے ان سب کو حرم میں جمع کیا اور ایک جگہ اکٹھے ہو کر رہنے لگے اس واسطے ان کا نام قریش رکھا گیا چنانچہ اس پر ایک شاعر نے کہا ہے۔

اَبُوْ کُمْ قُصَیٌّ کَانَ یُدْعٰی مُجَمِّعًا

بِهٖ جَمَعَ اللّٰهُ الْقَبَآئِلَ مِنْ فَهْرٍ

تمہارے باپ قصی کا نام ہی ہو گیا تھا کہ وہ جمع کرنے والا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے فہر کے قبائل کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔

قبیلۂ قریش ۔ قریش ۔فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کا دوسرا نام تھا۔قبیلہ قریش حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام والبرکات کی اولاد میں سے تھا اوراسی قبیلہ کو یہ فخر حاصل ہوا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے پیدا ہوئے جنہوں نے تمام جہان کو اپنے نور سے منور کیا اور بنی آدم کے واسطے روحانی کمالات کے دروازے کھول دیئے اور تمام دنیا کی متفرق قوموں کو اور ان کے متفرق قومی مذاہب کو ایک ہی قوم اور ایک ہی مذہب میں جمع کر کے ایک ایسی توحید قائم کی کہ چار دانگ عالم میں لا الہ الا اللہ کا نعرہ گونج اٹھا۔یہ توحید اس قلبی تعلق کا نتیجہ تھی ۔جو آنحضرت صلعم کو اپنے رب اور خالق اور مالک کے ساتھ تھا۔اگر محمدؐ دنیا میں نہ ہوتا تو انسانی رُوح کس تنزل کے گڑھے میں اب تک گری ہوئی ہوتی۔اسی واسطے وہ فخر عالم و عالمیان ہے اور اگر روحوں کا خدا کے ساتھ تعلق اپنی ترقی کے انتہائی نقطہ میں اس کمال تک پہنچنے والا نہ ہوتا جو اس پیارے نبی نے پہنچایا تو پھر دنیا کی حالت رذالت اس قابل ہی نہ تھی کہ خدا تعالیٰ اسے خلق کرتا اسی واسطے لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ [1] کا خطاب آپ کو عطا ہوا۔

نسب نامہ ۔ اب میں قریش کا نسب نامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات سے لے کر حضرت خاتم النبیین تک اس جگہ درج کرتا ہوں ۔اس جگہ اس بات کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انساب عدنان تک بیان کئے ہیں اوراس سے اوپر بیان نہیں فرمائے ۔جس سے بعض لوگوں کو (جن میں سر سید احمد خان صاحب بھی شامل ہیں) یہ غلطی لگی ہے کہ آنحضرت کو اُس کے اوپر انساب کا نام نہ آتا تھا۔ یہ اس سے اوپر کا سلسلہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ یہود چونکہ اہلِ کتاب تھے اور لکھنے پڑھنے کا رواج ان میں عام تھا۔وہ جہاں حضرت اسحٰق کا نسب نامہ محفوظ رکھتے تھے وہاں حضرت اسمٰعیل کا بھی بہ سبب قرب رشتہ داری کے محفوظ رکھا کرتے تھے۔لیکن کچھ زمانے کے بعد جبکہ قوموں کی جدائی اور اختلاف بڑھ گیا تو یہودی علماء نے عدنان سے نیچے کا نسب نامہ لکھنا اور اس کی حفاظت کرنا چھوڑ دیا تھا۔اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدنان تک خود بیان کر دیا اور اس کے اوپر جو یہود کے پاس تھا وہ بہر حال محفوظ تھا۔اس واسطے اس

[1] اگر تجھ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

کے بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

میں یہ نسب نامہ ایک پرانی قلمی کتاب سے نقل کرتا ہوں جس کے نسخے ہمارے خاندان میں محفوظ چلے آتے ہیں اور سرسید احمد خان صاحب نے جو نسب نامہ اپنے خطبات میں عدنان تک لکھا ہے۔اس کے ساتھ مقابلہ کرلیا گیا ہے وہاں تک ہر دو ایک ہی ہیں۔ یہ نسب نامہ ہمارے خاندان میں اس واسطے محفوظ چلا آتا ہے کہ عاجز بھی قریش میں سے ہے اس واسطے اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا نسب نامہ بھی نقل کردیا ہے جو کہ بوساطت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بعد مناف سے جاملتا ہے۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام | حضرت اسحٰق علیہ السلام

قیدار

حمل

ثابت

سلامان

ہمیع

اُود

اُدّ

اَعدُنان

مَعَدّ

نزار

مضر

الیاس

مدرکہ

خزیمہ

کنانہ

نضر

مالک

فہر

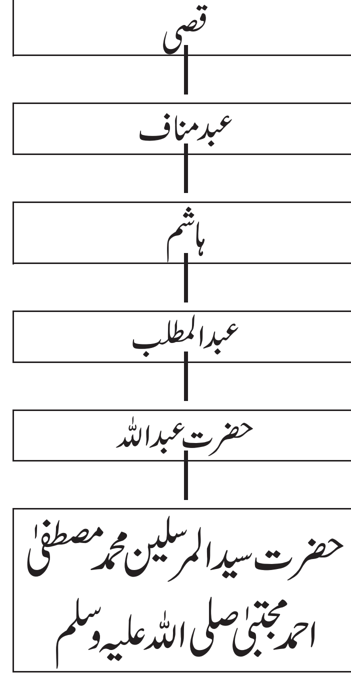
غالب

مولی

کعب

مرۃ

کلاب



(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۴ تا ۳۴۷)

لِاِیْلٰفِ ۔ اُلفت دلانے کے لئے

اس گھر کے رب کے ساتھ الفت دلانے کے لئے اصحاب الفیل کو اس واسطے قتل کیا گیا اور شکست دی گئی اور خائب وخاسر واپس کیا گیا ہے کہ قریش اور اہلِ عرب کا یقین تازہ ہو کہ اس گھر کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اس طرح وہ خدا تعالیٰ کی خالص عبادت میں مشغول ہوں اور قریش جو موسمِ سرما وگرما میں سفر پر جاتے تھے۔ اور تمام بلاد کے بادشاہ اور تجاران کی عزت کرتے تھے۔ اس تجارت اور سفر میں فرق نہ آوے بلکہ ان کی عزت اور بھی زیادہ ہو۔

اٖلٰفِهِمْ ۔ ان کو الفت دلانے کے لئے

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۔ سردی اور گرمی کے سفر میں۔

قریش تجارت کے واسطے ہر سال دو سفر کرتے تھے۔ موسم سرما میں افریقہ، ہند، یمن کی طرف جاتے تھے۔ اور موسم گرما میں شام، ایران کی طرف جاتے تھے۔ ہر دو طرف کے لوگ ان کی بہت ہی عزت اور تکریم کرتے تھے۔ اور ہدیے اور تحفے دیتے تھے۔ اگر خدانخواستہ اصحاب الفیل کو فتح ہو جاتی

تو ان کی یہ تمام عزت جاتی رہتی۔ اور امن اُٹھ جاتا۔ لیکن اصحاب الفیل کو تباہ کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو اور بھی بڑھایا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ لوگ قریش کی تعظیم کرنے لگے۔ اور وہ سفر ان کے واسطے اور بھی زیادہ آسان اور بابرکت ہو گئے۔

فَلْيَعْبُدُوْا۔ پس چاہیے کہ عبادت کریں۔

رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۔ اس گھر کے پروردگار کی۔

الَّذِيْٓ۔ جس نے۔

اَطْعَمَهُمْ۔ ان کو کھانا کھلایا۔

مِّنْ جُوْعٍ۔ بھوک سے۔

وَّاٰمَنَهُمْ۔ اور ان کو امن دیا۔

مِّنْ خَوْفٍ۔ خوف سے۔

بعض جاہل آریہ اور عیسائی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان چونکہ عبادت کے وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اس واسطے یہ بھی ایک شرک ہے۔ اور اس گھر کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس سورہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ردّ کر دیا ہے۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۔ عبادت اس گھر کے رب کی کی جاتی ہے نہ کہ اس گھر کی۔ اور یہ گھر بطور ایک نشان کے ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی برتر اور قادر اور عالم الغیب ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں بڑے بڑے گھر لوگوں نے بنائے۔ اور بڑی بڑی قومیں ان کی امداد میں کھڑی ہوئیں لیکن وہ تباہ ہو گئے۔ اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اور یہ گھر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قائم ہے۔ اور اس کے اردگرد رہنے والے ہر طرح کے خطرات سے محفوظ ہیں۔ عبادت کے وقت آخر کسی نہ کسی طرف تو انسان منہ کرتا ہے۔ وحدت کے واسطے سب نے ایک طرف منہ کیا اور ایک ایسی طرف منہ کیا جس طرف سے خدا تعالیٰ کا پاک کلام اُن تک پہنچا۔ اور اُن کے واسطے موجبِ ہدایت ہوا علاوہ اس کے اس میں ایک اور حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ زمین کے گول ہونے کے سبب دن رات کے ہر ایک حصہ میں مسلمان خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی سیکنڈ میں کہیں عصر ہے کہیں مغرب کہیں عشاء کہیں فجر اور کہیں

ظہر۔ ان کے علاوہ تہجد اور اشراق اور دوسری نمازیں جدا ہیں۔ غرض کوئی بھی ایسا وقت نہیں ہوتا جس میں روئے زمین پر کسی نہ کسی جگہ مسلمان خدا کی عبادت نہ کر رہے ہوں۔ گویا مسلمان ہی ایک قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کی عبادت کے انوار کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ ایسا ہی عبادت کے وقت ایک خاص سمت کا مقرر کرنا ایک عجیب حکمت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کے سبب اہلِ ہند کا منہ عبادت کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ اہلِ شام کا جنوب کی طرف اور اہلِ یمن کا شمال کی طرف۔ اہلِ مصر کا مشرق کی طرف ہوتا ہے۔ اور ان سمتوں کے درمیان جو مقام ہے ان کا منہ کم وبیش درجات کے ساتھ ان سمتوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ الغرض کمپاس کا کوئی ایسا طرف نہیں جس طرف منہ کر کے مسلمان خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ گویا تمام روئے زمین پر اسلامی توحید کی شہادت کی لکیریں اس کثرت کے ساتھ ہر سمت سے گزرتی ہیں اور ہر وقت گزرتی ہیں کہ تمام روئے زمین ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے خدا تعالیٰ کی توحید اور تحمید اور تسبیح سے پُر رہتی ہے۔ کوئی اور مذہب دنیا میں ہے۔ جو اس قدر خدا کی عبادت کرنے والا۔

خدا کے کام بھی عجیب ہیں۔ کسی کو اپنا برگزیدہ بندہ بنانا چاہتا ہے۔ تو ایک غریب کو لیتا ہے۔ جو غیر مشہور ہو اور ظاہری علوم سے دنیا کی نظر میں ناواقف ہو اور کچھ طاقت نہ رکھتا ہو۔ نہ کوئی جتھا اس کے ساتھ ہو پھر اسے مامور بنا دیتا ہے۔ چاردانگ عالم میں اس کی قبولیت پھیلا دیتا ہے۔ تمام عالموں سے بڑھ کر اسے عالم بنا دیتا ہے۔ اسے طاقتور بنا دیتا ہے اور اس کو ایک بڑی قوم کا امام بنا دیتا ہے۔ ایسا ہی اس نے جب ایک گھر کو اپنی طاقتور ہستی کے ثبوت میں نشان بنانا چاہا۔ تو کہاں بنایا۔ عرب کے میدان میں۔ جہاں پانی نہ ملے نہ چارہ، نہ خوراک نہ سبزی نہ کوئی بستی نہ کوئی آبادی نہ کوئی حفاظت کی جگہ۔ پھر اسے آباد کیا تو ایسا کہ ساری دنیا اس کی طرف دوڑی چلی جاتی ہے۔ تمام جہان کی دولت وہاں پہنچتی ہے۔ ہر ملک وملّت کا آدمی وہاں پایا جاتا ہے۔ ہر زبان وہاں سمجھی جاتی ہے۔ طاقت کا یہ حال ہے کہ فوجی لحاظ سے کوئی حفاظت کا سامان نہیں۔ پھر بھی سکندر رومی یونان سے نکلا۔ ہند تک فتح کیا۔ واپسی پر عرب کی فتح کا ارادہ تھا۔ راستہ میں ہی ہلاک ہو گیا۔ خود اس زمانہ میں دجال یورپ سے نکلا اور ہند تک پہنچ گیا۔ مگر وہی بیت اللہ اس سے محفوظ رہا۔ نبی کریمؐ نے دجّال کو دیکھا تھا کہ خانہ کعبہ کا طواف کر

رہا ہے۔ وہ طواف بھی ایک تو یوں ہوگیا کہ بحیرہ قلزم، بحیرہ عرب، عدن سے ہوکر خلیج فارس میں دجال گھوم رہا ہے۔ اوراس کے آگے جو ہوگا وہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ۔ چونکہ اہلِ عرب کے واسطے مقدر تھا کہ جب نورِ محمدیؐ ان کے درمیان سے طلوع کرے۔ تو وہ اس سے منور ہوکر مشرق ومغرب میں پھیلیں۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کے وارث بنیں۔ ایران اور شام کو فتح کریں۔ مصر، الجیریا، مراکو کو مسلمان بناتے ہوئے ہسپانیہ میں جا گھسیں۔ دوسری طرف ترکستان، افغانستان، ہند کے فاتح بنیں۔ چین کے لوگوں کو جا کر مسلمان بنائیں۔ اس واسطے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے طبائع ایسے بنائے تھے کہ وہ سفر کو پسند کرتے تھے اور کیا گرمی اور کیا سردی۔ ہر دو موسموں میں سفر کیا کرتے تھے۔ پھر اس میں ایک پیشگوئی بھی مخفی ہے کہ اے قریش خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے بڑے بڑے سفر مقدر رکھے ہیں۔ وہ سفر ایسے نہ ہوں گے کہ تم جس موسم میں جاؤ۔ اسی میں تم واپس آ سکو۔ بلکہ وہ لمبے سفر ہوں گے۔ جن میں تم کو سردیاں بھی گزارنی پڑیں گی اور گرمیاں بھی گزارنی ہونگی۔

خدا تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کیا وسیع ہے کہ اس نے عرب کی قوم ہاں اس پتھر کو جسے معماروں نے رد کر دیا تھا کہ یہ کام کا نہیں اسے ہی کونے پر لگایا۔ وہی قوم تمام دنیا کی سردار بنتی ہے۔ وہی قوم تمام یورپ کو مہذب بنانے والی ہوئی۔ مشرق ومغرب میں اس نے علوم کا چراغ روشن کر دیا۔ آج تک تمام اعلیٰ علوم انہیں کی کتابوں سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ ایک ایک مسلمان نے وہ شاندار کتاب لکھی ہے جس کے برابر آج بڑی بڑی جماعتیں لگ کر اور لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی نہیں لکھ سکتیں۔ کیسا طاقتور، قادر، توانا، آئندہ کی خبروں سے واقف خدا اس گھر کا ہے جو تیرہ سو سال سے اس قدر عزت پا رہا ہے۔ وہ جسے ابراہیم علیہ السلام والبرکات نے جنگل میں بنایا۔ جنگل بھی وہ جس کے گرداگرد سینکڑوں کوسوں تک کوئی آبادی نہ تھی۔ اس گھر میں خدا کی عبادت کے واسطے اپنی بیوی اور بچے کو تنہا چھوڑ دیا۔ اللہ اللہ کیا ہی وہ ایمان تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے سینہ اور درد دِل میں تھا۔ کیا ہی توکل اور ایمان والی وہ بیوی تھی جس نے اپنے خاوند کو کہا کہ جب یہ خدا کا حکم ہے تو اب تُو جا۔ تیری اور نہ کسی اور کی ہم کو پرواہ ہے۔ کیا ہی پیارا وہ بچہ تھا۔ جس کی خاطر جنگل بیابان میں چشمہ جاری ہوا۔ اور ایسا

جاری ہوا کہ آج تک تمام جہان کے لوگ اس کا پانی پیتے ہیں۔خدا کی ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں تجھ پر اے خدا کے خلیل۔اے نبیوں کے باپ اور ہزاروں ہزار برکتیں اور رحمتیں تجھ پر ہوں۔ اے عورتوں میں ایک بے نظیر عورت، مصر کی شاہزادی اور ابراہیمؑ کی بیوی اور اسمٰعیلؑ کی ماں۔کیا ہی خدا رسیدہ تیرا دل تھا کہ تُو نے خدا کے حکم کی تابعداری میں اپنے بڑے بھاری امتحان کو اپنے سر پر قبول کیا کہ اگر وہ امتحان پہاڑ پر پڑتا تو پہاڑ اس کے بوجھ سے شق ہو جاتا۔بے شک تو ہی اس قابل تھی کہ تیری اولاد میں سے نبیوں کا سردار محمدؐ پیدا ہوتا۔تیری اس مضطرانہ دَوڑ کی یادگار میں آج تک لاکھوں انسان مختلف بلاد سے آکر تیرے قدم بقدم دوڑتے اور خدا کی حمد کرتے ہیں۔ایک ابراہیمؑ کے اس گھرانے کی تاریخ خدا تعالیٰ کے دلدادہ اور مقبول بندوں کی مثال میں ایسی پُر درد ہے کہ دلوں کی کثافت کو دور کرتی اور انسان کو خدا کے نزدیک لا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح کی قربانی کرنے والے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چوں شود بخشایش حق بر کسے دل نمے ماند بہ نیایش بسے
خوشترش آید بیابان تپاں تا در و نالہ زبہر دلستاں
پیش از مُردن بمیرد حق شناس زینکہ محکم نیست دُنیارا اساس
ہوش کن ایں جائیکہ جائی فناست باخدا مے باش چوں آخر خداست
زہرقاتل گر بدست خود خوری من چساں دائم کہ تو دانشوری
بیں کہ ایں عبداللطیف پاک مرد چوں پئے حق خویشتن برباد کرد [۱]

۱؎ جب کسی پر خدا کی مہربانی ہوتی ہے تو پھر اس کا دل دنیا میں نہیں لگتا۔اس کو تپتا ہوا صحرا پسند آتا ہے تا کہ وہاں اپنے محبوب کے حضور میں گریہ وزاری کرے۔عارف انسان تو مرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔کیونکہ دنیا کی بنیاد مضبوط نہیں ہے۔خبردار ہو کہ یہ مقام فانی ہے۔باخدا ہو جا کیونکہ آخر خدا ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔اگر تو خود ہی مہلک زہر کھالے تو میں کیونکر خیال کروں کہ تو عقلمند ہے۔دیکھ کہ اس پاک انسان عبداللطیف نے کس طرح سے خدا کے لئے اپنے تئیں فنا کر دیا۔

جاں بصدق آں دلستاں را دادہ است | تا کنوں در سنگہا افتادہ است
ایں بود رسم و رہِ صدق و وفا | ایں بود مردانِ حق را انتہا
ازپئے آں زندہ از خود فانی اند | جاں فشاں برمسلکِ ربانی اند
فارغ افتادہ زنام دوعہ و جاہ | دل زکف و ز فرق افتادہ کلاہ
دورتر از خود بہ یار آمیختہ | آبرو از بہر روئے ریختہ
ذکر شاں ہم مے دہد یاد از خدا | صدق درزاں در جنابِ کبریا
گر بجوئی ایں چنیں ایماں بود | کار بر جوئیندگاں آسان بود
لیک تو افتادہ در دنیا اسیر | تا نمیری کے رہی زیں داردگیر
تانمیری اے سگ دنیا پرست | دامنِ آں یار کے آید بدست
نیست شو تا برتو فیضانے رسد | جاں بیفشاں تا دگر جانے رسد
تو گذاری عمرِخود در اکبرو کیں | چشم بستہ از رہِ صدق و یقیں
نیک دل بانیکواں وارد سرے | برگہرتف مے زند بدگوہرے
ہست دیں تخمِ فنارا کاشتن | واز سرہستی قدم برداشتن
چوں بیفتی باد و صد در و نفیر | کس ہمے خیزد کہ گردد دستگیر
باخبررا دل تپد بر بے خبر | رحم برکورے کند اہلِ بصر
ہمچنیں قانون قدرت اوفتاد | مرضعیفاں را قوی آرد بیاد [1]

---

[1] اس نے وفاداری کے ساتھ اپنی جان اپنے محبوب کو دے دی اور اب تک وہ پتھروں کے نیچے دبا پڑا ہے۔ راہ صدق و وفا کا یہی طور وطریق ہے اور یہی مردان خدا کا آخری درجہ ہے۔ اس زندہ خدا کی خاطر انہوں نے اپنی خودی کو فنا کر دیا اور الٰہی طریقہ پر جاں نثار کرنے والے بن گئے۔ ننگ وناموس اور جاہ وعزت سے لاپرواہ ہو گئے دل ہاتھ سے جاتا رہا اور ٹوپی سر سے گر پڑی۔ خودی سے دور اور یار سے وابستہ ہو گئے کسی (حسین) چہرہ کے لئے عزت قربان کر دی۔ ان کا ذکر بھی خدا کی یاد دلاتا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں وفادار ہیں۔ اگر تو تلاش کرتا ہے تو یاد رکھ کہ ایمان ایسا ہوا کرتا ہے۔ تلاش کرنے والوں کے لئے یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن تو دنیا کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۔ اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔اس میں اس گھر کے متعلق جواللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت کے نشانات ہیں۔ان کی طرف اشارہ ہے۔اس قسم کا محاورہ توریت میں بھی ہے۔مثلاً ابراہیم کے خدا کی عبادت کرو۔اسحاق کے خدا کی عبادت کرو۔تم اپنے باپ دادوں کے خدا کی عبادت کرو جو کہ تمہیں ملک مصر میں سے نکال لایا۔خانہ کعبہ کو بیت اللہ بھی کہتے اور بیت العتیق بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت یہ خطہ بھی سرسبز وشاداب وسیراب نہروں اور نباتات کے ساتھ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا پورا ہونا آج ظاہر ہے۔خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے اور اس کی عبادت میں مصروف ہونے اور توکل سے فائدہ اٹھا کر دنیوی احتیاج سے محفوظ رہنے کی مثالیں فرداً فرداً تو جو ہیں سو ہیں۔مگر مجموعی طور پر ملک عرب میں اس علاقہ نے اس کا نمونہ دکھایا ہے کہ جب ایک زمین خدا کی عبادت کے واسطے خاص ہوئی تو وہ باوجود بنجر بیابان ہونے کے تمام دنیوی نعمتوں سے متمتع ہو گئی۔حدیثوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی اپنی آخرت کے اہتمام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کے نفس میں تونگری دے دیتا ہے۔اور دنیا کے ہموم سے اسے کفایت کرتا ہے مگر جس نے غافل ہو کر دنیا کے اہتمام میں شغل کیا۔اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے محتاجی کر دیتا ہے۔اور دنیوی ہموم سے اسے کفایت نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا اس گھر کے واسطے کی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔[۱] (البقرہ:۱۲۷) وہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔اور اس سے

بقیہ حاشیہ۔ محبت میں گرفتار ہے۔جب تک نہ مرے گا اس جھگڑے سے کیسے نجات پائے گا۔اپنی ہستی کو فنا کر دے تا کہ تجھ پر فیضان الٰہی نازل ہو جان قربان کرتا کہ تجھے دوسری زندگی ملے۔تُو تو اپنی عمر کبر اور کینہ میں بسر کر رہا ہے اور صدق ویقین کے راستہ سے آنکھ بند کر رکھی ہے۔نیک دل انسان نیکیوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔مگر بداصل آدمی موتی پر بھی تھوکتا ہے۔دین کیا ہے۔فنا کا بیج بونا اور زندگی کو ترک کر دینا۔جب تو سینکڑوں دردوں اور چیخوں کے ساتھ گر پڑتا ہے تو پھر ضرور کوئی کھڑا ہو جاتا ہے کہ تیرا مددگار ہو جائے۔نادان کے لئے دانا آدمی کا دل تڑپتا ہے اور آنکھوں والے اندھے پر ضرور رحم کرتے ہیں۔اسی طرح قانون الٰہی بھی واقع ہوا ہے کہ قوی کمزوروں کو ضرور یاد کرتا ہے۔

[۱] اے میرے رب! تو اس شہر کو امن اور سلامتی کا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں کو جو تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہوں اُن کو پھلوں سے روزی دیجیو۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کا اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حرم کے متعلق قرآن شریف میں جو پیشگوئی کی ہے کہ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۔[1] (العنکبوت:۶۸) یہ پیشگوئی آج تک پوری ہو رہی ہے۔ ایک مفسر لکھتے ہیں۔عرب پہلے جاہل کہے جاتے تھے۔اسلام لانے سے وہ دنیا کے عالم کہلائے اٰمَنَهُمْ بِالْاِسْلَامِ فَقَدْ كَانُوْا فِي الْكُفْرِ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعِ الْجَهْلِ بِطَعَامِ الْوَحْيِ۔ کافر تھے خدا نے ان کو مسلمان بنا دیا۔ جہالت میں بھوکے تھے۔خدا نے طعامِ وحی سے مالا مال کر دیا۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکّہ پر چڑھائی کی تھی اور اس کو فتح کیا تھا۔اور آپؐ کے بعد بعض دیگر خلفاء کو بھی ایسا کرنا پڑا اور سب کو فتح حاصل ہوئی اور اہلِ مکہ نے شکست کھائی کیونکہ یہ صاحبان بیت اللہ کی تخریب کے واسطے حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔مگر اس کی حرمت کو قائم کرنے کے واسطے اور فساد کو مٹانے کے واسطے انہیں ایسا کرنا پڑا تھا۔ اس سے ایک نکتہ معرفت حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص جگہ کسی خاص قوم کے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں کہ وہ جو چاہیں سو کریں۔ بہرحال ان کی ہی رعایت ہوگی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو اپنی توحید پیاری ہے۔اور وہ متقی اور صالح لوگوں سے پیار کرتا ہے۔خواہ وہ کہیں ہوں۔

اہلِ مکہ عرب والے اور گردونواح کے لوگ بسبب بیت اللہ کی عزت کے جیران بیت اللہ کہلاتے تھے۔ اور اسی سبب سے ان کے نام سکانِ حرم۔ خدا تعالیٰ کی حرم میں رہنے والے وُلَاةُ الْكَعْبَه کعبہ کے والی اور اہل اللہ بھی تھے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۰)

مثلاً میں ایران، شام، مصر، یورپ اور حیف میں افریقہ، ہندوستان، چین، جاوا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

---

[1] کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہم نے بنا دیا ہے حرم مکہ کو امن کی جگہ اور لوگ اچک لئے جا رہے ہیں اس کے آس پاس سے۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اللہ کے نام کی برکت سے پڑھنا شروع کرتا ہوں جس نے اوّل سے قریش کو مالا مال کر رکھا تھا اور عمل کرنے والوں کو نتیجہ دینے والا ہے۔

تفسیر۔ اس سورہ شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد چھ آیتیں ہیں۔ جن میں پچیس ۲۵ کلمات اور ایک سو پچیس حروف ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ ’’ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ‘‘ ۔ وَ قَدْ سُمِعَ دِيْنُ اَبْرَهَ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَشْوِيْقِ السَّامِعِ اِلٰى تَعْرِيْفِ الْمُكَذِّبِ وَ الدِّيْنُ ثَوَابُ اللّٰهِ وَ عِقَابُهٗ وَ الْمُكَذِّبُ لَا يُطِيْعُ فِيْ اَمْرِهٖ وَ لَا يَجْتَنِبُ عَنْ نَوَاهِيْهِ اَوْ بِحُكْمِ اللّٰهِ قَالَهٗ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَ بِالْحِسَابِ قَالَهُ ابْنُ جُرَيْحٍ وَ مُجَاهِدٌ۔

’’ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۔‘‘ اَلْفَآءُ لِلسَّبَبِ وَمَا بَعْدَهَا سَبَبٌ وَ الْاِشَارَةُ لِلتَّحْقِيْرِ وَ الْاِشْعَارِ بِعِلَّةِ الْحُكْمِ وَ الْمَوْصُوْلِ لِتَحَقُّقِ الصِّلَةِ۔

يَدُعُّ۔ يَدْفَعُ۔ قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ ؎

يُقَسِّمُ حَقًّا لِلْيَتِيْمِ وَ لَمْ يَكُنْ يَدُعُّ الَّذِيْ يُسَارِهُنَّ الْاَصَاغِرُ

وَيَدْفَعُ حَقَّ الْيَتِيْمِ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ يَقْهَرُهٗ وَ يَظْلِمُهٗ عَنْ قَتَادَةَ وَهٰذَا فِيْ مُقَابَلَةِ اِطْعَامِهِمْ وَ اٰمَنَهُمْ عَجِيْبٌ۔

’’وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ‘‘ يَحُضُّ يَحُثُّ غَيْرَهٗ عَلٰى طَعَامِ الْمُحْتَاجِ وَ قَدْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ۔

’’ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ الَّذِيۡنَ هُمۡ۔‘‘ وَيۡلٌ۔ وَادِیْ الَّذِیْ يَسِيۡلُ مِنْ صَدِيۡدِ اَهۡلِ جَهَنَّمَ۔

’’ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ۔‘‘ يُؤَخِّرُوۡنَهَا عَنۡ وَقۡتِهَا۔ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ وَ مُصۡعَبِ بۡنِ سَعۡدٍ عَنۡ اَبِيۡهِ وَ تَارِكُوۡنَ قَالُوۡا هُمُ الۡمُنَافِقُوۡنَ فَمِنۡ هٰذَا قَالُوۡا نِصۡفُ السُّوۡرَةِ مَكِّيٌّ وَ نِصۡفُهَا مَدَنِيٌّ۔ وَسَاهَلَاهَ۔

الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ۔ فِیْ اَعۡمَالِهِمُ الۡفَاضِلَةِ ’’ وَ يَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ۔‘‘ اَلۡمَاعُوۡنَ اَلۡمَنۡفَعَةُ۔ اَلۡمَآءُ الَّذِیْ يَنۡزِلُ مِنَ السَّحَابِ مَاعُوۡنٌ قَالَ عَبۡدُ الرَّاعِی ؎

قَوۡمٌ عَلَى الۡاِسۡلَامِ لَمَّا يَمۡنَعُوۡا
مَاعُوۡنَهُمۡ وَ يَضِيۡعُوا التَّهۡلِيۡلَا

اَیْ اَلطَّاعَةُ۔ وَالزَّكوٰةُ۔ وَ قَالَ عَلِیٌّ اَلۡمَاعُوۡنُ اَلزَّكوٰةُ۔ وَ الصَّدَقَةُ اَلۡمَفۡرُوۡضَةُ۔ قَالَهُ ابۡنُ مَسۡعُوۡدٍ وَ ابۡنُ عُمَرَ۔ وَالۡمَتَاعُ الَّذِیْ يَتَعَاطَاهُ النَّاسُ بَيۡنَهُمۡ كَالۡقِدۡرِ وَالدَّلۡوِ وَ الۡفَأۡسِ وَ شِبۡهِهٖ۔

عربی تفسیر کا ترجمہ۔

کیا تو نے اس شخص کا حال دیکھا ہے۔ جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ ایسے ہی ایک مکذب ابرھہ نام شاہ حبش کا ذکر اس سورہ شریف سے پہلے سورہ فیل میں ہو چکا ہے۔ اور اس کے بدانجام کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سورہ شریف کے ابتدا میں بطور استفہام کے لکھا گیا ہے کہ کیا تو اس مکذّب کو جانتا ہے۔ یہ استفہام اس واسطے ہے کہ سننے والے کو اس مکذب کے معلوم کرنے کا خیال پیدا ہو۔ دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور عقاب ہے جو کہ انسان کو اس کے اعمال پر ملتا ہے۔ مکذب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہ کرے اور اس کی مناہی سے پرہیز نہ کرے اور ابن عباس نے لکھا ہے کہ مکذب وہ ہے۔ جو خدا کے حکم کی تکذیب کرے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا ہے کہ مکذب وہ ہے۔ جو وقتِ حساب کا انکار کرے۔

آیت شریفہ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ میں فَ سبب کے لئے ہے۔کسی کا یتیم کو دھکے دینے کا فعل اس کے لئے مکذّب دین ہونے کا سبب ہوجاتا ہے۔اوراس میں ذٰلِكَ کا اشارہ تحقیر کے واسطے ہے۔اور علتِ حکم کے بتانے کے لئے اور موصول صلہ کی تحقیق کے لئے۔یَدُعُّ کے معنے ہیں۔دفع کرتا ہے۔جیسا کہ ابوطالب کے شعر میں ہے۔

جس کے معنے ہیں: یتیم کواس کا حق تقسیم کرتا ہے۔اورامراء کی خاطر غرباء کو دھکے نہیں دیتا۔

اوریتیم کا حق مارتا ہے۔یہ ابن عباس کا قول ہے۔اورقتادہ کا قول ہے کہ یتیم پر قہر کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے یہ اس شریر کی بداعمالی کیسی عجیب ہے کہ کھانے کھلانے اورامن دینے کے بدلے دھکے دیتا ہے۔

یَحُضُّ کے معنے ہیں کہ دوسرے کو اس امر کی ترغیب دیتا ہے کہ محتاج کو کھلائے اور دراصل سب کو خداتعالیٰ کھانا کھلاتا ہے۔

وَیْلٌ ۔ اس وادی کا نام ہے جو دوزخیوں کی پیپ سے بہ کر نکلے گی۔

سَاھُوْنَ کے لفظ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔جونمازوں کے اوقات میں تاخیر کرتے ہیں اورابن عباس اور مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ سَاھُوْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جونماز کے تارک ہیں اوروہ منافق ہیں۔اسی سبب سے کہا گیا کہ یہ سورۃ مکی[ا] ہے۔اور نصف مدنی ہے۔اور سَاہَ کے معنے ہیں لہو کیا۔

ریا کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے اچھے عمل لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔

مَاعُوْن منفعت کو کہتے ہیں۔پس اس پانی سے منع کرنا جو بادلوں سے آتا ہے۔ماعون ہے عبدالراعی نے ایک شعر میں کہا ہے۔

وہ قوم جو اسلام پر ہے۔انہوں نے کبھی ماعون سے منع نہیں کیا اور نہ کبھی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو ضائع کیا ہے۔

یہاں مَاعُوْن سے مراد اطاعت اور زکوٰۃ ہے۔اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے اور صدقہ مفروضہ ہے۔یہ ابن مسعود اور ابن عمر کی روایت ہے۔اور ماعون ایسی متاع کو بھی

ا ''نصف مکی ہے'' ہونا چاہیے۔سہوکاتب سے نصف کا لفظ رہ گیا ہے۔

کہتے ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مانگنے پر دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ دیگچی اور ڈول اور کلہاڑی اور ایسی اشیاء۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ نمبر ۲۶ مورخہ ۳/۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳)

سورت کے نام:۔ اس سورۂ شریف کو اس کے پہلے لفظ کے لحاظ سے سورہ اَرَءَیْتَ بھی کہتے ہیں جیسا کہ اور بھی بعض سورتوں کے نام ان کے پہلے الفاظ کے لحاظ سے ہیں۔ مثلاً۔ والصّٰفّٰتِ۔ الرَّحْمٰن۔ النَّجم۔ الطُّور وغیرہ۔

دوسرا نام اس سورۃ شریف کا اَلدِّیْن ہے کیونکہ اس میں جزا وسزا کے ضروری اور اہم مسئلہ کی تکذیب کرنے والے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔

تیسرا نام اس سورۂ شریف کا سورۃ الْمَاعُوْن ہے اور زیادہ تر مشہور یہی نام ہے۔ مَاعُوْن کے معنے مفصل آگے بیان ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

چوتھا نام اس سورہ شریف کا سورۃ الیتیم ہے۔ کیونکہ اس میں یتیم کے ساتھ محبت کرنے اور اس پر دستِ شفقت رکھنے کی طرف خاص طور پر ترغیب دی گئی ہے۔

مقام نزول:۔ بعض روایات کے مطابق یہ سورہ شریف مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور بعض کے نزدیک نصف اوّل مکّہ میں نازل ہوا تھا اور نصف دوم مدینہ میں نازل ہوا تھا اور چونکہ نصف آخر میں منافقین کی طرف اشارہ ہے اور مکہ معظّمہ میں بہ سبب تکالیف اور مصائب کے ہنوز صرف مخلص لوگ شامل تھے۔ اور ایسے وقت میں ممکن نہ تھا کہ کوئی منافق کمزور شامل ہو سکے۔ اس واسطے قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ نصف آخر مدنی ہو۔ لیکن چونکہ اکثر آیات میں جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی تھیں آئندہ حالات کی بھی پیشگوئیاں ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قیاس بالکل صحیح نہیں ٹھہرتا ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایک بار بلکہ کئی بار (نازل) ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کے تازہ حالات میں دیکھتے ہیں کہ ایک پیشگوئی وحی الٰہی میں ایک دفعہ نازل ہو کر مثلاً کتاب براہین احمدیہ میں چھپ چکی ہے۔ لیکن جب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تو نزول اول کے بیس پچیس سال بعد پھر وہی الہام الٰہی کلام میں دوبارہ نازل ہوئے۔

شانِ نزول:۔ ایسا ہی شانِ نزول کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ عطا و جابر کا قول حضرت ابن عباسؓ سے ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور دوسرے قول میں ہے کہ یہ سورت نصف اول عاص بن وائل کے حق میں ہے اور نصف ثانی عبداللہ بن ابی بن سلول کے حق میں ہے۔ سدی نے کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ ضحاک نے کہا ہے کہ عمر بن عاید کے حق میں ہے۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ ابوسفیان کے حق میں ہے یتیم کے جھڑکنے کے متعلق ابوجہل کا ایک قصہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی دولتمند مکہ میں قریب المرگ ہوتا تو اس کے پاس جا کر کہتا کہ تیرے بال بچے تیرے بعد اور وارثوں کے سبب خراب حال ہو جائیں گے بہتر ہے کہ تو اپنا مال متاع میرے سپرد کر دے۔ اس طرح یتیموں کا مال لے لیتا اور پھر جب وہ مر جاتا تو ان یتیم بچوں کو صاف جواب دے دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا۔ ذکر ہے کہ ایک یتیم جس کے ساتھ اس نے ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا تمام قصّہ عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ یتیموں پر بہت رحم کرتے تھے اس کی خاطر ابوجہل کے پاس چل کر گئے اور اسے سمجھایا اور یتیم کی سفارش کی مگر وہ نابکار اور بھی افروختہ ہوا۔ اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین کی۔ جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ایسا ہی بعض مفسرین نے ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ ایک دن ابوسفیان یا ولید بن مغیرہ نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اور ہنوز اس کے حصے ہی کر رہا تھا کہ ایک یتیم نے آ کر سوال کیا۔ اس نے لاٹھی سے اس یتیم کو مارا۔ تب حق تعالیٰ نے اس کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

یہ بھی حکمتِ الٰہی ہے کہ انجیل اور توریت کی طرح قرآن شریف میں ہر آیت کے ساتھ اس کا شانِ نزول درج نہیں۔ ابتدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے درمیان کبھی شانِ نزول یا مقامِ نزول ساتھ ساتھ نہیں لکھائے۔ جیسا کہ توریت انجیل میں اور دیگر صحفِ انبیاء میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ یا عیسیٰ یا کوئی اور نبی پھر اس مقام پر گیا اور اس آدمی کو ملا اور اس وقت اس پر یہ وحی نازل ہوئی یا خود اس نے یہ کلام کیا۔ برخلاف اس کے قرآن شریف اول سے خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور

ایک سمندر کی طرح اس کی روانی ہے جس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ بشر کے کلام کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور چونکہ یہ کلام نہ کسی خاص مکان کے واسطے تھا اور نہ کسی خاص قوم کے واسطے جیسا کہ توریت انجیل وغیرہ دیگر کتب سماوی ہیں۔ اس واسطے اس میں شانِ نزول ساتھ ساتھ نہ لکھے گئے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا کہ اس بات کی حفاظت بھی پورے طور سے نہ ہوئی کہ یہ آیتیں کب اور کس کے حق میں اول نازل ہوئی تھیں یہاں تک کہ ترتیبِ نزولی بھی خدا تعالیٰ نے قائم نہ رہنے دی قرآن شریف کی ترتیب اور اس کے درمیان شانِ نزول اور مقامِ نزول کا نہ لکھا جانا خود اس بات کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے کہ یہ کتاب برخلاف دیگر کتبِ سماوی کے تمام زمین کے واسطے اور قیامت تک سب زمانوں کے واسطے اور سب قوموں کے واسطے خدا تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

سورہ ایلاف میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنے انعام یاد دلائے ہیں۔ اس کے بعد ان کو یہ سمجھایا گیا کہ جب خدا تعالیٰ کے اس قدر فضل تم پر ہوئے ہیں تو اب تمہیں چاہیے کہ ان رذائل اور بدیوں سے بچو۔ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اور جن کا ذکر اس سورہ ماعون میں کیا گیا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۵)

۲۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔

ترجمہ۔ کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے جزاء سزا کو۔

تفسیر۔ اَرَءَيْتَ ۔ آیا دیدی؟ کیا دیکھا تُو نے۔ اس میں بظاہر استفہام ہے اور دراصل مطلب تعجب سے ہے کہ کیا ایسے شخص کو بھی تم نے دیکھا ہے۔ اس قسم کے طرزِ کلام میں ایک زور اور خوبصورتی ہے۔

الَّذِيْ ۔ جو کہ۔ وہ جو۔ جو شخص کہ

يُكَذِّبُ ۔ جھٹلاتا ہے۔ تکذیب کرتا ہے۔

بِالدِّيْنِ ۔ جزا و سزا کو کہتا ہے کہ نیکی پر انعام یا بدی کی سزا یہ فرضی باتیں ہیں۔ اس دنیا میں انسان زندگی گزار کر مر جاتا ہے۔ اور بس۔ پھر کچھ نہیں۔ ایسے لوگ اس زمانہ میں بھی پائے جاتے

ہیں۔ جو مادی لوگ یا میٹریلسٹ (Materialist) کہلاتے ہیں۔انبیاء علیہم السلام کے بڑے اور عظیم الشان کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان بالآخرت پر قائم کریں۔اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بھی یوم الدین پر ایمان کا قائم کرنا امن وامان کے قیام کے واسطے نہایت ضروری ہے۔جو شخص اعمال کی جزا وسزا کا قائل نہیں۔ وہ بے دھڑک ہو کر جس کا مال چاہے گا ناجائز طور پر کھائے گا۔ظاہری سلطنتیں دلوں کے درست کرنے سے قاصر ہیں۔دلوں کو راہِ راست پر لانا صرف روحانی سلطنتوں کا کام ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ذریعہ سے دنیا میں ہمیشہ قائم ہوتی ہیں۔

اسی پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ میں گورنمنٹ برطانیہ کی سلطنت کی حفاظت کے واسطے ایک تعویذ ہوں۔کیونکہ آپ مخلوق کے دلوں میں تقوی اور راستی کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔گورنمنٹ کے برخلاف جہادی خیالات جو اس ملک میں مشنری، عیسائی پادری، مسلمان ملاں اور آریہ لوگ پھیلا رہے ہیں اس کو اعتقادی رنگ میں لوگوں کے دلوں سے نکال رہے ہیں اور علاوہ اس کے اپنے مریدوں سے یہ اقرار لیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نیکی کو اختیار کریں۔راست بازی پر چلیں بدی کو چھوڑ دیں۔ کسی قسم کی بغاوت میں ہرگز شامل نہ ہوں۔جو لوگ جزا وسزا کے قائل نہیں وہ دنیوی مصائب سے گھبرا کر خودکشی کر لیتے ہیں تا کہ اس عذاب سے چھوٹ جاویں۔اگر ان کو معلوم ہوتا اور یقین ہوتا کہ آگے ایک اور عذاب ان کے واسطے موجود ہے تو وہ ایسا نہ کرتے۔ یہ یوم الدّین کے انکار کا سبب ہے کہ یورپ امریکہ میں اس کثرت کے ساتھ خودکشی ہر سال ہوتی ہے۔ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ میں دنیوی مصائب سے تنگ ہوں اور چاہتا ہوں کہ خودکشی کرلوں۔حضرت نے اس کو جواب لکھا کہ خودکشی سے کیا فائدہ ہے مرنے سے انسان کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔خودکشی کرنا گناہ ہے اور اس کے واسطے عذاب ہے اس سے بچنا چاہیے۔

دین کے معنے مذہب کے بھی ہیں۔اس صورت میں اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ کے یہ معنے ہیں کہ کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے اور آگے تشریح ہے کہ دین کے جھٹلانے

سے اس جگہ کیا مراد ہے۔ یتیم کو جھڑکنا، مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہ دینا، نماز سے لا پرواہی کرنا، ریا کاری کرنا، ماعون سے روکنا۔ ایسا آدمی خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے ہے۔ اور وہ دین کو جھٹلانے والا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنیوالا درستگی اعتقاد یعنی ایمان متعلق جزاء سزاء سے بے بہرہ ہے۔ اور تہذیب اخلاق سے بھی عاری ہے۔ کیونکہ نہ وہ دفعِ شر کرتا ہے اور نہ طلبِ منفعت کرتا ہے اور نہ وہ تزکیہ نفس کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ نماز سے تساہل کرنیوالا ہے اور ادنیٰ چیزوں سے جو گھر کے اندر عام استعمال میں آتی ہیں۔ ایک دوسرے کو برتنے سے منع کرتا ہے۔ اور اخلاق کے ادنیٰ مراتب سے بھی گرا ہوا ہے۔

۱۔ نماز پڑھتا ہی نہیں ۲۔ یتیم کو دھکے دیتا ہے ۳۔ مسکین کو کھانا نہیں دیتا ۴۔ ادنیٰ چیزوں کے باہمی استعمال سے مضائقہ کرتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

بخیل از بود زاہد و بہرہ ور بہشتی نباشد بحکم خبر[۱]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۵)

۳۔ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۔

ترجمہ۔ پس یہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو۔

تفسیر۔ فَذٰلِكَ ۔ پس یہی ہے الَّذِيْ ۔ وہ جو

يَدُعُّ ۔ دھکے دیتا ہے الْيَتِيْمَ ۔ یتیم کو

یتیم کی اہانت کرنیوالے اور اس پر سختی کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے درمیان شمار فرمایا ہے جو کہ دین کے مکذب ہیں۔ یتیم سب ضعیفوں سے زیادہ ضعیف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یتیم کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور یتامیٰ کی بہت خبر گیری کرتے تھے۔ ہماری انجمن اشاعتِ اسلام نے بھی اپنے اخراجات میں ایک مدّ یتامیٰ کی رکھی ہے۔ اور مدرسہ تعلیم الاسلام میں بہت سے یتیم

---

[۱] اگر ایک بخیل انسان بحر و بر کا سب سے زیادہ متقی انسان ہو تب بھی وہ حدیث کے مطابق جنتی نہیں ہو سکتا۔

پرورش پا رہے ہیں۔جن کے ہر قسم کے اخراجات تعلیمی اور خوراک پوشاک وغیرہ کے انجمن برداشت کر رہی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰/۱اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۵،۳۵۶)

۴۔ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔

ترجمہ۔ اور نہیں رغبت دیتا کہ مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

تفسیر۔ وَ لَا يَحُضُّ۔ اور نہیں رغبت دلاتا اور نہیں تاکید کرتا۔

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ مسکین کے کھانا کھلانے پر۔

یہ دوسری مذمت مکذب کی ہے کہ وہ اول تو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور دوم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا اور نہ کسی دوسرے کو اس امر کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ مسکین کو کھانا کھلایا کرے۔

اس جگہ مکذب کی دو بڑی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ ہے کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور دوم یہ کہ مسکین کو کھانا نہیں دیتا۔مسکین اور یتیم ہر دو عام لفظ ہیں۔اور ہر ایک شخص جو مساکین اور یتامٰی کے ساتھ بدسلوکی کریگا وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر وارد کرے گا۔لیکن اس میں ایک باریک اشارہ ایک خاص یتیم اور مسکین کی طرف بھی ہے۔جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیوی تعلقات کو قطع کر دیا ہے اور دنیوی اموال اور جاہ وحشم کو بالکل ترک کر دیا ہے۔اور وہ خدا کی خاطر ایک یتیم اور مسکین بن گیا ہے تب خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی ہستی کے ثبوت کے واسطے ایک حجت اور نشان مقرر کر کے دوبارہ دنیا میں داخل کر دیا ہے۔خداوند تعالیٰ کے تمام انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے۔اور وہ لوگ جو دنیا میں عام طور پر اپنی بے دینی کے باعث یتامٰی اور مساکین پر ظلم روا رکھتے ہیں۔وہ اپنی عادت کے مطابق ان آیات اللہ کے ساتھ ٹکر کھا کر اپنی بداعمالیوں کا آخری نتیجہ پا لیتے ہیں۔جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یتیم اور مسکین بے کس اور بے بس ایک اکیلا انسان سمجھا۔اور آپؐ کے ساتھیوں کو چند غرباء ضعفاء کے سوائے نہ پایا اور آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے۔خدا تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو ایسا خاک میں ملایا۔اور ان کو ایسی ناکامی کا منہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی دکھایا کہ اس کی نظیر تاریخ دنیا کے معرکہ ہائے جنگ وجدال میں نظر نہیں آتی۔ایسا ہی اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کا

ایک مرسل ہمارے درمیان موجود ہے۔جس نے آبائی عزّت وجاہ اوراموال وجاگیرکواپنے خدا کی محبت کے آگے ہیچ جان کرسب کچھ ترک کیااور گوشہ میں بیٹھ کر گمنامی کے درمیان اپنے خدا کی یادکو سب باتوں پر ترجیح دی۔دنیانے اس کویتیم اور مسکین دیکھا۔اوردنیاکے فرزندوں نے چاہاکہ اس مسکین کوکوئی کھانانہ دےاورنہ اس کوکوئی ملے۔اورنہ اس کے ساتھ کوئی بات کرےاوراس کے حق میں سخت سے سخت کفرکےفتوے لگائےلیکن خداتعالیٰ کاغضب ایسے کفربازوں پرنازل ہوااوران کےنوجوانوں کوکھاگیااوران کے بچوں کویتیم کرگیااوران کےگھروں کوویران کرگیا۔پروہ جس کے لئے کہاگیاتھاکہ کوئی اس کوکھانانہ دے۔اس کاگھرخدانے ہرقسم کی نعمتوں کے ساتھ بھردیا۔

پس بڑابدنصیب وہ ہے جوخداکےفرستادہ کویتیم اور مسکین دیکھ کر دھکے دےاور دوسروں کوبھی اُس کے پاس جانے سے روکے۔ (ضمیمہ اخبار بدرقادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۶)

۵،۶۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔

ترجمہ۔ پس افسوس ہے ان نمازیوں کے لئے وہ جواپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

تفسیر۔ فَوَيْلٌ۔پس وائے ہے۔پس افسوس ہے۔پس ہلاکت ہے۔

لِّلْمُصَلِّيْنَ۔واسطے نمازیوں کے

الَّذِيْنَ۔وہ جو

هُمْ۔وہ

عَنْ صَلَاتِهِمْ۔اپنی نماز سے

سَاهُوْنَ۔ سہوکرنے والے ہیں۔غفلت کرنے والے ہیں۔تساہل کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کوتنبیہ کی گئی ہے۔جونماز کےمعاملہ میں سستی اورغفلت کرتے ہیں۔

مُصَلِّيْنَ وہ لوگ جونماز کے واسطے مکلف ہیں۔نماز میں غفلت کئی طرح سے ہوتی ہے۔

ا۔بعض لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔رسمی طور پرمسلمان کہلاتے ہیں۔مگرکبھی ان کویہ خیال نہیں آتا کہ نماز کاپڑھنامسلمان کے واسطے فرض ہےاورجب تک کہ وہ اپنے عین کاروبار کے درمیان وقتِ نماز

کے آنے پر تمام دنیوی خیالات کو بالائے طاق رکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتا۔تب تک اس میں اسلامی نشان نہیں پایا جاتا۔ ہر ایک قوم والوں کے درمیان کوئی مذہبی نشان ہوتا ہے۔عیسائی لوگوں نے وہ نشان صلیب کا رکھا ہے۔جس کو وہ لکڑی یا لوہے یا چاندی سونے کی بنوا کر اپنی چھاتی پر یا سر پر اور معبد خانوں کے اوپر لگا دیتے ہیں۔اس واسطے عیسوی مذہب کو صلیبی مذہب کہتے ہیں۔اور عیسائیوں نے جو لڑائیاں اپنے مذہب کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ کیں ان کو صلیبی جنگ کہتے ہیں۔ایسا ہی ہندو لوگ اپنے ہندو ہونے کی نشانی میں بدن پر ایک تاگہ رکھتے ہیں جسے زنار یا جنیو کہتے ہیں۔مسلمانوں کے درمیان ان کے اسلام کی نشانی یہی ہے کہ مسلمان ہر حالت رنج و راحت، صحت و بیماری، امن و جنگ میں اپنے وقت پر اپنے خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضری بھرنے کے واسطے چست ہو جاتا ہے۔عین جنگ کے موقع پر جہاں دشمنوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہوتی ہے۔حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ صف بندی کر کے نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔اس سے بڑھ کر نماز کے واسطے اور کیا تاکید ہو سکتی ہے۔

۲۔ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی کبھی جس دن کپڑے بدلے یا صبح کے وقت جب ہاتھ منہ دھویا تو نماز بھی اس اتفاق سے پڑھ لی یا چند ایسے دوستوں میں قابو آ گئے جو نماز پڑھتے ہیں۔تو وہاں ان کے درمیان مجبوراً پڑھ لی۔یہ لوگ بھی غفلت کرنیوالوں میں شامل ہیں۔

۳۔ پھر کچھ ایسے لوگ ہیں۔جو پڑھتے تو ہیں مگر بہ سبب تکبر کے یا بہ سبب سستی کے اپنے ہی گھروں میں پڑھ لیتے ہیں ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔جب نماز کا وقت آیا تو اسی جگہ جلدی جلدی نماز پڑھ لی۔گویا ایک رسم ہے جس کو ادا کرتے ہیں یا ایک عادت ہے جس کو پورا کرتے ہیں۔مسجد میں جانا اور جماعت کو پانا ان کے نزدیک ایک بے فائدہ امر ہے۔یہ لوگ بھی غافلین میں شامل ہیں۔اکثر آجکل کے دنیوی رنگ میں بڑے لوگوں میں اگر کسی کو نماز کی عادت ہے۔(تو ایسی ہے)۔

۴۔ پھر بعض لوگ مسجد میں بھی جا کر پڑھتے ہیں۔مگر بے دلی کے ساتھ۔ان میں تعدیلِ ارکان

کا خیال نہیں۔اور خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے نہیں جھکتے اور جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں۔ اور نماز کے اندر وساوس کو اور غیر خیالات کو بُلاتے ہیں۔

۵۔ پھر وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں۔مگر ویسی نماز نہیں پڑھتے جو خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سکھلائی اور اس کے رسولؐ نے اپنی امت کو سکھلائی بلکہ وہ اپنے لئے ایک نئی نماز ایجاد کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ جس وقت یہ سورہ شریف نازل ہوئی تھی۔اس وقت بھی تو نماز پڑھی جاتی تھی۔اور ظن کرتے ہیں کہ تاریخی شہادتیں تمام جھوٹی ہیں۔خواہ کس قدر جانفشانی کے ساتھ وہ واقعات سینہ بسینہ جمع کئے گئے ہوں۔گویا ان کے نزدیک تمام جہان کی تاریخ جھوٹ ہے۔اور اس میں کچھ راستی نہیں۔اور کہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہر ایک انسان اپنے لئے آپ قرآن شریف کو سمجھے گا اور وہ دنیا میں ہزار ہا اشیاء کے محتاج ہیں لیکن جب انہیں کہا جائے کہ تم قرآن شریف کے سمجھنے کے لئے بھی کسی کے محتاج ہو تو اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن شریف کسی کا محتاج نہیں وہ کلامِ الٰہی ہے۔اور سچ ہے کہ وہ محتاج نہیں۔لیکن کیا انسان بھی محتاج نہیں۔کیا ماں کے پیٹ سے کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر نکلا تھا؟ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ نماز جو دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں۔وہ درست نہیں۔خواہ اس کے متعلق سچی اور حقیقی شہادت دکھائی جائے کہ آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اسی طرح پڑھی تھی اور کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی وہ قابلِ اعتبار نہ تھے۔اور نہیں سوچتے کہ اگر وہ سب کے سب ایسے ہی تھے تو پھر قرآن شریف بھی ہم تک انہیں بزرگوں کے ذریعہ سے پہنچا ہے پس کیونکر یقین ہو کہ قرآن شریف بھی اصلی ہے کیونکہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔مگر کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ حفاظت کی آیت بھی ان لوگوں نے اپنے پاس سے ڈال دی ہو۔جنہوں نے ہم تک قرآن شریف کو پہنچایا؟ پس یہ راہ بہت ہی خطرناک ہے جو چکڑالوی اور اس کے ہم خیالوں نے اختیار کی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۶، ۳۵۷)

۷۔ اَلَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ۔

ترجمہ۔ وہ جو دکھانے کو کام کرتے ہیں۔

تفسیر۔ اَلَّذِیْنَ ۔وہ لوگ جو۔

ھُمْ یُرَآءُوْنَ ۔ دکھاوا کرتے ہیں۔ریاکاری کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو لوگوں کی خاطر یا لوگوں کے سامنے لمبی نماز پڑھتے ہیں اور جب علیحدہ ہوتے تو پھر نہیں پڑھتے یا کسل کے ساتھ نماز کو ادا کرتے ہیں۔لیکن اصل بات نیت پر موقوف ہے۔اگر کوئی شخص سچے اخلاص کے ساتھ اور صدق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو خواہ اس کو کوئی دیکھا کرے اس امر کا اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک آدمی آیا اور مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔اس کا یہ دیکھنا مجھے بھلا معلوم ہوا۔ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔آپؐ نے فرمایا کہ تیرے لئے دہرا اجر ہے۔ایک سرّ کا اجر اور ایک علانیہ کا۔غرض یہ باتیں زیادہ تر نیت پر موقوف ہیں۔بعض لوگ اس نیت سے ظاہری طور پر صدقہ خیرات کرتے ہیں کہ دوسروں کو بھی نیک کام کے واسطے ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اندر سے ایک نیکی کا کام کرتے ہیں۔ اور ظاہر میں اس کو بدی کا رنگ دیتے ہیں تا کہ خلقت کی نظروں میں وہ بد دکھائی دیں۔ میرے نزدیک یہ بھی ریاکار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے عمل میں خلقت کی نظرِ بد یا نیک کی پرواہ کی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے خدا تعالیٰ کے واسطے خالصۃً عبادت کرے پھر خواہ خلقت اس کو برا سمجھے یا بھلا اس امر کی پرواہ نہیں چاہیے۔ اور اپنے ظاہر کو جان بوجھ کر برا بنانا آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی اس دعا سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ وہ دعا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی اور اس طرح ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَّتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَّتِیْ صَالِحَۃً

اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو اچھا کر۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۷)

۸۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔

ترجمہ۔ اور روکتے ہیں برتنے کی چیز سے۔

تفسیر۔ اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیز سے۔ماعونؔ بروزن فاعولؔ تھوڑی چھوٹی اور ادنیٰ شئے کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کو مانگنے سے استعمال کے واسطے دی جاوے تو دینے والے کا حرج نہ ہو اور لینے والے کو فائدہ ہو جاوے۔ جیسا اس ملک میں پینے کے لئے پانی، چولہے کی آگ، تھوڑا نمک، کلہاڑی، ہاون دستہ وغیرہ۔ گھر میں ایسی اشیاء کا رکھنا جو ہمسایہ کے کام کبھی کبھی آویں۔ موجبِ ثواب ہے۔ بعض کے نزدیک ماعونؔ زکوٰۃ کو کہتے ہیں۔

اس سورہ شریف میں جو نشانیاں مکذبانِ دین کے واسطے بیان کی گئی ہیں وہ سب یوروپ کے عیسائیوں پر ایسی چسپاں ہوتی ہیں کہ گویا یہ سورہ شریف ان کے ہی حق میں نازل ہوئی تھی۔ سب سے اول دین کی تکذیب ہے۔ سو یوروپ کے علماء ہی ہیں جنہوں نے دنیا میں سب سے پہلے یہ بات ظاہر کی ہے کہ دین ایک لغو امر ہے۔ مذہب کی طرف توجہ ہی کرنا بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ یتیم اور مساکین کو جھڑکنے کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی مسکین اور یتیم راہ میں کسی سے سوال کر بیٹھے تو وہ مجرم گردانا جا کر جیل خانہ میں بھیجا جاتا ہے۔ کسی غریب کو اپنے گھر بلا کر روٹی کھلانا یا مسافر کی خاطر داری کرنا زمانہ جہالت کا طریق خیال کیا جاتا ہے۔ نماز سے غفلت کا یہ حال ہے کہ ہفتہ میں ایک دن اور اس دن میں بھی ایک گھنٹہ نماز کے واسطے مقرر ہے۔ اس میں کوئی دس فیصدی عیسائی گرجا جاتے ہوں گے۔ ہاں دکھاوے کے کام بہت ہیں۔ چندوں کی لمبی فہرستیں شائع کی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو برتنے کے واسطے کوئی شئے لینا دینا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس سے خیال پڑتا ہے کہ شاید یہ سورۃ بھی دجال کے حق میں ہی نازل ہوئی ہو۔ جس کے مقابلہ کے واسطے خدا نے اس زمانہ میں اپنا مسیحؑ بھیجا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۷)

ماعون۔ برتنے کی عام چیزیں ماعون کہلاتی ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کو شروع کیا جاتا ہے جس کی رحمت بلا مبادلہ سب کے واسطے عام ہے اور جو نیک عمل کرنے والوں کے واسطے انعام اور بدی کرنے والوں کو سزا دیتا ہے۔

یہ سورۂ شریف مکی ہے۔اس میں تین آئتیں اور بارہ الفاظ اور بیالیس حروف ہیں۔

۲ تا ۴۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ۔اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

ترجمہ۔ تحقیق عطاء کی ہم نے تجھے کوثر پس نماز پڑھ واسطے اپنے پالنے والے کے اور قربانی کر بے شک دشمن تیرا جو ہے وہ بے نسل ہے۔

تفسیری ترجمہ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تجھے کوثر جیسی نعمت عطاء کی ہے پس اپنے رب کی عبادت کر اور قربانی دے تیرا دشمن تو ضرور جڑھ سے کاٹا گیا ہے۔

تفسیر مَکِّیَّۃٌ۔عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَائِشَۃَ وَ ابْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ (اَلدُّرُّ الْمَنْثُوْر) وَ نُسِبَ هٰذَا الْقَوْلُ فِی الْبَحْرِ اِلَی الْجُمْهُوْرِ (اَلْعَیْنِی وَ رُوْحُ الْمَعَانِیْ)

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی السَّمَآءِ قَالَ اَتَیْتُ عَلٰی نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ۔ مُجَوَّفٌ۔ فَقُلْتُ مَا هٰذَا یَا جِبْرِیْلُ۔ قَالَ هٰذَا الْکَوْثَرُ۔

(البخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الکوثر مکتبہ دار السلام۔ ریاض)

وَ مَدَنِيَّةٌ۔ عَنْ مُجَاهِدٍ وَالْحَسَنِ وَ قَتَادَةَ وَ عِكْرَمَةَ وَ فِي الْاِتْقَانِ اِنَّهُ الصَّوَابُ وَ رَجَّحَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ شَرْحِهٖ لِمُسْلِمٍ۔ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ سُنَنِهٖ۔ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ وَ اَبِيْ شَيْبَةَ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ۔ اَغْفٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِغْفَاءَةً فَرَفَعَ رَأْسَهٗ مُتَبَسِّمًا فَقَالَ اِنِّيْ اُنْزِلَ اِلَيَّ اٰنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَأَ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ حَتّٰى خَتَمَهَا۔ (اَلْحَدِيْث)

اَمَّا الْكَوْثَرُ۔ فَاَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَ الْحَاكِمُ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْكَوْثَرُ۔ قَالُوْا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُوَ نَهْرٌ اَعْطَانِيْهِ رَبِّيْ فِي الْجَنَّةِ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيْرٌ تَرِدُ عَلَيْهِ اُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، اٰنِيَتُهٗ عَدَدُ الْكَوَاكِبِ، يُخْتَلَجُ الْعَبْدُ مِنْهُمْ فَاَقُوْلُ: يَارَبِّ، اِنَّهٗ مِنْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثَ بَعْدَكَ۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ هُوَ الْخَيْرُ الَّذِيْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ۔ قَالَ اَبُوْبِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَاِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهٗ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيْدٌ اَلنَّهْرُ الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِيْ اَعْطَاهُ اِيَّاهُ (البخاری)

فِي النَّسَائِيِّ بَدَلُ فِي الْجَنَّةِ فِيْ بُطْنَانِ الْجَنَّةِ مَعْنَاهُ فِيْ وَسَطِهَا وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمَذِيُّ وَ صَحَّحَهٗ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ أَنَّهٗ يَجْرِيْ عَلَى الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ تُرْبَتُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَ مَآؤُهٗ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ۔

وَ سَأَلَ نَافِعُ ابْنُ الْاَزْرَقِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ الْكَوْثَرِ فَقَالَ نَهْرُ بُطْنَانِ الْجَنَّةِ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ فِيْهَا اَزْوَاجُهٗ وَ خَدَمُهٗ۔ قَالَ هَلْ تَعْرِفُ الْعَرَبُ ذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ اَمَا سَمِعْتَ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ يَقُوْلُ

؎ وَ حَیَّاہُ الْاِلٰہُ بِالْکَوْثَرِ الْاَکْبَرِ
فِیْہِ النَّعِیْمُ وَ الْخَیْرَاتُ

اَلْکَوْثَرُ مِنَ الْکَثْرَۃِ۔ اَلشَّیْءُ الْکَثِیْرُ۔ کَثْرَۃٌ مُفْرِطَۃٌ قَالَ الْکُمَیْتُ۔

؎ وَ اَنْتَ کَثِیْرٌ یَا ابْنَ مَرْوَانَ طَیِّبٌ
وَ کَانَ اَبُوْکَ ابْنُ الْفَضَائِلِ کَوْثَرًا

اَخْرَجَ الْبَزَّازُ وَ غَیْرُہٗ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ کَعْبُ بْنُ الْاَشْرَفِ مَکَّۃَ فَقَالَتْ لَہٗ قُرَیْشٌ اَنْتَ سَیِّدُھُمْ اَلَا تَرٰی اِلٰی ھٰذَا الْمُنْصَبِرَ الْمُنْتَبِرَ مِنْ قَوْمِہٖ یَزْعُمُ اَنَّہٗ خَیْرٌ مِّنَّا وَ نَحْنُ اَھْلُ الْحَجِیْجِ وَ اَھْلُ السِّقَایَۃِ وَ اَھْلُ السَّدَانَۃِ قَالَ اَنْتُمْ خَیْرٌ مِّنْہُ۔ فَنَزَلَتْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔

وَ اَمَّا بَقِیَّۃُ التَّفْسِیْرِ بِالْاٰثَارِ عَنِ الصَّحَابَۃِ وَ التَّابِعِیْنَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ الْحَسَنِ الْکَوْثَرُ الْقُرْآنُ وَ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ عِکْرَمَۃَ قَالَ الْکَوْثَرُ مَا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مِنَ النُّبُوَّۃِ وَ الْخَیْرِ وَ الْقُرْآنِ۔

وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ الْحَاکِمُ وَ ابْنُ مَرْدَوَیْہِ وَ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ السُّوْرَۃُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لِجِبْرِیْلَ مَا ھٰذِہِ النَّحِیْرَۃُ الَّتِیْ اَمَرَنِیْ بِھَا رَبِّیْ قَالَ اِنَّھَا لَیْسَتْ بِنَحِیْرَۃٍ وَ لٰکِنْ یَأْمُرُکَ اِذَا قُمْتَ لِلصَّلٰوۃِ اَنْ تَرْفَعَ یَدَیْکَ اِذَا کَبَّرْتَ وَ اِذَا رَکَعْتَ وَ اِذَا رَفَعْتَ رَأْسَکَ مِنَ الرُّکُوْعِ فَاِنَّھَا صَلٰوتُنَا وَ صَلٰوۃُ الْمَلٰٓئِکَۃِ الَّذِیْنَ ھُمْ فِی السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ زِیْنَۃٌ وَ زِیْنَۃُ الصَّلٰوۃِ رَفْعُ الْیَدَیْنِ مِنَ الْاِسْتِکَانَۃِ الَّتِیْ قَالَ اللّٰہُ فَمَا اسْتَکَانُوْا لِرَبِّھِمْ وَ مَا یَتَضَرَّعُوْنَ۔ وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَ الْبُخَارِیُّ وَ

ابْنُ جَرِيْرٍ وَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ الدَّارُ قُطْنِیْ وَ اَبُو الشَّیْخِ وَ الْحَاکِمُ وَ ابْنُ مَرْدَوَیْهِ وَ الْبَیْہَقِیُّ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فِیْ قَوْلِهٖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ۔ قَالَ وَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی وَسَطِ سَاعِدِهِ الْیُسْرٰی ثُمَّ وَضَعَهَا عَلٰی صَدْرِهٖ فِی الصَّلٰوةِ وَاَخْرَجَ اَبُو الشَّیْخِ وَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ سُنَنِهٖ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ ابْنُ مَرْدَوَیْهِ وَ الْبَیْہَقِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ۔ قَالَ اِذَا صَلَّیْتَ فَرَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنْ رَکُوْعٍ فَاسْتَوِ قَائِمًا۔ وَ اَخْرَجَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ۔ اِسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ بِنَحْرِكَ۔

وَ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ۔ اَلصَّلٰوةُ الْمَکْتُوْبَةُ وَ الذِّبْحُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنْ قَتَادَةَ صَلٰوةُ الْاَضْحٰی وَ نَحْرُ الْبُدْنِ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

جیسا کہ کتاب الدر المنثور میں لکھا ہے۔ یہ سورہ شریف حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے قول کے مطابق مکی ہے۔ اور تفسیر عینی اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ بحر میں بھی یہ قول جمہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا۔ تو آپؐ نے سنایا کہ شبِ معراج میں مَیں نے ایک نہر دیکھی جس کے اردگرد موتیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ مگر خالی تھے۔ پس میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ یہ کوثر ہے۔

مجاہد اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ سورہ شریف مدنی ہے اور کتاب اتقان میں

اسی قول کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اور نووی نے مسلم کی شرح میں بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ احمد اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور بیہقی نے اپنی کتابوں میں اور ایسا ہی ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ اور ابن ابی شیبہ نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر تک سر نیچے رکھا اور پھر سر اٹھا کر تبسم فرمایا اور کہا کہ ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر سورۃ کوثر پڑھی۔

لفظ کوثر۔ بخاری اور حاکم اور ابن جریر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا شئے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے۔ جو میرے رب نے مجھے عطا کی ہے۔ وہ نہر جنت میں ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے۔ قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہوگی۔ اس کا برتن ستاروں جتنا وسیع ہے۔ ان میں سے ایک آدمی اس پر سے ہٹایا جاوے گا تو میں کہوں گا کہ میرے رب۔ یہ تو میری امت کا آدمی ہے۔ اسے کیوں ہٹایا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ تو نہیں جانتا کہ اس نے تیرے بعد کیسی نئی باتیں نکالی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوثر اس خیر کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا کی ہے۔ ابو بشر لکھتا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر کو کہا کہ لوگ تو خیال کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں نہر کا نام ہے۔ اور آپ کہتے ہیں وہ خیر ہے تو سعید نے کہا کہ جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اسی خیر میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کو عطا کی ہے۔

حدیث شریف کی کتاب نسائی میں فِی الْجَنَّۃِ کی بجائے فِیْ بَطْنَانِ الْجَنَّۃِ آیا ہے بَطْنَانِ الْجَنَّۃِ کے معنے ہیں بہشت کے وسط میں۔ ابن ابی شیبہ اور احمد اور ترمذی نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح بتلایا ہے اور ابن ماجہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ

وہ نہر موتیوں پر اور یاقوت پر جاری ہے۔اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔اور شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اور نافع بن ارزق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کوثر کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو کہ بہشت کے وسط میں ہے اور اس کے اردگرد موتیوں کے اور یاقوت کے خیمے ہیں۔اس میں بیویاں اور خدّام ہیں۔نافع نے کہا کہ اہلِ عرب ان معنوں سے واقف ہیں؟ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں واقف ہیں۔کیا آپ نے حسانؓ ابن ثابت کا یہ شعر نہیں سنا۔

ترجمہ شعر: اور خدا نے اسے کوثر عطا کیا ہے۔بڑا کوثر جس میں نعمتیں اور بھلائیاں ہیں۔

لفظ کوثر کثرت سے نکلا ہے اور اس کے معنے ہیں۔بہت ساری چیز۔بہت زیادہ۔

کمیت شاعر کہتا ہے۔

اے ابن مروان تو کثیر ہے اور طیب ہے۔ اور تیرا باپ بہت بڑھی ہوئی فضیلتوں والا تھا۔

بزاز نے اور دوسروں نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف ایک دفعہ مکہ میں آیا تو قریش نے اسے کہا کہ تو ہمارا سردار ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا اس المنصبر المنبتر کی طرف وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے۔حالانکہ ہم وہ ہیں جو لوگوں کو حج کراتے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں اور لوگوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔کعب بن اشرف نے کہا کہ نہیں تم اس سے اچھے ہو اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے باقی تفسیر اس طرح سے ہے کہ ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کی ہے۔کہ کوثر کے معنے ہیں۔قرآن شریف۔اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ کوثر اس کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور خیر اور قرآن شریف عطا کیا تھا اور ابن ابی حاتم اور حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب سورۂ کوثر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے کہا کہ اس وحی الٰہی میں نحیرہ سے کیا مراد ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد کوئی قربانی نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے اس میں آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ نماز پڑھیں اور اللہ اکبر کہیں تو اس وقت اپنے ہاتھ اٹھایا کریں اور جب رکوع کریں اور جب رکوع سے سر اٹھائیں تو اس وقت بھی ہاتھ اٹھایا کریں۔ یہ ہماری نماز ہے اور یہی ان سب فرشتوں کی نماز ہے جو کہ سات آسمانوں میں ہیں۔ اور ہر ایک چیز کے واسطے ایک زینت ہوتی ہے۔ پس نماز کی زینت یہ ہے کہ ہر ایک تکبیر کے وقت رفع یدین کی جاوے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رفع یَدَیْن کرنا وہ استکانت ہے۔ جس کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں ہے کہ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۔[1] (المومنون: ۷۷) اور ابن ابی شیبہ سے روایت ہے اور بخاری اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور دارقطنی اور ابوالشیخ اور حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے متعلق روایت کی ہے کہ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی کے وسط پر رکھا اور پھر دونوں ہاتھوں کو نماز میں اپنے سینہ پر رکھا اور ابوالشیخ اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہ مراد ہے کہ جب تو نماز پڑھے اور اپنا سر رکوع سے اونچا کرلے تو سیدھا کھڑا ہو جا اور ابی الاحوص سے روایت ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہ مراد ہے کہ اپنی قربانی لے کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں صلوٰۃ سے مراد فرض نماز ہے اور قربانی سے مراد عید الاضحی کی قربانی ہے۔

[1] تو وہ جھکتے نہیں اپنے ربّ کے سامنے اور نہ عاجزی ہی کرتے ہیں۔

اور ابن جریر نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ نماز سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز ہے۔اور قربانی سے مراد بھی اس عید کی قربانی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان نمبر ۲۶ جلد ۱۲ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۵۸ تا ۳۶۰)

اس کے بعد عربی تفسیر میں صرف ونحو کا وہ حصہ ہے جو عام فہم نہیں ہے۔اس واسطے اس کو چھوڑا جاتا ہے۔لیکن اس میں سے چند باتیں بطور اختصار کے درج کی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے عطائے کوثر کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے اول حرف تاکید کا فرمایا ہے۔پھر صیغہ ماضی میں بیان کیا ہے۔یہ بھی ایک تاکید ہے۔اور دیگر صرفی نحوی تاکیدیں بھی ان الفاظ میں ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔آپؐ کے واسطے کوثر کا ملنا ایک امر مقدر ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت سے آپ کو عطا ہوا ہے۔ایسا لفظ اَعْطٰی کا استعمال بھی اسی فضلِ عظیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ورنہ صرف دینے کے مفہوم کے واسطے عربی میں لفظ اٰتٰی بھی آسکتا تھا۔ایسا ہی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے كَ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے اور ایسا نہیں فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولؐ [1] یا نبی یا عبد کو کوثر عطا کیا ہے۔اس میں بھی رحمانیت کے خاص فضل اور عطاء کا تذکرہ ظاہر کیا ہے۔ایسا ہی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں بھی دشمن کے بے نسل ہونے کو بہت سی تاکیدوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے یہ بات ضرور ہوجانے والی ہے۔

اس سورۃ کا پہلی سورۃ (الماعون) سے یہ تعلق ہے کہ سورہ ماعون میں ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ مکذب[1] بالدین۔بخیل[2]۔تارکِ[3] صلوٰۃ۔ریا[4] کار۔مانع[5] زکوٰۃ اور مانع[6] ماعون ہے اور اس

---

[1] چکڑالوی لوگ اس پر توجہ کریں۔رسول کے لفظ کے معنے تو وہ قرآن شریف کر دیتے ہیں۔تو کیا یہاں بھی كَ میں مخاطب قرآن شریف ہے اور قرآن شریف کو حکم ہوا ہے کہ اے قرآن تو نماز پڑھا کر اور اے قرآن تو قربانی دیا کر۔غور کرو کہ یہ خطاب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔اور آپ کو کوثر عطا کیا گیا ہے اور اس کوثر میں خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی پاک تفہیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔کیا چکڑالوی کو قرآن کی تفہیم ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہ ہوئی تھی۔(ایڈیٹر)

سورۃ شریف میں ایسے آدمی کا ذکر ہے۔ جو ان بری عادات کے بالمقابل تمام نیک صفات سے متصف ہے۔ وہ مکذب تھا تو یہ اول المومنین اور مصدق ہے۔ خدا کی طرف سے اسے کوثر عطا کیا گیا۔ وہ بخیل اور مانعِ زکوٰۃ اور مانعِ ماعون تھا تو یہ وَانْحَرْ کے حکم پر چلنے والا ہے۔ وہ تارکِ صلوٰۃ اور ریا کار تھا تو یہ فَصَلِّ کی پیروی کرنیوالا ہے۔ اور وہ بھی لِرَبِّكَ خاص خدا کے واسطے۔ کسی انسان کے واسطے نہیں۔ کسی کو دکھانے کے واسطے نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۰، ۱۷/اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۶۱)

۱۔ اَلْكَوْثَرُ النَّهْرُ فِي الْجَنَّةِ۔ وَ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ وَ لَاشَكَّ اَنَّ النَّهْرَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ وَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ الَّذِيْ اُعْطِيَ نَبِيُّنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

۲۔ كَثْرَةُ الْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰى لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ فَمَا تَرٰى فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْكِتَابِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِثْلَ مَا تَرٰى مِنَ الْاَسْمَآءِ فِي الْكِتَابِ الْمُنْزَلِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ عَلَى الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ كَثْرَةُ الْمَحَامِدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى۔ فَهَلْ تَرٰى مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَمُدُّ صَوْتَهٗ وَ يُنَادِيْ وَ يُكَرِّرُ بِاللّٰهِ اَكْبَرُ عَلَى الْمَنَارَاتِ وَ الْمُرْتَفِعَاتِ۔ وَ هَلْ يُمْكِنُ لَفْظُ اَكْبَرُ مِنْ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اَوْ مَا تَرٰى فِي الْاِسْلَامِ اَدْعِيَةَ الْاَكْلِ وَ الشُّرْبِ وَ الْجِمَاعِ وَ النَّوْمِ وَ التَّقْلِيْبِ فِي النَّوْمِ وَ الْاِنْتِبَاهِ مِنْهُ وَ الدُّخُوْلِ فِي الْمَسَاجِدِ وَ الْقِيَامِ وَ الْجُلُوْسِ وَ الْخُرُوْجِ مِنْهَا وَ الذَّهَابِ اِلَى السُّوْقِ وَ الْاِيَابِ مِنْهَا وَ السَّفَرِ وَ الْحَضَرِ وَ اَدْعِيَةَ الْبَأْسَاءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنِ الْبَأْسِ وَ رُكُوْبِ الدَّابَّاتِ وَ الْحَاجَاتِ وَ الْكَرْبِ وَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ الْفِتَنِ۔

وَ مَحَامِدُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى فِيْ اِبْتِدَآءِ الْكِتَابِ وَ الْخُطَبِ وَ الرَّسَآئِلِ وَ خِتَامِهَا۔ وَ مِنْهَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ كَثْرَةُ وَعْظِ التَّوْحِيْدِ وَ نَفْيِ الشِّرْكِ۔ أَرَأَيْتَ هٰذَا الْبَيَانَ فِيْ كِتَابٍ اَوْ دِيْوَانٍ۔ اُنْظُرْ كَلِمَةَ التَّوْحِيْدِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهَلْ اَبْقٰى فِيْ

قَلْبِ اَحَدٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِھَا اَنْ یُّشْرِكَ اَحَدًا فِی النِّیَّۃِ وَ الْقَصْدِ وَ اَنْ یَّدْعُوَ اَحَدًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَ اَنْ یُّطِیْعَ اَحَدًا بِدُوْنِ اَمْرِہٖ وَ اَنْ یَّتَّخِذَ اَحَدًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ رَبًّا سِوَاہُ وَ لَوْ کَانَ مِنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ اَیْ اَلْعِبَادِ وَ الْعُلَمَآءِ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ وَ ھَلْ یُمْکِنُ مِنْ اَحَدٍ اَنْ یُّؤْمِنَ بِھَا اَنْ یُّحِبَّ الْخَلْقَ کَحُبِّ اللّٰہِ فَلَا یَرْجُوا الْمُؤْمِنُ بِھَا مِنْ اَحَدٍ۔ وَلَا یَخَافُ مِنْ اَحَدٍ۔ فَلَا یَعْتَقِدُ فِیْ اَحَدٍ اَنَّ لَہُ الْعِلْمُ التَّآمُّ وَ التَّصَرُّفُ التَّآمُّ اَوْ لِاَحَدٍ سِوَی اللّٰہِ عِبَادَۃٌ مَّا فَضْلًا عَنِ السَّجْدَۃِ۔ وَ الْحَجِّ وَ الْقَرَابِیْنَ فَلَا یَسْتَغْفِرُ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا یَتُوْبُ اِلَّا اِلَیْہِ۔

وَلَا یَعْتَقِدُ اَحَدًا اَنَّہُ الْخَالِقُ لِشَیْءٍ کَمِثْلِ خَلْقِ اللّٰہِ اَوْ اَحَدٌ یُحْیِیْ اَوْ یُمِیْتُ کَاِحْیَآءِ اللّٰہِ وَ اِمَاتَۃِ اللّٰہِ وَلَا یُسَوِّیْ بَیْنَ الْخَالِقِ وَ الْخَلْقِ اَبَدًا۔ وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَطْھِیْرُہٗ صَلَّی اللّٰہُ ذُیُوْلَ الْاَنْبِیَآءِ وَ سَاحَتَھُمْ عَنِ التُّھَمِ وَ الْاِفْتِرَآءَاتِ عَلَیْھِمْ۔

اُنْظُرْ حَالَ الْیَھُوْدِ بِالنِّسْبَۃِ اِلَی الصَّدِیْقَۃِ الْمَرْیَمَ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی بِکُفْرِھِمْ وَ قَوْلِھِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُھْتَانًا عَظِیْمًا وَ قَوْلِھِمْ فِیْ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَ مُطَھِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ قَوْلِھِمْ مَعَ النَّصَارٰی فِیْ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمَانَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ....الخ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَ مَا کَفَرَ سُلَیْمَانَ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اور کوثر خیرِ کثیر کو کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہر بھی خیر کثیر میں سے ہے۔ اور خیرِ کثیر میں وہ بہت سی باتیں شامل ہیں جو ہمارے نبی کریم خاتم النبیین، رب العٰلمین کے رسول اور گنہ گاروں کے شفیع کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔

اس خیرِ کثیر میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ، کے اسمائے حسنیٰ جس قدر قرآن شریف میں

ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی بتلائے گئے ہیں۔ان کی مثال کسی آسمانی کتاب میں نہیں پائی جاتی اور اسی خیرِ کثیر میں سے وہ محامدِ الٰہی ہیں جو دینِ اسلام کے ذریعہ سے دنیا پر پھیلائے جارہے ہیں۔کیا آپ دیکھتے ہیں کہ کس طرح سے مسلمان آوازِ بلند کے ساتھ بلند مناروں اور اونچی جگہوں پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرتے ہیں اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہیں۔کیا اللہ اکبر سے بڑھ کر کوئی بڑا لفظ خدا تعالیٰ کی کبریائی کے واسطے تمہیں معلوم ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تسبیح سے بھری ہوئی کس قدر دعائیں ہر ایک موقع پر کی جاتی ہیں۔کھانے کے وقت کی دعائیں اور پینے کے وقت کی دُعائیں اور سو کر اٹھنے کے وقت کی دعائیں اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور مسجد سے نکلنے کے وقت کی دعا اور کھڑا ہونے کے وقت کی دعا اور بیٹھنے کے وقت کی دعا اور بازار کو جانے کی دعا اور بازار سے لوٹنے کی دُعا اور ایسا ہی سفر کی دعائیں اور حضر کی دعائیں اور دکھ درد کے وقت کی دعائیں اور جنگ کے وقت کی دعائیں اور چارپائی پر لیٹنے کے وقت کی دعائیں اور حاجت کے وقت کی دعا اور تکلیف اور غم اور حزن اور فتنوں کے وقت کی دعائیں۔

غرض اسلام میں ہر وقت انسان اپنے رب کی حمد اور تسبیح میں مصروف ہے۔اور کسی وقت بھی اس کی تعریف سے غافل نہیں۔یہ ایک خیرِ کثیر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہوئی ہے۔

پھر دیکھو کہ اسلامی لٹریچر میں ہر ایک کتاب کا ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف سے ہوتا ہے۔اور ہر ایک خطبہ اور ہر ایک رسالہ خدا کے نام کی تعریف سے شروع کیا جاتا ہے اور خدا کی تعریف کے ساتھ ہی ختم کیا جاتا ہے اور یہ بھی کوثر کا نتیجہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔جو رب العٰلمین ہے اور یہ خیرِ کثیر میں سے ہے کہ اسلام میں اس کثرت کے ساتھ توحید کا وعظ کیا جاتا ہے۔اور شرک کی نفی پر تقریریں کی جاتی ہیں۔کیا تُو نے ایسا کوئی بیان کسی کتاب یا کسی دیوان میں دیکھا ہے۔پھر کلمۂ توحید کو دیکھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کوئی معبود قابلِ پرستش اللہ کے سوائے نہیں۔کیا اس کلمہ کے بعد کسی مومن کے دل میں کوئی شرک باقی رہ جاتا ہے۔کیا اس کی نیت اور قصد کے درمیان کوئی ایسی بات باقی رہ جاتی

ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کو پکارے اور اس کے حکم کے سوائے کسی دوسرے کی اطاعت پر قدم مارے اور اس کے سوائے کسی دوسرے کو اپنا رب بنائے۔ خواہ کوئی اور کیسا ہی عالم فاضل ہو اور راہب ہو۔ کیا وہ اپنے رب کو چھوڑ کر اور ان کے پیچھے پڑ کر معصیت میں گر سکتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کلمہ توحید پر ایمان رکھتا ہو اور پھر خلقت کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ پس مومن اس کلمہ کو اپنے پاس رکھ کر اور اس پر ایمان لا کر نہ غیر اللہ سے کوئی امید رکھتا ہے اور نہ غیر اللہ سے اس کو کچھ خوف باقی رہ جاتا ہے۔ پس مومن کبھی یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کو علم تام ہے یا کسی اور کے ہاتھ میں تصرفِ تام ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی کسی قسم کی بھی عبادت کے لائق ہے۔ چہ جائیکہ کسی غیر کے آگے سجدہ کیا جاوے یا اس کے واسطے حج کیا جاوے یا اس کے لئے قربانی کی جائے۔ پس مومن اللہ کے سوائے کسی سے استغفار نہیں کرتا اور اس کے سوائے کسی کے آگے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا۔ اور مومن کبھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ کوئی اللہ کے خلق کی طرح کسی چیز کا خلق کر سکتا ہے یا اللہ کے مارنے اور جلانے کی طرح کوئی کسی کو مار یا جلا سکتا ہے۔ غرض مومن خالق اور مخلوق کو کبھی برابر نہیں ٹھہراتا۔ اور خیرِ کثیر میں یہ بات بھی شامل ہے جو آنحضرتؐ کو عطا کی ہے کہ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام مقربانِ الٰہی کا دامن ان تہمتوں اور افتراؤں سے پاک کیا جو کہ ان پر ان کے مخالف یا موافق لگاتے تھے۔

یہود کی طرف دیکھو کہ مریم صدیقہ کی نسبت کیا الفاظ بولتے ہیں۔ خود قرآن شریف سے ظاہر ہے جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مریم پر بڑا بہتان باندھنے کا کفر کیا اور ایسا ہی یہود نے حضرت عیسٰیؑ پر بھی اتہام باندھے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں کفار کی باتوں سے تیری تطہیر کرنیوالا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور ایسا ہی ان کا اور عیسائیوں کا قول حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے حق میں تہمت اور افتراء کا تھا اور خدا تعالیٰ نے ہر دو کا دامن اپنی پاک کتاب میں پاک کیا اور داؤد کو اپنا بندہ فرمایا اور سلیمانؑ کے

حق میں فرمایا کہ اس نے کوئی کفر نہیں کیا تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲)

وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ وَعَدَ اللّٰہُ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِالنُّصْرَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ جَلَّ ذِکْرُہٗ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ بِاَنَّ وَعَدَ اللّٰہُ الْحِفْظَ کَمَا قَالَ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ وَ مَا وَعَدَہٗ مِنَ الْعِزَّۃِ فِیْ قَوْلِہٖ لَہٗ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ کَمَا قَالَ وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنْ وَجَدَہٗ یَتِیْمًا فَاٰوٰی وَ سَائِلًا فَھَدٰی وَ عَائِلًا فَاَغْنٰی۔

وَقَالُوْا نُعْطِیْکَ مِنَ الْاَمْوَالِ مَاتَصِیْرُ بِھَا اَغْنَی النَّاسِ وَ نُزَوِّجُکَ اَکْرَمَ نِسَآءٍ وَ نَجْعَلُکَ رَئِیْسًا عَلَیْنَا۔ فَانْظُرْ ھَلْ کَانَ فِیْ مَقْدَرَتِھِمْ اَنْ یَّصِیْرَ جَمِیْعُ الْعَرَبِ تَحْتَ یَدِہٖ وَ الْعَجَمِ تَحْتَ غِلْمَانِہٖ کَلَّا۔وَاللّٰہِ وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِاَنْ اَنْعَمَ قَلْبَہُ الشَّرِیْفَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ بِذِکْرٍ وَحُبِّہٖ وَ ھٰذِہٖ نِعْمَۃٌ لَایَعْلَمُ قَدْرَھَا وَ عَظَمَتَھَا اِلَّا مَنْ وَفَّقَہُ اللّٰہُ بِھَا۔ نِعْمَۃٌ لَّاتُشْبِھُھَا نِعْمَۃٌ مِنْ نِعَمِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ۔وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالَی الْھُدٰی وَ النُّصْرَۃُ الْخَاصَّۃُ وَ جَعَلَ قُرَّۃَ عَیْنِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ وَ اَنْشَرَحَ بِہٖ صَدْرُہٗ۔

وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ یَرْزُقُہُ اللّٰہُ الْوَسِیْلَۃَ وَ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ۔ وَجَعَلَہٗ اَوَّلُ مَنْ یَفْتَحُ بَابَ الْجَنَّۃِ وَ جَعَلَ لِوَاءَ الْحَمْدِ بِیَدِہٖ اَعْطَاہُ اللّٰہُ الْحَوْضَ وَ النَّھْرَ۔

وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِاَنْ جَعَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اُمَّتِہٖ اَوْلَادَہٗ۔ وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَجْرٌ مِنْ عَمَلِ اُمَّتِہٖ۔ لِاَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ وَ نَالَ بِاَمْرِہٖ وَ اتِّبَاعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لِاَنَّ الدَّالَّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ فَکُلُّ مَنْ اٰمَنَ وَ صَلّٰی وَ زَکّٰی وَ صَامَ وَ حَجَّ وَتَابَ وَصَبَرَ وَ تَوَکَّلَ وَعَلِمَ وَ عَلَّمَ وَ قَرَأَ وَ اَنَابَ وَصَدَقَ وَ جَاھَدَ وَ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ

وَ اَحْسَنَ وَاَرْضٰی رَبَّہٗ وَجَاھَدَ وَرَابَطَ وَ مَاتَ شَھِیْدًا فِیْ سَبِیْلِہٖ وَ اتَّبَعَ فِیْ ھٰذِہٖ اَوَامِرَہٗ وَ اجْتَنَبَ مِنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ وَ الزِّنَآءِ وَ قَتْلِ النَّفْسِ وَ عُقُوْقِ الْوَالِدَیْنِ وَقَوْلِ الزُّوْرِ وَ اَکْلِ مَالَ الْیَتِیْمِ وَ التَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ وَ الْکَذِبِ وَ الْعِجْزِ وَ الْکَسَلِ وَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَ اَمْثَالِھَا یُنْھِیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ۔

فَلَا بُدَّ اِنْ قِیْلَ رَسُوْلُنَا وَحَبِیْبُنَا وَ نَبِیُّنَا مَا نَالَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَانْظُرْ اِلٰی عُلُوِّ دَرَجَاتِہٖ عِنْدَ اللّٰہِ کُلَّ اٰنٍ۔

فَاللّٰہُ یُعْطِیْہِ بِقَدْرِ اُجُوْرِ اُمَّتِہٖ کُلِّھِمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ فَاِنَّہٗ السَّبَبُ فِیْ ھِدَایَتِھِمْ وَ نَجَاتِھِمْ۔

فَیَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْہُ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ جَاھَدُوْا فِی اتِّبَاعِہٖ وَ الْاِقْتِدَآءِ بِہٖ وَ امْتَثِلُوْا الْاَوَامِرَ وَاجْتَنِبُوْا نَوَاھِیَ وَ اَکْثِرُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ لِیَکُوْنَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِثْلَ اَجْرِکُمْ وَ تَدْنُوْا فِیْمَنْ یَّشْفَعُ فِیْہِ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لِکَوْنِہٖ نِیَالٌ مِثْلَ اُجُوْرِکُمْ وَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ بِاَنْ وَعَدَ لِاِصْلَاحِ اُمَّتِہِ الْخُلَفَآءِ۔ وَالنُّوَّابَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ وَ اَنْ یُّمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ کَمَا قَالَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

اور خیرِ کثیر میں سے وہ وعدہ ہے جو اللہ جلشانہ، نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نصرت کا وعدہ عطا کیا تھا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قولِ پاک میں ہے۔ اے نبی تجھے اور تیری پیروی کرنے والے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسول کو حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جیسا کہ

قرآن شریف میں ہے۔اور اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا۔اور خیر کثیر میں وہ عزت کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اور اس کی امت کے مومنوں کو عطا کیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لئے ہے اور خیرِ کثیر میں وہ عطاءِ الٰہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی کہ خدا نے آنحضرتؐ کو یتیم پایا اور آپؐ کی پرورش کی اور آپؐ کو سائل پایا تو آپؐ کو ہدایت دی اور آپ کو فقیر پایا اور غنی کر دیا۔

کفار نے آپ کو کہا تھا کہ آ ہم تجھے مال دیں گے۔اور تو سب لوگوں سے غنی ہو جائے گا۔اور تجھے سب سے زیادہ شریف عورت نکاح میں دیں گے اور تجھے اپنا رئیس بنائیں گے۔آپ نے کفار کی بات کا انکار کیا تو خدا نے کیا کچھ دیا۔کیا کفارِ عرب کے اختیار وقدرت میں تھا کہ تمام عرب آپ کے ماتحت کر دیتے اور عجم آپ کے خدام کے زیر حکومت ہو جاتا۔ہرگز نہیں۔قسم بخدا ہرگز نہیں۔

پھر خیر کثیر میں وہ عطا الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف کو اپنے ذکر کے ساتھ جاری کیا اور اپنی محبت کے ساتھ پُر کر دیا۔یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے کہ اس کی قدر اور عظمت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔سوائے اس کے جس کو خدا تعالیٰ توفیق عطا کرے۔یہ وہ نعمت ہے کہ اس کے مشابہ کوئی نعمت دنیا اور آخرت میں نہیں ہے۔

پھر اَور خیر کثیر میں یہ بات ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خاص نصرت اور ہدایت عطا فرمائی اور نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی۔اور اس سے آپ کے سینے کو انشراح عطا فرمایا۔

پھر خیر کثیر میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیلہ عطا فرمایا اور مقام محمود عطا کیا اور آپ کو پہلا آدمی بنایا جو جنت کا دروازہ کھولے گا اور حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوض عطا فرمایا اور نہر عطا کی۔

اور خیر کثیر میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مومنوں کو آپ کی اولاد بنایا اور پھر خیرِ کثیر میں آپ پر وہ عطا الٰہی ہے کہ آپ کی امت کے اعمالِ خیر

پر بھی آپ کے واسطے اجر ہے۔ کیونکہ امت مرحومہ کے افراد نے اعمالِ نیک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپؐ کی اتباع سے حاصل کیا ہے اور نیکی کی راہ دکھانے والا بھی نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ پس ہر ایک کے عملِ خیر میں آنحضرتؐ کے واسطے اجر ہے۔ ہر ایک جو ایمان لایا اور جس نے نماز پڑھی اور جس نے روزہ رکھا اور جس نے فرائضِ حج کو ادا کیا اور جس نے توبہ کی اور صبر اور توکل سے کام لیا۔ اور جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور جس نے کلامِ پاک کو پڑھا اور جو خدا کی طرف جھکا۔ اور تصدیق کی اور جس نے مجاہدہ کیا یا جہاد کیا اور جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی اور جس کسی نے نیکی کی اور اپنے رب کو راضی کیا اور رب کی راہ میں کوشش کی اور جہاد کیا اور رباط فی سبیل اللہ کیا اور ان باتوں میں ان کی پیروی کی اور کفر اور شرک سے بچا اور زناء اور قتلِ نفس سے پرہیز کیا۔ اور والدین کی نافرمانی نہ کی اور جھوٹ کے بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے اجتناب کیا اور بے خبر نیک بخت مومن عورتوں پر عیب نہ لگایا۔ اور جھوٹ اور عجز اور سستی اور بزدلی اور بخل اور اس قسم کے رذائل سے بچتا رہا۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو ان سب کے اعمالِ خیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اجر ہے اور عمل کرنیوالوں کے اجر میں کچھ فرق نہیں۔

پس یہ ضروری بات ہے کہ ہمارے رسول اور ہمارے حبیب اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر آن اس قدر درجہ بڑھتا ہے کہ آپؐ کی امت میں سے کوئی آپؐ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی تمام امت کے افراد کے اعمالِ خیر کے برابر درجہ دیا ہے۔ اور امت کے درجات اور اعمالِ خیر کے اجر میں کچھ کمی نہیں واقع ہوتی۔ اور یہ اس واسطے ہے کہ ان کی ہدایت اور نجات کا سبب آنحضرتؐ ہی ہوئے۔

پس اے مومنو! اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو۔ تو اس نبی کی پیروی کرو۔ خدا تم سے پیار کرے گا۔ اور اس کی اتباع میں اور اس کی پیروی میں کوشش کرو۔ اس کے حکموں پر عمل کرو۔ اور جن باتوں سے وہ منع کرے۔ ان سے اجتناب کرو۔ اور اعمالِ صالح کثرت سے بجالاؤ تا کہ تمہارے اجر کے برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اجر ہو۔ اور تم اس بات کے قریب ہو جاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم تمہاری شفاعت کریں۔ بہ سبب اس کے کہ آپ کو تمہارے اعمال کے سبب سے اجر ملتا ہے اور خیرِ کثیر میں سے یہ عطا الٰہی ہے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا گیا ہے کہ آپؐ کی امت کی اصلاح کے واسطے ہمیشہ آپؐ کے خلفاء اور نائب آتے رہیں گے جو انہیں ان کے دین میں قوت عطا کرے۔ وہ دین جو خدا نے ان کے واسطے پسند کیا ہے۔ اور خوف کے بعد ان کے واسطے پھر امن پیدا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مومنوں کو جو عملِ صالح کریں۔ یہ وعدہ دیا ہے کہ انہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ اور ان کے واسطے وہ دین قوی کرے گا جو ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دے گا۔

وَلَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِهٖ قَوْمٌ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ثُمَّ انْظُرْ فِیْ یَوْمِنَا هٰذَا فِتَنَ الدَّجَّالِ۔ مِنْ كَثْرَةِ الْخَمْرِ وَ هِیَ جِمَاعُ الْاِثْمِ۔ وَتَبَرُّجَ النِّسَآءِ وَ اِبْدَاؤُهُنَّ الزِّیْنَةَ وَ النِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّیَاطِیْنِ۔ وَ اِعَانَةَ الْمَسِیْحِیِّیْنَ لِقُطَّاعِ الطَّرِیْقِ وَ اللُّصُوْصِ وَ كُلِّ مَنْ یُؤْخَذُ فِی الْقَضَایَا الضَّابِطِیَّةِ وَالْحُقُوْقِ اِنْ مَالَ اِلَیْهِمْ وَ تَوَجَّهَ الْحُكَّامُ اِلَیْهِمْ۔ وَ اِعْطَاءَهُمُ الْاَمْوَالَ لِطَامِعٍ كَسَلٍ وَ مُفْلِسٍ لَایَلِیْقُ لِلْمُلَازَمَةِ وَ اِتْیَانَهُمْ بِمَدَارِسَ وَ دَارِالْعُلُوْمِ الدُّنْیَوِیَّةِ فَقَطْ وَ الْمَارِسْتَانَاتِ ثُمَّ دَعْوَةَ الْمَرْضَآءِ[1] اِلَی التَّثْلِیْثِ وَالْكَفَّارَةِ۔ وَ اِرْسَالَ الْفَتَاةِ فِیْ بُیُوْتِ الشُّرَفَآءِ وَ بَیَانَهُنَّ مَفَاسِدَ الْحِجَابِ وَ مَصَآئِبَ كَثْرَةِ الْاَزْوَاجِ۔ ثُمَّ اِرْسَالَ الدُّعَاةِ فِی الْحَضَرِ وَ السَّفَرِ وَ الْقُرٰی وَ الْبَوَادِیْ وَ الْاَسْوَاقِ وَ بِنَائَهُمْ اَبْنِیَةً رَفِیْعَةً لِلْخُطَبَآءِ وَ الْوُعَّاظِ۔ وَ نَشْرَهُمْ اُلُوْفَ اُلُوْفِ الصُّحُفِ وَ الرَّسَائِلِ فِیْ بَیَانِ مَعَائِبِ مَنْ اُوْتِیَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ اِعْطَائَهُمْ اَئِمَّةَ مَسَاجِدِ الْقُرٰی وَ الرِّیْفِ لِتَعْلِیْمِهِمْ اَنَاجِیْلَهُمْ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

اور اس کی امت میں ہمیشہ ایسے آدمی ہوتے رہیں گے جو حق کو ظاہر کرتے رہیں گے۔ ان کا

---

[1] مریض کی جمع لغت میں مَرْضٰی ملتی ہے نہ کہ مَرْضَآءُ۔

مخالف انہیں کچھ ضرر نہ دے سکے گا۔ پھر دیکھو کہ اس زمانہ میں دجال کا فتنہ کتنا بڑھا ہوا ہے۔کس کثرت سے شراب پی جاتی ہے۔ وہ شراب جو بدیوں کی جامع ہے۔ اور دیکھو۔کس طرح عورتیں زینت کرتی ہیں اور پھر اپنی زینت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتی ہیں۔ حالانکہ عورتیں شیطانوں کی رسیاں ہیں۔ پھر دیکھو کہ مسیحی لوگ کس طرح ڈاکوؤں اور چوروں کی اور ایسے لوگوں کی جو مقدمات میں پھنس جاتے ہیں۔ اس واسطے مدد کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ کر عیسائی ہو جاویں اور حکام کی توجہ بھی ان کی طرف ہوتی ہے اور دیکھو کس طرح وہ طمع کرنے والے سست اور مفلس کو جو کہیں نوکر رکھا جانے کے قابل نہ ہو۔ اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور مدرسے بناتے ہیں اور دارالعلوم دنیوی قائم کرتے ہیں اور شفاخانے بناتے ہیں اور ان میں اس بہانے سے بیماروں کو تثلیث اور کفارے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور نوجوان مِسوں کو شریفوں کے گھروں میں بھیجتے ہیں جہاں کہ پردہ کے خلاف باتیں کہتی ہیں اور کثرتِ ازواج پر عیب لگاتی ہوئی اس کے معائب بیان کرتی ہیں۔ پھر دیکھو کہ عیسائی کس طرح اپنے واعظ سفر میں اور حضر میں اور گاؤں اور جنگلوں میں اور بازاروں میں ہر جگہ بھیجتے ہیں اور اپنے لیکچراروں اور منادوں کے واسطے بڑے بڑے بلند مکان بناتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ ہزاروں ہزار کتابیں اور رسالے شائع کرتے ہیں جن میں وہ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر معائب گھڑتے ہیں۔ جسے کامل کلام عطا کیا گیا تھا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پھر دیکھو کہ گاؤں کی مساجد کے اماموں کو یہ لوگ تنخواہیں دیتے ہیں تا کہ وہ انجیلوں کی تعلیم لوگوں کو دیں۔

ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۶۳ تا ۳۶۵)

فَصَلِّ : اس میں ف تعقیب کے واسطے ہے۔ کیا معنے جب ہم نے تجھے کوثر جیسی نعمت عطا فرمائی ہے تو اب بعد اس کے تجھے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے شکر میں نماز پڑھے اور قربانی دے۔

یا ف ترتیب اور سبب کے لئے ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ۔[1] (القصص:۱۶)۔

فائدہ: اس سورہ شریف میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور قربانی کا حکم ہوا ہے مگر زکوٰۃ کا حکم

---

[1] تو موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا تو وہ مر گیا۔

نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے پاس مال جمع نہیں کرتے تھے۔

'' اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ '' وَمِنْ اَعْظَمِ شَأْنِهٖ رَدُّهٗ وَ الْكُفْرُ بِهٖ وَبِمَا جَآءَ بِهٖ وَ جَعْلُ مَا جَآءَ بِهٖ مِنَ الْاَسَاطِيْرِ الْاَوَّلِيْنَ وَاِنَّهٗ سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔ وَاِنَّهٗ قَوْلُ الْبَشَرِ۔ اَوْ شِعْرًا وَ كَهَانَةً اَوْ يُعَلِّمُهُ الْبَشَرُ۔ فَهٰذَا سَيْلٌ بَلَغَ الزُّبٰى۔ وَبِهٖ طَمَّ الْوَادِى الْقُرٰى۔ فَمَنْ تَوَلَّى الْكِبْرَ مِنْ شَنَائِهٖ مَكِّيًّا كَانَ اَوْ مَدَنِيًّا اُمِّيًّا كَانَ اَوْ كِتَابِيًّا وَضِيْعًا كَانَ اَوْ شَرِيْفًا حَصَلَ لَهٗ نَصِيْبُهٗ وَ حَظُّهٗ مِنْ شَنَاءٍ وَ الْاِسْتِبْتَارُ بِهٖ عَلٰى قَدْرِ شَنْئِهٖ وَعَدَاوَتِهٖ۔ اُنْظُرْ صَنَادِيْدَ قُرَيْشٍ وَ عَمَائِدَ مَكَّةَ وَ سَادَاتِ الْوَادِيِّ۔ وَ اَرْكَانَ مَدِيْنَةَ الَّذِيْنَ كَانَ النَّاسُ اَرَادُوْا اَنْ يُّتَوِّجُوْهُمْ وَ مَكَرُوْا حَتّٰى قَالُوْا لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ فَجَعَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْخَيْرَ كُلَّهٗ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَتّٰى قَالَ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ وَ قَالَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ فَهَلْ رَأَيْتَ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ فَشَانِئُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَلْ شَانِئُ خُلَفَائِهٖ وَ نَوَائِبِهٖ بَتَرٌ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَهٰذَا ظَاهِرٌ لَا خِفَاءَ فِيْهِ مَا اٰلَ اِلَيْهِ۔ أَرَأَيْتَ اَبِيْ جَهْلٍ وَابْنَ اُبَيِّ بْنِ سَلُوْلٍ وَ اَبِيْ عَامِرِ الرَّاهِبِ الَّذِيْ اَسَرَّ بِنَاءً عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ هَلَكَ طَرِيْدًا شَرِيْدًا وَحِيْداً وَ مَا حَصَلَ لِمَنْ خَالَفَ الصِّدِّيْقَ مِنَ الْعَرَبِ وَ مَنْ خَالَفَ الْفَارُوْقَ مِنْ كِسْرٰى وَ عَمَلِ قَيْصَرٰى وَ مُلُوْكِ مِصْرَ وَ مَنْ خَالَفَ عُثْمَانَ مِنْ اَهْلِ اَفْرِيْقَةَ وَ خُرَاسَانَ وَ مَنْ خَالَفَ عَلِيًّا۔

ثُمَّ مَنْ خَالَفَ فِيْ زَمَانِنَا الْمُبَارَكِ مُجَدِّدَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ عَشَرَ وَ زَعِيْمَهَا وَ الْمَهْدِيَّ الْمَعْهُوْدَ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ كَدَاعِى الْاٰرِيَةِ لِيْكهرام وَ شَيْطَانِ النَّصَارٰى ثَمَّ وَ اَمْثَالَهُمَا كُلٌّ اُخِذَ بِذَنْبِهٖ۔

وَ كَذَا مِنْ دُوْنِهِمْ كُلُّ شَانِئِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اَبْتَرُ۔ وَ شَانِئِ خُلَفَائِهٖ اَبْتَرُ مِنْ

كُلِّ خَيْرٍ فَيَبْطُلُ رَفْعَ ذِكْرِهٖ بَلْ ذِكْرُهٗ بِالْخَيْرِ وَ اَبْتَرُ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ اٰخِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَبْتَرُحَيٰوتُهٗ وَ صِحَّتُهٗ وَ فُرْصَتُهٗ فَلَايَنْتَفِعُ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ يَتَزَوَّدُبِهَا الْاٰخِرَةَ فَمَا بَقِيَتْ اُذُنُهٗ دَاعِيَةً لِلْخَيْرِ۔ وَ بَصَرُهٗ وَ بَصِيْرَتُهٗ نَاظِرَةٌ اِلَى السُّنَنِ الْاِلٰهِيَّةِ لِاِزْدِيَادِ الْاِيْمَانِ وَ الْمَعْرِفَةِ وَ مَحَبَّةِ اللهِ وَ اَبْتَرُ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ الْاَعْوَانِ لِلْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَ اَبْتَرُ مِنْ ذَائِقَةِ حَلَاوَةِ الْاِيْمَانِ وَ اِنْ بَاشَرَ فَقَلْبُهٗ مِنَ الْاَوَابِدِ وَ الشَّوَارِدِ۔ وَ هٰذَا جَزَآءُ مَنْ شَنَأَ بَعْضَ مَا جَآءَ بِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِاَجْلِ هَوَاهُ وَ مَتْبُوْعُهٗ اَوْ شَيْخُهٗ اَوْ اَمِيْرٌ اَوْ كَبِيْرُهٗ۔ وَ قَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔

فَاَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ مُقَدَّمَةً وَ تَسْلِيَةً تَفْصِيْلًا قُوَّةً فِيْ قَلْبِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ قَلْبِ خُلَفَآئِهٖ وَ يُزِيْلُ الْجُبْنَ عَنْ اَنْفُسِهِمْ لِيُمَكِّنَهُمُ الْاِشْتِغَالَ بِالْاَقْدَارِ عَلٰى تَكْفِيْرِ مَنْ خَالَفَهُمْ مِنْ جَمِيْعِ الْعَالَمِ مَنْ كَانَ وَ اِظْهَارُ الْبَرَآءَةِ عَنْ مَعْبُوْدَاتِهِمْ فَانْظُرْ اَلْهَيْئَةَ الْعَظِيْمَةَ مِنَ الْوَاهِبِ الْعَظِيْمِ وَلَاشَكَّ اَنَّ لَذَّةَ الْهِبَةِ عَلٰى قَدْرِ الْمَهْدِيِّ الْعَظِيْمِ۔ فَاَيَّ كِتَابٍ بَعْدَ اللهِ تَبْغُوْنَ وَ اَيَّ سُنَّةٍ بَعْدَ سُنَنِ اللهِ تَقْتَدُوْنَ۔ رَأَيْنَا دَلَائِلَكُمْ وَ اَوْرَادَكُمْ وَ وَظَائِفَكُمْ۔

وَ تَدَبَّرْنَا كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ رَسُوْلِهٖ فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا فَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ۔ فَهَلْ اَدْعِيَتُكُمْ وَ لَوْ كَانَ الدُّعَاءُ الْكَبِيْرُ الَّذِيْ تَعْرِفُوْنَ مَعْنَاهُ وَلَايَعْرِفُ اَحَدٌ مِّنْ أَئِمَّتِكُمْ كَمِثْلِ الْفَاتِحَةِ اَو تَعَوُّذَاتِكُمْ كَالتَّعَوُّذِ بِالْمُعَوَّذَتَيْنِ۔ لَا وَاللهِ بَلْ كَلَّا وَاللهِ دَلَائِلُ الْخَيْرَاتِ كِتَابُ اللهِ جَلَّ وَ عَلَا شَأْنُهٗ وَ السَّيْفُ الْقَاطِعُ سَيْفُ اللهِ سُبْحَانَهٗ وَ الْمُغْنِي كَلَامُ اللهِ الْمُغْنِيْ بَلْ مَا عِنْدَكُمْ لَيْسَ يُقَرِّبُ بِقَوْلِ الْكَذَّابِ۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْجَمَاهِرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ هَاجِرْ اِنَّ مُبْغِضَكَ رَجُلٌ كَافِرٌ فَاِنَّ الْاَلْفَاظَ وَ التَّرْتِيْبَ فِيْهَا اُخِذَ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ تَمَّتْ بِحَمْدِاللّٰہِ وَ حَوْلِہٖ وَ قُوَّتِہٖ وَ مَنْعِہٖ وَاِحْسَانِہٖ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

تحقیق دشمن تیرا وہی ابتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی دشمنی یہ تھی جو آپ کی وعظ توحید کی تردید کی گئی اور آپ کی رسالت جو تعظیم الٰہی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے لئے تھی اس کا انکار کیا گیا۔ اور آپ پر جو کتاب ہدایت کے لئے نازل ہوئی اس کو ردّ کیا گیا بلکہ آپ کو کہا گیا کہ یہ صرف کہانیاں ہیں جو تم پیش کرتے ہو حالانکہ وہ تمام بیانات اس کے لئے بشارت اور انذار تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ الہامِ الٰہی نہیں بلکہ صرف ایک انسان کا قول ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ ایک شاعر ہے جو شعر گوئی کرتا ہے اور کسی نے کہا کہ یہ ایک کاہن ہے جو کہانت کا کام کرتا ہے۔ اور کوئی بولا کسی انسان نے اس کو تعلیم کی ہے۔ پس یہ ایک سیلاب تھا جو بہت بڑھ گیا تھا اور اس سے وادیٔ مکہ بھر گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں میں سے جو کوئی تکبر کے ساتھ بڑھا۔ اس نے اپنی بدبختی کا حصہ لیا۔ اور اس کا بدلہ پایا۔ خواہ وہ مکی تھا یا مدنی تھا۔ خواہ ان پڑھ تھا اور خواہ اہلِ کتاب میں تھا۔ خواہ عوام میں سے ہوا۔ خواہ شرفاء میں سے ہوا۔ سب نے اپنا بدلہ کافی پایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اور آپ کے ساتھ عداوت کرنے والوں میں سے ہر ایک نے اپنی قدر کے مطابق اور اپنی عداوت کے درجہ کے موافق اپنا کیا اور بویا اٹھایا اور ابتر ہوا۔ سردارانِ قریش کی طرف دیکھو اور عمائدِ مکہ کی طرف نظر کرو۔ اور اس وادی کے سرداروں کی طرف نگاہ کرو اور شہر کے ارکان کا حال دیکھو۔ جن کو لوگ اپنی سرداری کا تاج دیتے تھے۔ اور انہوں نے تدابیر کیں اور کہا کہ اس شہر کے شرفاء ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام خیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کر دی اور دشمن محروم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم فتح چاہتے ہو تو اب فتح تمہارے لئے آ گئی ہے۔ اور ان کے اموال کے متعلق فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ اپنے مال خرچ کریں گے۔ پھر وہ خرچ بھی ان کے لئے

موجبِ حسرت ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ پس کیا تو دیکھتا ہے کہ ان دشمنوں میں سے کوئی باقی ہے۔ سو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن بلکہ آپؐ کے خلفاء راشدین اور آپؐ کے نائبوں کے دشمن بھی ہر ایک نیکی سے ابتر ہوئے اور یہ امر ظاہر ہے۔ کوئی مخفی بات نہیں۔ دیکھو۔ ابوجہل کا کیا انجام ہوا۔ اور ابن ابی بن سلول نے کیا نتیجہ پایا۔ اور پادریوں کے لارڈ بشپ ابو عامر کو دیکھو جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سارا زور خرچ کیا اور آگ کے گڑھے کے کنارے پر بڑی بنیاد کھڑی کی اور پھر اسی آگ میں گرایا گیا اور اکیلا آوارہ بیکس اور بے بس ویرانوں کے اندر ہلاک ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوا جنہوں نے اہلِ عرب میں سے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور پھر ان کا کیا حال ہوا جنہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ وہ بڑی سلطنتوں کے قیصر اور کسریٰ تھے اور مصر کے ملک کے بادشاہ تھے۔ اور پھر ان اہل افریقہ اور اہلِ خراسان کو کیا حاصل ہوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی۔ اور پھر انہوں نے کیا پایا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کا کیا حال ہوا جنہوں نے معاویہ اور بنوامیہ کی تحقیر کی۔

پھر اس کی مثال زمانہ حال میں موجود ہے۔ دیکھو کہ ان لوگوں کا حال کیا ہو رہا ہے جنہوں نے ہمارے اس مبارک زمانہ میں چودہویں صدی کے مجدّد اور متکفل مہدی معہود اور مسیح موعود کی مخالفت کی مثال میں آریہ لیکھرام کو دیکھو اور نصاریٰ کے شیطان آتھم کو دیکھو اور لدھیانہ کے سعد اللہ ابتر کو دیکھو۔ ہر ایک اپنے گناہ کے بدلے میں پکڑا گیا۔ اور اپنے بدلے کو پانے والا ہوا۔

اور ان کے سوا اور بھی سب دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے خلفاء کے ہر ایک چیز سے ابتر اور بے نصیب ہیں اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ ہونا بند ہو جاتا ہے اور ان کا اہل اور مال سب ابتر ہو جاتا ہے۔ اور دین دنیا میں نقصان پذیر ہوتا ہے۔ ان کی حیاتی اور ان کی صحت اور ان کی فرصت سب ابتر ہوتی ہیں۔ وہ ان چیزوں سے نہ دنیا میں فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ دین میں۔ ان کے کان ایسے نہیں رہتے کہ وہ خیر کی بات سن سکیں۔ اور نہ ان کو ایسی بصیرت نصیب ہوتی ہے کہ اللہ کو

دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت، معرفت اور ایمان میں ترقی کر سکیں اور وہ اس بات سے محروم رکھے جاتے ہیں کہ ان کا کوئی ناصر اور مددگار ان کے اعمالِ صالح میں سے ہو اور اس بات سے محروم ہوتے ہیں کہ ایمان کی شیرینی کو چکھ سکیں۔ اور اگرچہ وہ لوگوں میں آئیں باہم ان کا دل جنگل میں بھاگے ہوئے آوارہ کی طرح اکیلا ہوتا ہے۔ یہی جزا ان لوگوں کو ہمیشہ ملی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے ساتھ عداوت کی اور اپنی حرص و ہوا کی پیروی کی۔ سب کا حال یہی ہوا۔ خواہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا۔ امیر تھا یا غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہارے ساتھ محبت کرے گا۔

پس ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے پہلے سے اور تسلّی کے لئے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اور آپ کے خلفاء کے دل کو قوت ملی۔ اور ان کے نفسوں سے کمزوری کو دور کیا گیا تا کہ ان کو اس امر پر قوّت عطا کی جائے کہ اپنے مخالفوں کی تکفیر کریں۔ خواہ وہ دنیا جہان میں کوئی ہو اور کہیں ہو اور ان کے قصبوں سے بیزاری کا اظہار کریں۔ پس دیکھو کہ یہ کتنی بڑی بخشش ہے جو بڑے صاحب بخشش کی طرف سے ان کے حصہ میں آئی۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس موہبت کی عظمت اس ذات کی قدر کے مطابق ہے جو مہدی عظیم ہے۔

پس اللہ کی کتاب کے بعد تم کس کتاب کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے بعد تم کس سنّت کی پیروی کرتے ہو۔ ہم نے تمہارے دلائل اور تمہارے وظائف دیکھے ہیں۔

اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور اس کے رسولؐ کی سنت میں تدبر کیا ہے۔ پس ہم نے کوئی شئے اس سے بہتر نہیں پائی۔ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ وہ بڑی سے بڑی دعا نکالو۔ جس کے معنے تم جانتے ہو۔ مگر کوئی دعا تم فاتحہ کی مانند نہ پاؤ گے۔ اور نہ کوئی تعوذ تم معوذتین کے برابر پا سکو گے۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہر گز نہ پاؤ گے۔

دلائل الخیرات تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی کتاب ہی ہے۔ اور قطع کرنیوالی تلوار اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی تلوار

ہے اورغنی کرنے والی تو اللہ تعالیٰ ہی کی کلام مغنی ہے۔ بلکہ تمہارے پاس تو اس کے قریب بھی نہیں جو کذاب نے ایک قول گھڑا تھا اور کہا تھا۔ ہم نے تجھے ہی عطا کئے ہیں۔ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور ہجرت کر۔ تیرا بغض کرنے والا رجل کافر ہے۔ اس میں الفاظ اور ترتیب اسی سورت سے نقل کی گئی ہے اور بے موقع ومحل الفاظ لگا کر ایک سورت بنالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا ان کے واسطے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں مومنوں کے واسطے رحمت اور نصیحت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۴؍اکتوبر و ۷؍نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۶۵ تا ۳۶۷)

یہ (کوثر) ایک مختصر سی سورۃ ہے۔ اور اس مختصر سی سورۂ شریف میں اللہ تعالیٰ نے اک عظیم الشان پیشگوئی بیان فرمائی ہے۔ جو جامع ہے۔ پھر اس کے پورا ہونے پر شکریہ میں مخلوق الٰہی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اس کا ارشاد کیا۔ وہ پیشگوئی کیا ہے؟

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ: تجھے ہم نے جو کچھ دیا ہے۔ بہت ہی بڑا دیا ہے۔ عظیم الشان خیر عطا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ نبوت دیکھو تو قیامت تک وسیع، کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا۔ یہ کثرت تو بلحاظ زمان ہوئی اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۹) میں ظاہر فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں۔ یہ کوثر مکان کے لحاظ سے عطا فرمائی۔ کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکامِ الٰہی میں اتباعِ رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی، کوئی مست قلندر، بالغ مرد، بالغہ عورت کوئی ہو۔ اس سے مستثنٰی نہیں ہوسکتے۔ اب کوئی وہ خضر نہیں ہوسکتا۔ جو لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا بول اُٹھے۔ یہ وہ موسیٰؑ ہے۔ جس سے کوئی الگ نہیں ہوسکتا کوئی آدمی مقرب ہو نہیں سکتا۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

کتاب میں وہ سچی کوثر عنایت کی کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البیّنۃ:۴) کل دنیا کی صداقتیں اور مضبوط کتابیں سب کی سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر! کہ جبکہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ[1] پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو جبکہ ان کے دَالّ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے جزائے نیک آپؐ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔

اعمال میں دیکھو! اتباع، فتوحات، عادات، علوم، اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائی ہیں۔ استحکام وحفاظتِ مذہب کے لئے دیکھو۔ جس قدر مذاہب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار خود ان لوگوں کو بنایا۔ مگر قرآن کریم کی پاک تعلیم کے لئے فرمایا۔ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] (الحجر:۱۰) یہ کیا کوثر ہے!!! اللہ تعالیٰ اس دین کی حمایت وحفاظت اور نصرت کے لئے تائیدیں فرماتا اور مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے جو اپنے کمالات اور تعلقاتِ الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر پتہ لگ سکتا ہے کہ کیونکر بندہ خدا کو اپنا بنالیتا ہے۔ اس ہستی کو دیکھو۔ انسان اور اس کی حرکات کو دیکھو جب خدا بنانے پر آتا ہے۔ تو اسی عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا ہے اور ایک اُجڑی بستی کو اس سے آباد کرتا ہے۔ کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑ باز مدبروں کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم وواقفیت کے ذرائع وسیع ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھو! کسی بستی کو برگزیدہ کیا۔ جہاں نہ ترقی کے اسباب نہ معلومات کی توسیع کے وسائل، نہ علمی چرچے نہ مذہبی تذکرے، نہ کوئی دارالعلوم، نہ کتب خانہ! صرف خدائی ہاتھ ہے جس نے تربیت کی اور اپنی تربیت کا عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو۔ کس طرح یہ بتلاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے کیا کوثر عطا فرمایا۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت اور سستی کی۔ ویسے ہی غفلت کا شکار مسلمان بھی ہوئے۔ آہ۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے اور خود بھی اُن سے حصہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی کوثر دیتا میں نے جو کچھ اب تک بیان کیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی کوثر کا ذکر تھا۔ پھر مرنے کے بعد ایک اور کوثر برزخ میں حشر میں' صراط پر، بہشت میں، غرض کوثر ہی کوثر دیکھے گا۔ اس

---

[1] نیکی کی طرف بلانے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ [2] اور ہمیں اس کے حافظ ہیں۔

کوثر میں ہر ایک شخص شریک ہوسکتا ہے مگر شرط یہ ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ : اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ دیکھو۔ اس آدمِ کامل کا پاک نام ابراہیم بھی تھا۔ جس کی تعریف اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى [1] (النجم:۳۸) اور وہی ابراہیم جو جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔ [2] (الصّٰفّٰت:۸۵) کا مصداق تھا۔ سچی تعظیم الٰہی کر کے دکھائی۔ جیسے مولیٰ کریم فرماتا ہے۔

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ [3] (البقرہ:۱۲۵)

پھر کیا نتیجہ پایا۔ الٰہی تعظیم جس قدر کوئی انسان کر کے دکھاتا ہے۔ اسی قدر ثمراتِ عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابوالملت ابراہیم کو دیکھو، اس کی دعاؤں کا نمونہ، دیکھو ہمارے سید و مولیٰ اصفی الاصفیاء خاتم الانبیاء ان دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولادِ صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد دی۔ جب جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دیدو۔ ابراہیم کی قربانی دیکھو بڑھاپے کا زمانہ دیکھو مگر ابراہیم نے اپنی ساری طاقتیں، ساری امیدیں، تمام ارادے یوں قربان کر دیئے کہ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کے قربان کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پھر بیٹا بھی ایسا بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ [4] (الصّٰفّٰت:۱۰۳) تو وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو تیار ہوگیا۔ غرض باپ بیٹے نے ایسی فرماں برداری دکھائی کہ کوئی عزت، کوئی آرام کوئی دولت اور کوئی امید باقی نہ رکھی۔ یہ آج ہماری قربانیاں اسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بھی کیسی جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں ہزار بادشاہ اور انبیاء بلکہ خاتم الانبیاء بھی

---

[1] اور ابراہیم کی کتابوں میں جس نے عہد پورا کیا۔ [2] وہ صحیح سلامت دل کے ساتھ اپنے ربّ کے پاس آیا۔
[3] اور جب کہ ابراہیم کو چند باتوں کے بدلہ میں اُس کے رب نے کچھ انعام دینا چاہا اور ابراہیم نے اچھی طرح ان باتوں کو پورا کیا تو ہم نے کہا کہ ہم ضرور تجھ کو ہمیشہ کے لئے لوگوں کا پیشوا بنائیں گے۔ [4] میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔

اسی کی اولاد میں پیدا کیا۔ وہ زمانہ ملا جس کی انتہا نہیں۔ خلفاء ہوں تو وہ بھی ملتِ ابراہیمی میں۔ سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہوئے ہیں اور ہونے والے ہیں۔

پھر جب شکریہ میں نماز میں خدا کی عظمت اور کبریائی بیان کی تو مخلوقِ الٰہی کے لئے بھی کیونکہ ایمان کے اجزاء تو دو ہی ہیں۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ ہاں مخلوق کے لئے یہ کہ

وَانْحَرْ: جیسے نماز میں لگے ہو۔ قربانیاں بھی دو تا کہ مخلوق سے سلوک ہو۔ قربانیاں وہ دو جو بیمار نہ ہوں، دبلی نہ ہوں، بے آنکھ کی نہ ہوں، کان چرے ہوئے نہ ہوں، عیب دار نہ ہوں، لنگڑی نہ ہوں اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب تک کامل قوٰی کو خدا کے لئے قربان نہ کرو گے۔ ساری نیکیاں تمہاری ذات پر جلوہ گر نہ ہوں گی۔ پس جہاں ایک طرف عظمتِ الٰہی میں لگو۔ دوسری طرف قربانیاں کر کے مخلوقِ الٰہی سے شفقت کرو اور قربانیاں کرتے ہوئے اپنے کل قوٰی کو قربان کر ڈالو اور رضاءِ الٰہی میں لگا دو۔ پھر نتیجہ کیا ہوگا؟

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ تیرے دشمن ابتر ہوں گے۔ انسان کی خوشحالی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ اس کو اب تو راحتیں ملیں۔ اور اس کے دشمن ہلاک ہوں۔ یہ باتیں بڑی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ خدا کی تعظیم اور اس کی مخلوق پر شفقت۔ نمازوں میں خصوصیت دکھاؤ۔ کانوں پر ہاتھ لے جا کر اَللّٰہُ اَکْبَر زبان سے کہتے ہو مگر تمہارے کام دکھا دیں کہ واقعی دنیا سے سروکار نہیں۔ تمہاری نماز وہ نماز ہو جو تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ۔[۱] (العنکبوت: ۴۶) ہو تمہارے اخلاق تمہارے معاملات عامیوں کی طرح نہ ہوں بلکہ ایک پاک نمونہ ہوں۔ پھر دیکھو۔ کوثر کا نمونہ ملتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک طرف سے تمہارا فعل ہے دوسری طرف سے خدا کا انعام۔

درود پڑھو۔ آج[۲] کل کے دن عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔[۳] (البقرۃ: ۲۰۴) کل وہ دن تھا کہ کل حاجی ہر طبقہ اور ہر عمر کے لوگ ہوں گے۔ دنیا سے

۱؎ روکتی ہے کھلی بے حیائی اور کارِ بد سے (یہود اور نصاریٰ بننے سے) ۲؎ عید الاضحی ۲۱/اپریل ۱۸۹۹ء۔ (مرتّب)
۳؎ اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں (حج کے)۔

نراالباس پہنے ہوئے عرفات کے میدان میں حاضر تھے۔اور لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ پکارتے تھے۔تم سوچو اور غور کرو کہ تمہاری کل کیسی گذری۔کیا تم بھی خدا تعالیٰ کے حضور لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ پکارتے تھے۔آج منٰی کا دن ہے۔آج ہی وہ دن ہے جس میں ابراہیم نے اپنا پاک نمونہ قربانی کا دکھلایا۔

کوئی اس کی طاقت نہ رہی تھی جسے خدا پر قربان نہ کیا ہو۔نہ صرف اپنی بلکہ اولاد کی بھی۔یہ جمعہ کا دن ابراہیم کی قربانی اور مفاخر قومی کا روز ہے جس میں عرب کے لوگ قبل اسلام بزرگوں کے تذکرے یاد کر کے فخر کیا کرتے تھے۔اس میں خدا کا ذکر کرو جیسے فرمایا۔فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ۔[1] (البقرہ: ۲۰۱) خدا کی یاد میں فریاد کرنے میں خدا کے حضور ساری قوتوں کو قربان کرنے کے لئے خرچ کرو پھر دیکھو کہ تمہارے کام کیا پھل لاتے ہیں۔

انسان خوشحالی چاہتا ہے اور دشمنوں کی ہلاکت۔خدا تیار ہے،مگر قربانی چاہتا ہے۔اولاد پر نمونے دکھاؤ جیسے اسمٰعیل نے دکھایا۔پس نئے انسان بنو۔پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تم کو کس طرح کی کوثر دیتا ہے۔اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۱۷ مورخہ ۱۲ رمئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ تا ۳)

یہ ایک سورۃ شریف ہے بہت ہی مختصر۔لفظ اتنے کم کہ سننے والے کو کوئی ملال طوالت کا نہیں یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی ایک دن میں اسے یاد کر لے۔مگر ان کے مطالب اور معانی کو دیکھو تو حیرت انگیز۔ان کو بیان کرنے سے پہلے میں ایک ضروری بات سنانی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں واعظوں اور سننے والوں کی دو قسم پاتا ہوں۔ایک وہ واعظ ہیں جو دنیا کے لئے وعظ کرتے ہیں۔دنیا کا وعظ کرنے والے بھی پھر دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو اپنے وعظ سے اپنی ذات کا فائدہ چاہتے ہیں یعنی کچھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ خود کوئی روپیہ حاصل کریں۔مگر یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ سننے والوں کو ایسے طریقے اور اسباب بتائیں جس سے وہ روپیہ کما سکیں۔مادی ترقی کرنیوالے بنیں۔دنیا کے لئے وعظ کرنے والوں میں اس

---

[1] اللہ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو۔

قِسم کے واعظوں کی اغراض ہمیشہ مختلف ہوتی ہیں۔کوئی فوجوں کو جوش دلاتا۔ ان میں مستعدی اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لئے تحریک کرتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ کے لئے چست و چالاک ہو جائیں۔ کوئی امورِ خانہ داری کے متعلق۔کوئی تجارت اور حرفہ کے لئے۔مختصر یہ کہ ان کی غرض انتظامی امور یا عامہ اصلاح ہوتی ہے جو دوسرے الفاظ میں سیاسی یا پولٹیکل تمدنی یا سوشل اصلاح ہے۔

اور وہ لوگ جو دین کے لئے وعظ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں اور امر بالمعروف کا جو فرض ان کو ملا ہے۔اس کو ادا کریں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں۔اور اپنے آپ کو اس خیر امت میں داخل ہونے کی فکر ہوتی ہے جس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اٰلِ عمران:۱۱۱) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو۔ امر بالمعروف کرتے رہو۔اور نہی عن المنکر۔

اور ایک وہ ہوتے ہیں جن کی غرض دنیا کمانا بھی نہیں ہوتی مگر یہ غرض بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف حاضرین کو خوش کرنا چاہتے ہیں یا اُن کی واہ واہ کے خواہشمند کہ کیسا خوش تقریر یا مؤثر واعظ ہے۔

دینی واعظوں میں سے پہلی قسم کے واعظ بھی فتوحات ہی کا ارادہ کرتے ہیں مگر ملکی فتوحات سے ان کی فتوحات نرالی ہوتی ہیں۔ ان کی فتوحات یہ ہوتی ہیں کہ برائیوں پر فتح حاصل کریں۔نیکی کی حکومت کو وسیع کریں۔

جیسے واعظوں کی دو قسم ہیں۔ایسے ہی سننے والوں کی بھی دو حالتیں ہیں۔ایک وہ جو محض اللہ کے لئے سنتے ہیں کہ اس کو سن کر اپنی اصلاح کریں اور دوسرے جو اس لحاظ سے سنتے ہیں کہ واعظ ان کا دوست ہے یا کوئی ایسے ہی تعلق رکھتا ہے۔یعنی واعظ کی خاطر داری سے۔اب تم دیکھ لو کہ تمہارا واعظ کیسا ہے اور تم سننے والے کیسے؟ تمہارا دل تمہارے ساتھ ہے۔اس کا فیصلہ تم کر لو۔ میں جس نیت اور غرض سے کھڑا ہوا ہوں۔ وہ میں خوب جانتا ہوں۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ درد دِل کے ساتھ خدا ہی کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تقسیم فرمائی ہے کہ واعظ یا مامور ہوتا ہے یا امیر یا متکبر۔ امیر وہ ہوتا ہے۔جس کو براہِ راست اس کام کے لئے مقرر کیا جاوے اور مامور وہ ہوتا ہے جس کو امیر کہے کہ تم لوگوں کو وعظ سنا دو۔ اور متکبر وہ جو محض ذاتی بڑائی اور نمود کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ پس یہ اقسام واعظوں کی ہیں۔

اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس بات پر غور کرو کہ تمہیں وعظ کہنے والا کیسا ہے؟ اور تم کیسا دل لے کر بیٹھے ہو؟ میرا دل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ناظر ہے جو بات میری سمجھ میں مضبوط آئی ہے اسے سنانا چاہتا ہوں اور خدا کے لئے۔ پھر مجھے حکم ہوا ہے کہ تم مسجد میں جا کر نماز پڑھا دو اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور سناتا ہوں۔

میں دنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں کیونکہ ان کی اغراض محدود ، ان کے حوصلے چھوٹے ، خیالات پست ہوتے ہیں۔ جس واعظ کی اغراض دینی ہوں وہ ایک ایسی زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دنیوی وعظ سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے۔ ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بری بات سے روکنے والا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ نے مھیمن فرمایا۔ یہ جامع کتاب ہے جس میں جیسے ایک ملٹری (فوجی) واعظ کو فتوحات کے طریقوں اور قواعد جنگ کی ہدایت ہے۔ ویسے ہی نظامِ مملکت اور سیاستِ مُدن کے اصول اعلیٰ درجہ کے بتائے گئے ہیں۔ غرض ہر رنگ اور ہر طرز کی اصلاح اور بہتری کے اصول یہ بتاتا ہے۔

پس میں قرآن کریم جیسی کتاب کا واعظ ہوں جو تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے اور جو سُکھ اور تمام کامیابی کی راہوں کی بیان کرنیوالی ہے۔ اور اسی کتاب میں سے یہ چھوٹی سی سورۃ میں نے پڑھی ہے۔

میں اس سورۃ کے مطالب بیان کرنے سے پہلے یہ بات بھی تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف کا طرزِ بیان دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ بعض جگہ تو اللہ تعالیٰ ایک فعل کو واحد متکلم یعنی میں کے لفظ کے ساتھ بیان فرماتا ہے اور بعض جگہ جمع متکلم یعنی ہم کے ساتھ۔ ان دونوں الفاظ کے بیان کا

یہ سر ہے کہ جہاں میں کا لفظ ہوتا ہے وہاں کسی دوسرے کا تعلق ضروری نہیں ہوتا۔لیکن جہاں ہم ہوتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے فرشتے اور مخلوق بھی اس کام میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔ پس اس بات کو یاد رکھو۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔بے ریب ہم نے تجھ کو دیا ہے الْکَوْثَرَ ہر ایک چیز میں بہت کچھ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے 'ہم' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا کام ہے جیسے اس میں آپ فضل کیا ہے۔فرشتوں اور مخلوق کو بھی لگایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس بہت کچھ کی کیا مقدار ہے؟ تم میں سے بہت سے لوگ شہروں کے رہنے والے ہیں جنہوں نے امیروں کو دیکھا ہے۔ بہت سے دیہات کے رہنے والے ہیں۔جنہوں نے غریبوں کو دیکھا ہے۔خدا تعالیٰ نے مجھے محض اپنے فضل سے ایسا موقع دیا ہے کہ میں نے غریبوں، امیروں کے علاوہ بادشاہوں کو بھی دیکھا ہے اور ان تینوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، ان کی ہر چیز میں، ہر بات میں علیٰ قدر مراتب امتیاز ہوتا ہے۔مثلاً ایک کسی غریب کے گھر جا کر سوال کرے تو وہ اُس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیتا ہے۔اس کی طاقت اتنی ہی ہے۔لیکن جب ایک امیر کے گھر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کو کچھ دیدو تو اس کے کچھ سے مراد تین چار روٹیاں ہوتی ہیں۔اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بادشاہ کہتا ہے کہ کچھ دے دو تو اس کے کچھ سے مراد دس بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔اس سے عجیب بات پیدا ہوتی ہے۔جس قدر کسی کا حوصلہ ہوتا ہے اسی کے موافق اس کی عطا ہوتی ہے۔اب اس پر قیاس کرلو۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی، اس کی عظمت و جبروت پر نگاہ کرو، اور پھر اس کے عطیہ کا تصور۔ دیکھو ایک چھوٹی سی شمع سورج اس نے بنایا ہے، اس کی روشنی کیسی عالمگیر ہے، ایک چھوٹی سی لالٹین چاند ہے اس کی روشنی کو دیکھو، کس قدر ہے، کنوؤں سے پانی نکالنے میں کس قدر جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کی عطا پر دیکھو کہ جب وہ بارش برساتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے۔

غرض یہ سیدھی سادھی بات ہے اور ایک مضبوط اصل ہے جس قدر کسی کا حوصلہ ہو۔اسی قدر وہ دیتا

ہے۔پس اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لحاظ سے اب اس لفظ کے معانی پر غور کرو کہ ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔ خدا کا بہت کچھ وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔اور پھر اس کا اندازہ میری کھوپری کرے یہ احمقانہ حرکت ہوگی اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اس وقت کوئی کوشش کرے کہ وہ پانی کے ان قطرات کو شمار کرنے لگے جوآسمان سے برس رہے ہیں۔(جس وقت آپ یہ خطبہ پڑھ رہے تھے آسمان سے نزول بارانِ رحمت ہورہا تھا۔ایڈیٹر) ہاں یہ بے شک انسانی طاقت کے اندر ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اس کو سمجھ سکے چونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کی عظمت کا علم بھی مجھے دیا گیا ہے۔اس لئے میں اندازہ تو ان عطیات کا نہیں کرسکتا لیکن ان کو یوں سمجھ سکتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ انتقال کرگیا۔اور چلنے ہی لگے تھے کہ ماں کا انتقال ہوا۔کوئی حقیقی بھائی آپ کا تھا ہی نہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق فرمایا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا (الضحیٰ:۷) ہم نے تجھے یتیم پایا تھا۔

اس یتیم کو جسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ہم نے بہت کچھ دے دیا۔خاتم الانبیاء خاتم الرسلؐ سارے علوم کا مالک، ساری سلطنتوں کا بادشاہ بنادیا۔آپؐ کی عادت شریف تھی کہ کبھی جو بے انتہا روپیہ مالیہ کا آیا ہے تو مسجد ہی میں خرچ کردیا۔

غرض غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دیا۔کس قدر خیرِ کثیر آپ کو دی گئی ہے۔آپ کا دامنِ نبوت دیکھو تو وہ قیامت تک وسیع ہے کہ اب کوئی نبی نیا ہو یا پرانا آ ہی نہیں سکتا۔کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا۔یہ کثرت تو بلحاظ زمان کے ہوئی۔اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ

اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۹) میں فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں یہ کوثر بلحاظ مکان کے عطا ہوئی۔کوئی آدمی نہیں جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکامِ الٰہی میں اتباعِ رسالت پناہی کی ضرورت نہیں کوئی صوفی، کوئی بالغ مرد، بالغہ عورت کوئی ہو۔اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔اب

کوئی وہ خضر نہیں ہوسکتا جو لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا۔[1] (الکھف:۷۶) بول اٹھے۔ یہ وہ موسیٰؑ ہے۔ جس سے کوئی الگ نہیں ہوسکتا۔ کوئی آدمی مقرب نہیں ہوسکتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

تعلیم اور کتاب میں وہ کاملیت اور جامعیت اور کثرت عطا فرمائی کہ فِیۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البیّنۃ:۴) کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور ساری صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر کہ جبکہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُ عَلَی الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔ پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو جبکہ ان کے دَال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو ان کے جزائے نیک آپ کے اعمال میں شامل ہوکر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہورہی ہے۔

اعمال میں دیکھو۔ اتباع، فتوحات، عادات، علوم، اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائی ہیں آدمی وہ بخشے جن کے نام لے کر عقل حیران ہوتی ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ عباسیوں اور مروانیوں جیسے کیا انتخاب سے ایسے آدمی مل سکتے ہیں کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی گرانے کا حکم دیں خون گرانے کے لئے تیار ہوجائیں۔ جگہ وہ بخشی کہ ایران، توران، مصر، شام، ہند تمہارا ہی ہے۔ وہ ہیبت اور جبروت آپ کو عطا فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف کا ارادہ کرتے تو ایک مہینہ کی دورراہ کے بادشاہوں کے دل کانپ جاتے۔ اللہ جب دیتا ہے تو اس طرح دیتا ہے۔

یہ بڑا لمبا مضمون ہے جو اس تھوڑے وقت میں بیان نہیں ہوسکتا۔ مختلف شاخوں اور شعبوں میں جو کوثر آپ کو عطا ہوئی۔ ایک مستقل کتاب اس پر لکھی جاسکتی ہے۔

باطنی دولت کا یہ حال ہے کہ تیرہ سو برس کی تو میں جانتا نہیں۔ اپنی بات بتاتا ہوں۔ جس قدر مذاہب ہیں۔ میں نے ان کو ٹٹولا ہے۔ ان کو پرکھ پرکھ کر دیکھا ہے۔ قرآن کریم کے تین تین لفظوں سے میں ان کو ردّ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ کوئی باطل مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

---

[1] تو ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا۔

میں نے تجربہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور طرز انسان کے پاس ہو تو باطل مذاہب خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی وہ ٹھہر نہیں سکتا۔

پھر استحکام وحفاظت مذہب کے لئے دیکھو۔ جس قدر مذہب دنیا میں موجود ہیں۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے۔ مگر قرآن کریم کی تعلیم کے لئے فرمایا۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔[1] (الحجر: ۱۰) یہ کیا کوثر ہے!!!

اللہ تعالیٰ خود اس دین کی نصرت اور تائید اور حفاظت فرماتا اور اپنے مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ جو اپنے کمالات اور تعلقاتِ الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک انسان کیونکر خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لیتا ہے۔ ہر صدی کے سر پر وہ ایک مجدد آتا ہے۔ جو ایک خاص جماعت قائم کرتا ہے۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ ہر ۲۵۔ ۵۰ اور سو برس پر آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کوثر ہوگا؟

پھر سارے مذاہب میں دعا کو مانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ تو اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے گو مانگنے کے مختلف طریق ہیں مگر مشترک طور پر یہ سب مانتے ہیں کہ جو مانگتا ہے وہ پاتا ہے۔ اس اصل کو لیکر میں نے غور کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلو سے بھی کیا کچھ ملا ہے۔ ۱۳ سو برس سے برابر امّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں کر رہی ہے۔ اور پھر اللہ اور اللہ کے فرشتے بھی اس درود شریف کے پڑھنے میں شریک ہیں اور ہر وقت یہ دعا ہو رہی ہے۔ کیونکر دنیا پر کسی نہ کسی نماز کا وقت موجود رہتا ہے۔ اور علاوہ نماز کے پڑھنے والے بھی بے انتہا ہیں۔ اب سوچو کہ اس ۱۳ سو برس کے اندر کس قدر روحوں نے کس سوز اور تڑپ کے ساتھ اپنے محبوب وآقا کی کامیابیوں اور آپؐ کے

---

[1] اور ہمیں اس کے حافظ ہیں۔

مدارجِ عالیہ کی ترقی کے لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں مانگی ہوں گی۔ پھران دعاؤں کے ثمرہ میں جو کچھ آپ کو ملا۔ کیا اس کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اگر دعا کوئی چیز ہے؟ اور ضرور ہے تو پھر اس پہلو سے آپ کے مدارج اور مراتب کی نظیر پیش کرو۔ کیا دنیا میں کوئی قوم اور امت ایسی ہے جس نے اپنے نبی اور رسول کے لئے یہ التزام دعا کا کیا ہو؟ کوئی بھی نہیں۔ کوئی عیسائی مسیحؑ کے لئے۔ یہودی موسیٰؑ کے لئے۔ سناتنی شنکراچارج کے لئے دعائیں مانگنے والا نہیں ہے۔

اس دنیا کے مدارج کو تو ان امور پر قیاس کرو اور آگے جو کچھ آپؐ کو ملا ہے۔ وہ وہاں چل کر معلوم ہو جاوے گا۔ مگر اس کا اندازہ اسی ’’بہت کچھ‘‘ سے ہو سکتا ہے کہ برزخ میں، حشر میں، صراط پر بہشت میں۔ غرض کوثر ہی کوثر ہوگا۔

اس عاجز انسان اور اس کی ہستی کو دیکھو کہ کیسی ضعیف اور ناتوان ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کے بنانے پر آتا ہے تو اس عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور ایک اجڑی بستی کو آباد کرتا ہے۔

کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑباز مدبروں کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع مثلاً اس وقت دیکھو کہ کسی بستی کو اس نے برگزیدہ کیا؟ جہاں نہ ترقی کے اسباب نہ معلومات کی توسیع کے وسائل، نہ علمی چرچے، نہ مذہبی تذکرے، نہ کوئی دارالعلوم، نہ کوئی کتب خانہ! صرف خدائی ہاتھ ہے۔ جس نے اپنے بندہ کی خود تربیت کی اور عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت کی۔ ویسی ہی غفلت کا شکار مسلمان ہوئے۔ آہ۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے۔ اور خود بھی ان سے حصہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کوثر عطا فرماتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے میں دلیر،

فریب و دغا میں بیباک ہو رہے ہیں۔ نمازوں میں سستی، قرآن کے سمجھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور سب سے بدتر سستی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال چلن کی خبر نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ عیسائی اور آریہ آپ کے چال چلن کو تلاش کرتے ہیں۔ اگرچہ اعتراض کرنے کے لئے مگر کرتے تو ہیں۔ مسلمانوں میں اس قدر سستی ہے کہ وہ کبھی دیکھتے ہی نہیں۔ اس وقت جتنے یہاں موجود ہیں۔ ان کو اگر پوچھا جاوے تو شاید ایک بھی ایسا نہ ملے جو یہ بتا سکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت کیسی تھی، آپ کا سونا کیسا تھا، جاگنا کیسا، مصائب اور مشکلات میں کیسی استقلال اور علوہمتی سے کام لیا۔ اور رزم میں کیسی شجاعت اور ہمت دکھائی۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جو تفصیل کے ساتھ آپ کے واقعاتِ زندگی پر اطلاع رکھتا ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷/ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴ تا ۱۶)

حالانکہ یہ ضروری بات تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی پر پوری اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپؐ دن رات میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟ اس تک وقت ان اعمال کی طرف تحریک اور ترغیب نہیں ہوسکتی۔

خدا تعالیٰ کی محبت یا اس کے محبوب بننے کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ پھر یہ اتباع کیسے کامل طور پر ہوسکتی ہے۔ جب معلوم ہی نہ ہو کہ آپؐ کیا کیا کرتے تھے۔ اس پہلو میں بھی مسلمانوں نے جس قدر اس وقت سستی اور غفلت سے کام لیا ہے وہ بہت کچھ ان کی ذلت اور ضعف کا باعث ٹھہرا۔

اس ضروری کام کو تو چھوڑا۔ پر مصروفیت کس کام میں اختیار کی۔ نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں۔ چائے پی لی، حقہ پی لیا، پان کھا لیا۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت سے دنیوی امور میں ہی مستغرق ہو گئے۔ مگر پھر بھی آرام اور سکھ نہیں ملتا۔ ساری کوششیں اور ساری تگ ودَو دنیا کے لئے ہی ہوتی ہے

اور اس میں بھی راحت نہیں۔لیکن جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ان کو وہ دیتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے؟ اور ساری راحتوں کا مالک اور وارث بنا دیتا ہے۔ میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے۔اس کا اتنا ہی دینا ہوتا ہے۔اور جس قدر بڑا اسی قدر اس کی دہش ہوتی ہے۔جس قدر کبریائی اللہ تعالیٰ رکھتا ہے۔اسی کے موافق اس کی عطا ہے اور اس کی عطا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

مَیں نے ایک دنیادار کو دیکھا ہے۔وہ میرا دوست بھی ہے۔میں کلکتہ میں اس کے مکان پر تھا۔ اس نے مجھے دکھایا کہ وہ ایک ایک دن میں چار چار سو پانچ پانچ سو روپیہ کیسے کما لیتا ہے۔مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ میں نے اس کو ایک مرتبہ گجرات میں دیکھا۔ بہت ہی بری حالت میں مبتلا۔ میں نے اس کو اور تو کچھ نہ کہا۔صرف یہ پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ یہ حالت ہوگئی ہے کہ رہنے کو جگہ نہیں کھانے کو روٹی نہیں۔اس وقت یہاں آیا ہوں کہ فلاں شخص کو پندرہ ہزار روپیہ دیا تھا مگر اب وہ بھی جواب دیتا ہے۔ میں نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر یہ سبق حاصل کیا کہ چالاکی سے انسان کیا کما سکتا ہے؟ ادھر بالمقابل دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اتباع نے کیا کمایا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعظ کرتے ہیں چالاکیاں کرتے ہیں لیکن ذرا پیٹ میں درد ہو تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم گئے۔

پس تم وہ چیز بنو جس کا نسخہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کے اتباع پر تجربہ کر کے دکھایا ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ لمبی کہانی ہے کہ کس کس طرح پر خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی نصرت کی ہے۔اسی شہر میں دیکھو مرزا غلام احمد ایدہ اللہ الاحد ایک شخص ہے۔کیا قد میں امام الدین[1] اس سے چھوٹا ہے یا اس کی ڈاڑھی چھوٹی ہے۔اس کا مکان دیکھو تو حضرت اقدس کے مکانوں سے مکان بھی بڑا ہے۔ ڈاڑھی دیکھو تو وہ بھی بڑی لمبی ہے۔کوشش بھی ہے کہ مجھے کچھ ملے۔مگر دیکھتے ہو۔خدا کے دینے میں کیا فرق ہے؟ میں یہ باتیں کسی کی اہانت

---

[1] مرزا امام الدّین

کے لئے نہیں کہتا۔ میں ایسے نمونوں کو ضروری سمجھتا ہوں اور ہر جگہ یہ نمونے موجود ہوتے ہیں۔

مَیں خود ایک نمونہ ہوں جتنا میں بولتا، کہتا اور لوگوں کو سناتا ہوں۔ اس کا بیسواں حصہ بھی مرزا صاحب نہیں بولتے اور سناتے کیونکہ تم دیکھتے ہو۔ وہ خاص وقتوں میں باہر تشریف لاتے ہیں اور میں سارا دن باہر رہتا ہوں۔ لیکن ہم پر تو بدظنی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی باتوں پر کیسا عمل ہے۔ بات یہی ہے کہ اللہ کا دین الگ ہے اور وہ موقوف ہے ایمان پر۔

منصوبہ باز چالاکیوں سے کام لینے والے بامراد نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی تدابیر اور مکائد پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یوں کر لیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو دکھاتا ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ جب اس کا فضل ہوتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دینے کے منتظر بنو۔ اور یہ عطا منحصر ہی ایمان پر ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ملا۔ وہ سب سے بڑھ کر ملا۔ شرط یہ ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ نماز مومن کی الگ اور دنیادار کی الگ، منافق کی الگ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام ابراہیمؑ بھی تھا۔ جس کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى[1] (النجم: ۳۸) اور وہی ابراہیمؑ جو اِذْ جَآءَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ[2] کا مصداق تھا۔ اس نے سچی تعظیم امر الٰہی کی کر کے دکھائی اس کا نتیجہ کیا دیکھا، دنیا کا امام ٹھہرا۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ تعظیم لامر اللہ کے لئے تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ کا حکم ہے مگر شفقت علیٰ خلق اللہ اور تکمیل تعظیم امرِ الٰہی کے لئے وَانْحَرْ قربانی بھی کرو۔ قربانی کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جب یہ شروع ہوئی۔ اس وقت دیکھو۔ کیسے مشکلات تھے اور اب بھی دیکھو۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ ۹۹ برس کی عمر تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولاد صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد عطا کی۔ جب اسمٰعیل جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دیدو۔ اب ابراہیم علیہ السلام کی قربانی دیکھو۔ زمانہ اور عمر وہ کہ ۹۹ تک پہنچ گئی۔ اس

---

[1] ابراہیم کی کتابوں میں جس نے عہد پورا کیا۔ [2] جب وہ صحیح سلامت دل کے ساتھ اپنے ربّ کے پاس آیا۔

بوڑھاپے (میں) آئندہ اولاد کے ہونے کی کیا توقع اور وہ طاقتیں کہاں؟ مگر اس حکم پر ابراہیمؑ نے اپنی ساری طاقتیں ساری امیدیں اور تمام ارادے قربان کر دیئے۔ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کر لیا پھر بیٹا بھی ایسا سعید بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا! اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ۔ [1] (الصّٰفّٰت: ۱۰۳) تو وہ بلا چون و چرا یونہی بولا کہ اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ [2] (الصّٰفّٰت: ۱۰۴) ابا جلدی کرو۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ خواب کی بات ہے۔ اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں۔ کہا۔ پھر کر ہی لیجئے۔ غرض باپ بیٹے نے ایسی فرماں برداری دکھائی کہ کوئی عزت، کوئی آرام، کوئی دولت اور کوئی امید باقی نہ رکھی۔ یہ آج [3] ہماری قربانیاں اسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں مگر دیکھو کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور اس کے بیٹے کو کیا جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں بادشاہ اور انبیاء...... پیدا کئے۔ وہ زمانہ عطا کیا جس کی انتہا نہیں۔ خلفاء ہوں تو وہ بھی ملت ابراہیمی میں۔ سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہونیوالے ہیں۔

پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ۔ [4] (الانعام: ۸۰) کہتے ہو تو روح بھی اس کے ساتھ متفق ہو۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ [5] (الانعام: ۱۶۴) کہتے ہو تو کر کے بھی دکھلاؤ۔

غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی فرماں برداری اور تعمیلِ حکم کے لئے جو اسلام کا سچا مفہوم اور منشا ہے (کوشش کرو) مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں وسوسے اور دنیا کی ایچا پیچی ہوتی ہے۔

۱؎ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ ۲؎ اے میرے باپ! تجھے جو حکم دیا گیا ہے وہ تو کر گزر۔ قریب ہی تو مجھ کو پائے گا انشاء اللہ نیکیوں پر جمے رہنے والے اور بدیوں سے بچنے والوں میں سے۔

۳؎ عید الاضحی۔ مرتّب ۴؎ میں نے تو اپنا منہ اسی کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے۔

۵؎ میری نماز اور عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کو آہستہ آہستہ کمال کی طرف پہنچانے والا ہے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے کل قویٰ اور خواہشوں کو قربان کر ڈالو اور رضاءِ الٰہی میں لگا دو تو پھر نتیجہ یہ ہوگا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ تیرے دشمن ابتر ہوں گے۔

انسان کی خوشحالی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ خود اس کو راحتیں اور نصرتیں ملیں اور اس کے دشمن تباہ اور ہلاک ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز اور اپنی قربانیوں میں دکھا دیا کہ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے اپنی نصرتوں اور تائیدوں سے بتا دیا کہ ہم اس کے ہیں۔ اور اس کے دشمنوں کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ آج ابوجہل کو کون جانتا ہے۔ ماں باپ نے تو اس کا نام ابوالحِکم رکھا تھا مگر آخر ابوجہل ٹھہرا وہ سَیِّدُ الْوَادِیْ کہلاتا مگر بدتر مخلوق ٹھہرا۔ وہ بلال جس کو ذلیل کرتے ناک میں نکیل ڈالتے اس نے اللہ تعالیٰ کو مانا اسی کے سامنے ان کو ہلاک کر کے دکھا دیا۔ غرض خدا کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں ہزار اعتراض مرزا صاحب پر کرتے ہیں مگر وہ وہی اعتراض ہیں جو پہلے برگزیدوں پر ہوئے۔ انجام بتا دیگا کہ راست باز کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس کے دشمن تباہ ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ ورنہ نامراد مرتا ہے۔ پس ایسے بنو کہ موت آوے خواہ وہ کسی وقت آوے۔ مگر تم کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار پاوے۔ یاد رکھو کہ مر کر اور مرتے ہوئے بھی اللہ کے ہونے والے نہیں مرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور اپنا مطالعہ نہیں کرتا۔ وہ پتھر ہے۔ دنیا کے اینچ پینچ کام نہیں آتے۔ کام آنیوالی چیز نیکی اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ خدا سب کو توفیق عطا کرے۔ آمین (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳ تا ۵)

کوثر کے معنے خیرِ کثیر کے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں تنہا تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کیا کچھ خیرِ کثیر دیا اور دیتا جا رہا ہے۔ سکھوں کا مذہب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ کو ایک مان لو اور دعا کر لو۔ کوئی زیادہ قیدیں اس مذہب میں نہیں مگر باوجود اس آسانی کے پھر بھی اس مذہب میں کوئی ترقی نہیں۔ بخلاف اس کے کہ اس میں بہت ساری پابندئیں ہیں۔ نماز کی، روزہ کی، حج کی، زکوٰۃ کی اور دیگر عبادات کی، معاملات کی۔ مگر باوجود ان تمام پابندیوں کے اسلام میں روز بروز ترقی ہے۔ یہ کیسا

خیر کثیر ہے۔ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہو رہا ہے۔ ایک ملا تو کہے گا کہ اَعْطَیْنَا صیغہ ماضی کا بمعنی مضارع ہے۔ آخرت میں آپؐ کو حوضِ کوثر عطا ہوگا۔ سَلَّمْنَا۔ اس میں کلام نہیں کہ آخرت میں حوضِ کوثر آپ کو عطا ہوگا مگر اس میں کیا شک ہے کہ دنیا میں جس کثرت سے آپؐ پر عطایات الٰہی ہوئے۔ وہ بے حد و بے مثل ہیں۔ کوثر کا لفظ کثیر سے مشتق ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک صحابی ۲۰۰۰۰، ۴۰۰۰۰، بلکہ ۶۰۰۰۰ پر فاتح ہوا۔ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام مقبلانہ ایسا تھا کہ جس کی نظیر نہیں۔ پنجوقت نماز آپؐ خود پڑھاتے تھے۔ سارے قضایا آپؐ خود ہی فیصلہ کرتے تھے۔ بیویاں جس قدر آپؐ کی تھیں ان کی خاطر داری اس قدر تھی کہ سب آپ سے خوش تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی عورت کی پوزیشن ہی کچھ ایسی ہی تھی کہ زیادہ تکلفات نہ تھے۔ مگر عورتوں کی جبلّت کا بیان یوں فرمایا ہے کہ مرد کی عقل کو چرخ دینے والی عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی مخلوق میں نے نہیں دیکھی کہ عقلمند مرد کی عقل کو کھو دیتی ہے۔ عورتوں پر ہر بات میں تشدد مت کرو۔ لڑکوں کو بھی مارنے اور سزا دینے کا میں سخت مخالف ہوں۔ حضرت صاحب بھی لڑکوں کو مارنے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔ میں تو انگریزی پڑھا نہیں۔ سنا ہے کہ یونیورسٹی کی بھی یہی ہدایت ہے کہ استاد طلبہ کو نہ مارا کریں۔ باوجود ان تاکیدوں کے لوگ بچوں کے مارنے سے باز نہیں آئے اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمارا فرض منصبی ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں کہ وعظ کرنا تو سیکھ لیتے ہیں مگر خود عملدرآمد نہیں سیکھتے۔ تمہارے ہاتھوں میں اب سلطنت نہیں رہی۔ اگر تم اچھے ہوتے تو سلطنتیں تم سے نہ چھینی جاتیں۔ (بدر جلد ۱۱ نمبر ۱۲ مورخہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

اَلْكَوْثَرَ: نبی کریمؐ کو جو چیز ملی کثرت سے ملی۔ کتاب ملی تو جامع۔ امت ملی تو خیر الامم۔ حکومت ملی تو ابدی۔ سپاہ ملی تو بے نظیر۔ دونوں مشہور مذہبوں کے مرکز بھی آپؐ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے پھر حوضِ کوثر۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)



سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

میں اُس اللہ کے نام کی مدد سے پڑھنا شروع کرتا ہوں جس نے اپنی عبادت کی مجھے پہلے سے سمجھ دے رکھی ہے اور عمل پر اس کا نتیجہ دینے والا ہے۔

۲ تا ۷۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَ لِیَ دِیْنِ۔

ترجمہ ۔ کہہ اے کافرو! نہیں میں عبادت کرتا اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرتے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے دین تمہارا اور میرے لئے میرا۔

با محاورہ تفسیری ترجمہ ۔ کہہ دے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ سنو اے میرے منکرو۔ میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو اور جس معبود (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم نہیں کرتے اور مجھ سے تم یہ امید نہ رکھو کہ کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور تمہاری حالت ایسی ہے کہ تم میرے معبود کی عبادت کرنے والے نظر نہیں آتے اس قدر اختلاف کے بعد اب فیصلہ آسان ہے کہ تم اپنے دین پر ہو اور میں اپنے دین پر ہوں۔ نتیجہ خود ظاہر ہو جائے گا۔

یہ سورہ شریف مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں چھ ۶ آیتیں اور چھتیس ۳۶ الفاظ اور ننانوے ۹۹ حروف ہیں۔

تفسیر۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ سُوْرَۃُ الْکَافِرُوْنَ۔ مَکِّیَّۃٌ۔ اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ وَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ قُرَیْشًا دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِلٰی اَنْ یُّعْطُوْہُ مَا لَا فَیَکُوْنَ أَغْنٰی رَجُلٍ بِمَکَّۃَ وَ یُزَوِّجُوْہُ مَا أَرَادَ مِنَ النِّسَآءِ فَقَالُوْا ھٰذَا لَکَ یَامُحَمَّدُ وَ کُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِھَتِنَا وَلَا تَذْکُرْ اٰلِھَتَنَا بِسُوْءٍ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَاِنَّا نَعْرِضُ عَلَیْکَ خَصْلَۃً وَاحِدَ[1] وَ لَکَ فِیْھَا صَلَاحٌ۔ قَالَ مَا ھِیَ قَالُوْا تَعْبُدُ اٰلِھَتَنَا سَنَۃً وَ نَعْبُدُ اِلٰھَکَ سَنَۃً۔ قَالَ حَتّٰی أَنْظُرَ مَا یَأْتِیْنِیْ مِنْ رَّبِّیْ فَجَآءَ الْوَحْیُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔

وَ أَنْزَلَ اللّٰہُ۔ قُلْ أَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَأْمُرُوْٓنِّیْٓ أَعْبُدُ أَیُّھَا الْجَاھِلُوْنَ۔

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ أَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَ کُنْ مِّنَ الشَّاکِرِیْنَ۔

وَ أَخْرَجَ مُسْلِمٌ وَ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِیْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ اِخْتَارَ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی ھُنَا۔ اَلْکَافِرُوْنَ۔ بَدَلَ قَوْلِہٖ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ عَامَّۃَ سُنَّۃِ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَ الْکِتَابِ الْحَکِیْمِ۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَمَا قَالَ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لِاَنَّ کَلِمَۃَ کَفَرُوْا تَدُلُّ بِصِیْغَتِھَا الْمَاضِیْ عَلَی الْاِنْقِطَاعِ وَ الْمُضِیِّ فَأَوْمٰی اِیْمَاءً بَلْ صَرَّحَ تَصْرِیْحًا بِأَنَّ الْمُخَاطَبِیْنَ مِنَ الْکُفْرِ وَصْفٌ لَازِمٌ لَھُمْ أَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی۔

لَآ اَعْبُدُ۔ نَفْیٌ بِحَرْفِ لَا۔ لِلْحَالِ وَ الْاِسْتِقْبَالِ۔

مَا تَعْبُدُوْنَ۔ مَا اِسْمٌ مُبْھَمٌ۔ جَآءَ لِاِبْھَامِ مَعْبُوْدٍ اِتَّھَمَ عَلٰی اِخْتِلَافِھِمْ لِأَنَّ الْمُشْرِکَ لَہٗ کُلَّ یَوْمٍ مَعْبُوْدٌ۔ بِسَبَبِ أَھْوَآئِہٖ وَ شَھَوَاتِہٖ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا۔

تَکْرِیْرُ الْفِعْلِ بِلَفْظِ الْحَالِ وَ الْاِسْتِقْبَالِ عِنْدَ الْأَخْبَارِ عَنْ ذَاتِہِ الطَّیِّبَۃِ الْمُبَارَکَۃِ اِیْمَآءً اِلٰی عِصْمَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مِنَ الزَّیْغِ وَ الْاِنْحِرَافِ وَ الْاِسْتِبْدَالِ فَمَعْبُوْدُ صَلّٰی

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ خَصْلَۃً وَاحِدَۃً درست ہے۔

اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَاحِدٌ فِی الْمَاضِیِّ وَ کَذَا الْحَالِ وَ الْاِسْتِقْبَالِ بِخِلَافِ الْمُشْرِکِیْنَ۔

لَکُمْ دِیْنُکُمْ۔ ثَمَرَۃُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ نَتِیْجَۃُ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ اَلرِّجْسُ الْقَبِیْحُ اَلشِّرْکُ فَقَدَّمَ قِسْمَتَھُمْ۔ اَیْ ھٰذَا مَا حَصَلَ لَکُمْ مِنْ عِبَادَتِکُمْ وَ عَدَمِ تَوْحِیْدِکُمْ۔ قَالَ اللہُ تَعَالٰی فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ وَ مَاتُوْا وَ ھُمْ کَافِرُوْنَ۔

وَلِیَ دِیْنِ۔ طَابَقَ اَوَّلَ السُّوْرَۃِ اٰخِرُھَا۔ فَقَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ۔ لَآأَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ فَحَصَلَ دِیْنُ التَّوْحِیْدِ وَ الْاِخْلَاصِ وَ طَرِیْقُ الصَّوَابِ صِرَاطُ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ وَ أَیْضًا لَکُمْ حِسَابُکُمْ وَ لِیْ حِسَابِیْ فَابْصُرُوْا وَأَعِزُّوْا فَتْحَ بِلَادِکُمْ مَعَ بِلَادٍ اُخْرٰی۔ وَالنَّاسُ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللہِ اَفْوَاجًا۔ وَ سَتُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَکُمْ ثُمَّ تُغْلَبُوْنَ۔ فَالدِّیْنَانِ لَایَتَشَارَکَانِ اُصُوْلًا وَ فُرُوْعًا وَ نَتِیْجَۃً۔

فَالسُّوْرَۃُ بَرَآءَۃٌ تَامَّۃٌ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ۔

سورہ کافرون مکی ہے۔طبرانی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قریش نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ مکی میں سب سے بڑے دولتمند ہو جائیں۔اور جس عورت کو آپ پسند کریں۔اس کے ساتھ آپ کا نکاح کردیتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ لے لیں اور ہمارے معبودوں کی برائی بیان کرنے سے رک جائیں۔ اور ان کو بدی کے ساتھ یاد نہ کریں اور اگر آپکو یہ بات منظور نہیں تو ہم ایک اور بات پیش کرتے ہیں۔اور اس میں آپ کی بہتری ہے۔آنحضورؐ نے فرمایا۔ بتاؤ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگے۔ایسا کرو کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پوجا کرو۔اور پھر ایک سال ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں گے۔حضرتؐ نے فرمایا۔ٹھہر جاؤ۔اس کا جواب میں خدا سے پا کر میں تم کو بتلاؤں گا۔پس یہ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ اے میرے منکرو! الخ اور یہ آیت نازل ہوئی قُلْ اَفَغَیْرَ اللہِ (الزّمر : ۶۵)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ان کو کہہ دو کہ اے جاہلو۔ کیا تم مجھے یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوائے کسی اور کی عبادت کروں۔

اور تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر یہ وحی نازل ہو چکی ہے کہ اگر تو خدا کے ساتھ شرک کرے گا تو تیری تمام محنت بیکار ہو جائے گی۔ اور تو نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔ بلکہ ایک اللہ ہی معبود ہے۔ اسی کی عبادت کر اور قدردانوں میں سے بن۔

مسلم اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں قُلْ یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۃ اخلاص پڑھی تھی۔ عام سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنی کتاب حکیم قرآن کریم میں جہاں کہیں کفار کا ذکر کرتا ہے تو اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کر کے فرماتا ہے لیکن اس کی بجائے اس سورہ شریف میں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ۔ اے کافرو! اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کَفَرُوْا صیغہ ماضی میں ہے۔ اور انقطاع پر دلالت کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ۔ اے کافرو! فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بلکہ صاف تصریح کر دی ہے کہ یہ مخاطب ایسے کافر ہیں کہ صفت کفران کے لازم حال ہو گئی ہے۔ ایسی حالت سے خدا تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

لَآ اَعْبُدُ۔ میں تمہارے بتوں کی نہ اب پوجا کرتا ہوں اور نہ آئندہ کروں گا۔ اس جگہ بتوں کی عبادت کی نفی حرف لَا کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیونکہ حرف لَا کی نفی حال اور استقبال ہر دو پر مشتمل ہے۔ نہ اب اور نہ آئندہ۔

مَا تَعْبُدُوْنَ۔ جو کچھ تم عبادت کرتے ہو۔ مَا اسم مبہم ہے۔ اور مشرکوں کے معبودوں کے ابہام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ مشرک اپنی خواہش بے جا کے سبب خود اپنے اندر ایک شک وشبہ میں پڑا ہوا ہے۔ اور ہر روز نیا بت اپنے لئے تراشتا ہے۔ اور اس کا عقیدہ مکڑی کے جالے کی طرح بودہ اور کمزور ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ طیب اور مبارک کے متعلق غیر اللہ کی عبادت سے

بیزاری اس جگہ حال اور استقبال میں دوبار کر کے جو بیان کی گئی ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے معصوم ہیں کہ ان کی حالت میں کجی اور انحراف اور بدی کی طرف تبدیلی واقع ہو۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معبود زمانہ گزشتہ میں بھی ایک خدا ہی تھا اور اب بھی وہی ہے اور آئندہ بھی وہی ایک ہوگا۔برخلاف مشرکین کی یہ حالت ہے۔

لَکُمْ دِیْنُکُمْ۔تمہارے لئے پھل اور نتیجہ ہے اس کا جو کچھ کہ تم عبادت کرتے ہو۔شرک ایک قبیح رجس ہے۔پس پہلے کفار کے حصے کا ذکر کیا گیا کہ کفار کو غیر اللہ کی پرستش کا حصہ مل رہے گا۔توحید سے انحراف اور بتوں کی پرستش کا انجام تم پر ظاہر ہوگا۔اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔وہ لوگ جن کے دِلوں میں بیماری ہے۔ان کے رِجس پر اور رِجس بڑھتا ہے۔اور وہ حالتِ کفر میں ہی مرجاتے ہیں۔

وَلِیَ دِیْنِ۔ اور میرے لئے میرا دین۔اس سورہ شریف کا اوّل اس کے آخر سے مطابق ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں واحد خدا کی پرستش کرتا ہوں اور تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کی ہے۔نہ کرتا ہوں اور نہ کروں گا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توحید اور اخلاص کا دین مجھے حاصل ہوا اور صواب کا طریقہ مجھے ہی ملا اور ان لوگوں کا راستہ جن پر خدا تعالیٰ کا انعام ہوا مجھے ہی عطا ہوا۔اور ایسا ہی تمہیں تمہارا حساب بھگتنا پڑے گا۔اور مجھے اپنا۔پس میری نصرت کی جائے گی اور میری عزت کی جائے گی اور میں تمہارے شہروں کو فتح کروں گا اور اس کے ساتھ دوسرے شہروں کو بھی فتح کروں گا۔اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوں گے اور تم میری مخالفت میں اپنے مال بھی خرچ کرو گے اور پھر بھی مغلوب رہو گے پس یہ دونوں دین بلحاظ اصول اور فروع اور نتیجہ کے یکساں نہیں رہیں گے۔پس اس سورہ شریف میں کفر سے پوری بیزاری ظاہر کی گئی ہے۔

قُلْ۔کہہ دے۔بول۔

یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔اور آپؐ کی طفیل تمام مسلمانوں کو ہے کہ ایسے کفار کو جو کفر پر ایسے پکے ہیں کہ نہ پہلے کبھی انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔اور نہ آئندہ ان سے

ایسی امید ہوسکتی ہے۔ان کو کہہ دو کہ تم جو اپنے کفر پر ایسے پکے ہو اور مسلمانوں کو برا سمجھتے ہو۔اسی سے حق اور باطل میں تمیز ہو جائے گی کہ تم اپنے دین پر پکے رہو۔اور ہم اپنے دین پر پکے رہیں۔نتیجہ خود ظاہر کر دے گا کہ کون سچا اور منجانب اللہ ہے۔اور کون جھوٹا اور شیطانی راہ پر ہے۔

چونکہ اس سورہ شریف میں کفار کو مخاطب کیا گیا ہے۔اور ان کے مذہب کے بطلان کے واسطے ایک زبردست دلیل پیش کی گئی ہے۔اس واسطے یہ کلام بطور ایک چیلنج کے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو القا کیا اور اسی واسطے اس کے شروع میں لفظ قُلْ آیا ہے۔تفاسیر میں قُلْ پر بہت بحث کی گئی ہے۔ خلاصہ اس تمام تحریر کا یہ ہے کہ یہ سورۃ صریح الفاظ میں کفار کے ساتھ بے زاری کا اظہار کرتی ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اس نیت سے کہ وہ سمجھ جاویں۔ بہت نرمی کا سلوک کرتے تھے۔اور ان کی سخت سے سخت ایذاء رسانی پر صبر کرتے تھے۔اور کسی کے ساتھ ذرا سی سخت کلامی بھی پسند نہ کرتے تھے۔اس واسطے یہ کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔جس کا پہنچانا آپ پر فرض ہوا اور اس طرح آپؐ نے صاف الفاظ میں صراحت کے ساتھ ان پر ظاہر کر دیا کہ ایسے کفار کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہ ہوا۔نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔سنو۔اے منکرو! اس میں تین حروف ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں۔ یَآ (حرفِ ندا) اَیُّ (تخصیص کے لئے ہے) اور ھَا (تنبیہ کا حرف ہے خبردار کرنے کے لئے) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہایت تاکید کے ساتھ اچھی طرح منکروں کے کان کھول کھول کر ان کو یہ پیشگوئی سنائی گئی تھی کہ تم کو تمہارے اس طریقہ کا بدلہ ملنے والا ہے۔اور تم دیکھ لو گے کہ خداوند تعالیٰ توحید کے پرستاروں کو تمہارے مقابلہ میں کس طرح کامیابی عطا کرے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یَا نداء النفس ہے اور اَیُّ نداء القلب ہے اور ھَا نداء الرّوح ہے۔گویا نفس روح اور قلب ہرسہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔بعض نے لکھا ہے کہ یَا حرف نداء غائب کے واسطے ہے۔اور اَیُّ حرف نداء حاضر کے واسطے اور ھَا تنبیہ کے واسطے۔کیا حاضر کیا غائب، سب کو نہایت تاکید کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔انبیاء کی دعوت ہمیشہ اسی طرح نہایت تاکید کے ساتھ بار بار لوگوں کو بلا کر اور مخاطب کر کے

پہنچائی جاتی ہے چنانچہ اس کی نظیر خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے پیدا کر دی ہے۔ خدا کا مسیح کس قوت اور زور کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کے درمیان توحید کا وعظ کر رہا ہے۔ نہ ایک دفعہ کہہ کر وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ بلکہ بار بار ہر ایک ذریعہ سے خدا کا پیغام دنیا کو پہنچاتا ہے۔ نہ صرف ایک زبان میں بلکہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی، پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کی تبلیغ کا آوازہ دنیا کے چار کونوں تک پہنچ رہا ہے۔ رسالوں میں، اخباروں میں، اشتہاروں میں، زبانی تقریروں میں، قلمی تحریروں میں غرض کوئی ذریعہ تبلیغ کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور آج دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے لوگ اس مسیح کے نام سے اور اس کے دعوے سے ناواقف ہوں۔ خدا کے برگزیدوں کی ہمیشہ سے یہ ہی سنت ہے کہ وہ کھول کھول کر اور پھاڑ پھاڑ کر خدا کا حکم دنیا جہان کو پہنچا دیتے ہیں اور اس کے حکم کے پہنچانے میں نہ وہ کسی دشمن کی دشمنی کی پرواہ کرتے اور نہ کسی مخالف کی مخالفت سے کبھی ڈرتے ہیں۔ نادان ان کے مقابلہ میں اٹھتے اور جوش دکھاتے ہیں۔ پھر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر ناامید ہو کر ناکام مرجاتے ہیں۔ پر وہ خدا کے بندے ہر روز اپنا قدم آگے بڑھاتے ہیں اور خدا کی تائید سے کامیاب ہو کر رہتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ سورہ شریف بقول ابن مسعود وحسن وعکرمہ مکی ہے۔ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ معظّمہ میں قیام رکھتے تھے اس سورہ کی پیشین گوئی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایسے وقت میں نازل ہوئی تھی۔ جب کہ کفار اپنے زور پر تھے۔ اور اپنے بتوں کی حمایت اور ان کی پرستش میں بڑے یقین کے ساتھ مصروف تھے اور گمان کرتے تھے کہ اسلامی سلسلہ ایک چندروزہ بات ہے جو جلدی ہم لوگ اپنی قوت وزور کے ساتھ نیست و نابود کر دیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی اصل کیفیت نہ سمجھ کر ان میں سے چند آدمی جیسا کہ ابوجہل، عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث وغیرہ نے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے بتوں کی مذمت کرنا اور ان کو برائی سے یاد کرنا چھوڑ دو۔ اور اس کے عوض میں ہم آپ کو اس قدر مال دیں گے کہ مکہ میں آپ سے زیادہ بڑا کوئی مالدار نہ ہووے۔ یا اگر آپ چاہیں تو

ہمارے قبائل میں سے سب سے زیادہ خوبصورت عورت جو آپ کو پسند ہو آپ لے لیں اور اگر آپ کو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات پسند نہ ہو تو پھر تیسری بات یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ اس طرح سے صلح کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کریں تو پھر دوسرے سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔ اس طرح برابر تقسیم ہوتی رہے گی اور کسی کو شکایت کا موقع نہ رہے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ کیسے جاہل ہیں کہ نہیں سمجھتے کہ میں کس خوبیوں سے بھرے ہوئے اسلام کی طرف ان کو بلاتا ہوں اور کس قادر توانا حی و قیوم معبود حقیقی کے قرب کے حصول کا ذریعہ ان کے آگے پیش کرتا ہوں اور کس دائمی خوشی اور ابدی راحت کا تحفہ ان کے واسطے تیار کرتا ہوں جس کے عوض یہ مجھے ناپائیدار مال اور ایک عورت کے چندروزہ حسن کا لالچ دیتے ہیں۔ اور پتھروں کے آگے سر جھکانے کو کہتے ہیں۔ جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑے اور بنائے ہیں۔ چونکہ آپ کو ان لوگوں کی خیر خواہی کے واسطے بڑا درد تھا۔ جس کو خدائے علیم نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء: ۴)

کیا تو اس غم میں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے اپنی جان کو ہلاک کر دے گا۔

آپؐ نے کفار کے ایسے جاہلانہ سوال پر دردمند ہو کر یہی بہتر سمجھا کہ اس کے جواب کے واسطے اپنے معبودِ حقیقی کی طرف توجہ کریں اور یہی طریقہ ہمیشہ سے انبیاء کا چلا آیا ہے۔ چنانچہ آپؐ کی توجہ کے بعد خدا تعالیٰ سے کفار کے جواب میں یہ سورہ شریف نازل ہوئی جس سے کفار کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں۔ اس قسم کے صلح کے شرائط عموماً کفار انبیاء کے سامنے بہ سبب اپنی جہالت کے پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی خدا کے مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخالفوں نے یہ بات کہی کہ ان کے اِتقاء اور علم اور عمل میں ہم کو کوئی شک نہیں۔ بے شک یہ ولی اللہ ہیں اور ہم ان کو ماننے کے واسطے تیار ہیں۔ صرف مسیح ہونے کا دعویٰ نہ کریں اور بس۔

تعجب ہے کہ ان لوگوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے۔ کیا وہ شخص جو متقی اور عالم اور ولی اللہ مانا

جاسکتا ہے۔اس کی نسبت یہ کلمہ بھی کسی عقل کی رُو سے کہنا جائز ہوسکتا ہے کہ اس نے دعوٰی نبوت اور مسیحیت کا ازخود کر دیا ہے۔اور خدا پر افتراء باندھا ہے۔کیا مفتری علی اللہ متّقی اور ولی اللہ ہوسکتا ہے۔ ہاں کفار کے ساتھ ایک اور صورت صلح کی ہوسکتی ہے۔اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفّار کے ساتھ کی تھی۔جس کی شرط یہ تھی کہ کفار مسلمانوں پر حملہ نہ کریں اور نہ ان لوگوں کی امداد کریں جو مسلمانوں پر ناجائز حملہ کرتے رہتے ہیں۔اور ایسے ہی مسلمان نہ ان کو کسی قسم کی تکلیف دیں گے۔ اور نہ ان کے تکلیف دہندوں کی کوئی حمایت کرے گا بلکہ ہر طرح سے ان کے بچاؤ کی کوشش کریں گے۔اسی رنگ کی صلح حضرت مسیح موعودؑ نے بھی مخالف عیسائیوں،آریوں،ہندوؤں اور دیگر اقوام کے سامنے پیش کی تھی کہ چند سالوں تک جو معین کئے جاویں۔یہ قومیں مسلمانوں کے خلاف کوئی کتاب نئی یا پرانی شائع نہ کریں اور ایسا ہی مسلمان اس عرصہ میں کوئی کتاب ان مذاہب کی تردید میں نہ لکھیں گے ہاں ہر ایک مذہب کے عالم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ صرف اپنے ہی مذہب کی خوبیاں بیان کرتے رہیں۔کوئی کتاب لکھے جس میں یہ دکھائے کہ اس مذہب پر چلنے سے کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن کسی دوسرے مذہب کا کچھ ذکر نہ کریں۔مذہبی جنگوں کے خاتمہ کے واسطے اور آئے دن کے جھگڑوں اور تنازعوں کے مٹانے کے لئے یہ نہایت ہی احسن طریقہ تھا مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔غرض اس قسم کی صلح تو انبیاء کی سنت کے مطابق ہے۔لیکن یہ بات کہ مداہنہ کے طور پر اور منافقت سے کچھ تم ہمارے عقائد کو مان لو اور کچھ ہم تمہارے عقائد کو مان لیں۔ایسا طریقہ خدا کے سچے رسول کبھی اختیار نہیں کر سکتے۔

نسخ: بعض لوگ اس سورہ شریف کے یہ معنے سمجھ کر اس کو منسوخ سمجھتے ہیں کہ کفار کو ان کے دین پر رہنے کی اس میں اجازت دی گئی ہے کہ وہ بیشک اپنے دین پر رہیں اور مسلمان ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں رکھیں گے۔لیکن جب جہاد کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔تو پھر یہ سورۃ منسوخ ہوگئی۔یہ بات بالکل غلط ہے۔قرآن شریف کی کوئی سورۃ اور سورۃ کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے سب کا سب ہمیشہ کے واسطے بنی نوع کے عمل کے لئے عمل کرنے اور فائدہ اٹھانے کے واسطے ہے۔قیامت

تک قرآن شریف کا ایک نقطہ بھی منسوخ نہیں ہوسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ مذہب اسلام میں دینی اختلاف کی وجہ سے نہ کوئی لڑائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور نہ آپ کے بعد کبھی کسی کو اجازت ہے کہ دینی اختلاف کی وجہ سے کسی کو قتل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں کفار نے جب مسلمانوں کو سخت دکھ دیا اور طرح طرح کے ایذاء کے ساتھ پہلے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا اور بڑی بڑی فوجیں لے کر ان پر چڑھائیاں کیں تو بہت سے صبر اور تحمل کے بعد جب وہ کسی طرح بھی باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ایسے شریروں سے اپنا بچاؤ کریں اور ان کو شرارت کی سزا دیں۔

جہاد کے واسطے جو کچھ حکم تھا۔ یہی تھا۔ اور اس زمانہ میں بہ سبب اس کے کہ مذہب کی خاطر مسلمان کسی ملک میں دکھ نہیں دیئے جاتے۔ خود ان کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ سورۂ کافرون میں تو خود جہاد کے کرنے یا نہ کرنے کا کوئی تذکرہ بھی نہیں۔ لیکن اگر بہر حال یہ سمجھا ہی جاوے کہ اس سورہ شریف میں جہاد کے متعلق کوئی حکم ہے تو وہ جہاد کے جواز کا ہوسکتا ہے نہ کہ اس کے نسخ کا۔ کیونکہ اس سورۃ میں مخالفوں کو ایک چیلنج دیا گیا ہے کہ تم اپنے دین کے ساتھ زور آزمائی کرو۔ اور ہم اپنے دین کی قوّت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ خدا کس کو کامیاب کرتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ یہ کامیابی بہر حال اسلام کے واسطے ہے۔ پس یہ سورۃ کسی حالت میں منسوخ نہیں اور نہ کوئی اور حصہ قرآن شریف کا منسوخ ہوا یا ہوسکتا ہے۔

مقامِ نزول: جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ سورہ شریف مکی ہے مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مدنی ہے ایسا ہی بعض دوسری سورتوں کے متعلق بھی بظاہر اس قسم کا اختلاف روایات میں معلوم ہوتا ہے مگر ممکن ہے کہ بعض سورتیں اور آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایک بار بلکہ کئی بار نازل ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کے حالات میں دیکھتے ہیں کہ ایک پیشین گوئی وحی الٰہی میں ایک

دفعہ نازل ہو کر مثلاً کتاب براہین احمدیہ میں چھپ چکی ہے لیکن جب اس کے پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا تو نزولِ اول کے بیس پچیس سال بعد پھر وہی الفاظ الہامِ الٰہی میں وارد ہوئے۔

دِیْن: جزا و سزا کے معنے میں بھی آتا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب ہے کہ تم لوگوں نے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کا بدلہ تم کو بہر حال مل کر رہے گا جو طریقہ ہم نے اختیار کر لیا ہے اس کا بدلہ خدا تعالیٰ ہم کو ضرور دے گا۔

اَلْکٰفِرُوْن: اس جگہ اگرچہ اول مخاطب وہی کفار اور ان کے ساتھی تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا اور اس وجہ سے اس سورہ شریف کے نزول کے اصل محرک وہی تھے۔ لیکن ان کے بعد تمام دنیا کے کفار جو مسلمانوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کریں۔ اس سورۃ میں مخاطب ہیں۔ قاعدہ ہے کہ زمانہ نزولِ انبیاء میں بعض منکرین ایسے سخت دل ہو جاتے ہیں کہ کوئی نصیحت ان کے واسطے کارگر نہیں ہوسکتی۔ اور ہر ایک نشانِ الٰہی جو دوسروں کے واسطے موجب ازدیادِ ایمان ہوتا ہے۔ ان کے لئے بجز ازدیادِ کفر اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسے کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (البقرہ:۷) وہ حالتِ کفر میں ایسے غرق ہیں کہ آنیوالے عذابوں سے تُو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ سب برابر ہے۔ وہ کبھی ایمان نہیں لاویں گے۔ اور فرمایا ہے۔ وَ لَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا (المائدہ:۶۵) تیرے ربّ کی طرف سے جو تجھ پر نازل ہوا۔ یہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور بھی بڑھا دے گا۔ ایسے کافروں کو کہا گیا ہے کہ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَکُمْ اَعْمَالُکُمْ (البقرہ:۱۴۰) ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ایسے ہی مکذبوں کے متعلق فرمایا۔ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَکُمْ عَمَلُکُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:۴۲) ان کو کہہ دو کہ میرے عمل میرے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں۔ تم میری کارکردگی کا ثواب نہیں پا سکتے اور میں تمہاری کارروائیوں سے بَری ہوں۔

حفاظتِ قرآن: اس سورہ شریف کے الفاظ کو اپنے قرآن شریف پر بغور دیکھتے ہوئے اس

کی طرزِتحریر میں ایک خاص بات مجھے نظر آئی اور وہ یہ ہے کہ اس میں عٰبِدُوْنَ کا لفظ دو جگہ اس طرح آیا ہے کہ ع کے اوپر کھڑا الف لکھا گیا ہے مگر تیسری جگہ عابد کا لفظ ع کے بعد الف کے ساتھ آیا ہے۔ حالانکہ دونوں الفاظ تمام تحریر میں ایک ہی طرح آ سکتے ہیں۔لیکن میں نے بہت سے مختلف چھاپوں کے قرآن شریف کھول کر دیکھے اور سب میں مذکورہ بالا طرزِتحریر پایا۔

......قرآن شریف کی حفاظت کے واسطے یہ بھی ایک دلیل ہے کہ جب سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف لکھا گیا اور جیسا کہ لکھا گیا۔اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا اور نہ ہونے کی کوئی گنجائش تھی۔ برخلاف اس کے ہم انجیل اور تورات کو دیکھتے ہیں کہ اول تو ان کی اصلیت کا کوئی پتہ ہی نہیں ملتا کہ اصل نسخے کیسے تھے۔اور کہاں غائب ہوئے۔اور جو کچھ نقلی یا فرضی کتابیں موجود ہیں۔ان کے متعلق بھی آج تک کمیٹیاں ہو رہی ہیں۔جو ان امور کی تحقیقات کرتی ہیں کہ ان کتابوں میں سے کونسی عبارتیں ہنوز نکال دینے کے قابل ہیں۔جس قدر کتابیں اس وقت دنیا میں الہامی مانی گئی ہیں۔ان میں سے ایک بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں ہے۔سوائے قرآن شریف کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف کے سوا اور کسی کتاب کی حفاظت کا ذمہ باری تعالیٰ نے نہیں لیا اور اس واسطے دوسری کتابیں عوام کے دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔

خواصِ سورۃ: زید بن ارقم رفعاً کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات دو سورتیں ساتھ لے کر کی۔اس سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔وہ دو سورتیں کافرون اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہیں۔

اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ سورہ کافرون میں کفار اور ان کے کفر سے پوری بیزاری اور بے تعلقی ظاہر کی گئی ہے اور سورۃ اخلاص میں خدا تعالیٰ کی توحید کا پورے طور سے اقرار کیا گیا ہے بدی کا ترک اور نیکی کا حصول۔شیطان سے دوری اور خدا کا قرب۔یہی دو باتیں ہیں جو کسی مذہب کا آخری نتیجہ ہوسکتی ہیں۔جب یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو حاصل ہو جاویں۔تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔اور اس کے واسطے کوئی حساب باقی نہیں رہا۔ایک روایت میں ابنِ عمر سے

منقول ہے کہ یہ سورۃ ربع قرآن کے برابر ہے۔کیامعنے یہ قرآن شریف کا چوتھا حصہ ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ پاک کے مضامین کا چہارم حصہ کفاراوران کے کفر سے بیزاری اورخداوند تعالیٰ کی خالص عبادت کے بیان پر مشتمل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۴و۲۱ رنومبر ۱۹۱۲ءصفحہ ۳۰۷ تا ۳۷۵)

دیکھو۔حضرت نبی کریمؐ کی ابتدائی تیرہ[۱۳] سالہ مکّہ کی زندگی کیسی مشکلات اور مصائب کی زندگی ہے مگر باایں کہ آپؐ بالکل تنہا اور کمزور ہیں۔خدا تعالیٰ آپؐ کی زبان سے اہل مکہ کے بڑے بڑے اکابر قریش اور سردارانِ قوم کو جو اپنے برابر کسی کو دنیا میں سمجھتے ہی نہ تھے۔یوں خطاب کراتا ہے۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمزوری کی حالت میں بھی خدائی تائیداور نصرت کی وجہ سے جو آپؐ کے شامل حال تھی اور اس کامل اور سچے علم کی وجہ سے جو آپؐ کو خدا کے وعدوں پر تھا۔ آپ میں ایسی قوت اور غیرت وحمیّت موجود تھی کہ آپ تبلیغ احکامِ الٰہی میں ان کے سامنے ہرگز ہرگز ذلیل نہ تھے۔ بلکہ آپ کے ساتھ خدا کی خاص نصرت اور حق کا رعب اور جلال ہوا کرتا تھا۔پس اس سے مسلمانوں کو یہ سبق لینا چاہیے کہ حق کے پہنچانے میں ہرگز ہرگز کمزوری نہ دکھائیں اور دینی معاملات میں ایک خاص غیرت اور جوش اور صداقت کے پہنچانے میں سچی حمیت رکھیں۔

کافر کا لفظ عرب کے محاورے میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ ہمارے ملک میں کسی کو کافر کہنا گویا آگ لگا دینا ہے۔وہ لوگ چونکہ اہلِ زبان تھے۔خوب جانتے تھے کہ کسی کی بات کو نہ ماننے والا اس کا کافر ہوتا ہے۔اور ہم چونکہ آپ کی بات نہیں مانتے اس واسطے آپؐ ہمیں اس رنگ میں خطاب کرتے ہیں۔قرآن شریف میں خود مسلمانوں کی صفت بھی کفر بیان ہوئی ہے جہاں فرمایا ہے کہ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (البقرہ:۲۵۷) معلوم ہو کہ کفر مسلمان کی بھی ایک صفت ہے۔مگر آجکل ہمارے ملک میں غلط سے غلط بلکہ خطرناک سے خطرناک استعمال میں آیا ہے۔کسی نے کسی کو کافر کہا اور وہ دست وگریبان ہوا۔

اصل میں کافر کا لفظ دل دکھانے کے واسطے نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو ایک واقعہ کا اظہار و بیان تھا۔وہ

لوگ تو اس لفظ اور خطاب کو خوشی سے قبول کرتے تھے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۔ کے معنے ہوئے کہ وَے اے کافرو ہوشیار ہو کر اور توجہ سے میری بات کو سن لو۔

لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ میں ان بتوں کی، ان خیالات کی ان رسوم ورواج کی اور ان ظنوں کی فرماں برداری نہیں کرتا۔ جن کی تم کرتے ہو۔

ان لوگوں میں اکثر لوگ تو ایسے ہی تھے جو رسم ورواج، عادات اور بتوں کی اور ظنوں اور وہموں کی پوجا میں غرق تھے۔ ہاں بعض ایسے بھی تھے کہ جو دہریہ تھے۔ مگر زیادہ حصّہ ان میں سے اوّل الذکر لوگوں میں سے تھا۔ خدا کو بڑا خدا جانتے تھے۔ اور خدا سے انکار نہ کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی کافر تھے جو خدا کو بھی مانتے تھے اور بتوں سے بھی الگ تھے۔ رسم ورواج میں بھی نہ پڑے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس آنے کو اور آپ کی فرماں برداری کرنے ہی کو اپنی سرداری کی ہتک جانتے تھے۔ اور ان کے واسطے ان کا کبر اور بڑائی ہی حجاب اور باعث کفر ہو رہی تھی۔

وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۔ اور نہ ہی تم میرے معبود کی عبادت کرتے نظر آتے ہو۔

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۔ اور نہ ہی میں کبھی تمہاری طرزِ عبادت میں آؤں گا۔

وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۔ اور نہ ہی تم اپنے رسوم ورواج، جتھے اور خیالات، اپنے بتوں اور مہنتوں کو چھوڑتے نظر آتے ہو تو اچھا۔ پھر ہمارا تمہارا یوں فیصلہ ہو گا کہ

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَ لِیَ دِیْنِ ۔ میرے اعمال اور عقائد کا نتیجہ میں پاؤں گا اور تمہارے بدکردار اور عقائدِ فاسدہ کی سزا تم کو ملے گی۔ پھر اس وقت پتہ لگ جاوے گا کہ کون صادق اور کون کاذب ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا۔ وہ دنیا جانتی ہے۔ ہر ایک نے سن لیا ہو گا کہ آنحضرتؐ دنیا سے کس حالت میں اٹھائے گئے اور آپؐ کے اتباع کو دنیا میں کیا کچھ اعزاز اور کامیابی نصیب ہوئی اور آپؐ کے وہ دشمن کہاں گئے اور ان کا کیا حشر ہوا۔ کسی کو ان کے ناموں سے بھی واقفیت نہیں۔ بس یہی نمونہ اور

مابہ الامتیاز ہمیشہ کے واسطے صادق اور کاذب میں خدا کی طرف سے مقرر رہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۸ مورخہ ۱۸؍اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵)

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَ لِیَ دِیۡنِ۔ یہ آیت منسوخ نہیں نہ اس میں مداہنت ہے بلکہ فرمایا کہ تمہارے اعمال کی جزا تمہیں اور میرے کا نیک نتیجہ مجھے ملے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)



سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
میں اس باعظمت اللہ کے نام سے پڑھنا شروع کرتا ہوں جس کی مدد یں دل سے میرے لئے
ہو چکی تھیں عمل پر اس کا ظہور کرنے والا ہے۔

۲ تا ۴۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ط اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

ترجمہ۔ جب آئی مدد اللہ کی اور فتح اور تو نے دیکھا لوگوں کو کہ داخل ہوتے ہیں بیچ دین اللہ کے فوج درفوج پس تسبیح کر ساتھ تعریف رب اپنے کے اور اس سے استغفار کر تحقیق وہ ہے پھر آنے والا۔

تفسیر۔ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت ظاہر ہوئی اور مکہ فتح ہو گیا۔ اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج درفوج دینِ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کی تسبیح کر اور اس کی تعریف کر اور اس سے مغفرت طلب کر۔ وہ بہت ہی رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

یہ سورۂ شریف مدنی ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے بعد تین آیتیں ہیں اور انیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

اِذَا کے معنے ہیں۔ جب کہ۔ جب یہ لفظ ماضی پر آوے تو معنے استقبال کے دیتا ہے۔ اس واسطے اِذَا جَآءَ کے معنے یہ بھی کئے گئے ہیں ’’کہ جب آوے گی‘‘ کیونکہ یہ سورۃ بطور ایک پیشگوئی کے نازل ہوئی تھی کہ اس وقت تو اسلام تنگی اور تکالیف کی حالت میں ہے اور سب صحابہ مہاجرین کے دل میں یہ خیال ہے کہ وہ اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور ان کی تعداد قلیل ہے اور ان کے دشمن شہر مکہ میں آرام

سے ہیں۔ اوران پر ہنسی کرتے ہیں۔ اورطعن کرتے ہیں کہ تم لوگوں نے اسلام میں داخل ہوکرکیا فائدہ حاصل کرلیا۔ دیکھو ہم نے تم کو شہر مکہ سے بھی نکال دیا ہے۔ لیکن عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ ان کی ساری شیخی کرکری ہوجاوے گی اوران کے متکبر سب ہلاک ہوجائیں گے۔ اور مکہ کا باعظمت گھر بتوں سے پاک کیا جاوے گا اوراس کے مناروں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ بلند کیا جاوے گا اور کمزور اور ناواقف لوگ جو اس وقت بہ سبب حجاب کے دینِ الٰہی میں داخل نہیں ہیں۔ ان کے واسطے وقت آجائے گا کہ تمام روکیں دور ہوکر وہ ایک سیلاب کی طرح اسلام کی طرف دوڑ پڑیں گے اور فوج درفوج لوگ اسلام میں داخل ہونے لگ جائیں گے۔

اگر اِذَا جَآءَ کے معنے استقبال کے نہ لئے جائیں اوراس کے یہ معنے کئے جاویں کہ ’’جب فتح ونصرت الٰہی آگئی‘‘ تب بھی یہ درست ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی کے جو پیشگوئیاں نازل ہوتی ہیں اوران میں خدا اپنے بندے کی نصرت اور فتح کی خوشخبری دیتا ہے۔ چونکہ وہ بات یقینی ہوتی ہے اورضرور ہوجانے والی ہے۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا ہے اورآسمان پر مقدّر ہوچکا ہے کہ یہ کام اس طرح سے ہوگا۔ اس واسطے اس کو ایسے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ گویا یہ کام ہوگیا ہے۔ کیونکہ کوئی کام زمین پر نہیں ہوسکتا جب تک کہ پہلے آسمان پر نہ ہولے۔ اس کی مثال دنیوی محاورات میں بھی موجود ہے۔ جب کسی کو یقین ہوجاوے کہ اس مقدمہ میں تمام امور میری مرضی کے مطابق طے ہو جائیں گے اور میں ضرور فتح پالوں گا تو وہ کہتا ہے کہ بس میں نے مقدمہ فتح کرلیا۔ حالانکہ ہنوز مقدمہ زیر بحث ہوتا ہے اور عدالت نے فیصلہ نہیں سنایا ہوتا۔ لیکن بہ سبب یقین کے وہ ایسا ہی کہتا ہے کہ مقدمہ فتح ہوگیا۔ اس قسم کے الہامات اور پیشگوئیوں کی تازہ مثالیں خود اس زمانہ میں موجود ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بسا اوقات ایسے الہامات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جو کہ اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے ہیں۔ مثلاً ۱۴/ اپریل ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعودؑ پر خدا تعالیٰ کی وحی بدیں الفاظ ہوئی کہ ’’زلزلہ آیا۔ زلزلہ آیا‘‘ اور یہ خبر اس زلزلہ کے متعلق تھی جو ۱۸/ مئی ۱۹۰۶ء کو واقع ہوا۔ لیکن چونکہ اس کا آنا مقدر ہوچکا تھا۔ اس واسطے ایک ماہ پہلے ہی کہا گیا کہ زلزلہ

آیا۔زلزلہ آیا۔

جَآءَ کے معنے ہیں۔آیا۔آمد۔اس لفظ میں قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتح اور نصرت تیرے پاس آئی جسے خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کی تائید کے واسطے عین ضرورت کے وقت میں بھیجا۔

نَصْرُ اللّٰہِ: اللہ تعالیٰ کی نصرت۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد۔

وَالْفَتْحُ: وہ خاص فتح جس کے تم منتظر تھے۔اور جس کے متعلق پہلے سے پیشگوئی کی جا چکی تھی۔اور تورات وانجیل میں جس کا ذکر کیا گیا تھا۔یعنی فتح مکہ۔وہی مکہ جس میں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا تھا۔اور خفیہ طور پر رات کے وقت ہجرت کرنی پڑی تھی۔اسی کی فتح کے دن آتے ہیں۔اور مظفر ومنصور ہو کر اس میں داخل ہونے کے ایام قریب ہیں۔

وَرَاَیْتَ: اور تو نے دیکھ لیا۔تو نے جان لیا۔تو نے معلوم کر لیا۔

النَّاسَ: لوگوں کو۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی رسول دنیا کی طرف مبعوث ہوتا ہے تو اس کا ساتھ دینے والے لوگ اور اس کی پیروی کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں۔اول اور سب سے اعلیٰ طبقہ کے لوگ وہ ہوتے ہیں۔جو کسی معجزہ ، نشان ، کرامت یا خارق عادت کے دیکھنے کے محتاج نہیں ہوتے۔وہ اس نبی کی شکل دیکھتے ہی اور اس کا دعویٰ سنتے ہی اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہہ اٹھتے ہیں۔ان کو نبی کے ساتھ ایک ازلی مناسبت حاصل ہوتی ہے اور وہ فوراً اس پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔آپ سفر میں تجارت کے واسطے باہر گئے ہوئے تھے۔اور عرب کو واپس آتے ہوئے ہنوز شہر سے دور تھے۔راستہ میں ان کو ایک آدمی ملا۔اس سے پوچھا کہ شہر کی کوئی تازہ خبر سناؤ۔اس نے کہا۔تازہ خبر یہ ہے کہ محمدؐ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو بے شک سچا دعویٰ کیا ہے۔اسی جگہ ایمان لائے اور صدیق اکبر کہلائے رضی اللہ عنہ۔یہ اعلیٰ طبقہ کے آدمیوں کا نمونہ ہے۔اس سے کم درجہ کے لوگ وہ ہیں۔جو کچھ تھوڑا بہت دلائل سننے اور

نشان دیکھنے کے بعد ایمان لے آتے ہیں۔ اور مخالفت کی طرف نہیں دوڑتے۔ اور رفتہ رفتہ محبت اور اخلاص میں بہت بڑی ترقی کر جاتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے درجہ کے لوگ وہ ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے قہری عذاب نازل ہوتے ہیں۔ اور ہر طرف سے فتوحات اور نصرت کے نشانات نمودار ہوتے ہیں تو ان کے واسطے سوائے اس کے چارہ نہیں ہوتا کہ وہ بھی مومنوں کے درمیان شامل ہو جائیں۔ اول اور دوم درجہ کے لوگوں کی خدا تعالیٰ نے بہت تعریف کی ہے۔ اور ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ[1] (المائدۃ:۱۲۰) کا خطاب دیا ہے۔ مگر تیسرے طبقہ کے لوگوں کا ذکر قرآن شریف میں صرف اتنا ہے کہ رَاَیۡتَ النَّاسَ تو نے لوگوں کو دیکھا ہے۔ کیونکہ وہ عوام ہیں۔ خواص میں ان کا ذکر نہیں۔ پھر بھی خوش قسمت ہیں کہ قرآن شریف میں ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا کہ وہ دین اللہ میں داخل ہونے والے لوگ ہیں۔

اس زمانہ میں خدا کے فرستادہ رسول حضرت مہدی معہود کے پیرو انہیں تین قسم کے لوگوں میں مشتمل ہیں۔ بعض تو وہ اولین سابقین میں سے ہیں جو حضرت کے دعویٰ مسیحائی سے بھی پہلے آپ کے ساتھ خلوص محبت رکھتے تھے۔ اور دنیا میں کوئی بات ایسی نہ ہوئی جو ان کے خلوص اور محبت کو ایک قدم پیچھے ہٹانے والی ہو۔ حضرت کا دعویٰ ان کے واسطے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہر ابتلا کے وقت انہوں نے قدم آگے بڑھایا ان کی مثال حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ نے ازل سے ایک فطرتی مناسبت اپنے رسول کے ساتھ عطا کی ہے کہ وہ اس سے علیحدہ رہ ہی نہیں سکتے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کتابیں پڑھ کر اور کچھ نشانات دیکھ کر اور کچھ دیکھ بھال کر اس مقدس سلسلہ میں داخل ہوئے اور دن رات انہوں نے اس میں ترقی کی اور خدا تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر گزار ہوئے اور اپنے مال اس راہ میں خرچ کئے۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو طاعون نے یا زلزلے نے خوفزدہ کر کے اس طرف کھینچا۔ پھر بہر حال وہ بھی خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ پاس شدوں کی فہرست میں ان کا نام درج ہو گیا۔ اور فیل شدوں کا نام تو کسی فہرست میں لکھا ہی نہیں جاتا سوائے ان فیل شدوں کے جو اپنے پرچوں میں شرارت کے ساتھ ناجائز باتیں لکھ دیتے ہیں تو خواہ مخواہ ممتحن کو ان

[1] اللہ ان سے خوش ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے۔

کی رپورٹ کرنی پڑتی ہے کہ فلاں امیدوار نے اپنے پرچہ میں ایسی شرارت کی ہے۔ پس وہ فقط فیل ہی نہیں ہوتے بلکہ آئندہ کے واسطے مدارس سے خارج کئے جاتے ہیں۔ اور سخت نامرادی کے گڑھے میں پھینکے جاتے ہیں۔ جہاں سوائے رونے اور دانت پیسنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

يَدْخُلُوْنَ: داخل ہوتے ہیں

فِيْ دِيْنِ اللهِ: اللہ تعالیٰ کے دین میں

اَفْوَاجًا: فوج درفوج۔ پہلے تو کوئی ایک آدھ مسلمان ہوتا تھا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے۔ بعد میں جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تو زیادہ تعداد ہونے لگی۔ لیکن پھر بھی ترقی زور کے ساتھ نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو گروہوں کے گروہ اور جماعتوں کی جماعتیں دین الٰہی میں داخل ہونے لگیں۔ کیونکہ تمام مشکلات درمیان میں سے اٹھ گئی تھیں اور حجاب دور ہو چکے تھے۔ اور اکابر مجرم ہلاک ہو چکے تھے۔

فَسَبِّحْ: پس تسبیح کر۔ پس پاکی بیان کر۔

اَلتَّسْبِيْحُ هُوَ التَّطْهِيْرُ: تسبیح پاکیزگی اور طہارت کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد خانہ کعبہ کی تطہیر ہے۔ کیونکہ کفّار نے اس میں بت رکھے ہوئے تھے اور فتح مکّہ کا یہ نتیجہ تھا کہ تمام بت وہاں سے نکال دیئے گئے اور اس گھر کو خدا تعالیٰ کی اس عبادت کے واسطے خاص کیا گیا۔ جس کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے کاندھوں پر اینٹیں اٹھا کر اس کی بناء کی تھی۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدے جب اپنے رب کے حضور میں کوئی اخلاص کا کام کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اس کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات نے جنگل بیابان کے درمیان جہاں آدمی چھوڑ چرند پرند بھی نہ ملتا تھا۔ جب خدا کے حکم کے مطابق اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑا اور بعد میں خدا تعالیٰ کی عبادت کے واسطے اس جگہ گھر بنایا تو خدا تعالیٰ نے اس جگہ ایک شہر آباد کر دیا۔ اور بالآخر جب کفار نے اس گھر میں بتوں کا ٹھکانہ بنا دیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پاک دل کو اس گھر کے مطہر کرنے کا جوش عطا کیا اور خدا تعالیٰ کے اس برگزیدہ نے وہ گھر ایسا پاک کیا کہ اس کے بعد کوئی مشرک نزدیک بھی نہیں

جا سکتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر ایک بین اور زندہ دلیل ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کی توحید قائم کرنے میں ایسی کامیابی دیکھی کہ اس کی نظیر پہلے کسی نبی کے حالات میں پائی نہیں جاتی۔

بِحَمْدِ رَبِّكَ: ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے۔ بہ ستائشِ پروردگارِ تُو۔ یعنی اپنے رب کی تعریف کر کہ اس نے اپنی خاص ربوبیت کے ذریعہ سے تجھے ہر معاملہ میں کامیاب کیا اور فتح اور نصرت عطا کی ہے۔ یہ اسی قادر توانا کا کام ہے کہ ایک یتیم کو دنیا کا بادشاہ بنا دے اور ایسی فتح عطا کرے جس کی نظیر دنیا بھر کی تاریخ میں موجود نہ ہو۔

وَاسْتَغْفِرْهُ: اور اس سے مغفرت طلب کر۔

غَفَر کے معنے ہیں ڈھانکنا۔ دبانا۔ تمام انبیاء خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگا کرتے تھے۔ اور مغفرت مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان چونکہ کمزور ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ کونسا کام اس کے واسطے بہتری کا ہے۔ اور کون سا نقصان کا کام ہے اور تکلیف کا راستہ ہے۔ پس مغفرت ایک دعا ہے کہ انسان اپنے خدا سے یہ دعا مانگتا ہے کہ وہ اس کے واسطے نیکی کے راہ پر چلنے کے اسباب مہیا کرے۔ جن سے وہ بدی سے بچا رہے اور کسی طرح کے حرج اور تکلیف میں پڑنے سے محفوظ رہے۔ خدا تعالیٰ کے انعام کے حاصل کرنے کے واسطے مغفرت کا طلب کرنا نہایت ضروری ہے۔ استغفار کے معنے اور تشریح میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریر نقل کر دی جاوے اور وہ یہ ہے۔

’’استغفار کے حقیقی اور اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی کمزوری ظاہر نہ ہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نصرت کے حلقہ کے اندر لے لے۔ یہ لفظ غفر سے لیا گیا ہے۔ جو ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ سو اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا اپنی قوت کے ساتھ شخص مستغفر کی فطرتی کمزوری کو ڈھانک لے لیکن بعد اس کے عام لوگوں کے لئے اس لفظ کے معنے اور بھی وسیع کئے گئے اور یہ بھی مراد ہے کہ خدا گناہ کو جو صادر ہو چکا ہے ڈھانک لے۔ لیکن اصل اور

حقیقی معنے یہی ہیں کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کے ساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے۔فطرتی کمزوری سے بچاوے اور اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور روشنی سے روشنی دے۔کیونکہ خدا انسان کو پیدا کر کے اس سے الگ نہیں ہوا۔بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اس کے تمام قویٰ اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنے والا ہے۔ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے۔یعنی جو کچھ بنایا ہے۔اس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا ہے۔پس جبکہ خدا کا نام قیوم بھی ہے یعنی اپنے سہارے سے مخلوق کو قائم رکھنے والا۔اس لئے انسان کے لئے لازم ہے کہ جیسا کہ وہ خدا کی خالقیت سے پیدا ہوا ہے۔ایسا ہی وہ اپنی پیدائش کے نقش کو خدا کی قیومیت کے ذریعہ سے بگڑنے سے بچاوے۔کیونکہ خدا کی خالقیت نے انسان پر یہ احسان کیا کہ اس کو خدا کی صورت پر بنایا۔پس اسی طرح خدا کی قیومیت نے تقاضا کیا کہ وہ اس پاک نفس انسانی کو جو خدا کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے۔پلید اور خراب نہ ہونے دے۔لہذا انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ استغفار کے ذریعہ سے قوت طلب کرے۔پس اگر دنیا میں گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔تب بھی استغفار ہوتا کیونکہ دراصل استغفار اس لئے ہے کہ جو خدا کی خالقیت نے بشریت کی عمارت بنائی ہے۔وہ عمارت مسمار نہ ہو اور قائم رہے اور بغیر خدا کے سہارے کے کسی چیز کا قائم رہنا ممکن نہیں۔

پس انسان کے لئے یہ ایک طبعی ضرورت تھی جس کے لئے استغفار کی ہدایت ہے۔اسی کی طرف قرآن شریف میں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے۔اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یعنی خدا ہی ہے جو قابل پرستش ہے۔کیونکہ وہی زندہ کرنے والا ہے اور اسی کے سہارے سے انسان زندہ رہ سکتا ہے یعنی انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو۔تا خالق اس کو پیدا کرے اور قیوم اس کو بگڑنے سے محفوظ رکھے سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی۔اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کے لئے ہے۔اسی لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی۔غرض خدا کی ہر ایک صفت کے لئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے ہے۔اسی کی طرف اشارہ سورۂ فاتحہ کی اس آیت میں ہے۔اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی ہم تیری ہی

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے اس بات کی مدد چاہتے ہیں کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمیں مدد دے اور ہمیں ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور میں آوے اور ہم عبادت نہ کرسکیں۔

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنے یہی ہیں کہ وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہ ہو اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے۔ جیسا کہ بچہ ماں سے دودھ طلب کرتا ہے۔ پس جیسا کہ خدا نے ابتدا سے انسان کو زبان آنکھ دل کان وغیرہ عطا کئے ہیں۔ ایسا ہی استغفار کی خواہش بھی ابتدا سے ہی عطا کی ہے اور اس کو محسوس کرایا ہے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ خدا سے مدد پانے کا محتاج ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۲۰)۔ یعنی خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسا ہی ان مردوں اور ان عورتوں کے لئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہیں بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ کہ تا جو فطرتی کمزوری سے ان سے خطائیں ہوتی ہیں۔ ان کی سزا سے وہ محفوظ رہیں اور آئندہ زندگی ان کی گناہوں سے بھی محفوظ ہو جاوے۔ یہ آیت معصومیت اور شفاعت کے اعلیٰ درجہ کی فلاسفی پر مشتمل ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلیٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبہ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لئے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لئے ہردم اور ہر آن دعا مانگتا رہے اور تضرعات سے خدا تعالیٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں۔ معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہردم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی بلکہ ہردم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی بلکہ خدا سے اس پر روشنی اترتی ہے۔ اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دی جاتی ہے تا کہ وہ طاقت بالا کو اپنی

طرف کھینچ سکے۔مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے۔اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہیں۔ اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمۂ طاقت سے عبودیت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے۔لہذا انسانوں میں سے وہی معصوم کامل ہے جو استغفار سے الٰہی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشش کے لئے تضرع اور خشوع کا ہردم سلسلہ جاری رکھتا ہے تا اس پر روشنی اترتی رہے اور ایسے دل کو اس گھر سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔جس کے شرق اور غرب اور ہر ایک طرف سے تمام دروازے آفتاب کے سامنے ہیں۔پس ہروقت آفتاب کی روشنی اس میں پڑتی ہے۔لیکن جو شخص خدا سے طاقت نہیں مانگتا وہ اس کوٹھڑی کی مانند ہے جس کے چاروں طرف سے دروازے بند ہیں اور جس میں ایک ذرہ روشنی نہیں پڑسکتی۔پس استغفار کیا چیز ہے یہ اس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اترتی ہے۔تمام رازِ توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائیداد قرار نہ دیا جاوے بلکہ اس کے حصول کے لئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جاوے۔ذات باری تعالیٰ کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے۔جس میں مصفا خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار ان شرایین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہیں اور خون صافی اس میں سے کھینچتی ہیں اور تمام اعضاء پر تقسیم کرتی ہیں جو خون کے محتاج ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا: تحقیق وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''ہر آئینہ خدا ہست برحمت رجوع کنندہ'' [1] توّاب کے معنے ہیں۔ بہت توبہ کرنے والا۔ بہت رجوع کرنے والا۔جبکہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے زیادہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔اسی پر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر انسان چل کر خدا تعالیٰ کی طرف جاوے تو خدا اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔

سورہ شریف کے نام اس سورۃ کا ایک نام تو النصرؔ ہے کیونکہ اس میں ایک نصرت کی بشارت ہے اور اس کا نام فتح بھی ہے۔کیونکہ ایک ایسی عظیم الشان فتح کی اس میں پیشگوئی درج ہے جس سے اسلامی سلطنت اور فتوحات کی بنیاد رکھی گئی تھی۔یعنی فتح مکہ۔ان کے علاوہ ایک نام اس سورۃ کا سورۂ تودیع بھی ہے۔کیونکہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے کے لئے وہ ہر جگہ موجود ہے۔

کہ نُعِیَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ اور آپ نے سمجھ لیا کہ ہمارا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اور اب وقت آ گیا کہ ہم اپنے خدا کے پاس چلے جاویں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ جو آپ کا کام تھا۔ وہ پورا ہو گیا ہے۔ اور اب آپ کو اس دارِفانی کو چھوڑنے کا وقت قریب آ گیا ہے تو آپ نے ظاہر فرمایا کہ اب میں عالمِ باقی میں انتقال کروں گا۔ اس بات کو سن کر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم کیوں روتی ہو؟ اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے تم ہی ملو گی۔ یہ سن کر وہ مسکرانے لگیں۔ اس میں بھی ایک پیشگوئی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ اور آپ کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے اول جس نے وفات پائی۔ وہ حضرت فاطمہ ہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا یہ عجیب نمونہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کی خبر نے رلا دیا۔ لیکن پھر اپنی وفات کی خبر نے اس واسطے ہنسا دیا کہ اس میں آنحضرتؐ کے ساتھ دوسرے عالم میں ملاقات کی جلد صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اپنے مرنے کا خوف نہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ ملاقات کی خوشی غالب ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۱، ۲۸ ر نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۹)

فتح مکہ: اس سورہ شریف میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں لفظ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ فتح مکہ کو فتح الفتوح بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ کی فتح تمام اسلامی فتوحات کی ابتدا تھی۔ فتح مکہ کا واقعہ اس طرح سے ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک رؤیا دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مکہ معظّمہ کو گئے ہیں اور وہاں مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے ہیں اور سر منڈاتے ہیں اور بال کترواتے ہیں جیسا کہ مکہ معظّمہ سے احرام کھولنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس وقت مسلمان کفار کے ہاتھوں سے بہت تکلیف اٹھا رہے تھے اور مکہ میں کفار کا غلبہ تھا اور مسلمانوں کو زیارت کعبۃ اللہ کے حصول میں بہت مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔ اس واسطے اس مبشر مکاشفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے

کہ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا ایمان لا کر اور خدا تعالیٰ کی فرمودہ باتوں کے پورا ہو جانے پر یقین کر کے ان کے واسطے ہر طرح کے سامان مہیا کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رؤیا کی سچائی پر یقین کر کے سفرِ مکہ کی تیاری کی اور خود ۱۴ سو اصحاب کے ساتھ شہرِ مکہ کی طرف آئے۔

بعض نادان لوگ ایسے موقع پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے کوشش کیوں کی جاتی ہے۔ وہ تو خدا کا وعدہ ہے بہر حال پورا ہوگا۔ ایسے اعتراضات تمام انبیاء پر کفار نے کئے اور اس زمانہ کے بدقسمت لوگوں نے بھی یہ اعتراض خدا کے مرسل حضرت مسیح موعودؑ پر کئے کہ مثلاً مقدمہ کے وقت آپ نے پلیڈر کیوں کھڑا کیا۔ اور شادی کے موقع پر آپ نے خط و کتابت وغیرہ کوششوں میں کیوں حصہ لیا۔ تعجب ہے کہ یہ اعتراض خود مسلمان اور دوسرے اہلِ کتاب عیسائی بھی کرتے ہیں۔ جن کی کتب میں انبیاء کی اس سنت کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے واسطے تو خود یہی ایک قصہ کافی ہے جو اس سورۂ شریف کے متعلق بیان ہوتا ہے اور عیسائیوں کے واسطے خود یسوع کی لائف میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں۔

یسوع بچہ ہی تھا کہ اس کی جان بچانے کے واسطے اسے خفیہ طور پر ملک مصر میں لے گئے اور پھر عین نبوت کے زمانہ میں جب دشمنوں سے خوف بڑھا تو اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ پھر بزعم متی کی توریت کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے خود گدھی کا بچہ منگوایا تا کہ اس پر سوار ہو۔ غرض ایسے طریق پر اعتراض کرنا ایک جاہل متعصب کا کام ہے۔ خود دنیا کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مثلاً ایک بادشاہ ایک محل کے تیار کرنے کے واسطے حکم کرتا ہے تو خدام اور ملازمین اس حکم کی تعمیل میں دل و جان سے مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ محل تیار ہو جاتا ہے۔ گو ظاہری نظر سے دیکھنے والا نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ محل فلاں معمار یا فلاں مزدور نے بنوایا ہے۔ تاہم دانا لوگ جانتے ہیں کہ اس محل کا اصل بانی بادشاہ کے منہ کا حکم ہے۔ ورنہ کسی کی کیا طاقت تھی کہ کوئی ایسا محل تیار کر دیتا۔ گو یہ مثال ادنیٰ درجہ کی ہے تاہم اس سے ایک فہیم سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح انجینئر بادشاہ کا حکم پا کر

یقین کر لیتا ہے کہ اب مجھے اس محل کے تیار کرنے کے تمام سامان مہیا ہو جائیں گے اور کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی اور میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اور اس یقین کو ساتھ لے کر وہ کام شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کے واسطے تمام اسباب بامراد ہونے کے بنتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک مامور من اللہ خدا کے حکم پر پورا یقین اور ایمان رکھ کر اس کو پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس کا خود پیشگوئی کے پورا کرنے میں مصروف ہو جانا اس کے اعلیٰ ایمان اور یقین اور صداقت کی ایک بین دلیل ہوتی ہے۔ اگر اسے اس الہام کی سچائی پر یقین نہ ہوتا اور اس میں کچھ وہم اور وسوسہ ہوتا تو وہ ہرگز اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ فرماوے کہ تجھے بچہ دیویں گے اور تیری نسل سے ہوگا تو کیا وہ شکر نہ کرے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عازم بیت اللہ شریف ہوئے لیکن جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے جو مکہ سے نو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ جنگ کے لئے آمادہ ہیں اور آپ کو زیارتِ کعبہ سے روکتے ہیں۔ آپ کی عادت تھی کہ باوجود مشرکین کی سختی کے ہمیشہ ان پر نرمی کرتے تھے۔ اور کبھی کسی معاملہ میں جس میں کسی کو ضرر ہو پیش دستی نہ فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بمعہ دو اور اصحاب کے اہلِ مکہ کی طرف بھیجا کہ میں جنگ کے واسطے نہیں آیا۔ صرف زیارتِ کعبہ کے لئے آیا ہوں اور بعد زیارتِ کعبہ واپس مدینہ منورہ کو چلا جاؤں گا۔ حضرت عثمان جب کفار کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ تم کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو اور واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں اکیلا طواف نہیں کروں گا۔ جب حضرت رسول کریمؐ کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ اس قسم کی گفتگو میں قریش نے روک رکھا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو کفار مکہ نے قتل کر دیا اور ممکن ہے کہ ان کی نیت قتل کر دینے کی ہو۔ کیونکہ اسی وقت اسّی ۸۰ کفار مسلمانوں پر آ کر شب خون کرنے لگے مگر گرفتار ہو گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اس شرارت اور فساد کی خبر ملی تو آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو جمع کیا اور ایک کیکر کے درخت کے نیچے ان سے بیعت لی۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کے

قربان کرنے کا صدق دل سے اقرار کیا۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ چند کفار کے ساتھ جو صلح کی شرائط کا فیصلہ کرنے آئے تھے پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کفّار کی شرارتوں کے اور فساد کی نیتوں اور سخت شرائط پیش کرنے کے انہیں کی پیش کردہ سب باتیں مان کر صلح کر لی۔ جو اسّی[۸۰] آدمی کفار کے حملہ کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ وہ بھی چھوڑ دیئے اور ایسی شرطیں مان لیں جس سے کفار کا بڑا غلبہ اور رعب بظاہر معلوم ہوتا تھا۔ اور مسلمان بہت کمزور اور نیچے دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شرط یہ تھی کہ اس سال بغیر زیارتِ کعبہ واپس چلے جائیں۔

پھر یہ کہ دوسرے سال آویں۔ دو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں اور مسلمانوں کے ہتھیار بند ہوں۔ پھر ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں چلا آئے تو اہلِ مکہ کو واپس کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص مدینہ سے بھاگ کر مکّہ میں آجاوے تو اہلِ مکّہ واپس نہ دیں گے۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ میں سے جس قوم کی مرضی ہو۔ اس وقت مسلمانوں کی طرف ہو جائے اور جس کی مرضی ہو اہلِ مکہ کے ساتھ رہے اور آئندہ اس کے مطابق قوموں کی باہمی تقسیم رہے۔ چنانچہ ایک قبیلہ جس کا نام وائل تھا۔ قریش کے عقد وعہد میں ہوا۔ اور خزاعہ اسلامیوں کے طرفدار بن گئے۔

ان شرائط کے بعد پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بدوں ادائے رسم حج مدینہ کو واپس چلے آئے اور اسی مقام حدیبیہ پر قربانی ذبح کر دی۔ اس صلح کا نام صلح حدیبیہ ہوا۔ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت سورۃ فتح نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ کو تشریف فرما ہوئے تو کچھ عرصہ کے بعد کفّارِ مکّہ نے عہد و پیمان کو توڑ دیا۔

مکہ کے قبائل میں سے بنو بکر اس صلح کے شرائط کے مطابق قریش کے عقد وعہد میں ہوا تھا اور خزاعہ اسلامیوں کے طرفدار بن گئے تھے۔ بنو بکر اور خزاعہ میں باہم مدت سے جنگ وجدال چلا آتا تھا۔ اس وقت اسلام کے پھیلنے اور اسلامیوں کے مقابلہ کے نئے شغل نے ان دونوں قوموں کو باہمی جنگ کرنے سے روک رکھا ہوا تھا۔ اب جبکہ اہلِ مکہ اور اہلِ اسلام کے درمیان صلح ہو گئی۔ تو اس جنگجو

قوم کو نچلا بیٹھنا محال ہو گیا۔ لگے کوئی بہانہ لڑائی کا تلاش کرنے۔

نوفل بن معاویہ بن نفاثہ الدیلی بنوبکر میں سے ایک نامور سپاہی تھا۔ اس نے خزاعہ قوم پر شبخون مارا۔ خزاعہ کے لوگ اس وقت بے خوف وخطر وتیر نام چشمے پر غافل پڑے تھے۔ نوفل کے حملے سے چونک اُٹھے اور لڑائی شروع ہوگئی۔ وہاں کفارِ مکہ نے پہلے تو ان کی امداد ہتھیاروں سے کی اور جب اندھیرا ہو گیا تو بنوبکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب بنوبکر کو اہلِ مکہ کی مدد ہوگئی تو خزاعہ قوم کمزور ہو گئی اور وہ بدیل بن ورقہ خزاعی اور رافع کے گھر میں پناہ گزین ہوئے۔ مگر خزاعہ بیچارے صبح تک بہت مارے گئے۔ صبح کے ہوتے ہی اپنی تباہ حالت کو دیکھ کر وہ بھاگ گئے اور انہوں نے اپنے مامن کو پہنچ کر عمرو بن سالم خزاعی کو چالیس آدمی کے ساتھ مدینہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ عمرو بن سالم نے عرب کے طریق ورواج کے مطابق اشعار میں اپنا حال حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ خزاعہ صلح نامہ کے مطابق اسلامیوں کی طرفدار قوم تھی اور تمام کفارِ مکہ کا ان کے برخلاف سازش کرنا اور ان کو اس طرح سے قتل کرنا دراصل اسی سبب سے تھا۔ ان واقعات اور سچے اقوال کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نُصِرْتَ یَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ۔ ادھر کفارِ مکہ کو اپنی کرتوت کا (جیسے ہر ایک گناہ کا نتیجہ افسوس ہوتا ہے) افسوس ہوا اور پشیمان ہوئے اور ابوسفیان اپنے رئیس کو اس بدافعالی کے ثمرات سے بچ رہنے کی تدابیر کے واسطے مدینہ روانہ کیا۔ ابوسفیان کو یقین تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری اس عہد شکنی کی اب تک خبر نہیں۔ اس خیال پر اس نے اپنے دل میں ایک چالاکی کی بات سوچی اور آنحضرتؐ سے کہا کہ صلح حدیبیہ، کے وقت میں موجود نہ تھا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ عہدِ سابق کی تجدید کریں۔ اس عہد نامہ کی تاریخ آج سے شروع ہو اور صلح کی مدت بڑھا دی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بدعہدیوں کو بار بار دیکھ چکے تھے اور خزاعہ کے مقابلہ میں بنوبکر کی امداد خلاف عہد حدیبیہ کی خبر عمرو بن سالم کے ذریعہ پہنچ چکی تھی۔ آپؐ نے ابوسفیان کو جواب دیا کہ کیا تم نے کوئی عہد شکنی کی ہے۔ جو تم عہد کی تجدید چاہتے ہو۔ ابوسفیان نے کہا۔ مَعَاذَ اللّٰہِ ایسا نہ ہو۔ کیا ہم ایسے ہیں کہ عہد توڑ ڈالیں گے؟ تب آپؐ نے فرمایا

اَلْحَال سابق عہد و پیمان کو رہنے دو۔ آخر ابوسفیان واپس مکے کو چلا گیا۔

ابوسفیان کے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر مکہ کو بھیجا اور حسبِ دستور ملک بلکہ حسب قانون اخلاق کہلا بھیجا کہ یا تو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیدو۔ یا بنو بکر کی حمایت اور جانبداری سے الگ ہو جاؤ یا حدیبیہ کی صلح کا عہد جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے اسے پھیر دو۔ اہلِ مکّہ نے خیال کیا کہ اہلِ اسلام ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور اس نصرت الٰہی اور امدادِ خداوندی کو بھول گئے جو اسلام ہاں سچے اسلام کی ہمیشہ حامی و مددگار رہے۔ انہوں نے صلح کا عہد پھیر دیا۔ قطع عہد اور ان کی بے ایمانی اور خزاعہ کا بدلہ لینے کے لئے آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کی چنانچہ مکہ فتح ہوا اور اس حملے میں وہ نرمی اور اخلاقی شریعت کی آپؐ نے پابندی کی جس کی نظیر دنیا میں مفقود ہے۔ فرمایا جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ۔ جو کوئی مسجد میں چلا جائے اسے امان۔ غرض مطابق پیشگوئی مکہ فتح ہوا اور کچھ بڑی خون ریزی نہ ہوئی۔ اور کوئی کافر بجبر مسلمان نہ کیا گیا۔

اس جگہ سارہ والے واقعہ کا بیان کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اور وہ اس طرح سے ہے کہ سارہ نام ایک عورت جو کہ مکہ میں رہتی تھی اور خاندان بنی ہاشم کے زیرِ سایہ پرورش پایا کرتی تھی۔ ان ایام میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے واسطے کوچ کی تیاری کی۔ آپؐ کے پاس مدینہ میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہو کر مکّہ سے بھاگ آئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں مسلمان ہو کر نہیں آئی۔ بلکہ بات یہ ہے کہ میں اس وقت محتاج ہوں اور آپؐ کا خاندان ہمیشہ میری پرورش کیا کرتا ہے۔ اس واسطے میں آپ کے پاس آئی ہوں تا کہ مجھے کچھ مالی امداد مِل جائے۔ اس پر آنحضرتؐ نے بعض لوگوں کو فرمایا۔ اور انہوں نے اس کو کچھ کپڑا اور روپیہ وغیرہ دیا۔ جس کے بعد وہ واپس اپنے وطن کو روانہ ہوگئی۔ جب روانہ ہونے لگی تو حَاطِب نے جو کہ اصحاب میں سے تھا اس کو دس۱۰ درہم دیئے اور کہا کہ میں تجھے ایک خط دیتا ہوں۔ یہ خط اہلِ مکہ کو دے دینا۔ اس بات کو اس نے قبول کیا اور وہ خط بھی لے گئی۔ اس خط میں حاطبؓ نے اہلِ مکہ کو خبر کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے۔ تم ہوشیار ہو جاؤ۔ وہ

عورت ہنوز مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی خبر مل گئی کہ وہ ایک خط لے کر گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بمعہ عمار اور ایک جماعت کے روانہ کر دیا کہ اس کو پکڑ کر اس سے خط لے لیں۔ اور اگر نہ دے تو اسے ماریں۔ چنانچہ اس جماعت نے اس کو راہ میں جا پکڑا۔ اس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ جس پر حضرت علیؓ نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ ہم کو جھوٹ نہیں کہا گیا۔ بذریعہ وحیٔ الٰہی کے خبر ملی ہے۔ خط ضرور تیرے پاس ہے۔ تلوار کے ڈر سے اس نے خط اپنے سر کے بالوں میں سے نکال دیا۔ جب خط آ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ حاطب کی طرف سے ہے تو حاطب بلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا مجھے خدا کی قسم ہے کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں۔ کبھی کافر نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ میں میرے قبائل کا کوئی حامی اور خبر گیر نہیں۔ میں نے اس خط سے صرف یہ فائدہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ کفّار میرے قبائل کو دکھ نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حاطب کو قتل کر دیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ بدر پر خوشنودی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ کرو جو چاہو۔ میں نے تمہیں بخش دیا۔

اس سورۂ شریف کی تفسیر میں کئی ایک روایات اس قسم کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعض صحابہ کرامؓ نے اس سورۃ کے نزول کو سن کر یقین کیا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اس دنیا پر جو تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ اور وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کے ساتھ وصالِ دائمی حاصل فرماویں۔ چنانچہ ایک حدیث جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رونے اور پھر ہنسنے کا ذکر ہے گزشتہ پرچوں میں بیان کی جا چکی ہے۔ رونے کی وجہ یہ تھی کہ بیوی فاطمہ کو آنحضرت نے بتلایا کہ اب میری وفات کا وقت قریب ہے۔ پھر ہنسنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتلایا کہ میرے بعد میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میرے ساتھ ملنے والی تو ہے چنانچہ آنحضرت کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ نے وفات پائی تھی۔ ایک روایت سے جو حضرت ام حبیبہ سے ہے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سورہ شریف کے

نازل ہونے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی تھی کہ آپؐ کی عمر حضرت عیسیٰؑ کی عمر سے نصف ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی عمر ایک[12] سو بیس سال تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس سورہ شریف کے وقت اس امر کے اشارہ کو سمجھ لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وفات قریب آ گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ابھی بچہ ہی تھا۔مگر جب کوئی مجلس شورٰی قائم ہوتی اور بڑے بڑے اصحاب جو اہلِ بدر تھے جمع کئے جاتے تو حضرت عمرؓ مجھے بھی اس مجلس میں بلاتے۔میری عمر کے لڑکے کا ایسی اہم مجلس میں بلایا جانا شائد کسی کو ناپسند ہوا ہو گا کہ کسی نے کہا کہ یہ لڑکا ہمارے بیٹوں کی عمر کے برابر ہے اور ہمارے ساتھ مجلسِ شورٰی میں بیٹھتا ہے۔مگر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تم کیا جانتے ہو کہ یہ کون ہے۔اس کے بعد جب پھر ایسا ہی کسی مجلس کا موقع ہوا اور سب بلائے گئے تو حضرت عمرؓ نے مجھے بھی بلایا اور میں دل میں سمجھ گیا کہ آج کچھ بات ضرور ہے چنانچہ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عمر نے اول دوسروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔بعض نے کہا کہ اس میں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ حمد و استغفار کریں۔بعض نے کہا کہ اس میں فتح و نصرت ہم کو دی گئی ہے۔اور بعض خاموش رہے۔تب حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔کیا یہی صحیح ہے۔میں نے کہا نہیں۔ بلکہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتلایا گیا ہے کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔اب حمد و استغفار کرو۔حضرت عمر نے فرمایا مجھے بھی یہی معلوم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس سورہ شریف کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں یہ دعا بہت پڑھتے تھے۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ۔اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، ہر وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ کہتے اور فرماتے کہ مجھے ایسا کہنے کے واسطے حکم دیا گیا ہے۔اور اس سورۃ کو پڑھتے۔

غرض بہت سی روایات سے یہ امر ظاہر ہے کہ اس سورہ شریف کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعض احباب نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ چونکہ تبلیغ کا کام اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اور فتح ونصرت کا وقت آ گیا ہے۔ اور اب قومیں فوج درفوج داخل ہونے والی ہیں۔ تو اب وہ وقت آ گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی کو چھوڑ کر واصل باللہ ہو جاویں۔

افواج : جس سال یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس سال بہت سی قومیں فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئیں۔ کیونکہ مکہ فتح ہو گیا تھا اور کفار کے سرغنہ سب ہلاک ہو چکے تھے۔ اور کوئی رکاوٹ اب باقی نہ رہی تھی اور اسلام کی سچی اور راحت بخش تعلیم نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہوا تھا۔ صرف چند شریر لوگوں کی شرارت کا خوف درمیان میں تھا۔ کیونکہ وہ زمانہ امن کا نہ تھا۔ اور ہر ایک کو اپنی جان اور مال کا خطرہ رہتا تھا۔ بالخصوص غرباء امراء کے بہت ہی زیرِ اثر تھے۔ اور ان سے خوف کھاتے تھے۔ جب بڑے بڑے کفّار ہلاک ہو گئے اور ان کے زور اور طاقت کی چار دیواری خاک میں مل گئی۔ تو لوگوں کے دل سیلاب کی طرح اسلام کی طرف جھکے اور قبائل کے قبائل یک دفعہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسد اور قریظہ اور بنی حرہ اور بنی التبکا اور بنی الکنانہ اور بنی ہلال اور بلجناء اور نجب اور دارم اور دوسرے قبائل تمیم اور قبائل عبدالقیس اور بنی طي اور اہل یمن وشام وعراق وغیرہ کے اطراف واکناف سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور بہت جلد تمام جزیرہ نمائے عرب اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور جملہ قبائل عرب میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا۔ جس نے اظہار اسلام نہ کیا ہو۔

اہل یمن۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سورہ شریف میں الناس سے مراد اہلِ یمن ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَ الْفَتْحُ وَجَآءَ اَهْلُ الْيَمَنِ قَوْمٌ رَقِيْقَةٌ قُلُوْبُهُمْ۔ اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَ الفِقْهُ يَمَانٍ و الْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ وَ قَالَ اَجِدُ نَفَسَ رَبِّكُمْ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔**

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آئی۔ اور اہلِ یمن آئے۔ اہلِ یمن ایک قوم ہے جن کے دل نرم ہیں اور اہلِ یمن اہلِ ایمان اور اہلِ فقہ اور اہلِ حکمت ہیں اور فرمایا کہ مجھے یمن کی طرف سے تمہارے رب کی خوشبو آتی ہے۔ یعنی اہلِ یمن اہل اللہ ہیں۔ اہلِ یمن اس سورہ شریف کے نزول کے بعد ایمان لائے تھے۔

تسبیح۔ تحمید و استغفار: اس میں اول تسبیح کا حکم ہے پھر تحمید کا۔ اور پھر استغفار کا۔ اس ترتیب میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات سلبیہ اور دوم صفات ثبوتیہ۔ صفات سلبیہ وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا تمام نقائص سے پاک اور منزہ ہونا اور اعلیٰ و برتر ہونا ظاہر کرتی ہیں۔ سلبیہ کے معنے ہیں سلب کرنیوالی، کھینچنے والی۔ اور صفات ثبوتیہ وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اکرام اور عزت اور بلندی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس ترتیب میں صفات سلبیہ کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور صفات ثبوتیہ کو ان کے بعد لیا گیا ہے۔ تسبیح اللہ تعالیٰ کی جلالی صفات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ تمام بدیوں سے منزّہ اور بے عیب اور پاک ذات ہے۔ تم بھی اس کی تسبیح کرو۔ یعنی اس کا مقدس اور پاک ہونا بیان کرو۔ اور اس کی تحمید کرو کہ وہ تمام حمد کا مالک ہے اور سچی تعریف اسی کے لائق ہے۔ اس کے بعد استغفار ہے جو کہ انسان کو اپنے قصور نفس اور کمزوری کی طرف توجہ دلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بخشش کی طرف انسان کو کھینچتا ہے کہ اس کے سوائے انسان کا گزارہ نہیں اور انسان کے نفس کو کامل کرنے والی وہی ذاتِ پاک ہے۔ جس کے ساتھ سچے اور خالص تعلق کے ذریعہ سے انسان بدیوں سے نجات پا سکتا ہے اور نیکیوں کے حصول کی اس کو توفیق ملتی ہے۔

دِیْنِ اللہ: وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا اور تو نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین اللہ میں فوج درفوج داخل ہوتے۔ اس جگہ دین اللہ سے مراد دینِ اسلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا منشاء یہی تھا کہ مخلوق الٰہی دین اللہ میں داخل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان لاوے اور شعار اسلامی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابند ہو۔ چنانچہ جب تک یہ سب کچھ ہو نہ لیا۔ لوگوں کا

دین اللہ میں داخل ہونا تسلیم نہ کیا گیا۔

قرآن شریف میں اور جگہ دین کے معنوں کی وضاحت کی گئی ہے۔فرمایا ہے۔اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۲۰) اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول دین تو صرف اسلام ہی ہے۔اور فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:۸۶) اور جو شخص اسلام کے سوائے اور کوئی دین چاہے گا۔وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔تعجب ہے کہ باوجود ایسی صریح آیات کے ہوتے اس زمانہ میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں جیسوں کی عقل ایسی ماری گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور قرآن شریف پر عمل کرنا کچھ ضروری نہیں اور نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کی کوئی حاجت نہیں اور اسلام میں داخل ہونا ایک بے فائدہ امر ہے۔صرف اللہ کو مان لو کہ وہ ہے اور اچھے اچھے کام کرو جو تمہاری نگاہ میں اچھے ہوں (خواہ نیوگ ہی کیوں نہ ہو) تو بس نجات پا جاؤ گے۔ لفظ دین کے واسطے اور الفاظ بھی قرآن شریف میں آئے ہیں۔جیسا کہ ایمان۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الذّاریات:۳۶۔۳۷) ہم نے وقتِ عذاب مومنوں کو وہاں سے نکال دیا اور اس میں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر ملا۔اور صراطؔ جیسا کہ فرمایا ہے۔صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔[1] (الشوریٰ:۵۴) راہ اللہ کی وہ اللہ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے۔سب اُسی کا ہے اور ایسا ہی دینؔ کے واسطے اور بھی نام ہیں۔جیسا کہ كَلِمَةُ اللّٰهِ اور نُوْر اور هُدٰى اور عُرْوَة اور حَبْل اور صِبْغَةُ اللّٰهِ اور فِطْرَةَ اللّٰهِ۔

فضائل سورۃ النصر: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سب سے آخر جو سورۃ بہ تمام وکمال اور پوری اتری وہ یہی سورۃ النصر ہے۔اس کے بعد کوئی پوری سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورۃ ربع القرآن ہے۔یعنی قرآن شریف کی چوتھائی کے برابر ہے۔یہ فضیلت بلحاظ اس شاندار پیشگوئی کے معلوم ہوتی ہے جس پر وہ مشتمل ہے اور بلحاظ

---

[1] اُس اللہ کی راہ کی طرف کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔

ان احکامِ تسبیح اور تحمید اور استغفار کے ہے جو کہ انسان کو اپنے کمال پر پہنچانے کے واسطے کمال درجہ کے ہتھیار ہیں۔ اسی سورۂ شریفہ نے کفارِ مکہ کو باوجود ایسی سخت بغاوتوں اور سرکشیوں کے اور اذیّت رسانیوں کے فتح مکہ کے وقت ہر طرح کے عذاب سے بچا لیا۔ اور آنحضرت نے اپنے خلقِ عظیم کے ساتھ سب کو معاف کر دیا اور فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ بلکہ ان کے گناہوں کے واسطے خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہی۔ کیونکہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کا لفظ اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے حضور میں گناہ گاروں کے واسطے شفاعت کریں اور ان کو عذاب میں گرنے سے بچا ویں۔

نئی فوجیں: یہ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کا وعدہ اور قوموں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے کی پیشگوئی جو اس سورۂ شریف میں کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے پورا ہونے کا ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ تاہم چونکہ مذہب اسلام ہمیشہ کے واسطے ہے۔ اس واسطے ظلی طور پر جب کبھی ضرورت ہو یہ وعدہ پورا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلام بہت ضعیف ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ایک فرستادہ کے ذریعہ سے یہ خوشخبری دوبارہ سنائی ہے کہ اس کی طرف سے اسلام کے واسطے فتح و نصرت کا وقت پھر آ گیا ہے۔ اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے اور پھر اسلامیوں میں وہی روحانیت پھونکی جائے گی۔ مبارک ہیں وہ جو تکبر نہ کریں اور خدا کے کام کی عزّت کریں تا کہ ان کے واسطے بھی عزت ہو۔ اے خدا ہمارے گناہوں کو بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر کہ تو سچے وعدوں والا ہے۔ اسلام کی عزّت کو دنیا میں قائم کر دے اور اسلام کے دشمنوں کو ذلیل اور پست اور ہلاک کر دے خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی۔ کیونکہ اب تیری قدرت نمائی کا وقت ہے اور تو بڑی طاقتوں والا خدا ہے۔ آمین ثم آمین۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۲۸ ؍نومبر و ۵ ؍دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸۰ تا ۳۸۳)

یہ ایک مختصر اور چھوٹی سی سورۃ (النصر) قرآن شریف کے آخری حصہ میں ہے۔ مسلمانوں کے بچے علی العموم نمازوں میں اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی

کرنے اوراس کی جناب میں قدمِ صدق پیدا کرنے کے لئے اور اپنی عزت وآبرو کو دنیا وآخرت میں بڑھانے کے واسطے انسان کو مختلف اوقات میں مختلف موقعے ملتے ہیں۔ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ جب دنیا میں اندھیر ہوتا ہے اور ہر قسم کی غلطیاں اور غلط کاریاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔خدا کی ذات پر شکوک، اسماء الٰہیہ میں شبہات، افعال اللہ سے بے اعتنائی اور مسابقت فی الخیرات میں غفلت پھیل جاتی ہے اور ساری دنیا پر غفلت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا کوئی برگزیدہ بندہ اہلِ دنیا کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اپنے مولیٰ کی عظمت و جبروت دکھانے، اسماء الٰہیہ وافعال اللہ سے آگاہی بخشنے کے واسطے آتا ہے تو ایک کمزور انسان تو ساری دنیا کو دیکھتا ہے کہ کس رنگ میں رنگین اور کس دھن میں لگی ہوئی ہے اور اس مامور کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ سب سے الگ اور سب کے خلاف کہتا ہے کُل دنیا کے چال چلن پر اعتراض کرتا ہے۔نہ کسی کے عقائد کی پرواہ کرتا ہے۔نہ اعمال کا لحاظ۔صاف کہتا ہے کہ تم بے ایمان ہو اور نہ صرف تم بلکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الروم:۴۲) سارے دریاؤں، جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور سمندروں اور جزائر، غرض ہر حصۂ دنیا پر فساد مچا ہوا ہے۔تمہارے عقائد صحیح نہیں، اعمال درست نہیں، علم بودے ہیں، اعمال ناپسند ہیں۔قویٰ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو کر کمزور ہو چکے ہیں۔کیوں؟ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الرّوم:۴۲) تمہاری اپنی ہی کرتُوتوں سے۔پھر کہتا ہے۔دیکھو میں ایک ہی شخص ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا (الرّوم:۴۲) لوگوں کو ان کی بدکرتوتوں کا مزہ چکھا دیا جاوے۔بہت سی مخلوق اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے عدم اور وجود کو برابر سمجھتی ہے۔اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ بالکل غفلت ہی میں ہوتے ہیں۔انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کچھ مقابلہ وانکار پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں۔جن میں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جبروت دکھانا چاہتا ہے۔وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو مال و دولت، کنبہ اور دوستوں کے لحاظ سے بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوتے ہیں۔بڑے بڑے رؤسا اور اہل تدبیر لوگوں کے مقابلہ میں ان کی کچھ ہستی ہی نہیں ہوتی۔یہ اس مامور کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا

ہے؟ یعنی ضعفاء سب سے پہلے ماننے والے کیوں ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ اگر وہ اہلِ دُول مان لیں۔ تو ممکن ہے خود ہی کہہ دیں کہ ہمارے ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوا؟ دولت کو دیکھتے ہیں۔ املاک پر نگاہ کرتے ہیں۔ اپنے اعوان وانصار کو دیکھتے ہیں تو ہر بات میں اپنے آپ کو کمال تک پہنچا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس لئے خدا کی عظمت و جبروت اور ربوبیت کا ان کو علم نہیں آ سکتا۔ لیکن جب ان ضعفاء کو جو دنیوی اور مادی اسباب کے لحاظ سے تباہ ہونے کے قابل ہوں۔ عظیم الشان انسان بنا دے اور ان رؤسا اور اہلِ دُول کو ان کے سامنے تباہ اور ہلاک کر دے تو اس کی عظمت وجلال کی چمکار صاف نظر آتی ہے۔ غرض یہ سر ہوتا ہے کہ اوّل ضعفاء ہی ایمان لاتے ہیں۔ اس دُبدا کے وقت جبکہ ہر طرف سے شورِ مخالفت بلند ہوتا ہے خصوصًا بڑے لوگ سخت مخالفت پر اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ آدمی ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے چن لیتا ہے اور وہ اس راست باز کی اطاعت کو نجات کے لئے غنیمت اور مرنے کے بعد قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور بہت سے مخالفت کے لئے اٹھتے ہیں۔ جو اپنی مخالفت کو انتہا تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آ جاتی ہے۔ اور زمین سے آسمان سے، دائیں سے بائیں سے، غرض ہر طرف سے نصرت آتی ہے اور ایک جماعت تیار ہونے لگتی ہے۔ اس وقت وہ لوگ جو بالکل غفلت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی جو پہلے عدم وجود مساوی سمجھتے ہیں آ آ کر شامل ہونے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جو سب سے پہلے ضعف و ناتوانی اور مخالفتِ شدیدہ کی حالت میں آ کر شریک ہوتے ہیں۔ ان کا نام سابقین، اولین، مہاجرین اور انصار رکھا گیا۔ مگر ایسے فتوحات اور نصرتوں کے وقت جو آ کر شریک ہوئے۔ ان کا نام ناس رکھا ہے۔ یاد رکھو جو پودا اللہ تعالیٰ لگاتا ہے اس کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کو اپنا پھل دینے لگتا ہے۔ لیکن جو پودا احکم الحاکمین کے خلاف اس کے منشاء کے موافق نہ ہو۔ اس کی خواہ کتنی ہی حفاظت کی جاوے۔ وہ آخر خشک ہو کر تباہ ہو جاتا ہے اور ایندھن کی جگہ جلایا جاتا ہے۔ پس وہ لوگ بہت ہی خوش قسمت ہیں جن کو عاقبت اندیشی کا فضل عطا کیا جاتا ہے۔

اس سورہ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَبِّحْ

بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ اللہ کی تسبیح کرو، اس کی ستائش اور حمد کرو اور اس سے حفاظت طلب کرو۔ استغفار یا حفاظتِ الٰہی طلب کرنا ایک عظیم الشان سر ہے۔ انسان کی عقل تمام ذراتِ عالم کی محیط نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ موجودہ ضروریات کو سمجھ بھی لے تو آئندہ کے لئے کوئی فتوٰی نہیں دے سکتی۔ اس وقت ہم کپڑے پہنے کھڑے ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت اور فضل کے نیچے نہ ہوں اور محرقہ ہو جاوے تو یہ کپڑے جو اس وقت آرام دہ اور خوش آئند معلوم ہوتے ہیں ناگوارِ خاطر ہو کر موذی اور مخالف طبع ہو جاویں اور وبالِ جان سمجھ کر ان کو اتار دیا جاوے۔ پس انسان کے علم کی تو یہ حد اور غایت ہے۔ ایک وقت ایک چیز کو ضروری سمجھتا ہے اور دوسرے وقت اُسے غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ سال کے بعد اسے کیا ضرورت ہوگی؟ مرنے کے بعد کیا ضرورتیں پیش آئیں گی؟ تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت کچھ انتظام کر لے۔ لیکن جبکہ قدم قدم پر اپنی لاعلمی کے باعث ٹھوکریں کھاتا ہے۔ پھر حفاظتِ الٰہی کی ضرورت نہ سمجھنا کیسی نادانی اور حماقت ہے۔ یہ صرف علم ہی تک بات محدود نہیں رہتی۔ دوسرا مرحلہ تصرفاتِ عالم کا ہے۔ وہ اس کو مطلق نہیں۔ ایک ذرہ پر اسے کوئی تصرف واختیار نہیں۔ غرض ایک بے علمی اور بے بسی تو ساتھ تھی ہی۔ پھر بد عملیاں ظلمت کا موجب ہو جاتی ہیں۔

انسان جب اولاً گناہ کرتا ہے تو ابتدا میں دل پر غین ہوتا ہے پھر وہ امر بڑھ جاتا ہے۔ اور دَیْنٌ کہلاتا ہے اس کے بعد مہر لگ جاتی ہے۔ یہ چھاپا مضبوط ہو جاتا ہے۔ قفل لگ جاتا ہے۔ پھر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ بدی سے پیار اور نیکی سے نفرت کرتا ہے خیر کی تحریک ہی قلب سے اٹھ جاتی ہے اس کا ظہور ایسا ہوتا ہے کہ خیر وبرکت والی جانوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یا تو ان کے حضور آنے ہی کا موقع نہیں ملتا۔ یا موقع تو ملتا ہے لیکن انتفاع کی توفیق نہیں پاتا۔ رفتہ رفتہ اللہ سے بُعد، ملائکہ سے دوری اور پھر وہ لوگ جن کا تعلق ملائکہ سے ہوتا ہے ان سے بُعد ہو کر کٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک عقلمند کا فرض ہے کہ وہ توبہ کرے اور غور کرے۔

ہم نے بہت سے مریض ایسے دیکھے ہیں جن کو میٹھا تلخ معلوم دیتا ہے اور تلخ چیزیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ کسی نے مجھ سے مُلَذِّذْ نسخہ مانگا۔ میں نے اسے مصبر، کچلہ، شہد ملا کر دیا۔ اس نے کہا کہ

بڑا اُمَلَدَّ ہے۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے معاصی کا۔ ان کی بصر اور بصیرت جاتی رہتی ہے۔ اور ان کی آنکھیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چہروں پر نگاہ کر کے اہلِ بصر انہیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے سانپ، بندر، خنزیر کو دیکھتے ہیں۔

اس لئے مومن کو چاہیے کہ خدا کی حمد اور تسبیح کرتا رہے اور اس سے حفاظت طلب کرتا رہے جیسے ایمان ہر نیکی کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی طرح ہر بُرائی کا مجموعہ کفر کہلاتا ہے۔ ان کے ادنیٰ اور اوسط اور اعلیٰ تین درجے ہیں۔ پس امید وبیم، رنج وراحت، عسر ویسر میں قدم آگے بڑھاؤ اور اس سے حفاظت طلب کرو۔ غور کرو۔ حفاظت طلب کرنے کا حکم اس عظیم الشان کو ہوتا ہے جو خاتم الانبیاء، اصفی الاصفیاء سیّد ولدِ آدم ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو پھر اور کون ہے جو طلبِ حفاظت سے غنی ہو سکتا ہے۔ مایوس اور ناامید مَت ہو۔ ہر کمزوری، غلطی، بغاوت کے لئے دعا سے کام لو۔ دعا سے مت تھکو۔

یہ دھوکا مت کھاؤ۔ جو بعض ناعاقبت اندیش کہتے ہیں کہ انسان ایک کمزور ہستی ہے۔ خدا اس کو سزا دیکر کیا کریگا؟ انہوں نے رحمت کے بیان میں غُلو کیا ہے۔ کیا وہ اس نظارہ کو نہیں دیکھتے کہ یہاں بعض کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے۔ پس بعد الموت عذاب نہ پہنچنے کی ان کے پاس کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ یہ غلط راہ ہے جو انسان کو کمزور اور سست بنا دیتی ہے۔ بعض نے یاس کو حد درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ بدیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اب بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ استغفار اس سے زیادہ نہیں کہ زہر کھا کر کلی کر لی۔ یہ بھی سخت غلطی ہے۔ استغفار انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں گناہ کے زہر کا تریاق ہے۔ پس استغفار کو کسی حال میں مت چھوڑو۔ پھر آخر میں کہتا ہوں کہ نبی کریم سے بڑھ کر کون ہے۔ وہ اَخْشٰی لِلّٰه، اَتْقٰی لِلّٰهِ، اَعْلَمُ بِاللّٰهِ انسان تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جب اس کو استغفار کا حکم ہوتا ہے تو دوسرے لااُبالی کہنے والے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس جنہوں نے اب تک اس وقت کے امام راست باز کے ماننے کے لئے قدم نہیں اٹھایا۔ اور دُبدا میں ہیں۔ وہ استغفار سے کام لیں کہ ان پر سچائی کی راہ کھلے اور جنہوں نے خدا کے فضل سے اسے مان لیا ہے وہ استغفار کریں تا کہ آئندہ کے لئے معاصی اور کسی لغزش کے ارتکاب سے بچیں اور حفاظتِ الٰہی کے نیچے رہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۵ مورخہ ۷رفروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶۔۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوئے تھے۔ ایک وہ جو سابق اول من المہاجرین تھے۔ اور دوسرے وہ جو فتح کے بعد ملے ہیں۔ اور تیسرے اس وقت جو رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے مصداق تھے۔ اسی طرح جو لوگ عظمت و جبروت الٰہی کو پہلے نہیں دیکھ سکتے۔ آخر ان کو داخل ہونا پڑتا ہے۔ اور اپنی بودی طبیعت سے اپنے سے زبردست کے سامنے مامور من اللہ کو ماننا پڑتا ہے۔ اور بلکہ آخر يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۔[1] (التوبہ:۲۹) کا مصداق ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ /جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

قرآن شریف کے ابتدا کو آخر سے ایک نسبت ہے۔ پہلے مُفْلِحُوْنَ فرمایا ہے تو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ میں اس کی تفسیر کر دی اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ میں اور ضَآلِّيْنَ کا ردّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں کر دیا ہے۔ غرض عجیب ترتیب سے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۵۲ مورخہ ۲۱ /اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰)



---

[1] وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اور وہ بے قدر ذلیل ہوں۔

سُوْرَۃُاللّٰھَبِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اس اللہ کے نام کی برکت سے پڑھنا شروع کرتا ہوں جو ہر قسم کے لہب و ہلاکت سے

بچانے والا نیک و بد کوشش کا نتیجہ دینے والا ہے۔

۲ تا ۵۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ۔مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ۔سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ۔وَّ امْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ۔فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

ترجمہ۔ ہلاک ہوویں ہر دو ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا وہ نہ کفایت کیا اس سے اس کے مال اور اس کی کمائی نے وہ جلد داخل ہوگا آگ میں جو شعلہ والی ہے اور اس کی جورو اٹھانے والی لکڑیوں کی اس کی گردن میں رسی ہے بٹی ہوئی۔

تفسیر۔ عربی تفسیر سے با محاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس سورۃ شریف کو شروع کیا جاتا ہے۔ وہ اللہ جو سب کی پرورش کرتا ہے اور محنت کرنیوالے کو اس کی محنت کا پھل دیتا ہے۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں جن کے ساتھ وہ بدی کے کام کرتا ہے اور وہ تو ہلاک شدہ انسان ہے کیونکہ ایسے بدعمل اسے کب تک مہلت دیں گے۔ وہ سب مال جو اس کے پاس ہے اور سب کچھ جو اس نے کمایا ہے۔ ان میں سے کوئی شے وقتِ عذاب کام نہ آئے گی۔ وقت قریب آتا ہے کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا اور یہی حال اس کی عورت کا ہوگا۔ جو لکڑیوں کے گٹھے اٹھایا کرتی ہے۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے۔

اس سورۂ شریف کا نام سورۂ تبت ہے اور اس کو سورۂ ابی لہب بھی کہتے ہیں۔ یہ سورۃ مکہ معظّمہ میں

اتری ہے۔اس سورۃ میں بسم اللہ کے بعد پانچ آیتیں اور بیں[۲] کلمات اور اکیاسی[۸۱] حروف ہیں۔

تشریح و معانیٔ الفاظ: تَبَّتْ۔ ہلاک باد۔نابود بود۔ نابود ہو جائیں۔ یہ لفظ تباب سے مشتق ہے۔تباب کے معنے ہیں ہلاکت۔عرب میں ایک محاورہ ہے شَابَّۃٌ اَمْ تَابَّۃٌ اسی معنی میں یہ لفظ قرآن شریف میں اور جگہ بھی آیا ہے۔قال اللہ تعالیٰ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ (المومن:۳۸) فرعون کی تدابیر کا نتیجہ اُن کے حق میں سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔کافر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی تمام تدابیر ضائع جاتی ہیں۔ تَبَّتْ کے دوسرے معنے نقصان اور گھاٹے ہیں۔ فتح البیان میں تَبَّتْ کے معنے خَسِرَتْ وَ خَابَتْ وَ ضَلَّتْ لکھا ہے یعنی گھاٹے میں پڑا اور نامراد ہوا اور گمراہ ہوا۔ قرآن شریف میں کفار کے حق میں ہے۔وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (ہود:۱۰۲) ان کو کچھ زیادہ نہ ملا۔یعنی کچھ فائدہ نہیں۔صرف نقصان ہی ہوا۔غرض تَبَّتْ کے دو معنے ہیں۔ ہلاکت اور نقصان اور گھاٹا اور مآل ہر دو معنوں کا ایک ہی ہے۔تباہی، ناکامی اور نامرادی۔

یَدَا: ہر دو دست۔دونوں ہاتھ۔یَدٌ کا تثنیہ ہے۔یَدٌ کے معنے ایک ہاتھ۔یَدَا کے معنے دو ہاتھ۔ اَيْدِی کے معنے بہت ہاتھ۔ تَبَّتْ يَدَا کے معنے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں۔ اَبِیْ لَھَب۔ کفارِ مکہ کے اکابر میں سے ایک شخص تھا۔رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ ابی لہب اس کی کنیت تھی اور اس کا اصل نام عبدالعزّٰی تھا۔عرب میں ہر شخص کو بہ سبب عزت کے کنیت سے بلاتے تھے۔اور اصل نام کی بجائے اکثر لوگ کنیت کے ساتھ زیادہ معروف ہوتے تھے۔لَھَبْ کے معنے ہیں شعلہ اور اَبْ کے معنے باپ۔ اَبِیْ لَھَب کے معنے ہوئے شعلہ کا باپ۔ بعض کا قول ہے کہ اس نے تکبر کے طور پر اپنے لئے یہ کنیت پسند کی تھی۔ ابولہب اس واسطے بھی اسے کہتے تھے کہ اس کا چہرہ بہت سرخ تھا۔

یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت عداوت رکھتا تھا۔اور عداوت کی وجہ سوائے اس کے نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا وعظ فرماتے تھے۔اور یہ بت پرست تھا۔رات دن حضرت کو تکلیف دینے کے درپے رہتا تھا۔ جو لوگ باہر سے آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا

چاہتے۔ ان کو آگے جا کر راستہ ہی میں ملتا۔ اور بڑے تکلف اور تکبر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا ان کو سمجھاتا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہے۔ ہم اس کے چچا ہیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہی ہے۔ ہم اس کا علاج کررہے ہیں۔ تم اس کے پاس مت جاؤ۔ بعض کو کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ ایسے جادوزدہ شخص کے پاس جا کر تم کیا لو گے۔ بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ اس طرح کی باتیں بنا بنا کر لوگوں کو واپس کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ بعض بدقسمت اس کا کہنا مان لیتے اور واپس چلے جاتے۔ اور جو لوگ زیادہ ہوشیار ہوتے۔ وہ تو کہتے کہ ہم تو اس کو ملنے کے واسطے آئے ہیں۔ کچھ ہی ہو۔ اب تو ملاقات کر کے ہی واپس جائیں گے۔ ایسے لوگوں پر خفا ہوتا اور پھر جھنجھلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا۔ اور بعض کے کانوں میں روئی ڈال دیتا کہ اچھا تم ضرور جانا چاہتے ہو تو جاؤ مگر اس کی باتیں نہ سننا کیونکہ اس کی باتوں میں ایک جادو ہے وہ تم پر اثر کر جائے گا تو تم بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایک صحابی کے ساتھ ایسا ہی کیا اور اس کے ساتھ ایک آدمی بھی لگایا کہ جلد اس کو واپس لے آنا۔ زیادہ دیر تک وہاں بیٹھنے نہ دینا۔ ورنہ (نعوذ باللہ) خراب ہو جائے گا۔ مگر وہ خدا کا بندہ ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تھوڑی دور جا کر اس آدمی کو واپس کر دیا کہ تم جاؤ۔ میں خود اپنا راستہ تلاش کرلوں گا۔ اور روئی کو کانوں میں سے نکال کر پھینک دیا۔ ربیعہ بن عباد سے روایت ہے وہ کہتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ...... حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے زمانۂ رسالت میں دیکھا کہ آپؐ سوق ذی المجاز میں کہہ رہے تھے۔ اے لوگو! تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ بہت سے لوگ آپؐ کے پاس جمع تھے اور آپ کا وعظ سن رہے تھے۔ آپؐ کے پیچھے ایک شخص سرخ چہرے والا اور احول لوگوں کو بہکاتا تھا کہ یہ شخص صابی ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ جدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے وہ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو بہکاتا کہ یہ شخص تم کو لات اور عزیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ اس کے پیچھے مت جاؤ اور اس کی پیروی نہ کرو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبلیغ کی تو اس نے سختی سے انکار کیا۔ تب آپ نے خیال

کیا کہ یہ متکبر آدمی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کو سمجھانا مفید نہیں پڑتا۔ شاید کہ اس کو علیحدگی میں سمجھایا جاوے تو ہدایت کی راہ پر آ جاوے اور جہنم میں گرنے سے بچ رہے۔ اس واسطے آپ رات کے وقت اس کے مکان پر گئے اور ایسا کرنے میں آپؐ نے حضرت نوح علیہ السلام کی سنت کو ادا کیا۔ کیونکہ حضرت نوحؑ نے کہا تھا اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا (نوح:٦) میں نے رات کے وقت بھی انہیں تبلیغ کی اور حق کی طرف بلایا اور دن کو بھی بلایا جب آنحضرتؐ اس کے مکان پر پہنچے تو کہنے لگا کہ شاید آپ نے دن کے وقت جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق عذر کرنے کے لئے اس وقت آئے ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ادب سے بیٹھ رہے اور اسے اسلام کی طرف بہت تبلیغ کی۔ پر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے زمانہ بعثت میں تبلیغ عام طور پر نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء:٢١٥) اپنے قریبی قبائل کو آنے والے عذاب سے ڈراؤ۔ تب آپؐ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور پکارا۔ اے آلِ غالب۔ تب قبیلہ غالب کے لوگ جمع ہو گئے۔ اور ابولہب نے کہا۔ لے آل غالب آ گئے۔ اب بتا تیرے پاس کیا ہے تب آپؐ نے پکارا یا آلِ لوئی۔ اس وقت قبیلہ لوئی جمع ہوا۔ پھر ابولہب نے وہی کلمات کہے۔ تب آپؐ نے آلِ مرہ کو پکارا۔ اسی طرح پھر آل کلاب اور آلِ قصی کو پکارا۔ ہر دفعہ ابولہب ایسا ہی کہتا رہا۔ جب سب جمع ہو گئے۔ تب آپؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُنْذِرَ عَشِیْرَتِیَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ وَ اَنْتُمُ الْاَقْرَبُوْنَ اِعْلَمُوْا اَنِّیْ لَا اُمْلِكُ لَكُمْ مِنَ الدُّنْیَا حَظًّا وَّ لَا مِنَ الْاٰخِرَةِ نَصِیْبًا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاَشْهَدُ بِهَا لَكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی قبائل کو ڈراؤں۔ سو تم میرے قریبی ہو۔ تم یاد رکھو کہ میں نہ دنیا میں تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہوں اور نہ آخرت سے تمہیں کچھ حصہ دلا سکتا ہوں جب تک کہ تم اس بات پر ایمان نہ لاؤ کہ معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اگر تم میرا یہ کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس معاملہ میں میں تمہارے حق میں شہادت دوں گا۔ ابولہب نے یہ کلمہ سن کر کہا۔ تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا تجھ پر ہلاکت ہو۔ کیا اسی واسطے تو نے ہم کو پکارا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر یہ سورہ نازل ہوئی اور وہی ہلاکت کی بددعا جو ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی تھی ۔ الٹ کر خود اسی پر پڑی ۔ یہ ایک مباہلہ تھا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کافر نے کیا تھا اور اس قسم کے مباہلوں کی مثالیں خود اِس زمانہ میں بھی قائم ہوچکی ہیں ۔ جن میں سے ایک مولوی غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ مباہلہ کیا تھا اور ایک کتاب میں لکھا تھا کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائیں اور اگر ان کو جھوٹا کہنے میں میں جھوٹا ہوں تو میں ہلاک ہو جاؤں ۔ چنانچہ اس کے بعد بہت جلد وہ ہلاک ہو گیا ۔ ایسا ہی علی گڑھ کا مولوی اسمٰعیل مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں مباہلہ کر کے ہلاک ہوا اور ایسا ہی جموں والا چراغ دین عیسائیوں کا دوست اور خود مسیح ہونے کا مدعی وہ بھی مباہلہ کے بعد واصلِ جہنم ہوا ۔ پھر آجکل ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس مباہلہ میں پیش دستی کر کے حضرت مسیح موعودؑ کے حق میں تین سال کے اندر مر جانے کی پیشگوئی کی ہے ۔ دنیا عنقریب دیکھ لے گی کہ اس کا یہ کلمہ کس کو جھوٹا اور کس کو سچا ثابت کر کے دکھا دیتا ہے ۔ مگر جن بدقسمتوں نے پہلے اس قدر واقعات سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ اب کیا نفع حاصل کر سکتے ہیں ؟

وَّتَبَّ: اور ہلاک ہو گیا وہ ۔

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ (اللّھب:۲) ہلاک ہوں ہر دو ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا وہ ۔

ہر دو ہاتھ سے مراد اس کا سارا وجود ہے یا اس کا دین اور دنیا ۔ یا اس کی اولاد ہے کیونکہ اس کو نہ دنیا میں کوئی آرام پہنچا اور نہ دین کے معاملہ میں اس کو کوئی کامیابی حاصل ہوئی ۔ ہر طرف سے وہ خائب و خاسر ہی رہا ۔ ابن وقاب نے لکھا ہے کہ تبت کے معنے صَفِرَتۡ ہیں ۔ یعنی خالی رہے ۔ ہاتھوں کی طرف اشارہ اس واسطے بھی ہے کہ اس کا خیال تھا کہ میرا ہاتھ غالب رہے گا ۔ اور میں رسول کے مقابلہ میں فتح مند رہوں گا ۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کو عذاب کے ساتھ جلد موت دی ۔ بعض نے لکھا ہے کہ تَبَّتۡ سے اشارہ اس کے بیٹے عتبہ کی طرف ہے ۔ اگر بیٹے کی طرف اشارہ ہو تو بیٹے کی ہلاکت بھی باپ کی ہلاکت ہے ۔ اور واقعات یہ ہیں کہ دونوں ہلاک ہوئے تھے ۔ اس کے بیٹے عتبہ کا ذکر ہے کہ وہ تجارت کے واسطے شام کو گیا ہوا تھا ۔ وہاں سے اہلِ قافلہ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو کہلا بھیجا کہ تم

محمدؐ کو جا کر کہہ دینا کہ میں اسی وحی کا کافر ہوں جو تم پر اترتی ہے۔ اور شرارت میں ہمیشہ مبالغہ کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی تھی کہ اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِکَ[1] چنانچہ ایک جنگل میں شیر نے اسے پھاڑ کھایا۔

الغرض ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سخت دشمن تھا ہمیشہ ایذادہی کے درپے رہتا تھا۔ اور آپ کے حق میں ہلاکت کی بددعا کیا کرتا تھا۔ وہی بددعا بالآخر الٹ کر اس کے اپنے سر پر جا پڑی اور وہ دین و دنیا میں خائب و خاسر ہو کر ہلاک ہو گیا۔

مَآ اَغْنٰی عَنْہ: نہ کفایت کیا اس سے۔ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ہیچ دفع نہ کرد ازاُو۔[2]

مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ: اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ مَا کَسَبَ۔ جو کچھ اس کی کمائی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد اس کی اولاد ہے۔ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔ خدا کے عذاب سے نہ اس کو اپنا مال چھڑا سکا اور نہ اس کی اولاد اس کے کسی کام آئی۔ اس میں ایک پیشگوئی بھی ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے اور صاحبِ اولاد ہونے کے اور قوم کے درمیان معزز ہونے کے اس کی تمام کوششیں جو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کر رہا ہے۔ سب کی سب اکارت جائیں گی۔ وہ اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوگا۔ بلکہ ایک نامرادی کی موت مرے گا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بڑا بھاری نشان ہے۔ کیونکہ یہ آیات ایسے وقت نازل ہوئی تھیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ شریف میں رہتے تھے۔ اور صرف چند آدمی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اور بظاہر کوئی رعب آپؐ کا لوگوں پر نہ تھا۔ بلکہ سب لوگ ہنسی ٹھٹھا کرتے اور ایذاء دیتے اور تمام قوم آپ کی دشمن تھی اور اپنے کیا بیگانے سب بگڑے ہوئے تھے۔ کوئی شخص مسلمانوں میں داخل ہونے کی جرأت بمشکل تمام کر سکتا تھا۔ جو مسلمان ہو جاتا۔ وہ بھی اپنے آپ کو خفیہ رکھتا۔ غرض ایسے وقت میں جبکہ دنیادار نظر بہ ظاہر حالات کر کے یہ خیال کرتے تھے کہ یہ سلسلہ ایسا کمزور ہے کہ آج ٹوٹا یا کل۔ ایسے

---

[1] اے اللہ! تو اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ [2] اس کا کوئی دفاع نہ کیا۔

وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ خدا تعالیٰ ہم کو کامیاب کرے گا اور یہ اشد دشمن ابولہب جیسا قوم کا سردار نامرادی کے گڑھے میں گر جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کے عجائبات کے نمونے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ اپنے بندوں کی سچائی دنیا پر روشن کر دیتا ہے۔ اور وہ دکھا دیتا ہے کہ بے شک یہ اس کی طرف سے مبعوث ہے ورنہ ایک انسان عاجز کا یہ حوصلہ نہیں کہ ایسی بے کسی اور بے بسی کے وقت میں اتنا بڑا دعوٰی کرے خدا تعالیٰ ظاہر میں لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ پر وہ اپنے عجائب در عجائب کاموں سے پہچانا جاتا ہے جس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب قادیان کے گاؤں میں ایک گوشہ نشین شخص تھے۔ اور ایک مہمان بھی کبھی آپ کے پاس نہ آتا تھا اور رات دن تنہائی میں خدا کی عبادت کرتے ہوئے گزرتی تھی۔ اس وقت خدا نے یہ الہام کیا کہ تیرے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے اور دور دور سے تحائف اور ھدایا بھی تیرے لئے لائیں گے۔ اس وقت ممکن ہے کہ خود ملہم کو بھی اس پر تعجب ہوا ہو کہ مجھے تو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی جانے اور میں تو اس کو دوست رکھتا ہوں کہ خلوت میں بیٹھا رہوں اور اپنے خدا کی عبادت میں مصروف رہوں۔ یہ کیا بات ہے کہ دور دور سے لوگ آئیں گے اور تحفے تحائف بھی لائیں گے مگر قدرتِ خداوندی اسی طرح سے ہے کہ جو دنیا کو خدا کے واسطے لات مارتا ہے دنیا اسی کی خادم بنائی جاتی ہے اور جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ اس کے آگے سے بھاگتی ہے اور اس کو ہمیشہ حسرت اور ناکامی کی حالت میں رکھتی ہے۔

سَيَصْلٰى نَارًا: جلد داخل ہوگا آگ میں۔ زُود باشد کہ در آید بآتش۔ عنقریب آگ میں ڈالا جائے گا۔ نار سے مراد دو طرح کی آگ ہے۔ اول اسی دنیا میں نامرادی اور ناکامی کے ساتھ ہلاکت کی آگ کہ باوجود رات دن کی جان توڑ کوششوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ دن بدن ترقی پکڑتا گیا اور وہ ترقی ہر وقت اس کے دل کو ایک سوزش اور جلن میں ڈالتی تھی اور آخر اس کی موت بھی طاعون سے ہوئی جو ایک عذاب کی موت ہے اور اس دنیا کے عذاب کے ساتھ آخرت کے عذاب کی جو پیشگوئی کی گئی ہے اس کا سچا ہونا امر اول کے پورا ہو جانے سے ثابت ہوتا ہے۔

ذَاتَ لَهَبٍ: شعلوں والی۔ وہ آگ جس سے شعلے نکلتے ہیں۔ اس جگہ لہب کے لفظ میں وہ خوبی

ہے کہ خوداس کا نام بھی ابولہب تھا جو کہ اس نے تکبر اور غرور کے سبب اپنے لئے پسند کیا ہوا تھا۔

اس آیت شریف پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی اور دوسری آیت تو صیغہ ماضی میں بیان کی گئی ہیں کہ وہ ہلاک ہو گیا اور اس آیت شریف میں صیغہ استقبال استعمال کیا گیا ہے کہ وہ آگ میں داخل ہوگا۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ سو واضح ہو کہ دراصل یہ ایک پیشگوئی ہے۔ اور جس وقت سنائی گئی۔ اس وقت ابولہب چنگا بھلا تھا اور بڑے زور میں تھا۔ اور قوم میں معزز تھا اور آنحضرت ایک بے کسی اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ لیکن اللہ کے رسول کی تکالیف کو دیکھ کر آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان تکالیف کا اب خاتمہ ہو جاوے اور ابولہب ہلاک ہو جاوے۔ چونکہ کوئی کام زمین پر نہیں ہوتا جب تک کہ پہلے آسمان پر نہ ہولے۔ اس واسطے جس امر کا فیصلہ آسمان پر ہو جاوے۔ اُس کو ہو گیا ہوا بتایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا حکم ہے اور یقینی پیشگوئی ہے۔ اور حتمی وعدہ ہے۔ اس واسطے پہلے سے منادی کی گئی کہ ابولہب ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اور ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا کیونکہ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ام الفضل بھی اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ اور میں بھی مسلمان ہو گیا تھا لیکن ہم لوگ قوم سے ڈرتے تھے۔ اور عام طور پر اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرتے تھے کہ زمانہ ابتدائی تھا اور لوگ سخت دکھ دیتے تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر ابولہب خود نہ گیا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ اور آدمیوں کو بھیج دیا تھا۔ جب خبر آئی کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو ہم میں قوت پیدا ہوئی اور ہم بہت خوش ہوئے۔ میں اور ام الفضل ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اوپر سے ابولہب آیا اور وہ بھی بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوسفیان جنگ سے واپس آیا۔ ابولہب نے اس سے جنگ کی کیفیت پوچھی۔ ابوسفیان نے منجملہ اور باتوں کے بیان کیا کہ عجب بات یہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں کچھ گورے رنگ کے سوار بھی تھے۔ جو آسمان اور زمین کے درمیان میں تھے۔ میں نے کہا کہ وہ خدا کے فرشتے تھے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ ابولہب اٹھا اور مجھے مارنے لگا لیکن ام الفضل نے مجھے چھڑایا اور ابولہب کو مارا اور لعنت ملامت کی اس کے سات دن بعد اس کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا اور اسی سے مر گیا۔

وَ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ : اور اس کی جورُو اٹھانیوالی لکڑیوں کی ۔ ابولہب کی جورو کا نام ام جمیل تھا۔حرب کی بیٹی تھی اور ابوسفیان کی بہن ۔ آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت اور بغض میں اپنے خاوند کی طرح تھی ۔ ہمیشہ آپؐ کو دکھ دینے کے درپے رہتی تھی ۔ اس آیت شریف میں اس کے خاوند کا نام ابولہب اور اس کا نام حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ایک عجیب صفت ہے ۔ جو اپنے اندر حقیقی اور لطیف معانی رکھتے ہیں ۔اس کے خاوند کی عادت تھی کہ لوگوں کو آنحضرتؐ کے برخلاف جنگ و جدال پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔لہب سے مراد شعلۂ آتشِ جنگ ہے ۔ ابولہب وہ شخص ہے جو جنگ پر لوگوں کو برانگیختہ کرتا ہے ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ لکڑیوں کے اٹھانے والی وہ ہے جو اس شعلہ کو بھڑکانے کے واسطے اس میں ایندھن ڈالتی رہتی ہے ۔اس عورت کی عادت تھی کہ ہر جگہ جھوٹی باتیں بنا کر آنحضرت کے برخلاف مخالفت کی آگ کو بھڑکاتی رہتی تھی ۔سخن چینی کے ذریعہ سے مخالفت کی آگ کا بھڑکانا اس کا پیشہ تھا۔ اور اسی آگ میں وہ خود بھی بمعہ اپنے خاوند کے ہلاک ہوئی ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

میاں دو کس جنگ چوں آتش است ‏ سخن چین بدبخت ہیزم کش است
کنند ایں و آں خوش دگر بارہ دل ‏ ولے اندر میاں کور بخت و خجل
میاں دو کس آتش افروختن ‏ نہ عقل است خود درمیاں سوختن [1]

بخاری شریف میں آیا ہے۔قَال مجاهد۔حَمَّالَةَ الْحَطَبِ تَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ۔حَمَّالَةَ الْحَطَبِ وہ ہے جو چغل خوری کرتی پھرتی ہے ۔ کہتے ہیں ۔اس کی عادت تھی کہ گھر میں جلانے کے واسطے لکڑیاں خود جنگل میں جا کر چُنتی تھی اور اکٹھی کر کے خود اٹھا کر لاتی تھی ۔ اس واسطے بھی اس کا نام حَمَّالَةَ الْحَطَبِ تھا اور آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی دشمنی رکھتی تھی کہ جنگل سے کانٹے اور خس و خاشاک اکٹھے کر

---

[1] دو لوگوں کے درمیان جنگ آگ کی مانند ہوتی ہے اور چغل خور اس آگ کا ایندھن لانے والا ہوتا ہے۔ چغل خور لوگ اس کو اور اس کے دل کو دوبارہ خوش کرتے ہیں لیکن باطنی طور پر وہ بدبخت اور خوار ہوتے ہیں ۔ دو لوگوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکانا عقلمندی نہیں ہے بلکہ خود کو بھی اس میں جلانے کا باعث ہے۔

کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر اور آپؐ کے راستہ میں بچھا دیتی تھی۔ تا کہ آپؐ کو تکلیف پہنچے اور رات کو جب آپؐ نماز کے واسطے باہر جائیں تو آپؐ کو کانٹوں کے سبب تکلیف ہو۔ لکھا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس کو خبر لگی کہ میرے اور میرے خاوند کے حق میں اس قسم کے الفاظ آنحضرتؐ نے سنائے ہیں۔ تو بڑی شوخی اور بے باکی کے ساتھ ایک رسی ہاتھ میں لئے آنحضرت کے پاس آئی اور اس طرح کہتی آتی تھی مُذَمَّمًا اَبَيْنَا دِيْنَهٗ قَلَيْنَا وَ اَمْرَهٗ عَصَيْنَا۔ ہم نے ایک مذمت کئے گئے کا انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے ناپسند کیا اور اس کے حکم کی ہم نے نافرمانی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن نابکار بجائے محمدؐ کے مذمم کہا کرتے تھے۔ محمدؐ کے معنے ہیں تعریف کیا گیا۔ اور مذمّم کے معنے ہیں مذمت کیا گیا۔ نابکار دشمن ہمیشہ اس قسم کی شرارتیں کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل کے بیوقوف مخالف لفظ قادیانی کو کادیانی لکھ کر ایک احمقانہ خوشی اپنے واسطے پیدا کر لیتے ہیں مگر ایسی باتوں سے کیا ہوسکتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ عزت دینا چاہتا ہے۔ اس کو ذلیل کرنے کے واسطے کوئی ہزار ناک رگڑے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ غرض اس قسم کے الفاظ بولتی ہوئی وہ آنحضرتؐ کی طرف آئی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ صدیق کو خوف ہوا کہ یہ شریر عورت ہے اور بے ڈھب طور پر غصہ میں ہے۔ کچھ اذیت نہ دے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تشفی رکھو وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کی نظر حضرت ابوبکرؓ پر پڑی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے نہ دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھنے لگی کہ مجھے خبر لگی ہے کہ تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ نہیں۔ اس نے تیری ہجو نہیں کی (ہجو سے مراد شاعرانہ ہجو ہے جو شاعر لوگ کسی دشمن کی کیا کرتے ہیں) اور حضرت صدیقؓ نے سچ کہا۔ سورۃ تبت تو کلامِ خدائے علیم وحکیم ہے نہ کہ کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر وہ واپس چلی گئی۔ اور کہتی تھی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں تو ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ بھلا میری ہجو کس طرح کوئی کر سکتا ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا: اس کی گردن میں جِیْد بمعنے گردن

حَبۡلٌ: رسی

مَسَدٍ: بٹی ہوئی۔ کسی قسم کی بٹی ہوئی رسی۔ پوست کھجور کی ہو یا چمڑے کی ہو یا لوہے کی ہو۔ غرض بٹی ہوئی ہو۔ ہر قسم کی بٹی ہوئی رسی کو مَسَد کہتے ہیں۔

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ: اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے۔

یہ اُس عورت کی صورت ظاہری کا نقشہ ہے جبکہ وہ جنگل سے کانٹے وغیرہ اکٹھے کر کے لاتی تا کہ حضرت کی راہ میں بچھا دے تو اُن کا گٹھا رسی سے باندھ کر پشت پر رکھتی۔

اور رسی اس کی گردن میں سے ہو کر اس کو پکڑے ہوئے ہوتی۔ وہی کانٹے اور وہی رسیاں بالآخر اس کے واسطے ہلاکت کا موجب ہوئیں اور جہنم کی زنجیر اس کے گلے میں پڑی۔ جیسا کہ لیکھرام اس بدزبانی کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طعن کی چھری چلاتا تھا۔ وہ چھری ظاہری شکل اختیار کر کے اس کے پیٹ میں بھونکی گئی۔ اور جس طعن کے ساتھ شریر لوگ مسیح موعودؑ کے حق میں بدزبانی کرتے تھے۔ وہی طعن طاعون کی شکل اختیار کر کے ان کے گلے کا ہار ہوا۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ یہ عورت اسی طرح لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھا کر جنگل سے لاتی تھی۔ راستہ میں ایک پتھر پر گٹھا ٹکا کر اور پشت لگا کر آرام لینے کے واسطے ٹھہر گئی تو وہی گٹھا پتھر سے نیچے کھسک کر لٹکنے لگا۔ اس کے بوجھ سے گردن کی رسی سخت ہو کر اسے جہنم واصل کر گئی۔ ایسی بدکاروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ خواہ وہ اپنے ملک اور قوم میں معزز ہی ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی عداوت انسان کو سخت نقصان میں ڈال دیتی ہے۔ اور اگلے پچھلے تمام عمل ضائع ہوتے ہیں۔

اس سورہ شریف میں ابولہب اور اس کے تمام کنبے کے متعلق پیشگوئی ہے اس کے متعلق۔ اس کے بیٹے کے متعلق، اُس کی بیوی کے متعلق، اُس کے مال و اسباب کے متعلق۔ قدرت خدا یہ سب پیشگوئیاں اپنے اپنے وقت پر ایسی پوری ہوئیں کہ آج تک ایک زبردست نشان کے رنگ میں دنیا کے سامنے ایک نقشۂ عبرت کھینچ رہی ہیں۔ آج اس زمانہ میں ہی خدا تعالیٰ نے اس قِسم کے قہری نشانات کی بہت سی مثالیں قائم کر دی ہیں۔ جن میں سے ایک لیکھرام کا نشان ہے۔ وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت ہی نالائق اور ناپاک کلمات بولا کرتا تھا اور حضرت مرزا صاحب کے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ یہ تین سال کے اندر ہیضہ سے مرجائیں گے اور بدگوئی میں اور گالیاں دینے میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان تمام گالیوں اور بدگوئیوں کو ایک خنجر کی شکل میں واپس اس کے پیٹ میں جھونک دیا جہاں سے کہ وہ نکلی تھیں۔

اس آیت شریف کے شانِ نزول میں یہ اتفاق ہے کہ وہ ابولہب کی گالیوں اور ایذاء کے مقابلہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہلاکت کی بددعا کیا کرتا تھا۔ گو اس امر میں کسی قدر اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت اس بات پر نازل ہوئی۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کو جمع کیا اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرایا تو اس وقت ابولہب نے جھنجلا کر کہا کہ تجھ پر ہلاکت ہو۔ کیا اسی واسطے تو نے ہمارا سارا دن خراب کیا ہے۔ کوہ صفا کے نظارے کو اس زمانہ کے شاعر خواجہ الطاف حسین حالی صاحب نے اچھے پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے وہ لکھتے ہیں۔

وہ فخر عرب زیبِ محراب و منبر تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمانِ داور سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آجتک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا
کہ فوج گران پشت کوہِ صفا پر پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر

کہا ''تیری ہر بات کا یہاں یقین ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امین ہے
کہا ''گر مری بات یہ دل نشیں ہے تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یہاں سے ہے جانیوالا ڈرو اس سے جو وقت ہے آنیوالا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق ہے
کہ گونج اُٹھے دشت وجبل نام حق سے

بعض کا قول ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اعمام کو جمع کیا اور ان کی ضیافت کی۔ اور ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے تو ہر ایک، ایک پوری بکری کا گوشت کھانے والا ہے۔ یہ تو نے کیا ہمارے سامنے رکھا ہے۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ دعوت کے وقت ہر شخص کے سامنے بہت سا کھانا رکھا جاتا تھا۔ اور اس میں ایک عزت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اعتراض کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امر میں سادگی پسند تھے۔ اس واسطے ان کو کہا گیا کہ تم کھانا تو شروع کرو۔ جب انہوں نے کھانا شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے اس تھوڑے سے کھانے میں ایسی برکت ڈالی۔ کہ وہ سب سیر ہو گئے اور کھانا بہت سا بچ بھی رہا۔ جبکہ وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت کی۔ تب ان میں سے ابولہب بولا کہ اچھا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لئے کیا ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو کچھ دوسرے مسلمانوں کے لئے ہوگا وہی تیرے لئے ہوگا۔ تب اُس نے کہا، کیا مجھے دوسروں پر فضیلت نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضیلت کس بات کی؟ تب اُس نے جواب دیا تَبًّا لِهٰذَا الدِّيْنِ يَسْتَوِىْ فِيْهِ اَنَا وَغَيْرِىْ، خراب ہو وہ دین جس میں دوسرے میرے برابر ہو جاویں۔ ایسا ہی ایک دفعہ چند لوگ باہر سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سُن کر آپؐ کی زیارت کے واسطے مکہ معظّمہ میں آئے تو ابولہب ان کو راستہ میں مل پڑا اور کہنے لگا کہ تم اس کے پاس کیا جاتے ہو وہ تو ساحر ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کچھ ہی ہو۔ ہم تو اب ضرور ان سے مل کر جاویں گے۔ جب وہ لوگ باوجود اس کی بڑی کوشش کے آنحضرتؐ کے پاس چلے گئے۔ اور اس کی بات نہ مانی تو وہ کہنے لگا۔ اِنَّا لَمْ نَزَلْ نُعَالِجُهٗ مِنَ الْجُنُوْنِ فَتَبًّا لَّهٗ وَ تَعْسًا ہم تو ہمیشہ اس کا

علاج کرتے ہیں کہ اس کا جنون دور ہو جاوے، اس پر ہلاکت اور افسوس ہو۔ ان لوگوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر سنا دی، جس کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حزن پہنچا۔ الغرض کوئی ہی موقع ابولہب کی شرارت اور شوخی کا ہوا ہو۔ بہر حال یہ سورہ شریف اسی کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بارہا فرمایا کرتے تھے کہ کفار کا وجود بھی بہت فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کفار جب خدا تعالیٰ کے نبی کو دکھ دیتے ہیں اور اس کو ہر طرح ستانے پر کمر باندھتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی نشان دکھا دیتا ہے اور قرآن شریف کے اکثر حصے کے نزول کے باعث بھی کفار ہی تھے۔ ورنہ سارے لوگ حضرت ابوبکرؓ ہی کی طرح اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہنے والے ہوتے تو اس قدر آیات اور نشانات کہاں نازل ہوتے۔

اس سورہ شریف میں کفار کے سرداروں میں سے ایک کو لیا گیا ہے اور نام ذکر کیا گیا ہے مگر دراصل اس میں تمام کفار کے سرداروں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپؐ کی مخالفت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہاتھ بڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کیا اور دین و دنیا میں خائب و خاسر کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۵ و ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸۴ تا ۳۸۹)



سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم اللہ کے اسم شریف کی مدد سے پڑھنا شروع کرتے ہیں جس نے یکتائی اور بے نیازی مقدر کر رکھی تھی عملی طور پر یکتا و بے نیاز بنا دیا۔

۲ تا ۵۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

ترجمہ۔ کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہیں جنا اس نے اور نہ وہ جنا گیا اور نہیں اس کے لیے برابری کرنے والا کوئی۔

تفسیر۔ او مخاطب تو کہہ دے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خود بخود موجود جس کا نام ہے اللہ پوجنے کے لائق، فرماں برداری کا مستحق، وہ ایک ہے، اپنی ذات میں یکتا، صفات میں بے ہمتا، ترکیب و تعدد سے پاک۔ اللہ جس کا نام ہے، وہ اصل مطلب مقصود بالذات ہر کمال میں بڑھا ہوا جس کے اندر نہ کچھ جاوے کہ کھانے پینے وغیرہ کا محتاج ہو۔ نہ اس کے اندر سے کچھ نکلے کہ کسی کا باپ بنے، پس نہ وہ کسی کا باپ اور نہ کسی کا بیٹا۔ اس کے وجود میں، اس کے بقا میں۔ اس کی ذات میں، اس کی صفات میں کوئی بھی اس کے جوڑ کا نہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱)

اے رسول اس طرح کہو اور اقرار کرو اور یقین کرو اور لوگوں کو وعظ کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے واحد اور یگانہ ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ بے نیاز ہے۔ کسی کی اسے کوئی پروا نہیں۔ اس نے کوئی بیٹا بیٹی نہیں جنا۔ اور نہ خود اس کو کسی نے جنا تھا۔ اور نہ اس کا کوئی کنبہ قبیلہ شریک برادری والا اور برابری کرنے والا ہے۔

یہ سورہ شریف مکّی ہے یعنی مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے بعد چار آیتیں ہیں۔ اس کے الفاظ پندرہ ہیں اور حروف سینتالیس ہیں۔

ھُوَ: ہوؔ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ توریت میں زیادہ تر یہی نام خدا تعالیٰ کا آتا ہے۔ عبرانی میں اس کا ترجمہ لفظ یہوواہ سے کیا جاتا ہے۔ مگر عبرانی زبان کے ایک مردہ زبان ہونے کے سبب ٹھیک تلفظ اور اصلیت کے متعلق بہت اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ عبرانی حروف میں اس کو اس طرح سے لکھا جاتا ہے۔

n 7 n 7

ی ہ و ہ

چونکہ ابتدائی طرزِ تحریر زبان عبرانی میں حروف پر حرکات دینے کا رواج نہ تھا۔ اس واسطے ٹھیک طور پر معلوم نہیں رہا کہ توریت میں یہ لفظ کس طرح سے پڑھا جاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ یاوہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یاھوے ہے۔ بعض کے نزدیک یھوواہ ہے۔ آجکل کے یہودی اس لفظ کو خدا تعالیٰ کا ایک خاص مقدس نام مانتے ہیں۔ اور بغیر خاص اوقات نماز اور روزہ کے اس لفظ کا منہ پر لانا گناہ جانتے ہیں۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ عبرانی زبان عربی زبان سے بگڑ کر بنی ہے۔ اس واسطے یہ لفظ دراصل یاھو تھا۔ ھُوَ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یا حرفِ منادیٰ ہے۔ جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے۔ اے خدا۔ یا اللہ۔ اسی سے بدل کر انگریزی میں جھواہ JEHOVAH بن گیا ہے۔ الغرض ھوؔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

اَحَدٌ: احد کے معنے ہیں۔ ایک۔ اکیلا۔ ایک ہی۔ عربی زبان میں واحد کے معنے بھی ایک ہیں۔ اور احد کے معنے بھی ایک ہیں۔ لیکن یہ اس پاک زبان کے عجائبات میں سے ہے کہ لفظ احد صرف اللہ تعالیٰ کے صفات میں بیان ہوتا ہے اور خدا کے سوائے دوسرے کی صفت میں کبھی بولا نہیں جاتا۔ پھر ایک فرق واحد اور احد میں یہ ہے کہ جہاں واحد کا لفظ بولا جاوے۔ وہاں سمجھا جاتا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا بھی ہے۔ لیکن احد کے بعد دوسرا کوئی نہیں سمجھا جا سکتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب کہیں لَا یُقَاوِمُہٗ وَاحِدٌ ایک آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو خیال میں آ سکتا ہے کہ دو آدمی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن جب کہا جائے کہ لَا یُقَاوِمُہٗ اَحَدٌ تو اس کے معنے ہیں کہ اس کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

اَللّٰہ: یہ نام خدا کے واسطے عربی زبان میں اسم ذات ہے۔ خدا تعالیٰ کا خاص نام ہے۔ جو صرف اسی کی ذات پر بولا جاتا ہے۔ دوسری کسی زبان میں خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی ایسا خاص نام نہیں۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے بولا جاتا ہو اور ایک مفرد لفظ ہو اور کسی دوسرے کے واسطے کبھی استعمال نہ ہوتا ہو مثلاً انگریزی زبان میں اللہ تعالیٰ کے واسطے دو لفظ بولے جاتے ہیں۔ ایک گاڈ GOD اور دوسرا لارڈ LORD۔ سو ظاہر ہے کہ گاڈ GOD کا لفظ انگریزی زبان میں تمام رومی اور یونانی اور ہندی بتوں پر بولا جاتا ہے اور دیوتاؤں کے واسطے بھی استعمال ہوتا ہے اور لارڈ کا لفظ تو ایسا عام ہے کہ ایک معمولی فوج کا افسر بھی لارڈ ہوتا ہے اور ایک صوبے کا حاکم بھی لارڈ ہوتا ہے۔ بلکہ ولایت میں پارلیمنٹ کے اعلیٰ حصے کے تمام ممبر لارڈ ہی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی خاص لفظ نہیں۔ جو لفظ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے واسطے بولا جاتا ہے وہ خدا یا خداوند ہے۔ خدا ایک مرکب لفظ ہے اور اس کے معنے ہیں۔ خود آ۔ جو خود بخود ہے۔ اور کسی نے اس کو جنا نہیں اور فارسی لٹریچر میں یہ الفاظ اَوروں کے واسطے بھی استعمال میں آتے ہیں۔ ایسا ہی سنسکرت زبان میں جس قدر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ وہ سب صفاتی نام ہیں۔ کوئی اسم ذات نہیں۔

یہاں تک اس سورہ شریف کی پہلی آیت کے الفاظ کے معانی کی ہم نے تشریح کر دی ہے۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ: کہہ دے اے محمدؐ اور تمام جہان میں منادی کر دے کہ وہ اللہ ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں کوئی اس کی مانند ہے۔ نہ یسوع اللہ تھا، نہ رام، نہ کرشن، نہ بدھ اور نہ کوئی اور۔ ہمیشہ سے ایک ہی اللہ ہے۔ اور ہمیشہ تک ایک ہی اللہ ہوگا۔ ایک ازلی ابدی خدا۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ: صمد وہ ہے جس کے سامنے لوگ اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اس سورۃ میں صمد

بمعنی مصمود ہے۔ جیسا کہ قبض بمعنے مقبوض آ تا ہے۔ اس کے معنے ہیں وہ سردار جس کے لوگ محتاج ہیں۔ یہ لفظ ان معنوں میں عربی زبان کے لٹریچر میں مستعمل ہے۔ چنانچہ دو شعر بطور مثال کے اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

اَلَا بَکَر نَاعِیَ بِخَیْرِ بَنِیْ اَسَدْ! بِعَمْرِو بْنِ مَسْعُوْدِ بِالسَّیِّدِ الصَّمَدْ

خبردار! صبح کو موت کی خبر دینے والے نے۔ بنواسد کے اچھے آدمیوں سے جس کا نام عمرو بن مسعود اور بڑے سردار کی خلقت محتاج ہے۔

ایسا ہی ایک اور شاعر کا قول ہے۔

عَلَوْتُہٗ بِحُسَامِیْ ثُمَّ قُلْتُ لَہٗ خُذْھَا حُذَیْفَ فَاَنْتَ السَّیِّدُ الصَّمَدْ

مَیں اپنی تلوار لے کر اس پر چڑھ گیا۔ پھر اس کو کہا۔ لے اس کو اے حذیفہ! کیونکہ تو بڑا سردار اور حاجت روا ہے۔

پس صمدؔ اس سردار کو کہتے ہیں۔ جس کی طرف وقتِ حاجت قصد کیا جاوے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو سب حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے قدرتِ تام رکھتا ہے۔ اس واسطے اس کی صفت میں یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ اسی لحاظ سے سید سردار کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ تمام قوم اپنے سردار کی محتاج ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے بھی ان معنوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ جب یہ سورۂ شریف نازل ہوئی تو اصحاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صمدؔ کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ ھُوَ السَّیِّدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ یُصْمَدُ اِلَیْہِ فِی الْحَوَائِجِ۔ وہ سردار ہے جس کی طرف لوگ احتیاج کے وقت قصد کرتے ہیں۔

پھر لغت عربی میں صمدؔ اس کو کہتے ہیں جس کا جوف نہ ہو۔ یعنی اس کے اندر کوئی چیز نہ جا سکے۔ نہ اس میں سے کوئی چیز نکلے۔ ایسا ہی صمدؔ اس شفاف پتھر کو بھی کہتے ہیں۔ جس پر گرد و غبار نہ پڑ سکے۔ مفسرین نے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے لفظ صمدؔ کی تفسیر کئی طرح سے کی ہے جن میں سے بعض کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔صمؔد وہ عالم ہے جس کو تمام اشیاء کا علم ہو اور وہ بجز ذاتِ الٰہی کے دوسرا نہیں۔

۲۔صمؔد حلیم کو کہتے ہیں کیونکہ سیّد وہی ہوسکتا ہے جو حلم اور کرم کی صفات اپنے اندر رکھتا ہو۔

۳۔صمؔد وہ سردار ہے جس کی سرداری اور سیادت انتہائی اعلیٰ درجہ تک ہو۔ (ابن مسعود وضحاک)

۴۔صمد خالق الاشیاء ہے۔(اَصَمّ)

۵۔صمد وہ ذات ہے۔ جو چاہے سو کرے اور حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا اور اس کی قضاء کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔(حسین بن فضل)

۶۔صمد وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ حاجت کے وقت رغبت کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت اس کے پاس اپنی فریاد لے جاتے ہیں۔(سدی)

۷۔سید المعظم کو صمد کہتے ہیں۔

۸۔صمد غنی کو کہتے ہیں۔

۹۔صمد وہ ہے جس کے اوپر اور کوئی نہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ(الانعام:۱۹)

۱۰۔صمد وہ ہے جو نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے پر دوسروں کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔(قتادہ)

۱۱۔حسن بصری کا قول ہے کہ صمد وہ ہے جو لَمْ يَزَلْ ہے اور لَا يَزَالُ ہے۔ اور اس کے لئے زوال نہیں۔

۱۲۔صمد وہ ہے جس پر موت نہیں اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور آسمان و زمین کی میراث اسی کی ہے۔(ابن ابی کعب)

۱۳۔صمد وہ ہے جس پر نیند کا غلبہ نہیں اور نہ اس سے سہو صادر ہوتا ہے۔ (یمان وابو مالک)

۱۴۔صمد وہ ہے کہ جن صفات سے وہ متصف ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (ابن کیسان)

۱۵۔صمد وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو(مقابل ابنِ خبان)

۱۶۔صمد وہ ہے جس پر کوئی آفت نہیں پڑسکتی(ربیع بن انس)

۱۷۔ صمد وہ ہے جو تمام صفات میں اور تمام افعال میں کامل ہو (سعید بن جبیر)

۱۸۔صمد وہ ہے جو غالب ہو اور مغلوب نہ ہو (جعفر صادق)

۱۹۔صمد وہ ہے جو سب سے مستغنی ہو (ابوھریرہؓ)

۲۰۔صمد وہ ہے کہ خلقت اس کی کیفیت پر مطلع ہونے سے ناامید ہو۔

۲۱۔صمد وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا۔ کیونکہ جو جنتا ہے۔ لامحالہ اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور جو خود جنا گیا ہے۔ وہ ضرور مرتا ہے گویا صمد کے بعد کلمہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ اس کا بیان، معنی اور تشریح ہے۔ (ابوالعالیہ)

۲۲۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اِنَّہُ الْکَبِیْرُ الَّذِیْ لَیْسَ فَوْقَہٗ اَحَدٌ صمد وہ کبیر ہے جس کے اوپر اور کوئی نہیں۔

تفاسیر میں صمد کے معنے اور تشریح اور بھی بیان ہوئی ہے۔ بخوفِ طوالت اتنے پر اکتفا کیا گیا۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ: اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا مخلوق نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہیں۔ سب کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ وہ سب کی کیفیت جانتا ہے۔ کوئی اس کی کیفیت کا عالم نہیں۔ وہ سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے کسی کا احاطہ اس پر نہیں۔ سب کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں۔

لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ: نہ وہ جنتا ہے اور نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ولد ہے اور نہ وہ کسی کا ولد ہے۔ اس آیۃ شریفہ میں ان تمام مذاہبِ باطلہ کا بالخصوص رد ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اولاد مانی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے عیسائی یسوع مسیح کو ولد اللہ اور ابن اللہ کہتے ہیں۔ اس پر ایک سوال ہوا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لَمْ یَلِدْ پہلے کیوں رکھا اور لَمْ یُوْلَدْ پیچھے کیوں رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین کا یہ مذہب ہوتا ہے کہ فلاں شخص خدا کا بیٹا تھا یا فلاں عورت خدا کی بیٹی تھی۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خدا کا باپ تھا یا فلاں عورت خدا کی ماں تھی۔ گو عیسائیوں کے جاہل فرقہ نے اس شرک میں کمال پیدا کیا ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان مریم کو خدا کی ماں کہا جاتا

ہے اور ایک بڑا فرقہ عیسائیوں کا اب تک مریم کی پرستش کرتا ہے۔

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ: اور نہ اس کے واسطے کوئی کفو ہے۔ کفو کے لغوی معنے ہیں نظیر اور مثل۔ عرب میں بولا کرتے ہیں ھٰذَا كَفُوْكَ اَیْ نَظِيْرُكَ یہ تیرا کفو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لَيْسَ لَهٗ كُفُوٌ وَلَا مِثْلٌ۔

مجاہد کا قول ہے کہ کفو سے مراد صاحبہ یعنی جورُو ہے جیسا کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (الانعام:۱۰۲)

وہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اس کا ولد کہاں سے آ گیا۔ جبکہ کوئی اس کی کوئی جورُو نہیں اور اس نے ہر شئے پیدا کی ہے اور ہر شئے اس کی مخلوق ہے نہ کہ اولاد۔

یہاں تک ہم نے اس سورۂ شریفہ کے الفاظ کے معانی اور ان کی تشریح مفصل بیان کر دی ہے۔

اب اس سورہ کے مضمون پر اور اس کے فوائد اور عجائبات پر کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

یہ سورۂ شریفہ باوجود مختصر ہونے کے بڑے عظیم الشان مطالب اور مضامین پر مشتمل ہے۔ لکھا ہے کہ سورۂ الحمد سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور آخری دو سورتیں معوذتین آخری دعائیں ہیں اور قرآن شریف کا متن سورۂ بقرہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۂ اخلاص پر ختم ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ سورۃ قرآن شریف کی سب سے آخری سورۃ ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سورہ آخری زمانہ کے عظیم الشان فتنۂ عیسائیت سے بچنے کے واسطے ایک بڑا ہتھیار ہے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر بالخصوص زور دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک خدا ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس کا کنبہ قبیلہ ہے۔ اس میں عیسوی مذہب کی تردید کی گئی ہے۔ کیونکہ دینِ عیسوی کا تمام دارومدار تثلیث پر ہے کہ ایک خدا باپ ہے اور ایک خدا بیٹا ہے اور ایک خدا روح القدس ہے۔ عیسائیوں نے ایک کنبہ خدا کا یہاں مقرر کیا ہے۔ کوئی باپ ہے۔ کوئی بیٹا ہے۔ کوئی روح القدس ہے مگر اللہ تعالیٰ نے

ان سب کی تردید کی ہے کہ خدا وہ ہے جو لَمْ یَلِدْ ہے۔کسی کا باپ نہیں اور لَمْ یُوْلَدْ ہے۔کسی کا بیٹا نہیں۔اور لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے۔نہ اس کے برابر کوئی روح القدس وغیرہ ہے۔لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ۔وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ان ہرسہ کلمات کیساتھ تثلیث کو رد کر دیا گیا ہے۔اوراس رد کی دلیل الفاظ احد اور صمد میں بیان کی گئی ہے۔کیونکہ جو ایک ہے وہ تین کس طرح ہوسکتا ہے۔اور جو یگانہ ہے اس کے ساتھ دوسرا تیسرا اس کی مانند کیونکر بن سکتا ہے۔اور وہ صمد ہے کسی کا محتاج نہیں۔ یسوع تو کھانے پینے کا محتاج تھا۔بھوک سے ایسا لاچار ہوجاتا تھا۔کہ جیسا کہ انجیلوں میں لکھا ہے کہ جس درخت پر سے پھل نہ ملے اس درخت کو بھی دیوانوں کی طرح گالیاں دینے لگ جاتا تھا۔ معلومات کا یہ حال تھا کہ کہنے لگے کہ مجھے علم نہیں دیا گیا۔کہ قیامت کب ہوگی۔باوجود بڑی خواہش اور دعا کے صلیب سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔وہ جو محتاج ہے۔وہ صمد نہیں ہوسکتا۔اور جو صمد نہیں وہ خدا نہیں۔وہ احد ہے۔اس نے اپنی ہستی کو ثابت کرنے کے واسطے اور اپنی قدرتِ تام دکھانے کے واسطے آخری زمانہ میں اس فتنہ کے بالمقابل ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔جو احدؔ اور صمدؔ خدا کی پرستش کو دنیا میں قائم کرتا ہے اور بالخصوص اس مذہب اور فرقہ کو دنیا سے اکھیڑتا ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا باپ ہے اور خدا بیٹا ہے۔اور خدا روح القدس ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس سورہ شریف کو قرآن شریف کے آخر میں رکھ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ کا فتنہ یہ ہوگا کہ تین خدا مانے جاویں گے۔ایک خدا کا باپ بنایا جاوے گا،ایک خدا کا بیٹا بنایا جاوے گا ایک تیسرا بھی ہوگا جو ان کی مانند اور مثل ہوگا۔ایک روایت میں ہے۔عیسائیوں ہی نے سوال کیا تھا کہ آپ کے خدا کی کیا صفات ہیں اور ان کے سوال کے جواب میں یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔اس فتنہ کو مٹانے والا وہ شخص ہوگا جو خدا کو احدؔ اور صمدؔ مانتا ہوگا اور اس امر کو دنیا کے آگے ثابت کر دیگا کہ خدا صمدؔ ہے اپنے بندوں کی حاجات کو پوری کرتا ہے۔بندے اپنی ضرورتوں کے وقت اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے۔چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے اور خوارق میں سے آپ کی دعاؤں کی قبولیت ہے۔جس میں مقابلہ کے واسطے تمام جہان کے عیسائیوں آریوں وغیرہ کو بارہا چیلنج دیا جاچکا ہے۔مگر

کسی کی طاقت نہیں کہ اس مقابلہ میں کھڑا ہو سکے۔

چونکہ تمام شرائع اور عبادات کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور افعال کی معرفت حاصل ہو اور اس سورہ شریفہ سے اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔اس واسطے اس کو حدیث شریف میں ثلث القرآن یعنی قرآن شریف کا تیسرا حصہ کہا گیا ہے۔ بلحاظ ان عجائبات اور فوائد کے جو کہ اس سورۂ شریفہ مستنبط ہوتے ہیں اور اُس پر ایمان لانے سے جو راہ سلوک کی طے ہوتی ہے۔ان کے لحاظ سے اس سورۃ شریفہ کے بہت سے نام رکھے گئے ہیں۔عرف بھی اس بات کا شاہد ہے کہ اچھے ناموں کی زیادتی تعداد مسمی کے شرف اور مزید فضیلت پر دلیل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ کچھ نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔سورۃ التفرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرد ہونے اور تثلیث وغیرہ کی تردید میں ہے۔

۲۔سورۃ التجرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاثانی ہونے کا اس میں بیان ہے۔

۳۔سورۃ التوحید: کیونکہ توحید کا ایسا واضح بیان کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

۴۔سورۃ الاخلاص: اور یہ نام زیادہ تر مشہور ہے۔کیونکہ اس سورۃ میں خالص اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور صفاتِ اضافیہ اور سلبیہ کا ذکر ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے جلال کے بیان کے اور کسی امر کا اس سورۂ شریفہ میں ذکر نہیں ہے۔ جو کوئی اس کے بیان پر پورا ایمان رکھے۔ وہ اللہ کے دین میں مخلص ہے۔

۵۔سورۃ النجاۃ: کیونکہ اس پر پورا ایمان لانے سے اور اسی یقین پر مرنے سے کہ خدا ایک ہے انسان نجات پاتا ہے اور دوزخ سے بچتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے نجات اس میں سمجھی ہے کہ خدا تین بنائے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا ردّ کیا ہے کہ نجات اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ کو ایک مانا جاوے۔

۶۔سورۃ الولایۃ: کیونکہ یہ سورۃ پورے علم اور عمل اور معرفت کا ذریعہ ہو کر انسان کو درجہ ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

۷۔سورۃ النسبۃ: کیونکہ اس سورہ کے شانِ نزول میں ذکر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ کے معبود کا نسب نامہ کیا ہے۔تب یہ سورۃ نازل ہوئی۔

۸۔سورۃ المعرفہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کلام کی معرفت کے ساتھ کامل ہوتی ہے۔جابر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کی سورۃ پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اِنَّ ھٰذَا عَرَفَ رَبَّہٗ بیشک اس شخص نے اپنے رب کو پہچان لیا۔اس سے سورۃ کا نام سورۃ المعرفہ ہوگیا۔

۹۔سورۃ الجمال: حدیث شریف میں آیا ہے۔اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ[1] اللہ تعالیٰ کے جمال کے متعلق جب سوال کیا گیا تو جواب ملا کہ وہ اَحَد۔ صَمَد۔ لَمْ یَلِد ولَمْ یُولَدْ ہے۔

۱۰۔سورۃ المقشقشۃ: مقشقشہ کے معنے ہیں۔بری کرنے والا۔جب کوئی بیمار شفا پاتا ہے تو اہلِ عرب کہتے ہیں تَقَشْقَشَ الْمَرِیْضُ عَمَّابِہٖ۔بیمار نے اس سے نجات پائی۔جس میں وہ گرفتار تھا چونکہ یہ سورۃ شرک اور نفاق سے انسان کو بری کر کے خدا تعالیٰ کا خالص بندہ بنا دیتی ہے۔اس واسطے اس کا نام مقشقشہ رکھا گیا ہے۔

۱۱۔سورۃ المعوذۃ: کیونکہ ایک دن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون کے پاس تشریف لے گئے تو آپؐ نے اس سورۃ کو اور سورتوں کے ساتھ ملا کر تعوذ فرمایا۔

۱۲۔سورۃ الصمد: کیونکہ اس میں صمد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہے۔

۱۳۔سورۃ الاساس: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔سات آسمانوں اور سات زمینوں کی بنیاد قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پر بنائی گئی ہے۔اس بات کی سمجھ قرآن شریف کے اس مقام سے بخوبی آ سکتی ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ نے تثلیث اور ایک انسان کو خدا بنانے اور خدا کا بیٹا بنانے کی بھاری خرابی اور نہایت شرارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عقیدہ ایسا ناپاک ہے کہ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ (مریم:۹۱) قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جاوے اور پہاڑ گر جاویں۔پس جب تثلیث کا باطل عقیدہ دنیا و مافیہا کی خرابی اور

---

[1] یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔

بربادی کا موجب ہے۔تو اس کے بالمقابل توحید اُس کی عمدگی اور آبادی کا باعث ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں ایک اور جگہ آیا ہے کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۳) اگر زمین وآسمان کے اندر اللہ کے سوائے کوئی اور معبود ہوتا۔تو ان میں فساد مچ جاتا۔فساد کی دوری اس سے ہے کہ ان میں توحید قائم کی جاوے۔

۱۴۔سورۃ المانِعہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تجھے سورۂ اخلاص عطا کی ہے۔ جو کہ عرش کے خزانوں کے ذخیروں میں سے ہے۔اورعذابِ قبر سے روکتی ہے۔

۱۵۔سورۃ المحضرہ: کیونکہ اس کے پڑھنے کے وقت فرشتے اس کے سننے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

۱۶۔سورۃ المنفرۃ: کیونکہ شیطان اسے سن کر بھاگ جاتا ہے۔

۱۷۔سورۃ البراءۃ: کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو یہ سورۃ پڑھتا تھا فرمایا کہ تو آگ سے بری ہو گیا۔

۱۸۔ سورۃ المذکرۃ: کیونکہ یہ سورت انسان کو خدا تعالیٰ کی توحید یاد دلاتی ہے اور غفلت سے نکالتی ہے۔

۱۹۔سورۃ النورؔ ۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک شے کے لئے ایک نور ہوتا ہے اور قرآن شریف کا نور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے۔

۲۰۔سورۃ الامان: حدیث شریف میں آیا ہے، جس کسی نے کہا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ اللہ کے قلعہ میں داخل ہوا، جو قلعہ میں داخل ہوا، اُس نے امان پائی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ۔ میں اس سورہ (اخلاص) سے محبت رکھتا ہوں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ اس کی محبت تجھے بہشت میں داخل کر دیگی۔

ایسا ہی اور بہت سی حدیثوں میں اس سورۂ شریفہ کی تعریف آتی ہے کہ یہ قرآن شریف کے تیسرے حصہ کے برابر ہے۔اوراس کے پڑھنے کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۂ شریفہ میں خالصۃً اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے اور تمام انبیاء اور رسول جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں ان کی بعثت کا اصل منشاء یہی ہوتا ہے کہ توحید الٰہی کو دنیا میں قائم کریں کہ ایک خدا کی عبادت میں مخلوق کو لگاویں۔اور غیر اللہ کی محبت اور خوف کو دلوں سے نکال کر انسان کو خدا کا بندہ بناویں کیونکہ دراصل تمام بدیاں اور گناہ اسی سے شروع ہوتے ہیں کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے سوائے کسی دوسری چیز کی محبت یا اس کا خوف غالب آ جاتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا فرمایا کرتے تھے کہ کیا سبب ہے کہ ایک انسان جب جانتا ہو کہ سوراخ کے اندر ایک زہریلا سانپ ہے۔تو وہ ہرگز اس سوراخ میں اپنی انگلی نہیں ڈالتا۔اور جب جانتا ہے کہ اس زہر کے کھانے سے میں مرجاؤں گا۔تو خواہ کتنا ہی کوئی زور لگائے اس زہر کو ہرگز منہ پر نہیں لاسکتا۔تو پھر کیا سبب ہے کہ انسان باوجود اس اقرار کے کہ خدا ہے اور ایک واحد خدا سب کا مالک اور خالق ہے۔پھر گناہ کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ معرفت الٰہی اس کو پورے طور سے حاصل نہیں جب معرفت پورے طور سے حاصل ہو جائے تو پھر ممکن ہی نہیں کہ انسان گناہ کے نزدیک جاسکے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد انصاری مسجد قبا میں امامت نماز کی کرتا تھا۔نماز پڑھانے کے وقت جب وہ کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا تو اس کو سورۃ اخلاص کے ساتھ شروع یعنی پہلے سورۃ اخلاص پڑھتا اور بعد اس کے کوئی اور سورت یا کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا اور ہر رکعت میں وہ ایسا ہی کرتا۔دوسرے اصحاب اس معاملہ میں اس پر اعتراض کرتے اور کہتے کہ کیا تو دوسری سورتوں کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس سورت کو بہرحال ساتھ ملا ہی دیتا ہے اور بسا اوقات اسے کہتے کہ تو اس سورۃ کا بار بار ہر رکعت میں پڑھنا چھوڑ دے۔وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ تمہارا اختیار ہے کہ مجھے امام بناؤ یا نہ بناؤ۔میں تمہاری امامت چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس سورۃ شریفہ کا پڑھنا ترک نہیں کرسکتا۔لوگ اس کو دوسروں سے افضل جانتے تھے اور بہرحال اس کو

ہی امام بنانا پسند کرتے تھے۔ اس واسطے یہ جھگڑا اسی طرح سے رہا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچائی گئی۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ اے فلانے تجھے کون سی بات اس سے مانع ہے کہ تُو اپنے ساتھیوں کا کہنا ماننے اور ہر رکعت نماز کے اندر تو نے سورۃ اخلاص کا پڑھنا کس واسطے اختیار کیا ہے۔ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّھَا مجھے یہی سورۃ پیاری لگتی ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّكَ اِیَّاھَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّۃَ اس کا پیار کرنا تجھے جنت میں داخل کر دیگا۔ فقط اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سورۃ شریفہ کے ساتھ محبت کرنا خدا تعالیٰ کی توحید کے ساتھ محبت کرنا ہے اور اپنے آپ کو محتاج جان کر ایک خدا کی طرف اپنی احتیاج کو لے جانا۔ جو شخص تمام دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو دنیا و مافیہا سے بے احتیاج کر دیتا ہے اور اپنے فضل سے اس کے سارے کام پورے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ میں کمال پیدا کرنا انسان کو تمام مشکلات سے باآسانی نکال کر لے جاتا ہے۔ لیکن اس میں بعض ناواقف لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ اور وحدتِ وجود کی طرف جھک گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر ایک چیز جو ہم کو نظر آتی ہے، خدا ہے۔ ہر ایک آدمی خدا ہے اور صرف خدا ہی ہے باقی اور کچھ نہیں۔

حضرت اقدس مرزا صاحب مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ خود خدا تعالیٰ کے خالق بنتے ہیں، اور اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی کیفیت پر ایک احاطہ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے مانند ایک جراح کے خدا کو نعوذ باللہ چیر پھاڑ کر دیکھ لیا ہے۔ اور اس کی تمام حالت پر آگاہ ہو گئے ہیں۔

یہ بہت برا عقیدہ ہے۔ ہاں وحدتِ شہود کا عقیدہ درست ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت ایسی بیٹھ جائے کہ کسی دوسرے کی اس کو پرواہ ہی نہ رہے۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق اور محبت کا ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے ہر شے اس کو ہیچ نظر آئے اور خدا تعالیٰ کی وحدت پر اس کو پورا یقین ہو کہ وہی ایک اس قابل ہے جس کی عبادت کی جاوے۔ اور جس کی اطاعت کے واسطے اپنی جان کو قربان کر دیا جائے دراصل تمام بدیوں کی جڑھ

شرک ہے۔جلی ہو یا خفی۔ جب انسان کسی دوسرے انسان کو اپنا حاجت روا یقین کرتا ہے اور اس کی طرف اس طرح جھکتا ہے کہ گویا اس کے بغیر کوئی اس کا کام کرنیوالا نہیں تو وہ توحید کے برخلاف اپنا قدم رکھتا ہے اور ایک شرک میں گرتا ہے۔ صاف وہ ہے جو ہر حال میں اپنے خدا پر اپنے یقین کو قائم رکھتا ہے اور اسی پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے۔

چیست ایماں؟ وحدہٗ پندا شتن! کار حق را ، باخدا بگذاشتن [1]

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸۹ تا ۳۹۴)

اس سورۃ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی حدیثِ صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ثواب میں قرآن شریف کے تیسرے حصہ کے برابر ہے۔ یہ بات بالکل سچی اور بہت ہی سچی ہے۔اس واسطے کہ قرآن شریف مشتمل ہے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کے مضامین، دنیوی امور یعنی اخلاقی، معاشرتی، تمدّنی اور پھر بعد الموت یعنی قیامت کے متعلقہ مضامین پر۔ اس سورۃ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کے متعلق ہی ذکر ہے۔ اس طرح سے بلحاظ تقسیم مضامین یہ سورۃ قرآن شریف کے ⅓ کے برابر ہے یعنی قرآن کریم کے تین اہم اور ضروری مضامین میں سے ایک مضمون کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سورۃ فاتحہ سے جو کہ قرآن شریف کی کلید اور ام الکتاب ہے شروع ہوئی ہے اور یہ ام الکتاب ضالین پر ختم ہوئی ہے۔ ضآلّ کہتے ہیں کسی سے محبت بے جا کرنے کو۔ یا جہالت سے کام لینے اور سچے علوم سے نفرت اور لاپرواہی کرنے کو۔صرف دو شخص ہی ضآلّ کہلاتے ہیں۔ایک تو وہ جو کسی سے بے جا محبت کرے۔ دوسرا وہ جو سچے علوم کے حصول سے مضائقہ کرے۔

انسان ہر روز علم کا محتاج ہے۔سچائی انسان کے قلب پر علم کے ذریعہ سے ہی اثر کرتی ہے۔ پس جو علم نہیں سیکھتا اس پر جہالت آتی ہے اور دل سیاہ ہوجاتا ہے۔جس سے انسان اچھے اور برے، مفید اور

---

[1] ایمان کیا ہے؟ اس کو واحد ولاشریک ماننا اور خدا کے کاموں کو صرف خدا ہی کے لائق سمجھ کر اسی پر چھوڑنا۔

مضر، نیک اور بد، حق و باطل میں تمیز نہیں کرسکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ضآلّ نصاریٰ ہیں۔ دیکھ لو انہوں نے اپنی آسمانی کتاب کو کس طرح اپنے تصرف میں لا کر ترجمہ در ترجمہ، ترجمہ در ترجمہ کیا ہے کہ اب اصل زبان کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ صاف بات ہے کہ ترجمہ تو خیال ہے مترجم کا۔ غرض علومِ الٰہی اور کتبِ سماوی میں انہوں نے ایسا تصرف کیا اور جہالت کا کام کیا ہے کہ وہ اصل الفاظ اب ملنے ہی محال ہیں۔

دوسری طرف حضرت مسیحؑ کی محبت میں اتنا غلو کیا ہے کہ ان کو خدا ہی بنا لیا اور اس سورۃ میں اس قوم نصاریٰ کا ذکر ہے اور یہ سورۃ قرآن شریف کے آخر میں ہے اور یہ ضآلّ کی تفسیر ہے۔ اور ضآلّ کا لفظ ام الکتاب کے آخر میں ہے۔ پس اس طرح سے ام الکتاب کے آخر کو قرآن کے آخر سے بھی ایک طرح کی مناسبت ہے۔

ایک صحابیؓ جو کہ میرا اپنا خیال ہے کہ غالباً وہ عیسائیوں کے پڑوس میں رہتا ہوگا۔ وہ اس سورۃ کا ہر نماز میں التزام کیا کرتا تھا بلکہ خود آنحضرتؐ نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

چنانچہ آپؐ صبح کی سنتوں میں غالباً زیادہ تر قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص) ہی پڑھا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز (جو کہ جہری نماز ہے) میں بھی اول رکعت میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص) اکثر پڑھا کرتے تھے۔ وتروں میں بھی آنحضرتؐ کا یہی طریق تھا۔ چنانچہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی (سورۃ الاَعلیٰ) دوسری میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ (سورۃ الکافرون) اور تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص) بہت پڑھا کرتے تھے۔

غرض نماز کے اندر اور نماز کے علاوہ اَوراد میں اس سورۃ شریفہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تو کہہ دے (وہ جو اس کا کہنے والا ہے) اللہ ہے اور وہ واحد ہے ساری ہی صفاتِ کاملہ سے موصوف اور ساری بدیوں سے منزہ ذات بابرکات ہے۔

یہ پاک نام اور اس کے رکھنے کا فخر صرف صرف عربوں ہی کو ہے۔ اللہ کا لفظ انہوں نے خالص کرکے صرف صرف خدا کے واسطے خاص رکھا ہے اور ان کے کسی معبود، بت، دیوی دیوتا پر انہوں نے

یہ نام کبھی بھی استعمال نہیں کیا۔ مشرک عربوں نے بھی اور شاعر عربوں نے بھی بجز خدا کی ذات کے اس لفظ کا استعمال کسی دوسرے کے حق میں نہیں کیا۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور واجب التعظیم ان کا کیوں نہ ہو۔ یہ فخر بجز عرب کے اور کسی ملک اور قوم کو میسّر نہیں۔

زبان انگریزی سے میں خود تو واقف ہوں نہیں۔ مگر لوگوں سے سنا ہے کہ اس زبان میں بھی کوئی معزز لفظ خاص کر کے خالصتاً لِلّٰہ نہیں ہے۔ ہر لفظ جو وہ خدا کے واسطے بولتے ہیں وہ ان کی زبان کے محاورے میں اوروں پر بھی بولا جاتا ہے۔

سنسکرت میں تو میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اول ہی اول جو ان کی کتابوں میں خدا کا نام رکھا گیا ہے وہ اگنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگنی آگ پر بھی بولا جاتا ہے علیٰ ھٰذا القیاس اور اور جو نام بھی ویدوں میں پرمیشر پر بولے ہیں۔ وہ سارے کے سارے ایسے ہی ہیں کہ جن کی خصوصیت خدا کے واسطے نہیں بلکہ وہ سب کے سب اور دیوی دیوتاؤں وغیرہ پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کو ہے کہ خدا کا ایسا نام رکھا گیا ہے کہ جو کسی معبود وغیرہ کے واسطے نہیں بولا جاتا۔ اَحَدٌ وہ اللہ ایک ہے نہ کوئی اس کے سوا معبود اور نہ اس کے سوا کوئی تمہارے نفع وضرر کا حقیقی مالک ہے۔ کاملہ صفات سے موصوف اور ہر بدی سے منزّہ اور ممتاز و پاک ذات ہے۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ: اللہ ہے۔ صمد کہتے ہیں جس کی طرف ان کی احتیاج ہو اور خود نہ محتاج ہو۔ صمد سردار کو کہتے ہیں۔ اور صمد اس کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر سے نہ کچھ نکلے اور نہ اس میں کچھ گھسے۔ یہ ایسا پاک نام ہے کہ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ کے اس نام پر کامل ایمان ہو۔ تو اس کی ساری حاجتوں کے لئے کام کافی اور سارے دکھوں سے نجات کے سامان ہو جاتے ہیں۔ میں خود تجربتاً کہتا ہوں اور اس امر کی عملی شہادت دیتا ہوں کہ جب صرف اللہ ہی کو محتاج الیہ بنا لیا جاتا ہے تو بہت سے ناجائز ذرائع اور اعمال مثلاً کھانے پینے، مکان، مہمانداری، بیوی بچوں کی تمام ضروری حاجات سے انسان بچ جاتا ہے اور انسان ایسی تنگی سے بچ جاتا ہے۔ جو اس کو ناجائز وسائل سے ان مشکلات کا علاج کرنے کی ترغیب دیتی ہے جوں جوں دنیا خدا سے دور ہو کر آمدنی کے وسائل سوچتی ہے اور دنیوی آمد میں ترقی کرتی جاتی

ہے۔ تُوں تُوں قدرت اور منشاء الٰہی ان آمدنیوں کو ایک خرچ کا کیڑا بھی لگا دیتا ہے۔ گھر کی مستورات سے ہی لو۔ اور پھر غور کرو کہ اس قوم نے کس طرح محنت کرنا اور کاروبارِ خانگی سے دست برداری اختیار کی ہے۔ چرخہ کاتنا یا چکی پیس کر گھر کی ضرورت کو پورا کرنا تو گویا اس زمانہ میں گناہ بلکہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ کام کاج (جو کہ دراصل ایک مفید ورزش تھی۔ جس سے مستورات کی صحت قائم رہتی اور دودھ صاف ہوکر اولاد کی پرورش اور عمدہ صحت کا باعث ہوتا تھا) تو یوں چھوٹا۔ اخراجات میں ایسی ترقی ہوئی کہ آجکل کے لباس کو دیکھ کر مجھے تو بارہا تعجب آتا ہے۔ ایسا نکما لباس ہے کہ دس پندرہ دن کے بعد وہ نکما محض ہوکر خادمہ یا چوہڑی کے کام کا ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی قدرت کہ پھر وہ چُوہڑی بھی اس سے بہت عرصہ تک مستفید نہیں ہوسکتی۔ وہ کپڑے کیا ہوتے ہیں۔ وہ تو ایک قسم کا مکڑی کا جالا ہوتا ہے جس میں بیٹھ کر وہ شکار کرتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ایک اور خطرناک گھن لگا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اشیاء خوردنی کا نرخ بھی گراں ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں گرانی ہے۔ اگر آمدنی کی ترقی ہوئی تو کیا فائدہ ہوا۔ دوسری طرف خرچ کا بڑھاؤ ہوگیا۔ بات تو وہیں رہی۔

ہمارے شہر کا ذکر ہے کہ ایک قوم دو/ (آنہ) روز کے حساب سے ایک زمانہ میں مزدوری کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے مل کر یہ منصوبہ کیا کہ بجائے ۸ دن کے ۵ دن میں روپیہ لیا کریں۔ اور جو شخص ہم میں سے اس کی خلاف ورزی کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی عورت کو طلاق۔ مگر خدا کی قدرت وہ کام نہ چل سکا۔ اور آخر مجبوراً ان کو فتوٰی لینا پڑا کہ اب کیا کریں۔ ملاں کے پاس گئے تو اس نے کہہ دیا کہ ہماری مسجد میں چند روز مفت کام کرو جواز کی راہ نکال دیں گے۔ غرض ایک تو وہ وقت تھا اور ایک اب ہے کہ وہ روپیہ روز یا بعض سوا روپیہ روزانہ کماتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کام بھی اس وقت کے برابر عمدہ اور مضبوط نہیں اور مقدار میں بھی اس وقت سے کم ہے۔ اس وقت وہی لوگ اُسی مزدوری میں انجینئر نگ اور نقشہ کشی کرتے تھے۔ اور وہی عمارت کا کام کرتے تھے۔ مگر اب ان کاموں کے واسطے الگ ایک معقول تنخواہ کا ملازم درکار ہے۔ میرے والد صاحب ایک قسم کی لنگی

(کھیس) پہنا کرتے تھے۔ اور وہ کپڑا گھر کا بنایا ہوا ہوتا تھا۔ ان میں تلاّ ضرور ہوتا تھا۔ ہماری بہنوں کو فخر ہوا کرتا تھا کہ ہم اپنے والد صاحب کے پہننے کی لنگی اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی ہیں۔

غرض ایک وہ وقت تھا کہ آمدنیاں اگرچہ کم تھیں۔ مگر بوجہ کسبِ حلال ہونے کے بابرکت تھیں۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ (دراصل اگر غور کیا جاوے تو آمدنیاں کم مگر خرچ زیادہ ہیں۔) آمدنی بڑھی تو خرچ بھی ساتھ ہی ترقی کر گئے۔ (کیونکہ بوجہ زیادتی اخراجات کے لوگ اکثر ادھر اُدھر سے آمدنی کے بڑھانے کے واسطے بہت قسم کے ناجائز وسائل اختیار کرتے ہیں۔ اکثر یہی کوشش دیکھی گئی ہے کہ روپیہ آ جاوے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے برکت ہوتا ہے) تعلیم کا حال دیکھ لو کیسی گراں ہوگئی ہے حتٰی کہ گورنمنٹ جو ترقی تعلیم کی از بس مشتاق اور حریص تھی اسے ایسے مشکلات آ گئے کہ اب وہ لڑکوں کے پاس کرنے میں مضائقہ کرتی ہے اور اس فکر میں ہے کہ کسی طرح یہ سلسلہ کمی پر آ جاوے اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوگی اور ضرور ہوگی۔ کیونکہ خدا کو جب تک ان کی سلطنت منظور ہے۔ جب تک ان کی نصرت بھی کرے گا۔

غرض یہ کہ اگر اپنی چالاکی اور ناجائز تدابیر اور ناجائز ذرائع سے مالوں کو بڑھانے کی کوشش کرو گے تو دوسری طرف خدا اس کو خاک میں ملاتا جاوے گا۔ اس وقت ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا ہے کہ ایک شخص نہایت خوبصورت صندوق جس میں مختلف قسم کے رنگارنگ، کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی زرد قسم کے ٹکڑے کانچ کے تھے۔ ایک رئیس کے پاس لایا اور پیش کیا کہ آپ اس کو خرید لیں مگر وہ رئیس بڑا عقلمند تھا۔ اگرچہ مشرک تھا اور مشرک عقلمند نہیں ہوتا مگر ایک قسم کی جزوی عقل تھی۔ وہ بات کو سمجھ گیا اور کہا کہ یہ شخص شریر تو نہیں ہے۔ اس کو دھوکہ لگا ہے۔ اگر شریر ہوتا تو اس کو میرے پاس آنے کی اس طرح جرأت نہ ہوتی۔ یہ سوچ کر اس سے کہا کہ میں ان کو خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ البتہ یہ ایک ہزار روپیہ تم کو دیا جاتا ہے اس بات کے بدلے کہ تم نے ایسی نایاب چیز ہمیں دکھائی۔ وہ شخص بہت خوش ہوگیا۔ رئیس نے اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم چند روز یہیں ٹھہر جاؤ۔ پھر ایک دو دن بعد بلوا کر پوچھا کہ تم نے یہ صندوق کہاں سے لیا۔ اس نے سارا ماجرا کہہ دیا کہ جب دِلی کے غدر کے موقع پر

افراتفری پڑی تو میں نے سنا ہوا تھا کہ بادشاہ اپنے پاس اس قسم کا ایک مختصر صندوقچہ رکھا کرتے ہیں کہ وقتِ ضرورت کام آوے۔ تو میں سب سے پہلے قلعہ میں کودا اور یہ صندوقچہ لے بھاگا۔ رئیس کو یقین آ گیا کہ واقعی یہی بات ہے مگر اس شخص کے ساتھ کہیں دھوکہ کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا تو پھر سارا ماجرا بیان کرو کہ یہاں آنے تک اور کیا کیا باتیں پیش آئیں۔ تو اس پر اُس شخص نے بیان کیا کہ رستے میں ایک اور شخص بھی میرا ہم سفر ہوا۔ اور اس کے پاس بھی ایک صندوق تھا اور وہ یہی تھا۔ اثنائے راہ میں وہ گاہ گاہ مجھے کھول کر اپنا صندوقچہ دکھایا بھی کرتا تھا اور ذکر کرتا تھا کہ میں نے بھی دلی کی افراتفری میں حاصل کیا ہے مگر چونکہ اس کا صندوقچہ میرے سے عمدہ تھا اور اس کا مال بھی میرے مال سے اچھا تھا۔ اور پھر وہ گاہ گاہ میرے حوالہ کر کے چلا بھی جاتا تھا اور میرا اعتبار کرتا تھا۔ میں اس کا اعتبار نہ کرتا اور نہ ہی صندوقچہ اسے کھول کر بتاتا۔ آخر ہوتے ہوتے مجھے اس کا صندوقچہ پسند آیا۔ میں نے موقع پا کر اپنا تو پڑا رہنے دیا اور اس کا صندوقچہ لے بھاگا۔ جو میرے خیال میں میرے والے بکس سے عمدہ اور عمدہ مال والا تھا۔ اور یہ وہی صندوقچہ ہے جو میں نے اس شخص کا حاصل کیا۔ اور اپنا اس کے واسطے چھوڑا۔ یہ سارا واقعہ سننے کے بعد اس رئیس نے اس سے کہا کہ اب وہ ہزار روپیہ تو ہم تمہیں دے چکے اور وہ تمہاری محنت کا پھل تھا جو تمہیں مل گیا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ معمولی جھاڑ فانوس کے ٹکڑے ہیں۔ چاہو ان کو رکھو اور چاہو پھینک دو۔ یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ اور روشنی کے داروغہ کو بلوا کر اُسے ویسے ہزاروں ٹکڑے بتا دئے۔ یہ دیکھ کر اس بیچارے کی آنکھیں کھلیں اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ رئیس نے کہا کہ خدا رحیم کریم ہے۔ اس نے تمہاری محنت بالکل ضائع بھی نہ کی اور سزا بھی دیدی کہ تم نے چالا کی سے عمدہ مال حاصل کرنا چاہا تھا۔ الٹا اس حرص سے ایک گناہ بھی کیا اور اصل مال بھی برباد کیا۔ اُس کا جو حال ہوا ہوگا۔ اس کا ہمیں علم نہیں۔

غرض انسان چاہتا ہے کہ میں چالاکی اور دھوکہ سے کامیاب ہو جاؤں۔ مگر خدا اس کو عین اسی رنگ میں سزا دیتا ہے اور ناکام کرتا ہے۔ جس رنگ میں خدا کو ناراض کر کے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ قصّہ کہانی نہیں بلکہ ایک واقعہ کا بیان کیا گیا۔ اور عقلمند اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ میں نے یہ ایک

بات کہی ہے۔تم اس سے اصل حقیقت کی طرف چلے جاؤ۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ: حقیقت میں وہی محتاج الیہ ہے۔

لَمْ یَلِدْ: اس کا کوئی بچہ نہیں کیونکہ وہ صمدؔ ہے اور بچہ لینے کے واسطے بیوی کی حاجت ہوتی ہے۔پس وہ لَمْ یَلِدْ ہے۔ کیونکہ وہ صمد ہے۔ خدا کا ولد ماننے میں نہ تو خدا کی صفت صمدؔ ہی رہتی ہے اور نہ صفتِ احدؔ ہی قائم رہ سکتی ہے۔ کیونکہ بچے کے واسطے بیوی کی حاجت لازمی ہے۔ اور پھر بیوی اُسی جنس اور کف کی چاہیے۔تو احد بھی نہ رہا۔غرض یہ بالکل سچ ہے کہ لَمْ یَلِدْ ہے۔وہ ذات پاک۔

وَ لَمْ یُوْلَدْ: اور وہ خود بھی کسی کا بیٹا نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی والدین کی احتیاج لازمی اور کف ضروری ہے۔پس وہ اَحَدٌ ہے۔صَمَد ہے۔ لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ اور لَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ذات ہے۔

دیکھو میں پھر کہتا ہوں اور درِدِل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہے اسی کو اپنا محتاج الیہ بنائے رکھو۔کھانے، پینے، پہننے،عزت اکرام،صحت،عمر،علم، بیوی بچے اوران کی تمام ضروریات کے واسطے اُسی کی طرف جھکو۔ میں اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب انسان خدا کو اپنا محتاج الیہ یقین کرلیتا ہے اوراس کا کامل ایمان ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی انسان کو کسی انسان کا محتاج نہیں کرتا۔ میں اپنا ہرروزہ تجربہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ صمدؔ ہے۔اُسی پر ناز کرو۔خدا کو چھوڑ کر اگر مخلوق پر بھروسہ کرو گے تو بجز ہلاکت کچھ حاصل نہ ہوگا۔میں نصیحت کے طور پر تم کو یہ باتیں درِدِل سے اور سچی تڑپ سے کہتا ہوں کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور ہر ایک ذرہ اس کے اختیار اور تصرّف میں ہے۔

لَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ: کوئی رسول ہو۔خواہ نبی ولی ہو یا کوئی غوث وقطب۔کوئی بھی اس کے لگے کا نہیں۔کوئی بھی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔سب اسی کے محتاج ہیں اوراسی کے نور سے روشنی حاصل کرنیوالے ہیں اور اسی سے فیض پاکر دنیا کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ وہی اِن سب کے کمال وفضل اورحسن واحسان کے انوار کا منبع اصلی ہے۔پس جب ایسا خدا موجود ہے۔تو پھر ایک مومن انسان کو کیا

غم ہے؟ اور کون سی خوشی اس کی باقی رہ گئی ہے؟

حضرت اقدسؑ فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کو اپنے مال پر خوشی ہوتی ہے۔کسی کو یار دوستوں پر۔مگر مجھے یہ خوشی کافی ہے کہ میرا خدا قادر خدا ہے مگر یہ باتیں ایمان، یقین، فکر اور تدبر کو چاہتی ہیں۔اور اس بات کو چاہتی ہیں کہ انسان ہمیشہ رہنے کے واسطے نہیں بنایا گیا۔کسی کو کیا علم ہے کہ میں کل رہوں گا یا نہیں اس واسطے میں جب کبھی وعظ کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو ہمیشہ آخری وعظ سمجھ کر کرتا ہوں ۔ خدا جانے۔پھر کہنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔(اللہ تعالیٰ توفیق دے عمل کی۔آمین)

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۷)

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔دہریہ کا ردّ، فلسفی کا ردّ ہوگیا۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ فرماتا ہے۔اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹۔ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۸۸)



سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اُس بابرکت اللہ کے نام کی مدد سے پڑھنا شروع کرتا ہوں جو ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کو پہنچانے والا ہر ایک بُرائی سے بچانے والا۔

۲ تا ۶۔قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ۔وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

ترجمہ۔ کہہ پناہ پکڑتا ہوں ساتھ رب صبح کے اس چیز کے شر سے جو پیدا کیا ہے اور شر اندھیرا کرنے والے کے سے جبکہ چھپ جاوے شر پھونکنے والیوں کے سے گروہوں میں اور شر حسد کرنے والے کے سے جبکہ حسد کرے۔

تفسیر۔ اس طرح سے دعا مانگ۔ میں اپنے اُس پروردگار کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں۔ جو اندھیرے کو دور کر کے صبح کی روشنی پیدا کرتا ہے۔اُس کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں۔ ان تمام چیزوں کی بدی سے جو پیدا ہوئی ہیں۔اور اندھیرا کرنے والے کی شرارت سے جبکہ وہ چھپ جاوے اور ان کی شرارت سے جو گرہوں میں پھونکیں دے کر مخلوقِ الٰہی کو دکھ دینے کے درپے رہتے ہیں اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد پر کمر باندھے۔

یہ سورہ شریفہ مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد پانچ آیتیں ہیں۔اور تیئیس کلمے ہیں اور تہتر حروف ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹/دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۹۵)

چار قل جو نماز میں اور نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں اُن میں سے یہ تیسرا قل ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔قرآن شریف میں فَلَق کا لفظ تین طرح پر استعمال ہوا ہے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی۔ پس خدا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ فَالِقُ الْحَبِّ اور فَالِقُ النَّوٰی ہے۔ دیکھو رات کے وقت خلقت کیسی ظلمت اور غفلت میں ہوتی ہے۔ بجز موذی جانوروں کے عام طور سے چرند پرند بھی اس وقت آرام اور ایک طرح کی غفلت میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکیدی حکم دیا ہے کہ رات کے وقت گھروں کے دروازے بند کرلیا کرو۔ کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانک رکھا کرو۔ خصوصًا جب اندھیرے کا ابتدا ہو اور بچوں کو ایسے اوقات میں باہر نہ جانے دو۔ کیونکہ وہ وقت شیاطین کے زور کا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق جو کہ آج سے تیرہ سو[۱۳] برس پیشتر ایک اُمّی بیابانِ عرب کے ریگستانوں کے رہنے والے کے منہ سے نکلا تھا آج اس روشنی اور علمی ترقی کے زمانہ میں بھی نہایت باریک در باریک محنتوں اور کوششوں کی تحقیقات کے بعد بھی ہو رہی ہے۔ جو کچھ آپؐ نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر فرمایا تھا۔ آج بڑی سر زنی اور ہزار کوشش کے بعد کوئی سچا علم یا سائنس اسے جُھوٹا نہیں کر سکا۔ اس نئی تحقیقات سے جو کچھ ثابت ہوا ہے وہ بھی یہی ہے کہ کل موذی اجرام اندھیرے میں اور خصوصًا ابتدا اندھیرے میں جوش مارتے ہیں۔ مگر لوگ بباعث غفلت ان امور کی قدر نہیں کرتے۔

رات کی ظلمت میں عاشق اور معشوق، قیدی اور قید کنندہ، بادشاہ اور فقیر، ظالم اور مظلوم سب ایک رنگ میں ہوتے ہیں اور سب پر غفلت طاری ہوتی ہے۔ ادھر صبح ہوئی اور جانور بھی پھڑ پھڑانے لگے۔ مرغے بھی آوازیں دینے لگے۔ بعض خوش الحان آنیوالی صبح کی خوشی میں اپنی پیاری راگنیاں گانے لگے۔ غرض انسان حیوان، چرند، پرند، سب پر خود بخود ایک قسم کا اثر ہو جاتا ہے اور جوں جوں روشنی زور پکڑتی جاتی ہے۔ تُوں تُوں سب ہوش میں آتے جاتے ہیں۔ گلی، کوچے، بازار، دکانیں، جنگل، ویرانے سب جو کہ رات کو بھیانک اور سنسان پڑے تھے۔ ان

میں چہل پہل اور رونق شروع ہو جاتی ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کا قیامت اور حشر کا نظارہ ہوتا ہے۔ خدتعالیٰ فرماتا ہے کہ فالق الاصباح میں ہوں۔

حَبّ : گیہوں، جَو، چاول وغیرہ اناج کے دانوں کو کہتے ہیں۔ دیکھو کسان لوگ بھی کس طرح سے اپنے گھروں میں سے نکال کر باہر جنگلوں میں اور زمین میں پھینک آتے ہیں۔ وہاں ان کو اندھیرے اور گرمی میں ایک کیڑا الگ جاتا ہے اور دانے کو مٹی کر دیتا ہے اور پھر وہ نشوونما پاتا، پھیلتا پھولتا ہے اور کس طرح ایک ایک دانہ کا ہزار در ہزار بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایک گِٹک (گُٹھلی) کیسی ردّی اور نا کارہ چیز جانی گئی ہے۔ لوگ آم کا رس چوس لیتے ہیں۔ گٹھلی پھینک دیتے ہیں، عام طور سے غور کر کے دیکھ لو کہ گٹھلی کو ایک ردّی اور بے فائدہ چیز جانا گیا ہے۔ مختلف پھلوں میں جو چیز کھانے کے قابل ہوتی ہے وہ کھائی جاتی ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی[۱] (الانعام:۹۶) اس چیز کو جسے تم لوگ ایک ردی سمجھ کر پھینک دیتے ہو اس سے کیسے کیسے درخت پیدا کرتا ہوں کہ انسان، حیوان، چرند، پرند سب اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ ان کے سائے میں آرام پاتے ہیں۔ ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میوے، شربت، غذائیں، دوائیں اور مقوی اشیاءِ خوردنی ان سے مہیا ہوتی ہیں۔ ان کے پتوں اور ان کی لکڑی سے بھی فائدہ اٹھاتے ہو۔ گٹھلی کیسی ایک حقیر اور ذلیل چیز ہوتی ہے مگر جب وہ خدائی تصرف میں آ کر خدا کی ربوبیت کے نیچے آ جاتی ہے تو اس سے کیا کا کیا بن جاتا ہے۔

غرض اس چھوٹی سی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ فَلَق کے نیچے باریک در باریک حکمتیں رکھی ہیں اور انسان کو ترقی کی راہ بتائی ہے کہ دیکھو جب کوئی چیز میرے قبضۂ قدرت اور ربوبیت کے ماتحت آ جاتی ہے تو پھر وہ کس طرح ادنیٰ اور ارذل حالت سے اعلیٰ اور اعلیٰ بن جاتی ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مدنظر رکھ کر اور اس کی کامل قدرت کا یقین کر کے اور اس کے اسماء اور صفات کاملہ کو پیش نظر رکھ کر اس سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔

مجھے ایک دفعہ ایک نہایت مشکل امر کے واسطے اس دعا سے کام لینے سے کامیابی نصیب ہوئی

۱؎ دانے اور گٹھلی کا چیرنے والا ہوں۔

تھی۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں لاہور میں گیا۔میرے آشنا نے مجھے ایک جگہ لے جانے کے واسطے کہا اور میں اس کے ساتھ ہولیا مگر نہیں معلوم کہ کہاں لے جاتا ہے اور کیا کام ہے۔اس طرح کی بے علمی میں وہ مجھے ایک مسجد میں لے گیا۔ جہاں بہت لوگ جمع تھے۔قرائن سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کسی مباحثہ کی تیاری ہے۔میری چونکہ نمازِ عشاء باقی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ یہ مجھے ایک موقع مل گیا کہ میں دعا کرلوں۔خدا کی قدرت اس وقت مَیں نے اس سورۃ کو بطور دعا پڑھا اور باریک در باریک رنگ میں اس دعا کو وسیع کر دیا اور دعا کی کہ اے خدائے قادر وتوانا تیرا نام فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ہے۔میں ظلمات میں ہوں۔میری تمام ظلمتیں دور کر دے اور مجھے ایک نور عطا کر جس سے میں ہر ایک ظلمت کے شر سے تیری پناہ میں آ جاؤں۔تو مجھے ہر امر میں ایک حجت نیّرہ اور برہان قاطعہ اور فرقان عطا فرما۔میں اگر اندھیروں میں ہوں اور کوئی علم مجھ میں نہیں ہے تو تُو ان ظلمات کو مجھ سے دور کر کے وہ علوم مجھے عطا فرما اور اگر میں ایک دانے یا گٹھلی کی طرح کمزور اور ردّی چیز ہوں تو تُو مجھے اپنے قبضۂ قدرت اور ربوبیت میں لے کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔غرض اس وقت میں نے اس رنگ میں دعا کی اور اس کو وسیع کیا جتنا کہ کرسکتا تھا۔بعدہٗ میں نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔خدا کی قدرت کہ اس وقت جو مولوی میرے ساتھ مباحثہ کرنے کے واسطے تیار کیا گیا تھا۔وہ بخاری لیکر میرے سامنے بڑے ادب سے شاگردوں کی طرح بیٹھ گیا اور کہا۔یہ مجھے آپ پڑھا دیں۔وہ صلح حدیبیہ کی ایک حدیث تھی۔حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔لوگ حیران تھے اور میں خدا تعالیٰ کے تصرف اور کاملہ قدرت پر خدا کے جلال کا خیال کرتا تھا۔آخر لوگوں نے اس سے کہا کہ یہاں تو مباحثہ کے واسطے ہم لائے تھے۔تم ان سے پڑھنے بیٹھ گئے ہو۔اگر پڑھنا ہی مقصود ہے تو ہم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیتے۔ان کے ساتھ جمّوں چلے جاؤ اور روٹی بھی مل جایا کریگی۔

وہی شخص ایک بار پھر مجھے ملا اور کہا کہ میں اپنی خطا معاف کرانے آیا ہوں کہ میں نے کیوں آپ کی بے ادبی کی۔ میں حیران تھا کہ اس نے میری کیا بے ادبی کی۔حالانکہ اس وقت بھی اس نے

میری کوئی بے ادبی نہ کی تھی۔

غرض یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا قادر خدا ہے اور اس کے تصرفات بہت یقینی ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کے سامنے ایک زندہ نمونہ رب الفلق کے ثبوت میں کھڑا ہے۔ اپنے ایمان تازہ کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سچی تڑپ اور دردِ دل کی دعا کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

مخلوق الٰہی میں بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات انسان کے واسطے مضر ہو جاتی ہیں ان سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور اندھیرے کے شر سے جب وہ بہت اندھیرا کر دیوے۔ ہر اندھیرا ایک تمیز کو اٹھاتا ہے۔ جتنے بھی موذی جانور ہیں۔ مثلاً مچھر، پسو، کھٹمل، جُوں، ادنیٰ سے اعلیٰ اقسام تک کل موذی جانوروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اندھیرے میں جوش مارتے ہیں اور اندھیرے کے وقت ان کا ایک خاص زور ہوتا ہے۔ ظلمت بھی بہت قسم کی ہے۔ ایک ظلمتِ فطرت ہوتی ہے۔ جب انسان میں ظلمت فطرت ہوتی ہے تو اس کو ہزار دلائل سے سمجھاؤ اور لاکھ نشان اس کے سامنے پیش کرو۔ وہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ سکتے۔ ایک ظلمتِ جہالت ہوتی ہے۔ ایک ظلمتِ عادت، ظلمتِ رسم، ظلمتِ صحبت، ظلمتِ معاصی غرض یہ سب اندھیرے ہیں۔ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے محفوظ رکھے۔

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ: اس قسم کے شریر لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے لوگوں کی بہت تحقیقات کی ہے اور اس میں مشغول رہا ہوں اور طب کی وجہ سے ایسے لوگوں سے مجھے واسطہ بھی بہت پڑا ہے کیونکہ اس علم کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی میرے پاس آنے کی ضرورت پڑی ہے اور میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا ہے۔ ان لوگوں کو خطرناک قسما قسم کے زہر یاد ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے بعض امراض انسان کے لاحقِ حال ہو جاتی ہیں۔ وہ زہر یہ لوگ باریک در باریک تدابیر سے خادماؤں یا چوہڑیوں کے ذریعہ سے لوگوں کے گھروں میں دفن کرا دیتے

ہیں۔آخرکاران کے اثر سے لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔پھران کے چھوڑے ہوئے لوگ مرد اور عورتیں ان بیماروں کو کہتے ہیں کہ کسی نے تم پر جادو کیا ہے۔کسی نے تم پر سحر کیا ہے۔لہذا اس کا علاج فلاں شخص کے پاس ہے۔آخر مرتا کیا نہ کرتا۔لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنی مستورات کے ذریعہ سے چونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ وہ زہر کہاں مدفون ہے اور ان کے پاس ایک باقاعدہ فہرست ہوتی ہے۔وہ زہر مدفون نکال کر اُن کو بتاتے ہیں اور اس طرح سے ان بیماروں کا اعتقاد اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔پھران لوگوں کو چونکہ ان زہروں کے تریاق بھی یاد ہوتے ہیں۔ان کے استعمال سے بعض اوقات تعویذ کے رنگ میں لکھ کر پلوانے سے یا کسی اور ترکیب سے ان کا استعمال کراتے ہیں اور اُن سے ہزاروں روپیہ حاصل کرتے ہیں۔اس طرح سے بعض کو کامیاب اور بعض کو ہلاک کرتے ہیں۔ایک تو یہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اپنے فائدے کی غرض سے قسما قسم کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ شریر لوگ ہیں جو مومنوں کے کاروبار میں اپنی بدتدابیر سے روک اور حرج پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سے پھر مومنوں کی کامیابی میں مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔مگر آخر کار وہ ناکام رہ جاتے ہیں۔اور مومنین کا گروہ مظفر و منصور اور بامراد ہو جاتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ: کسی کی عزت، بھلائی، بڑائی، بہتری، اِکرام اور جاہ وجلال کو دیکھ کر جلنے والے لوگ بھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی انسانی ارادوں میں بوجہ اپنے حسد کے روک پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

غرض یہ سورۃ مشتمل ہے ایک جامع دُعا پر۔رسول اکرمؐ نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سے تعوّذ کی دعائیں ترک کر دی تھیں اور اسی کا ورد کیا کرتے تھے۔حتّٰی کہ بیماری کی حالت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سورۃ کو آپؐ کے دست مبارک پر پڑھ پڑھ کر آپؐ کے منہ اور بدن پر ملتی تھیں۔مگر افسوس کہ مسلمانوں نے عام طور سے اب ان عجیب پُرتاثیر اَوراد کو قریباً ترک ہی کر دیا ہے۔

انسان جب ایک گناہ کرتا ہے تو اُسے دوسرے کے واسطے بھی تیار رہنا چاہیے کیونکہ ایک گناہ

دوسرے کو بلاتا ہے اور اسی طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو بلاتی ہے۔ دیکھو بدنظری ایک گناہ ہے۔ جب انسان اس کا ارتکاب کرتا ہے تو دوسرے گناہ کا بھی اسے ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور زبان کو بھی اس طرح شامل کرتا ہے کہ کسی سے دریافت کرتا ہے کہ یہ عورت کون ہے۔ کس جگہ رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب زبان بھی ملوث ہوئی اور ایک دوسرا شخص بھی اور جواب سننے کی وجہ سے کان بھی شریک گناہ ہو گئے اس کے بعد اس کے مال اور روپیہ پر اثر پڑتا ہے اور اس گناہ کے حصول کے واسطے روپیہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غرض ایک گناہ دوسرے کا باعث ہوتا ہے۔ پس مسلمان انسان کو چاہیے کہ ایسے ارادوں کے ارتکاب سے بھی بچتا رہے اور خیالاتِ فاسدہ کو دل میں بھی جگہ نہ پکڑنے دے اور ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہے۔

انسان اپنی حالت کا خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو دیکھتا رہے کہ کیسے لوگوں سے قطع تعلق کیا ہے۔ اور کیسے لوگوں کی صحبت اختیار کی ہے۔ اگر اس کے یار آشنا اچھے ہیں اور جن کو اس نے چھوڑا ہے ان سے بہتر اسے مل گئے ہیں۔ جب تو خوشی کا مقام ہے....... ورنہ بصورتِ دیگر خسارہ میں دیکھنا چاہیے کہ جو کام چھوڑا ہے اور جو اختیار کیا ہے۔ ان میں سے اچھا کون سا ہے۔ اگر بُرا چھوڑ کر اچھا کام اختیار کیا ہے۔ تو مبارک۔ ورنہ خوف کا مقام ہے۔ کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کو اور ہر بدی دوسری بدی کو بلاتی ہے۔....... اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو توفیق دے کہ تم اپنے نفع اور نقصان کو سمجھ سکو۔ اور نیکی کے قبول کرنے اور بدی کے چھوڑنے کی توفیق عطا ہو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ جلد ۱۲ مورخہ ۶؍جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۔۴)

اس سورہ شریف کی تفسیر سے پہلے اس امر کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کے شانِ نزول میں بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ کسی یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور اس قسم کے جادوگروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی۔

اس واقعہ کو اگر احادیث میں دیکھا جائے۔ اوّل تو اس حدیث کا راوی صرف ایک شخص ہے یعنی ہشام حالانکہ اتنے بڑے واقعہ کے واسطے ضروری تھا کہ کوئی اور صاحب بھی اس کا ذکر کرتے۔ دوم اگر

یہ واقعہ صحیح بھی ہوتو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر اس جادو کا کچھ اثر ہو گیا تھا یا آنحضرتؐ نے ان جادو کرنے والے لوگوں کا کچھ پیچھا کیا تھا یا ان کو گرفتار کیا تھا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں اس قسم کے آدمی ہوا کرتے ہیں جن کا یہ پیشہ ہوا کرتا ہے کہ وہ لوگوں پر جادو کیا کریں۔ اور یہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خفیہ سازشوں اور شرارتوں کے ذریعہ سے لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ان کے پاس آیا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے شخص کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ اس واسطے ان کے پاس اپنی یہ خواہش لاتا ہے کہ میرا دشمن مر جائے یا کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جائے یا مجنون ہو جائے تو وہ اس شخص کو ویسے ہی کوئی تعویذ سا بنا دیں گے یا کوئی تاگہ گرہیں ڈال کر دیدیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ کسی طرح اپنے دشمن کو کھلاؤ یا اس کے گھر ڈال دو۔ یا اور کوئی بات اس قسم کی بتلاویں گے لیکن دراصل یہ صرف ایک ظاہری بات اس شخص کو دھوکا دینے والی ہوگی اور خفیہ طور پر وہ اس کے دشمن کو کسی دوائی کے ذریعہ سے بیمار کرنے یا مجنون کرنے یا ہلاک کرنے پر کمر باندھیں گے۔ اور کسی نہ کسی حیلہ سے اس کام کو پورا کر کے اپنے جادوگر ہونے کا لوگوں کو یقین دلائیں گے۔

دوسرے قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو توجہ کے ذریعہ سے اس معاملہ میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو دکھ دینے کے درپے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بھی ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہے ہیں۔ اور آجکل اس گروہ کی ایک بڑی جماعت امریکہ میں موجود ہے۔ ان کا مطلب بھی سوائے شرارت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پیشہ کو مخفی رکھتے ہیں۔ ورنہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو ہر جگہ گرفتار کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی شرارتوں سے بچنے کے واسطے انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور ہوشیاری کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی شرارت سے پناہ مانگی جائے۔

اس سورۂ شریفہ سے پہلے سورۂ اخلاص ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ان دو سورتوں میں اس فیضان کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر وارد

ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر نہ ہونے کی ایک ظاہر دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو مسحور کہنا تو قرآن شریف میں کفار کا قول ہے جو کہ جھوٹا قول ہے۔ اور نیز خدا تعالیٰ کا کلام ہے وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔[1] (المائدہ:۶۸) پھر کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی یہودی کا جادو آنحضرتؐ پر چل جاتا۔

اس جگہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بیماری کے وقت بیمار کے حق میں دعا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے استعاذ کرنا طریقِ سنت ہے۔ دوا کرنا بھی ضروری ہے مگر اس کے ساتھ دعا بھی چاہیے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ یُعَلِّمُنَا مِنَ الْاَوْجَاعِ کُلِّھَا وَ الْحُمّٰی ھٰذَا الدُّعَاءَ بِسۡمِ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَ شَرِّ حَرِّ النَّارِ ۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تمام دردوں اور بخار کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو کریم ہے۔ خدا عظیم کی پناہ مانگتا ہوں۔ کبر کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگنے کی دعائیں بہت سی احادیث میں وارد ہیں۔ جن میں سے بعض بمعہ ترجمہ اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰہِ وَ قُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ (سَبْعًا) بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ۔ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ اَعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَ ھَامَّةٍ وَّ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّةٍ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْکَبِیْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَ مِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُکَ۔ اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَ خَطَایَانَا۔ اَنْتَ رَبُّ

---

[1] اور اللہ تیری حفاظت کرے گا لوگوں سے۔

الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا لْوَجْعِ اَللّٰهُمَّ اِشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَالَكَ عَدُوًّا وَ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَآءِ وَ دَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔

عربی تفسیر سے ترجمہ:

پناہ چاہتا ہوں میں اللہ کی عزت اور قدرت کی اس چیز کی بدی سے جو پاتا ہوں اور ڈرتا ہوں میں (سات بار کہے) اللہ کے نام کے منتر پڑھتا ہوں کہ تجھ پر ہر چیز سے جو ایذا دے تجھ کو بدی سے ہر جان کے اور آنکھ سے حسد کرنیوالے کے اور شفا دے تجھ کو اللہ کے نام سے منتر پڑھتا ہوں تجھ پر۔ پناہ میں دیتا ہوں میں تم دونوں کو اللہ کے کلموں کی جو پوری ہیں بدی سے ہر شیطان اور جانور ایذاء دینے والے اور ہر آنکھ نظر لگانیوالی کی سے مانگتا ہوں اللہ عظمت والے سے جو صاحب ہے عرش بڑے کا کہ شفا دے تجھ کو۔ ساتھ نام اللہ بڑائی والے کے پناہ چاہتا ہوں اللہ کی جو عظمت والا ہے بدی سے ہر رگ جوش مارنیوالی کے اور بدی سے دوزخ کی گرمی کے۔ رب ہمارا اللہ ہے جو آسمان میں ہے پاک ہے نام تیرا حکم ہے تیرا آسمان اور زمین میں جس طرح ہے رحمت تیری آسمان میں۔ پس کر رحمت اپنی زمین میں بخش واسطے ہمارے گناہ ہمارے اور چُوک ہماری تُو ہے صاحب پاکوں کا اتار رحمت اپنی میں سے رحمت اور شفا اپنی شفا میں سے اس بیماری پر اے اللہ شفا دے اپنے بندے کو کہ زخمی کرے تیری راہ میں دشمن کو اور چلے تیرے واسطے ساتھ کسی جنازہ کے۔ اے اللہ چلا تُو مجھ کو کہ جب تک کہ ہو زندگی بہتر میرے واسطے اور مار مجھ کو جس وقت ہو موت بہتر واسطے میرے۔

اے اللہ تیری پناہ مانگتا ہوں بلاء کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے اور بُرے فیصلہ سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے۔ اے اللہ تحقیق میں پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور ناتوانی اور سستی سے

اور نامردی اور بخل سے اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبہ سے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵)

فَلَق: اس چیز کو کہتے ہیں جو کہ پھٹ کر پیدا ہو۔ جیسا کہ دانہ جو زمین میں بویا جاتا ہے اور جب اس کو نمی پہنچتی ہے تو وہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے ایک بڑا درخت پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی فلق صبح کو بھی کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی پھٹ جاتی ہے اور اس میں سے صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ زجاج کا قول ہے اَلْفَلَقُ اَلصُّبْحُ لِاَنَّ اللَّيْلَ يَفْلِقُ عَنْهُ الصُّبْحُ وَيَفْرِقُ فعل بمعنی مفعول۔ فلق صبح کو کہتے ہیں کیونکہ رات سے صبح نکلتی ہے اور جدا ہوتی ہے۔ اس جگہ فعل مفعول کے معنوں میں آیا ہے۔ اس کی مثال ہے هُوَ اَبْيَنُ مِنْ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ ایسا ہی قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں بیان ہوا ہے کہ وہ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (الانعام:۹۷) ہے۔ رات کے وقت جب تمام دنیا پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو بادشاہ اور سپاہی، امیر اور غریب سب برابر ہو جاتے ہیں۔ تاریکی میں شناخت نہیں ہو سکتی کہ دشمن کون ہے اور دوست کون ہے۔ کونسی چیز مفید ہے اور کون سی چیز ضرر دینے والی ہے۔ لیکن جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے اور یہ دشمن ہے۔ اور اس چیز سے مجھے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے گویا اس میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار اگرچہ ہم اپنی نادانی اور بے علمی اور گناہ گاری کے سبب ایک ظلمت اور تاریکی در تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن تیری وہ ذات ہے کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے اور روشنی اور نور پیدا کر کے دکھ دینے والی چیزوں سے انسان کو بچانے والا تُو ہی ہے۔ پس تُو ہی ہم پر رحم فرما۔ کیونکہ تیرے حضور میں ہم تمام تاریکیوں سے پناہ گزین ہوتے ہیں قَالَ الْعَرَبُ فِيْ لُغَاتِ الْقُرْاٰنِ۔ اَلْفَلَقُ شَقُّ الشَّيْءِ اَوْ اِبَانَةُ بَعْضِهٖ عَنْ بَعْضٍ يُقَالُ فَلَقْتُهٗ فَانْفَلَقَ۔ قَالَ (اللّٰهُ) تَعَالٰى فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَقَالَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى (الانعام:۹۶) وَ قَالَ۔ فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ (الشعراء:۶۴)۔ وقوله تعالیٰ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق:۲) اَلْفَلَقُ بِالتَّحْرِيْكِ قِيْلَ هُوَ ضَوْءُ الصُّبْحِ وَ اِنَارَتُهٗ وَ الْمَعْنٰى قُلْ يَا مُخَاطِبُ اعْتَصِمْ وَ امْتَنِعْ بِرَبِّ

الصُّبۡحِ وَ خَالِقِهٖ وَ مُدَبِّرِہٖ وَ مُطۡلِعِهٖ مَتٰی شَآءَ عَلٰی مَا یُرٰی مِنَ الصَّلَاحِ فِیۡهِ وَ یُقَالُ هُوَا لۡخَلۡقُ کُلُّهٗ لِاَنَّهُمۡ یَنۡفَلِقُوۡنَ بِالۡخُرُوۡجِ مِنۡ اَصۡلَابِ الۡاٰبَاءِ وَاَرۡحَامِ الۡاُمَّهَاتِ کَمَا یَنۡفَلِقُ الۡحَبُّ مِنَ النَّبَاتِ وَ یُقَالُ الۡفَلَقُ مَا یَنۡفَلِقُ عَنِ الشَّیۡءِ وَهُوَ یَعُمُّ جَمِیۡعَ الۡمُمۡکِنَاتِ لِاَنَّهٗ جَلَّ شَانُهٗ فَلَقَ ظُلۡمَةَ عَدۡمِهَا بِنُوۡرِ اِیۡجَادِهَا۔ ترجمہ۔کسی شے کے پھٹنے کو یا بعض سے بعض کو جدا کرنے کو کہتے ہیں۔جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں۔ فَلَقۡتُهٗ فَانۡفَلَقَ میں نے اُسے پھاڑا پس وہ پھٹ گیا۔ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ صبح کا پھاڑنے والا، ظاہر کرنے والا، نمودار کرنے والا اور ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی دانے اور گٹھلی کے پھاڑنے والا اور اُن سے درخت بنانے والا اور ایسا ہی قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ فَانۡفَلَقَ (الشعراء:۶۴) پس ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ اپنی جماعت کو دریا میں لے چل۔پس وہ دریا پھٹ گیا۔اور جماعت کے واسطے راستہ ہوگیا اور لشکر صاف نکل گیا اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ پروردگار فلق کے اس جگہ لفظ فلق حرف ل کی زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں۔صبح کی روشنی اور اس کا چمکنا اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اے مخاطب حفاظت طلب کر اور پناہ مانگ، اس رب کے حضور میں جو صبح کا رب اور خالق اور مدبر ہے۔اور اس کے چڑھانے والا ہے۔جب چاہے اور جس کے لئے اس میں صلاحیت دیکھے اور بعض کا قول ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد تمام مخلوقات ہے کیونکہ وہ سب کے سب مذکر کے اصلاب سے اور مؤنث کے ارحام سے نکلے ہیں۔ایسا ہی دانہ پھٹتا ہے تو اس سے سبزی نکلتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فلق وہ ہے جو کسی شَے سے پھٹ کر جدا ہوتی ہے اور یہ عام ہے تمام مخلوقات پر۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عدم کی ظلمت کو پھاڑ کر اس کو وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔

اور فلقؔ کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذات صفحۂ عالم سے ان ظلمات اور تاریکیوں کو محو کرنے اور مٹا دینے پر تام قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی طاقت اور قدرت ہے کہ جو شخص عاجزی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ جُو ہوتا ہے وہ اس کے تمام خوف اور

دہشت کو دُور کر دیتا ہے۔علاوہ ازیں صبح کا طلوع ہونا آغازِ فرحت وسرور کی مثال ہے کہ جس طرح آدمی تمام رات طلوعِ فجر کا انتظار کرتا ہے۔اسی طرح خائف و عائذ ،نجاح وفلاح کے طلوعِ صبح کا انتظار کرتے ہیں ۔بہرِ تقدیر خدا تعالیٰ کے حضور پناہ مانگنی چاہیے۔تمام مخلوق کی بُرائی سے۔موذی آدمی۔جن، درندے ،وحشی جانور،سانپ بچھو وغیرہ سے......

کعب بن احبار فرماتے ہیں کہ دوزخ میں ایک لق ودق جنگل ہے اس کا نام فلق ہے۔جب وہ کھولا جاتا ہے تو سارے دوزخی اس کی شدّت گرمی کی وجہ سے چیخنے لگتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی تہہ میں ایک کنواں ہے۔جسے فلق کہتے ہیں۔اس پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔جب وہ اٹھا دیا جاتا ہے۔تو اس میں ایک ایسی سخت آگ نکلتی ہے جس سے خود جہنم چیختی ہے۔علاوہ اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔مگر سب سے صحیح تر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلق صبح کو کہتے ہیں یا دانہ اور گٹھلی کے پھوٹنے اور اُگنے کا نام ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب کنوئیں میں ڈالے گئے تھے تو آپ کے گھٹنے میں سخت درد ہوا(شاید گرنے کے سبب چوٹ لگی ہو) ایسا سخت درد ہوا کہ تمام رات جاگتے ہوئے گزری۔یہاں تک کہ طلوعِ صبح کا وقت ہو گیا۔تب ایک فرشتہ نازل ہوا جس نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگو۔وہ اس درد کو دُور کر دیگا۔حضرت یوسفؑ نے اس فرشتے کو کہا کہ تُو دعا کر میں آمین کہوں گا چنانچہ اس فرشتے نے دعا کی اور حضرت یوسفؑ نے آمین کہی۔تب خدا تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور وہ درد تھم گیا اور ان کو آرام ہو گیا۔تب حضرت یوسفؑ نے دعا کی کہ اس وقت جس قدر بیمار ہیں اور تکلیف میں ہیں ان سب کو آرام دیا جائے۔فرشتے نے اس دعا پر بھی آمین کہی اور کہتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ صبح کے وقت ہر بیمار کو تھوڑا بہت افاقہ ہو جاتا ہے۔وہ دعا حضرت یوسفؑ کی مفصلہ ذیل الفاظ میں تھی۔

یَا عُدَّتِیْ فِیْ شِدَّتِیْ وَ یَا مُوْنِسِیْ فِیْ وَحْشَتِیْ وَ رَاحِمَ غُرْبَتِیْ وَ کَاشِفَ کُرْبَتِیْ وَ یَا مُجِیْبَ دَعْوَتِیْ وَ یَا اِلٰھِیْ وَ اِلٰہَ اٰبَائِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ۔ اِرْحَمْ صِغْرَسِنِّیْ وَ ضُعْفَ رُکْنِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

اے میرے ہتھیار میرے مصائب میں اور میرے مونس میری وحشت کے وقت اور اے رحم کرنے والے میری غربت پر اور اے میری گھبراہٹ کے دور کرنیوالے اور اے میری دعا کے قبول کرنے والے اور اے میرے معبود اور میرے باپ دادوں کے معبود ابراہیم واسحٰق اور یعقوب کے معبود میری چھوٹی عمر پر رحم فرما اور میرے ضعفِ رکن پر رحم فرما اور میرے حیلہ کے کم ہونے پر رحم کر۔ اے حي اے قیوم۔ اے صاحبِ جلال اور اکرام۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ: جو کچھ خدا نے پیدا کیا۔ اس کے شر سے۔ یعنی تمام پیدائش الٰہی میں جو اشیاء انسان کے واسطے مضر اور خراب اور تکلیف دہ ہیں ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ چاہتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی شئے انسان کے واسطے موجبِ شر اور دکھ اور تکلیف نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد جہنم ہے گویا کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور جہنم سے پناہ چاہتا ہے۔ بہر حال اس میں تمام موذی اور دکھ دینے والے اور خدا سے دور رکھنے والی اشیاء سے خدا کے حضور پناہ مانگی گئی ہے۔ خواہ وہ شیطان ہو یا جِنّ یا موذی حیوان مثل بچھو، سانپ، شیر وغیرہ۔

غَاسِقٍ: اندھیرا کرنے والا۔ ہر ایک چیز جو تاریکی اور ظلمت پیدا کرے۔ غاسق رات کو کہتے ہیں اور غسق تاریکی کو کہتے ہیں کیونکہ رات تاریکی پیدا کرتی ہے۔ اس واسطے وہ غاسق ہے۔ اور غسق برد کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ رات بہ نسبت دن کے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ غاسق ثریا کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا گرنا عموماً وباء اور بیماریوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور غاسق سورج کو بھی کہتے ہیں جبکہ غروب ہو جاوے اور چاند کو بھی کہتے ہیں جبکہ اس کو گہن لگے۔ غاسق سانپ کو بھی کہتے ہیں جبکہ وہ کاٹ کھائے اور ہر ایک ناگہاں آنے والی چیز جو ضرر پہنچائے یا بھیک مانگنے والا جبکہ وہ تنگ کرے تو اس کو بھی غاسق کہتے ہیں۔ غرض ہر ایک چیز جو انسان کو ظلمتِ روحانی یا جسمانی میں ڈالے اس کو

غاسق کہتے ہیں۔ جب رات بہت تاریک ہو تو عرب کے محاورہ میں کہتے ہیں غَسَقَ الَّيْلُ۔ اور جب آنکھیں آنسوؤں سے بھر جائیں تو کہتے ہیں۔ غَسَقَتِ الْعَيْنُ اور جب زخم پیپ سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَتِ الْجِرَاحَةُ۔

وَقَبَ: کے معنے ہیں چُھپ گیا۔ وقبؔ کے اصلی معنے ہیں کسی شئے میں داخل ہونا۔ ایسا کہ وہ نظر سے غائب ہو جاوے۔

حدیث شریف میں آیا ہے رَوَى اَبُوْسَلْمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا وَ اَشَارَ اِلَى الْقَمَرِ وَقَالَ اسْتَعِيْذِىْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَاِنَّهُ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ۔ ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف جبکہ وہ کسوف میں تھا اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگ کہ یہ اندھیرا کرنے والا ہے جبکہ چھپ جائے۔

اَلنَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ: گرہوں میں پھونکنے والیاں۔ اَلنَّفّٰثٰتِ النَّفْخُ وَ مَعَ رِيْقٍ۔ نفث کے معنے ہیں پھونکنا جن میں تھوک بھی ہو۔ گرہ میں پھونکنا جیسا کہ جادوگر لوگ تاگوں میں گرہیں ڈال کر پھونکتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اس کا اثر ہوتا ہے۔ گرہ میں پھونکنا اور گرہ دینا یہ ایک محاورہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کام میں رکاوٹ ڈالنے کے واسطے کوشش کرنا جیسا کہ وہ لوگ جو جادوگری کا پیشہ رکھتے ہیں اپنی جھوٹی جادوگری میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے خفیہ تدابیر کرتے ہیں۔ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ فلاں آدمی کو ہم نے جادو کے ذریعہ سے بیمار کر دیا ہے۔ اور دراصل کسی خفیہ ذریعہ سے اس قسم کی دوائیاں اس شخص کو کھلا دیتے ہیں جن سے وہ بیمار ہو جائے۔ پس ایسے خفیہ شریر لوگوں کی شرارت سے بچا رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے۔

حَاسِدٍ: وہ ہے جو یہ خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس جو عمدہ شئے ہے وہ اس کو مل جاوے بسا اوقات اس حسد میں اس شخص کو نقصان پہنچانے کی بھی خواہش اور کوشش کرتا ہے جس کو اس نعمت کا

مالک دیکھتا ہے۔

لفظ حاسد کو اس جگہ نکرہ رکھا ہے۔ معرفہ نہیں رکھا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حسد ہمیشہ بُرا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر نیکیوں کے حصول کے واسطے حسد کیا جائے تو وہ حسد محمود ہے۔

اس سورۃ میں انسان کے جسمانی فوائد کے واسطے دعا ہے اور اگلی سورۃ میں روحانی فوائد کی باتیں مندرج ہیں۔

یہ سورۃ بھی بجائے خود ایک جامع دعا ہے جن میں چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگی گئی ہے۔

۱۔ تمام مخلوقات کے شر سے۔

۲۔ تاریکی کرنے والی اشیاء کے شر سے۔

۳۔ مخالفانہ مخفی تدابیر کرنیوالوں کے شر سے۔

۴۔ حاسد کے شر سے۔

فقرہ اول میں دراصل سب شامل ہیں اور فقرہ دوم وسوم و چہارم اُس کی تشریح ہیں۔ یعنی وہ تمام چیزیں جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ ان میں جو امر اس قسم کا ہے کہ کسی انسان کے واسطے موجبِ تکلیف اور دکھ اور ضرر ہو سکتا ہے۔ ان سب سے خدا تعالیٰ ہم کو بچائے اور محفوظ رکھے۔

دنیا میں جس قدر مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یا تو بہ سبب تاریکی اور ظلمت کے پھیل جانے کے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دنیا میں ایک تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ روحانیت کی باتوں سے بے خبر تھے۔ نصاریٰ مریم اور یسوع اور حواریوں کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ایرانی آتش پرستی میں مصروف تھے۔ ہندو کئی کروڑ دیوی دیوتاؤں کے آگے پیشانی رگڑنے میں مصروف ہو رہے تھے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دنیا میں چمکا اور مخلوقِ الٰہی کے واسطے موجب ہدایت کا ہوا۔ سو یا تو مفاسد خود تاریکی کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یا مخالف دشمن لوگ شرارت کے ساتھ تاریکی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور فاسد لوگ از روئے حسد کے فساد مچا کر

اصلیت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ یہی حال ہر زمانہ میں اور ہر نبی اور مامور کے وقت میں ہوتا ہے۔ آجکل بھی زمانہ میں ایک بڑی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ اور تمام قومیں اصلیت کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف جارہی ہیں۔ اس واسطے ضرورت کے موافق خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں بھی ایک نور پیدا کیا ہے جو تمام ظلمات کو دور کردیتا ہے۔ اور مخلوق کو ہدایت کے راہ پر لاتا ہے۔ اس کے مخالف چاہتے ہیں کہ حق پر پردہ ڈال دیں اور لوگوں کو ہدایت کے حصول سے محروم رکھیں لیکن خدا تعالیٰ اپنی باتوں کو پورا کریگا اور اپنے بندے کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح نمایاں کرنا اُسی خدائے قادر کا کام ہے۔ جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس سورۂ شریف میں جو قرآن شریف کی آخری سورتوں میں سے ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک بڑا فتنہ ہوگا۔ ایک بہت بڑا شر اٹھے گا اور وہ ایسے وقت میں ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ زمانہ میں سے تاریکی کو دور کرنے کے واسطے ایک صبح کو نمودار کریگا۔ کیونکہ وہ رب الفلق ہے اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور تاریکی کے بعد نور پیدا کرتا ہے۔ اس شر سے بچنے کے واسطے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بڑا بھاری شر ہے۔ اُس شر کا پیدا کرنیوالا خفیہ کارروائیاں بہت کریگا۔ اور چھپ چھپ کر اپنی سازشیں دینِ حق کے برخلاف نہایت جدوجہد کے ساتھ کرے گا۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ جس قدر خفیہ کارروائیاں مشن کا دجّال اسلام کے برخلاف کرتا ہے۔ ایسی کارروائیاں پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں۔ ایسے ایسے راہوں سے اسلام پر حملہ کرنے کے واسطے کوشش کی جاتی ہے کہ عوام تو سمجھ بھی نہیں سکتے کہ اس معاملہ میں کیا در پردہ شرارت ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک ایسا نور پیدا کیا ہے جس نے نمودار ہو کر ان تمام پردوں کو پھاڑ دیا ہے اور دجال کا دجل کھول کر لوگوں کو دکھا دیا ہے تا کہ مخلوقِ الٰہی اس کے شر سے بچی رہے۔ اور اس کے پھندے میں نہ آئے۔

افسوس ہے اُن لوگوں پر جو خدا تعالیٰ کے اس نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ یہ نورِ الٰہی ضرور غالب آئے گا اور اس کے مخالف سب نامراد اور ناکام مریں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۸)

سُوْرَۃُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

ہم اس دعا کو بابرکت اللہ کے نام کی مدد سے پڑھتے ہیں جس نے رحمانیت سے ہمارے لئے دعائیں مقدر کر رکھی تھیں اور عمل کے بعد ہمیں اس کے نتائج سے مالا مال فرمائے گا۔

۲ تا ۷۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰہِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۔

ترجمہ۔ کہہ پناہ پکڑتا ہوں ساتھ پروردگار لوگوں کے بادشاہ لوگوں کے معبود لوگوں کے برائی وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی سے جو وسوسہ ڈالتا ہے بیچ سینوں لوگوں کے جنوں میں سے اور آدمیوں میں سے۔

تفسیر۔ اس طرح دعا کر۔ جن ہو یا آدمی ہو، جو کوئی انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انسان کی ترقی کو روک کر اسے پیچھے ڈال دیتا ہے، اس کے وسوسہ کی بدی سے اس خدا کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں۔ جو انسانوں کا پرورش کنندہ اور ان کا بادشاہ اور ان کا معبود ہے۔

اس سورہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ رب، مالک، الٰہ اور پھر ان ہر سہ صفات کے اُس پرَتو کی طرف بالخصوص اشارہ کیا گیا ہے جو کہ انسان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیا معنے۔ وہ خدا جس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو تمام قوٰی ظاہری اور باطنی عطا فرمائے اور ان قوٰی کی تربیت کے واسطے ہر قسم کے سامان مہیا کئے۔ جنین تھا تو ماں کے پیٹ کے اندر ہی اُسے غذا پہنچائی، پیدا ہوا تو ساتھ ہی ماں کی چھاتیوں میں اپنی غذا کا ذخیرہ موجود پایا، اسے چھوڑا تو ماں باپ اور اقرباء

کو اپنے سامانِ خوردنی، پوشیدنی کے مہیا کرنے میں مصروف پایا، بڑا ہوا تو محنت مزدوری کی اور خدا نے اس میں برکت ڈالی۔ اس لفظ میں اپنے اصل مربی کے بے انتہا احسانات کو یاد کرنے کے بعد اس دعا میں انسان اپنے اس خدا کو یاد کرتا ہے جو اس کا حقیقی بادشاہ ہے۔ اُسی کے قبضۂ قدرت میں تمام زمین اور آسمان کی کُل ہے۔ چاہے تو ایک آن میں زلزلہ سے یا بجلی سے یا اور جس طرح چاہے سب کو فنا کر دے یا فنا شدوں کو پھر پیدا کر دے۔ تمام انسانوں کے دل بھی اسی کے قابو میں ہیں۔ وہ بادشاہ حقیقی ہے۔ ہر ایک انسان کے خیالات اس کی نگاہ میں ہیں۔ بغیر اس کے اذن کے نہ کوئی کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ مَلِكِ النَّاس ہے۔ پس وہ جو ہمارا رب ہے اور وہ جو ہمارا مَلِك ہے اور سلطان ہے۔ وہی اس لائق ہے کہ ہمارا الٰہ ہو اور معبود ہو، اسی کی عبادت کی جاوے، اسی سے اپنی حاجتیں مانگنی چاہئیں اور اسی کی تعریف کرتے ہوئے سر اس کے آگے جھکایا جاوے۔ پتھر کے بت تو ہماری اپنی مخلوق ہیں اور ہم خود ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور ان پر حکومت کرتے ہیں۔ جس طرح چاہیں ان کو گھڑ کر بناتے ہیں اور جہاں چاہیں ان کو رکھتے ہیں۔ برہمن کے قابو میں آیا تو اس نے زری کے کپڑے پہنا دیئے اور سونے کے زیوروں سے مرصّع کر دیا اور محمودؒ کے ہاتھ لگا تو اس نے کاٹ کر جوتیاں رکھنے کے واسطے دہلیز کے باہر گاڑ دیا۔ رومن پادری نے اس پر سونے کا گِلٹ کیا اور گرجے میں سجایا تو اس کے پراٹسٹنٹ بھائی نے بھی اپنے باپ دادوں کی بے وقوفی پر مضحکہ اڑانے کے واسطے اسے عجائب گھر میں رکھ دیا، سو بتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ جبکہ خود بت پرست بھی بتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں، باقی رہے عناصر اور حیوان اور انسان جن کی بعض بے وقوف لوگ پوجا کرتے سو سب کے سب خود محتاج تھے اور اپنی عمر گزار کر مر گئے۔ نہ ان میں سے کسی نے ہماری ربوبیت کی اور نہ کوئی ہمارا مالک اور مَلِک تھا اور نہ کوئی ہمارا معبود ہو سکتا ہے۔ ظاہری بادشاہوں کی حکومت ظاہر حالات پر ہے۔ چور چوری پر سے پکڑا گیا تو اس کو سزا مل گئی۔ لیکن چور جب چوری کی نیت کرتا ہے اور کسی کی عمدہ شے دیکھ کر دل میں ارادہ کرتا ہے کہ موقع پر اسے اٹھا لے۔ اس وقت اس کی نیت اور ارادے کو بجز خدا کے کون دیکھ رہا ہے۔ پس حقیقی بادشاہ وہی ہے۔

اس دعا میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے خدا کے ساتھ اس تعلق کو یاد کرتا ہے کہ اے خدا تُو ہی میرا پرورش کنندہ ہے اور تو ہی میرا بادشاہ ہے اور تُو ہی میرا معبود ہے۔ پس میں تیرے ہی حضور میں اپنی یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ نیکی کے حصول کے بعد جو انسان کے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ اس کو نیکی سے پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں۔ ان خیالات کے شرّ سے مجھے بچا۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسوں کا پیدا ہونا ضروری ہے پر جب تک انسان ان کے شر سے بچا رہے یعنی ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دے اور ان پر قائم نہ ہو۔ تب تک کوئی حرج نہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی کہ میرے دل میں بُرے بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیا میں ان کے سبب سے گنہگار ہوں۔ فرمایا۔ فقط بُرے خیال کا اٹھنا اور گزر جانا تم کو گنہگار نہیں کرتا۔ یہ شیطان کا ایک وسوسہ ہے جیسا کہ بعض انسان جو شیطان کی طرح ہوتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں بُرے خیالات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس فقط اُن کی بات سننے سے اور ردّ کر دینے سے کوئی گنہگار نہیں ہوسکتا۔ ہاں وہ گنہگار ہوتا ہے جو ان کی بات کو مان لیتا اور اس پر عمل کر لیتا ہے۔

ایک پیشن گوئی سورۃ الناس قرآن شریف کی سب سے آخری سورۃ ہے اور اس کا مضمون آخری زمانہ میں ایک بڑے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فتنہ خنّاس کا ہے۔ جو کہ لوگوں کے دلوں میں قسما قسم کے وساوس ڈال کر ان کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کریگا۔ کیونکہ یسوع کو خدا بنانے اور اس کی پوجا کرنے کا فتنہ زمانہ نبویؐ سے پہلے دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نے اس کی خرابیوں کو دنیا پر ظاہر کر کے اس کا زور مٹا دیا تھا۔ یہاں تک کہ خود نورِ اسلام کی چمک سے جھلک پا کر عیسائی قوم میں اس قسم کے ریفارمر پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے اپنی قوم میں سے یسوع اور مریم کے بت بنانے اور بتوں کی پوجا کرنے کی رسم کو مٹانے کی کوشش کی۔ اور اس کوشش میں بہت کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ دوسری طرف لاکھوں عیسائی اپنے مذہب کی خرابیوں سے آگاہ ہو کر اور اس سے بیزار ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ غرض اسلام وہ مذہب تھا جس نے

دیگر باطل ادیان کے ساتھ دینِ عیسوی کو بھی پست کر دیا تھا۔لیکن آخری زمانہ میں وہی عیسائیت کا فتنہ ایک نئے رنگ میں مخلوق کے سامنے آ کر موجود ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن شریف اور اسلام سے پیچھے ہٹا کر پھر اُسی پرانی گمراہی میں ڈال دے۔ یہ خناس تعلیم دیتا ہے کہ ہمارا رب یسوع مسیح ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے رَبُّنَا الْمَسِیْحُ اور یسوع کا نام عیسائی کتب میں بادشاہ یعنی مَلِک بھی ہے۔ اور اس کی عبادت بھی کی جاتی ہے گویا کہ وہ اِلٰہ یعنی معبود ہے۔ ان عقائد کی بیخ کنی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رَبِّ النَّاسِ اور مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ۔ وہی ایک خدا ہے جس کی صفات حمیدہ کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے اور جس کی وحدانیت کے بارے میں اس سورۃ سے اوپر ایک سورۃ چھوڑ کر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص:۲ تا ۵) کہ وہ اللہ ایک ہے، وہ بے احتیاج ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی کنبہ قبیلہ ہے۔ اس سورہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آخری زمانہ جنگ کا زمانہ نہ ہوگا۔ اور اسلام سے لوگوں کو روگردانی کرانے کے واسطے کوئی لڑائی اور ظاہری جنگ کی کارروائی نہ ہوگی۔ جیسا کہ پہلے کیا جاتا تھا۔ بلکہ صُدُوْرِ النَّاس پر بذریعہ وساوس ہوگا اور وہ وسوسہ ڈالنے والے خناس دو قسم کے ہوں گے۔ ایک تو پادری لوگ جن کے وساوس موٹے رنگ کے ہر طرح کے کذب اور بہتان کے ساتھ ہیں۔ یہ خناس تو ناس میں سے ہے۔ لیکن ایک بڑا خناس جو شر میں اس سے زیادہ سخت ہے۔ لیکن اپنی شرارت میں کسی قدر مخفی ہے اس واسطے اس کو جن کہا گیا ہے وہ اس زمانہ کے جھوٹے فلسفی اور جزوی سائنس دان ہیں جو حقیقی فلسفہ اور سائنس سے بے خبر ہیں۔ اور تعلیم یافتہ گروہ کو خفیہ رنگ میں دہریت کی طرف کھینچ کر لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ بظاہر مذہب سے اپنے آپ کو بے تعلق ظاہر کرتے ہیں مگر باطن میں مذہب کے سچے اصول کو اکھاڑنے کے درپے ہیں۔

اس سورہ شریف سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آخری زمانہ کا فتنہ محض دعا کے ذریعہ سے دور ہوگا۔ چنانچہ اس کی تائید میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار مسیح موعود کے دم سے مریں گے۔ اور حضرت

مرزا صاحب سے میں نے بارہا سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر فتنہ کا مٹانا ظاہری اسباب کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ ہمارا بھروسہ صرف ان دعاؤں پر ہے جو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنے گا اور وہ خود ہی ایسے سامان مہیا کریگا کہ کفر ذلیل ہو جائے گا اور اسلام کے واسطے غلبہ اور عزّت کے دن آ جائیں گے۔

لطیفہ: کسی نے کہا ہے کہ قرآن شریف کا ابتدا حرف ب سے ہوا ہے۔ اور آخر حرف س کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن شریف انسان کے واسطے بسؔ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:۳۹) اس کتاب میں کسی شئے کی کمی نہیں رہی۔ اس مضمون کو کسی نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

اوّل و آخر قرآن زچہ بآ آمد و سینؔ
یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس [1]

لطیفہ: فلسفی کہتا ہے کہ اس سورہ شریف میں سب سے پہلے جو لفظ ناسؔ آیا ہے۔ اس سے مراد اطفال ہیں اور ناسؔ ثانی سے مراد نوجوان لوگ ہیں۔ اور ثالث سے مراد بوڑھے ہیں۔ اور چہارم سے مراد صالحین ہیں اور پنجم سے مراد مفسدین ہیں۔ کیا معنی؟ کہہ میں اس خدا کے حضور پناہ گزین ہوتا ہوں جو رب الناس ہے، چھوٹے ناتواں بچوں کے واسطے بھی تمام سامانِ پرورش کیا ہے۔ اور ملک الناس ہے۔ نوجوان جوشیلے لوگ سب اس کے قابو میں ہیں، اِلٰهِ النَّاس ہے۔ جب آدمی بڑا ہوتا ہے۔ اور چالیس سال سے زیادہ عمر پاتا ہے، تب اس کے عقائد اور معرفت کمال کو پہنچتے ہیں اور عادتیں نیکی پر پختہ ہوجاتی ہیں۔ اور اپنے خدا کی عبادت میں پکا ہوجاتا ہے، ایسے لوگوں کا معبود وہی خدا ہے اس خدا کے حضور میں میں خناس کے وساوس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ (النّاس:٦) نیک لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال دیتا ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۔ وہ خناس کچھ جن ہیں اور کچھ مفسد انسان ہیں۔

---

[1] قرآن کریم کے شروع سے لے کر آخر تک جو بھی ''ب'' یا سین آئی ہے بس دونوں جہانوں میں ہمارے لئے قرآن ہی رہنما ہے۔

یہ ایک عجیب دعا ہے جو خدا تعالیٰ نے خود ہم کو سکھائی ہے۔اس کے کسی قدر ہم معنے وہ دعا ہے جو دوسری جگہ قرآن شریف میں آتی ہے اور وہ اس طرح سے ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران:۹)

اے ہمارے رب بعد اس کے کہ تُو نے ہمیں ہدایت کی توفیق عطا فرمائی۔ہمارے دلوں کو کج نہ کر یعنی ایک دفعہ جس نیکی کو ہم حاصل کریں۔وہ استقامت کے ساتھ ہمارے اندر قائم رہے۔

یہ سورہ شریف قرآن شریف میں سب سے آخری دعا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ یہ قرآن جس کے پڑھنے کی تُو نے ہم کو توفیق دی ہے۔اب ایسا کر ہمارے دل اس پر ایمان کے واسطے ایسے پختہ رہیں کہ اس کلام کے متعلق کوئی وسوسہ اور بدخیال کبھی ہمارے دل میں نہ آنے پاوے۔اور ہم اس پر عمل کریں اور تیرے نیک بندوں میں شامل ہوجاویں۔قرآن شریف کے ذریعہ سے رحمان خدا نے کس قدر رحمت دنیا پر نازل فرمائی۔تمام احکامِ شرعیہ، گذشتہ بزرگوں کی نیک مثالیں، طریقِ دعا، غرض ہر شئے ضروری کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس سورہ شریف کے شروع میں انسان کا نام تین بار لیا گیا ہے۔اور ہر بار اللہ تعالیٰ کا ایک جدا نام اس پر رکھا گیا ہے۔یعنی پہلی دفعہ رب الناس کہا گیا ہے۔دوسری بار ملک الناس فرمایا ہے اور تیسری بار الٰہ الناس مذکور ہوا ہے۔یہ ہر سہ صفاتِ الٰہیہ انسان کی تین مختلف حالتوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے تین فیضانوں کی طرف جو انسان کی ان حالتوں پر وارد ہوتے ہیں اشارہ کرتی ہیں۔

انسان بلحاظ اپنی روحانی ترقی یا تنزل کے تین درجے رکھتا ہے۔سب سے ادنیٰ درجہ کا انسان وہ ہے جسے کچھ خبر نہیں کہ حصولِ نیکی اور حصولِ معرفت الٰہی کیا شئے ہے اور وہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ایسے شخص کے واسطے نیکی بدی سب برابر ہے۔اگر وہ بدی کرتا ہے تو اسے کبھی کچھ فکر نہیں ہوتا کہ میں بدی کرتا ہوں۔اس کا نفس اس پر نہ صرف غالب ہے۔بلکہ پوری طرح اس پر حکمران ہے، وہ نہیں جانتا کہ دین اور دین داری کیا لطف اپنے اندر رکھتی ہے اور نہ دینداروں کی محبت اختیار کرتا ہے اور نہ اس کو کبھی یہ خواہش ہی پیدا ہوتی ہے کہ دیندار بنے وہ اپنی حالت میں مثل ایک بے خبر کے پڑا ہے۔جس

نے معرفت کا کبھی نام بھی نہیں سنا۔ یہ شخص نفسِ امارہ کے ماتحت ہے پر خدا تعالیٰ ان سب کے واسطے رب الناس ہے۔ یعنی وہ سب کی پرورش کرتا ہے جو لوگ خدتعالیٰ کو نہیں مانتے اور دہریہ ہیں ان سب کی پرورش کرتا ہے گو ایسے لوگوں کے واسطے ایک وقت عذاب کا بھی بالآخر آ جاتا ہے۔ مگر سردست وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، اس لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ رب الناس ہے۔ جو لوگ نیکی کرتے ہیں ان کی پرورش ہوتی ہے۔ جو بدی کرتے ہیں ان کی پرورش ہوتی ہے بارش آتی ہے تو نیک و بد سب کے کھیت کو سیراب کر جاتی ہے۔ اور سورج نکلتا ہے تو کافر اور مومن سب کو روشنی دے دیتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ تو مسلم اور غیر مسلم سب کو اپنا فائدہ پہنچا دیتی ہے اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کی ربوبیت عام ہے۔ وہ تمام جہان کے لوگوں کا رب ہے، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا ہو، امیر ہو یا غریب ہو۔ دانا ہو یا بیوقوف ہو۔ عالم ہو یا جاہل ہو، بادشاہ ہو یا رعایا ہو ہر ایک کو اس کی ربوبیتِ عامہ سے حصہ دیا جاتا ہے اس لحاظ سے وہ رب الناس ہے۔

درمیانہ درجہ کے لوگ جو درجہ ادنیٰ سے اوپر کے درجہ میں ہیں وہ ہیں، جن کو معرفتِ الٰہی کا شوق پیدا ہو گیا ہے انہوں نے جان لیا ہے کہ نیکی عمدہ شئے ہے اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ اپنی موجودہ حالت سے نکلیں اور ترقی کریں اور آگے قدم رکھیں۔ بدیوں کو چھوڑ دیں اور نیکیوں کو اختیار کریں۔ لیکن ان کا نفس ہنوز ان پر غالب ہے وہ بدی سے پرہیز کرتے ہیں مگر بسبب کمزوری پھر بھی کسی نہ کسی وقت بدی میں گر جاتے ہیں۔ اٹھتے ہیں اور پھر گر جاتے ہیں۔ پھر اٹھتے ہیں اور پھر گر جاتے ہیں یہی حالت ان کی ہوتی رہتی ہے۔ وہ دل سے سچی توبہ کرتا ہے کہ اب آئندہ یہ کام نہ کروں گا لیکن نفس کے جذبہ کے وقت پھر کر بیٹھتا ہے، اور خدا تعالیٰ کی غفاری اور ستاری کی طرف پھر جھکتا ہے اور اس کی رحمت کے حضور میں فریادی ہوتا ہے اور اپنی کمزوری کے سبب نالاں رہتا ہے اور شب و روز اس فکر میں سرگرداں پھرتا ہے کہ کب وہ وقت آئے گا کہ پھر بدی اس کے قریب کبھی نہ آئے گی۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ میں ایک بادشاہِ حقیقی (ملک الناس) کی حکومت کے ماتحت ہوں اور اس کے قوانین کی فرماں برداری مجھ پر واجب ہے اس واسطے وہ قواعدِ شرعیہ کی پابندی کے واسطے ہر وقت سعی کرتا رہتا ہے لیکن اپنی

کمزوری اور اپنے ضعف کے سبب غلطی کر بیٹھتا ہے اور اپنے بادشاہ سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے ایسے شخص کا نفس لوامہ ہے وہ غلطی کر بیٹھتا ہے لیکن اس غلطی پر راضی نہیں رہتا بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور غمگین ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ میں نے کیوں ایسا کام کیا اور پھر توبہ کرتا ہے۔ اور ہر دفعہ اس کی توبہ سچے دل کے ساتھ ہوتی ہے اور توبہ کے وقت وہ کبھی وہم نہیں رکھتا کہ دوبارہ یہ کام کریگا اسی واسطے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ اور اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اس سے بڑھ کر درجہ والے وہ لوگ ہیں جو ہر طرح سے تمام گناہوں کو چھوڑ چکے ہیں اور ان کے نفسانی جذبات ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ اور اب کوئی بدی ان کو دکھ نہیں دیتی بلکہ وہ آرام اور اطمینان کے ساتھ اپنے خدا کی بندگی میں مصروف ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرا چکے ہیں اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک ان کے دل میں باقی نہیں رہا اور انہوں نے اس واحد خدا کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضاء وقدر کے امور کو بدل وجان قبول کر لیا ہے اور نہایت نیک نیتی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانون اور تقدیروں کو بارادت تمام سر پر اٹھا لیا۔ اور نیز وہ تمام صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علوّ مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء اور نعماء پہچاننے کے ایک قوی رہبر ہیں۔ بخوبی معلوم کر لیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں اور بسبب اس کے ان کے افعال، اقوال، حرکات، خیالات، عبادات وغیرہ میں ان کا مقصود محبوب اور معبود صرف اللہ ہی ہے جو کہ الٰہ الناس ہے۔

انسان کے ان ہر سہ درجات اور حالات کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان ہر سہ حالات کو صوفیاء نے اپنی تجربہ کردہ باتوں کے ذکر کے ساتھ عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ حافظ شیراز نے نفسِ لوامہ کی مشکلات پر نگاہ کر کے اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔ ؎

شبِ تاریک وبیم موج وگردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ماسبکسارانِ ساحل ہا[1]

حافظ شیراز نے اس شعر میں انسان کی ان تین حالتوں کو ظاہر کیا ہے اوراس کی تمثیل کے واسطے دریااوراس کے دو کناروں کے نظارہ کولیا ہے کچھ لوگ دریا کے اس کنارے پر ہیں کچھ اس کنارہ پر پہنچ گئے کچھ کشتی میں بیٹھے ہوئے ہنوز اس فکر میں ہیں کہ اس کنارہ تک پہنچ جائیں ایک کنارہ ویران سا ہے، اس میں نہ کوئی شاندار مکان ہے اور نہ پھل پھول ہیں اور اس میں رہنے والے جاہل لوگ ہیں جو دوسرے کنارے کی نعمتوں اور عمدہ اشیاء سے بے خبر ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ دوسرے کنارہ پر کیا کیا آرام کے ذرائع ہیں پس وہ اپنی حالت میں غافل ہیں۔ اوران کو یہ خواہش بھی نہیں کہ دوسری طرف جاویں اور ان لوگوں میں جا کر شامل ہوویں جو دوسرے کنارے پر رہتے ہیں بلکہ وہ اپنے موجودہ حال میں ویسے ہی چپ چاپ بیٹھے ہیں دوسرے کنارے پر وہ لوگ ہیں جو دریا اور اس کی تمام تکالیف اور مصائب کو جھیل کر اپنے منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں اوراب آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں ان کوکوئی دکھ اور مصیبت نہیں ہے۔ اور نہ ان کے لئے وہ بے امنی اور غفلت کی حالت ہے جو اس کنارے والوں کے لئے ہے اور نہ ان کے واسطے وہ خطرات اور ہر وقت کا خوف ہے جو کشتی والوں کے لاحقِ حال ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام مشکلات میں سے گزر چکے ہیں اور تمام مصائب کو عبور کر چکے ہیں اوران کا نفس نفسِ مطمئنہ ہے اور پہلے لوگ وہ تھے جن کا نفس نفسِ امارہ تھا پس دریا کے دو کناروں پر دو قسم کے لوگ آباد ہیں ایک کنارے پر وہ ہیں جو نفسِ امارہ رکھتے ہیں اور دوسرے کنارے پر وہ ہیں جو نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں۔ حافظ شیراز نے ان ہر دو کو اپنے شعر میں سبکسار کہا ہے، کیونکہ ایک کو تو معرفت کی ہی خبر ہی نہیں اور دوسرے کو معرفت حاصل ہو چکی ہے پس وہ دونوں سبکسار ہیں کیونکہ یہ اپنے بوجھ اتار چکا ہے اوراس نے ہنوز بوجھ اٹھایا ہی نہیں۔ لیکن مشکلات میں وہ شخص ہے جو درمیان میں ہے کیونکہ اس نے رذیل حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اعلیٰ حالت کی طرف جانا چاہا لیکن راستہ میں مشکلات کا دریا ایسا آ گیا ہے جس میں ہر طرف سے موجیں ہیں اور رات اندھیری ہے اور گرداب

[1] رات کی تاریکی، موجوں کا خوف اور گرداب اس طرح ہماری راہ میں حائل ہیں کہ ہمارے حال کو ساحل پر تیز چلنے والے کہاں سمجھ پائیں گے۔

گھیرے ہوئے ہے۔اور ہر وقت خطرہ ہے کہ اب ڈوبے اب ڈوبے یہ درمیانی حالت نفسِ لوامہ کی ہے۔اس کو معلوم ہو گیا ہے کہ نفسِ مطمئنہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ان لوگوں کی صحبت نے جو نفسِ مطمئنہ حاصل کر چکے ہیں یا ان کے حالاتِ عجیبہ کے سننے سے اس کو رغبت پیدا ہوئی ہے کہ میں بھی نیک بن جاؤں اور ان لوگوں کے درمیان شامل ہو جاؤں اور بظاہر پہلی نظر اس کو بہت ہی آسان سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں منزل کو آسانی کے ساتھ طے کرلوں گا اور ایسا ہی بن جاؤں گا جیسے کہ وہ لوگ ہیں لیکن تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راہ میں بہت مشکلات ہیں اور بدیوں کا ترک کرنا اور نیک بن جانا آسان بات نہیں ہے ایسے وقت میں جلّا اٹھتا ہے ع

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا [1]

اور جب چاروں طرف سے اپنے آپکو تکالیف میں دیکھتا ہے۔تب معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلیٰ حالت کا حصول کوئی آسان امر نہیں ہے۔ظاہر کہہ دینے کو تو ایک فقرہ ہے اور وہ بھی ایک چھوٹا سا کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' لیکن جب اس پر عمل شروع ہوتا ہے۔تب اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک ملازم کسی دفتر کا اس اقرار کے بعد اپنے دفتر میں جاتا ہے۔اور ایک طرف افسر زور دیتے ہیں کہ یہ کام فوراً کرو اور دوسری طرف نماز کا وقت آ جاتا ہے۔اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدّم کرنے کے کیا معنی ہیں یا ایک عہدہ دار سرکاری جس کے خرچ بہت ہیں اور تنخواہ تھوڑی ہے وہ جب اس اقرار کے بعد اپنے کام پر جاتا ہے اور آمدنی کو کم پاتا ہے اور خرچ زیادہ ہے اور رشوت کے وسائل کھلے ہیں اور کوئی منع کرنے والا نہیں۔اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔رات کے وقت جب سردی کا موسم ہو اور گرم بستر کے اندر آدمی لیٹا ہوا ہو اور ہر ایک سامان مہیا ہو اور تہجد کا وقت اور خدا کے یاد کرنے کا وقت آ جائے اور دل نہ چاہے کہ بسترے سے اُٹھے اس وقت انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا دین مقدم ہے یا دنیا مقدم ہے۔

غرض سلوک کی راہ میں سب سے مشکل مرحلہ وہی ہے جو نفسِ لوامہ کو طے کرنا پڑتا ہے۔کیونکہ

---

[1] کہ عشق ابتدا میں آسان ہی لگتا ہے مشکلات بعد میں پڑتی ہیں۔

اس کو شیطان کے ساتھ اور اس کے لشکر کے ساتھ ایک جنگ درپیش ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ وہ اس کو واپس اپنی حالت ردی پر لے جائے۔ کیونکہ وہ جیسا کہ اس سورۃ میں بیان کیا ہے۔ خناس ہے یعنی انسان کو نیچے ہٹانا چاہتا ہے اور اس کو رذیل حالت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ شیطان بعض انسانوں کی صورت میں ہیں اور بعض بدروحیں ہیں جو کہ انسان کو خراب حالت میں ڈالنے کے واسطے اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتی ہیں جس کا ذکر اس سورہ شریف میں اس طرح سے ہے اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کے واسطے خدا نے یہ سورہ بطور کلماتِ دعائیہ کے نازل فرمائی ہے تا ان کو پڑھ کر اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگ کر انسان بدحالت میں پڑنے سے بچ جاوے۔ اے خدا! تو اپنے فضل وکرم سے ہماری دستگیری فرما اور اس جماعت کے ممبروں کو نفسِ مطمئنہ عطا فرما اور جو لوگ ہنوز اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے ان کی بھی آنکھیں کھول تا کہ وہ اس پاک راہ کو پہچان کر اس کی صداقت کا فائدہ حاصل کریں اور خدا کی برگزیدہ جماعت میں داخل ہو کر رحمتِ الٰہی سے حصہ وافر حاصل کریں! آمین ثم آمین!!

امراضِ سینہ کا علاج: میں خیال کرتا ہوں کہ امراضِ سینہ مثلاً سِل، کھانسی وغیرہ کے واسطے اس سورۂ شریف میں ایک دعا ہے۔ کیونکہ آجکل ڈاکٹروں نے یہ تحقیقات کی ہے کہ پھیپھڑے میں ایک باریک کیڑے ہوتے ہیں جن کو جَرْمز کہتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہو جاتے ہیں تب پھیپھڑا زخمی ہو کر سِل کی بیماری اور کھانسی پیدا ہو جاتی ہے۔ جنّ بھی ایک باریک اور مخفی شئے کو کہتے ہیں۔ اس سورہ میں ان اشیاء کے شر سے پناہ چاہی گئی ہے۔ جو سینہ کے اندر ایک خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ناظرین اس کا تجربہ کریں لیکن صرف جنتر منتر کی طرح ایک دعا کا پڑھنا اور پھونک دینا بے فائدہ ہے سچے دل کے ساتھ مطلب اور معنی کو یہ سورۃ بطور دعا کے مریض اور اس کے معالج اور تیماردار پڑھیں اور مریض کے حق میں دعا کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے بیماروں کو اس کلامِ پاک کے ذریعہ شفا حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس سورۂ شریف کے شانِ نزول کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر اس قسم کی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی میں نے کبھی نہیں دیکھیں وہ معوذتین ہیں۔ ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی نظرِ بد سے پناہ مانگا کرتے تھے مگر جب معوّذتین نازل ہوئیں تو آپؐ نے اور طرح اس امر کے متعلق دعا کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۱۲ مورخہ ۱۹؍جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۲)

اس سورۃ شریف میں کسی خاص مذہب پر کوئی خصوصیت سے حملہ نہیں۔ جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورۃ سورہ فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سماوی اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر زد نہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ۔ (النّاس: ۲ تا ۴) اس سورۃ شریف کی ابتدا میں باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں۔ اور اس جلسہ (جلسہ مذاہبِ عالم) کے پہلے سوال میں بھی ایسے ہی تین امور کا ذکر کیا ہے کہ جن کا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہے۔ وہ تین انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالت کا بیان ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ غور فرمایئے۔ ابتدا میں انسان ایک جسم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا[1] (النحل: ۷۹) اور بے ریب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجز اس کے کہ اس کو جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں۔ اور کن علوم کی اس کو ضرورت ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرماوے اور چوسنے پھر گلے سے اتارنے کا علم نہ بخشے پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں پھر شریانوں میں اور پھیپھڑوں میں خون مصفّٰی ہو کر جُزوِ بدن نہ ہو تو انسانی نشوونما کا کیا ٹھکانا ہے۔

اسی طرح جسمانی غذا میں ماں کی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ دودھ میسر نہ آویں تو نوزائیدہ انسان کی نسبت کسی کامیابی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ اسی طرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر اسے نہ پہنچیں

[1] اس نے تم کو پیدا کیا تمہاری ماؤں کے پیٹ سے، تم کچھ بھی تو نہیں جانتے تھے۔

توانسان کی جاں بری کیونکرممکن ہے۔

صاحبان! انسان کی اس حالت پر نظر کرو جواس کو نطفگی کی حالت میں لاحق ہیں۔اور ہر انسان کے اس کمال واستواری پر نظر کر جاؤ جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہےاور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول وفروع سے کس نے عطا فرمائے۔تو آپ یقین فرمائیں گے کہ ایک رب الناس جس نے اس کو ایک طرف جذب موادِ طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں۔ دوسری طرف موادِ طیبہ کا بے اَنت خزانہ مہیّا فرما دیا۔ چونکہ وہ ذات پاک طیب اور ہر ایک خبث ونجاست سے منزہ ہے۔انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کے لئے بھی اس نے کیسے کیسے اسبابِ طیبہ مہیا کر دیئے ہیں۔

جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تکمیل کر لیتا ہےتو اس کی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشو ونما ہوتا ہے۔کبھی اس کو انواع واقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔اس لئے رنگا رنگ خوراک کے لئے قسم قسم کے غلہ، پھل، پانی، عرق، شیرینیاں، تُرشیاں جمع کرتا ہے۔ پہننے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی، سردی، ہوا ، روشنی، بارش اور گرد وغبار سے بچنے کے لئے ایسا ہی محنت ومزدوری عیش وعشرت ، جنگ وغیرہ وغیرہ حالاتِ مختلفہ کے لئے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے آرام کی خاطر اس کو مکانات بنانے پڑتے ہیں، جن میں انسان کو گرمی، سردی، غبار، بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔اپنی ضروریات کے واسطے مختلف قسم کی چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔

قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اس کو اپنے جوڑہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کے اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے انسان اپنے مطالب جسمانیہ اور اخلاقیہ میں گاہے قوّتِ استقلال وہمت بلند کے ساتھ شجاعت وبہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔اور جب اس کے بنی نوع سے کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے اغراض ومطالب اور شہوات و بلند حوصلگی وکامیابی میں حملہ کرتا ہےتو اس کو بادشاہوں اور حکّام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اس کا محتاج الیہ

حاکم قوت عدل انصاف، رحم، شفقت، غوروفکر سے کام نہیں لیتا تو اس کی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کے حاکم اور سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے حضور گڑگڑاتا ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے ظالم حاکموں کا تو انصاف کر اور میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما۔ اس بادشاہِ عظیم الشان کا نام مَلِكِ النَّاسِ ہے۔

نیز خود انسان کے لئے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اس کو جرائم کے ارتکاب اور امن کی خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں۔ مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض وقت ایسا معاملہ پیش آ جاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں، پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ نیز ارتکابِ جرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کی رُو سے انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی جسمانی حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں...... مگر انسان کے ان اندرونی جوشوں پر جس کے باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کے لئے ضروری ہے جس کی نگرانی پر یقینِ انسان یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور یہ بھی بداخلاق کو سزا دیتا ہے۔ اس کا نام اس سورۃ شریف میں ملک الناس ہے۔ کیا معنے؟ وہ بادشاہ جو انسان کے قویٰ علمیہ اور عملیہ اور انسانی علم و عمل اور انسانی کرم اندریوں بلکہ گیان اندریوں پر حکمران ہے۔ پھر جسمانی اخلاقی دونوں حالتوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہنچا اور ہر قسم کے تکالیف سے صحیح و تندرست ہوا تو انسان کو اخلاقِ فاضلہ کی ضرورت ہے مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جاویں تو اب اس کو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اگر بقاء کی خواہش انسان کی فطرت و جبلت میں نہ ہوتی تو علمِ طب کی یہ ترقی تم نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذہب کی تحقیق پر کوئی جلسہ نہ ہوتا۔ نیکی اور نیک جلسہ کے اصول منضبط نہ ہوتے۔

روح کی کامل محبت اور پورا پیار اور پوری چیز جس میں روح کو کامل طمانیت ہے اس کا نام ہے اسلام میں اللہ۔

تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں خواہ اخلاقی، اندرونی ہوں یا بیرونی جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو جو نام انسان کے لئے راحت بخش ہے اس کا نام ہے اِلٰہِ النَّاسِ ۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود۔

غرض انسان نے تینوں حالتوں جسمانی، اخلاقی، روحانی میں جو جسم کا مربی، قویٰ کا مربی، روح کا مربی ہے، اس کو اس سورہ میں رب الناس کہا ہے اور وہ ذات جسمانی، اخلاقی، روحانی افعال، اقوال، اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام ہے۔ ملک النّاس۔ اور جب وہ انسان کا اصل غرض ذاتی محبوب غایت مقصود بنتا ہے تو اس کو اِلٰہِ النَّاسِ کہا ہے۔

اب غور فرماویں کہ جب ہر سورۃ میں انسان کی حالتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ کریم نے فرمایا کہ رب بھی میں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایتِ مقصود بھی میں ہی ہوں تو میرے بندو! مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہہ دو، ہاں ہر ایک انسان تم سے کہہ دے کہ میں ربوبیت اور ضرورتِ حکومت میں اور ضرورتِ محبت میں رب الناس، مَلِک الناس، اِلٰہِ النَّاس کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں۔ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ۔ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ (الناس:۵ تا ۷) یہ قرآن کی آخری سورۃ کیسی بے نظیر اور لطیف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ تم اللہ کریم، المولیٰ، الرؤف الرحیم، رب الناس، ملک الناس الٰہ الناس سے پناہ مانگ لو تمام ان غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی مُوَسْوِسْ کے نظارہ یا کلام سے بندے کو ہوں کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہو بہو اس تکلیف رساں کتے کی سی ہے جو آٹھوں پہر کاٹنے کے لئے تیار ہے جس طرح اس کتے سے بچنے کے لئے ہم کو اس کے مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اس کا مالک ہمیں بچانا چاہے اور اس کتے کو دھتکار دے تو کیا مجال کہ وہ کتا کسی کو کاٹ کھائے اسی طرح انسانی یا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کی پناہ سے ہوگا جو کل مخلوقات کا رب اور مالک اور محبوب ہے۔

وسواس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا جس کا بُرا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا اور جس کی بدی سے ہم بے خبر

رہے اوراس کی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر یا روحانی معاملات پر بُرا اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔ چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان، ہاں شیطان بصورت انسان سے۔ میں اپنے لئے آپ یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہم نے سنا۔ اس میں سے جو کچھ ہمارے جسم، اخلاق اور روح کے لئے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے وہ نقصان رساں ہوں اس سے آپ پناہ مانگیں جو رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس ہے کیونکہ انہیں تین صفات کے ماتحت انسانی جسم، اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے۔

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۵۸ تا ۲۶۱)

اس سورۃ کو اخیر میں لانے میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کو ختم کر کے اور شروع کرتے ہوئے اَعُوْذُ پڑھنا چاہیے۔ چونکہ یہ طریق مسنون ہے کہ قرآن کریم ختم کرتے ہی شروع کر دینا چاہیے، اس لئے نہایت عمدہ موقع پر یہ سورۃ ہے۔ بخاری صاحب نے اپنی کتاب کو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے شروع کیا ہے تا کہ سامعین لوگ اور معلم اور متعلم اپنی اپنی نیتوں پر غور کر لیں۔ یاد رکھو جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں چور کا ڈر ہے۔ قرآن مجید ایک بے بہا خزانہ ہے۔ اس کے لئے خطرۂ شیطانی عظیم الشان ہے۔ قرآن کے ابتدا میں یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے اپنی رسومات کے ادا کرنے کے لئے تو مکان بلکہ زمین تک بیچنے سے بھی نہیں ڈرتے مگر خدا کے لئے ایک پیسہ نکالنا بھی دُوبھر ہے۔ ایک قرآن پر عمل کرنے سے پہلوتہی ہے اور خود وضعداری و تکلف و رسوم کے ماتحت جو کچھ کرتے ہیں اس کی کتاب بنائی جاوے تو قرآن سے دس گنا حجم میں ضخیم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کو ہماری عبادت کی ضرورت کیا ہے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی بد پرہیزیوں سے اور حکام کی خلاف ورزی سے دکھ ضرور پہنچتا ہے۔ پس گناہ سے اور احکم الحاکمین کی خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ملے گی۔ ان تمام اقسام کے وسوسوں اور غلط فہمیوں سے (جو اضلال کا موجب ہیں)۔ بچنے کے لئے یہ سورۃ سکھائی گئی ہے۔ عَوْذان چھوٹے پودوں کو کہتے ہیں جو بڑے درختوں کی جڑ کے قریب پیدا ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایک رب کی ضرورت

ہے دیکھو انسان غذا کو گڑ بڑ کر کے پیٹ میں پہنچا لیتا ہے۔ اب اسے دماغ میں، دل میں، اعضائے رئیسہ میں بحصہ رسدی پہنچانا یہ رب کا کام ہے۔ اسی طرح بادشاہ کی ضرورت ہے گاؤں میں نمبردار نہ ہو تو اس گاؤں کا انتظام ٹھیک نہیں۔ اسی طرح تھانے دار تحصیلدار نہ ہو تو اس تحصیل کا ڈپٹی کمشنر نہ ہو تو ضلع کا کمشنر نہ ہو تو کمشنری کا، اسی طرح بادشاہ نہ ہو تو اس ملک کا انتظام درست نہیں رہ سکتا پس انسان کہ عالم صغیر ہے اس کی مملکت کے انتظام کے لئے بھی ایک مَلِک کی حاجت ہے۔ پھر انسان اپنی حاجتوں کے لئے کسی حاجت روا کا محتاج ہے۔ ان تینوں صفتوں کا حقیقی مستحق اللہ ہے۔ اس کی پناہ میں مومن کو آنا چاہیے۔ تا چھپے چھپے پیچھے لے جانیوالے مانع ترقی، وسوسوں سے امن میں رہے۔ اسلام کی حالت اس وقت بہت ردی ہے ہر مسلمان میں ایک قسم کی خود پسندی اور خود رائی ہے۔ وہ اپنی اوقات کو، اپنے مال کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتا۔ اللہ نے انسان کو آزاد بنایا، پر کچھ پابندیاں بھی فرمائیں بالخصوص مال کے معاملہ میں، پس مالوں کے خرچ میں بہت احتیاط کرو۔ اس زمانہ میں بعض لوگ سود لینا دینا جائز سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے حدیث میں آیا ہے سود کا لینے والا دینے والا بلکہ لکھنے والا اور گواہ سب خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔ میں اپنی طرف سے حقِ تبلیغ ادا کر کے تم سے سبکدوش ہوتا ہوں میں تمہاری ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم خدا کے ہو جاؤ تم اپنی حالتوں کو سنوارو خدا تمہیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۳۹ مورخہ ۲۲؍جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

متی کی انجیل کا پہلا صفحہ اٹھا کر دیکھو، وہاں کیا لکھا ہے، ’’نسب نامہ یسوع مسیح داؤد اور ابراہیم کے بیٹے کا۔ ابراہام سے اسحاق پیدا ہوا اور اسحٰق سے یعقوب پیدا ہوا...... متّان سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ جو مریم کا شوہر تھا جس کے پیٹ سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔‘‘

حالانکہ یہ وہ کام ہے جو ہمارے ملک میں تو میراسی کرتے ہیں۔ اس کے مقابل میں قرآن مجید شروع ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے تمام مذاہب باطلہ کا ردّ ہوتا ہے نہ یسوعیوں کا خداوند اقنوم ثالث رہ سکتا ہے۔ نہ رحم بلا مبادلہ کے بہانے سے کسی بے گناہ کو پھانسی

چڑھانا پڑتا ہے اور نہ آریوں کا مادہ وروح ازلی وابدی بن سکتا ہے اور نہ تناسخ والوں کی کوئی دلیل باقی رہتی ہے جس کا ردّ اس سے نہ ہو سکے، نہ سوفسطائیوں کو بولنے کی تاب ہے اور نہ برہموؤں کو مسئلہ الہام میں تردّد رہ سکتا ہے اور نہ شیعہ صحابہ کرام پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ نہ دہریہ کسی حجتِ نیرہ کی بناء پر خدا کی ہستی کے منکر رہ سکتے ہیں۔ یہ تو ایک آیت کے متعلق ہے۔ اگر سات آیتیں پڑھی جاویں تو پھر تمام مذاہب کی صداقتوں کا عطر مجموعہ اس میں ملتا ہے۔ اور دنیا کے آخر تک پیش آنیوالے دینی اہم واقعات کی خبر اس میں موجود ہے۔ چنانچہ نصارٰی کے اس غلبہ اور مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی بھی موجود ہے۔ ان تمام مفاسد وعقائد فاسدہ کا ابطال ہے۔ جو دنیا میں پیدا ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔ اور ان اعمالِ صالحہ وعقائد صحیحہ کا تذکرہ ہے جو انسان کی روحانی وجسمانی ترقیات کے لئے ضروری ہیں۔

اسی طرح انجیل کا اخیر دیکھو۔ اس میں لکھا ہے کہ یسوع جو خداوند کہلاتا تھا۔ اپنے دشمنوں کے قبضے میں آ گیا اور اس نے ایلی ایلی لما سبقتانی (یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہتے ہوئے اپنی جان دی۔ برخلاف اس کے قرآن مجید ختم ہوتا ہے۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔

قرآن مجید پڑھنے والا۔ قرآن شریف کا متبع بڑے زور سے علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے۔ میں اُس خدا کی پناہ میں ہوں جو تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور پھر انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔ وہ سب سے حقیقی بادشاہ حقیقی معبود ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک معمولی تھانیدار یا صاحبِ ضلع بلکہ نمبردار اور پٹواری کی پناہ میں آ کر کئی لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پس کیا مرتبہ ہے اس شخص کا جو تمام جہان کے رب اور بادشاہ اور سچے معبود کی پناہ میں آ جائے۔

صرف اس کتاب کا اوّل وآخر ہی اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کن ہے۔ اگر کوئی خدا ترس دل لے کر غور کرے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۹۔ ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۵۳۔ ۳۵۴)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنڈیکس

(حقائق الفرقان جلد ششم)

انڈیکس مضامین

(حقائق الفرقان جلد ششم)

حقیقت

تعلیم

غلبہ اسلام

اسماءالٰہی

اقتصادیات

اللہ جل جلالہٗ

اسم ذات

اسماءالٰہیہ کی اہمیت

صفات

ایمان باللہ

ب۔پ۔ت۔ث

اس جلد میں مذکور احادیث بالمعنی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دعا

دنیا

دین

ذوی القربیٰ

ر۔ز

رؤیا

ف ۔ ق

نباء عظیم

نبوت

ضرورت نبوت

مقصد بعثت

صداقت

مقام و خصائص

نسخ

نصیحت

نکاح

نماز

نیت

و

وحی نیز دیکھئے عنوان ''الہام''

وعظ نیز دیکھئے عنوان نصیحت



اسماء

آ۔ا

ص۔ض۔ط

ع۔غ

نکات علم و معرفت

جماعتِ احمدیہ

ل ۔ م ۔ ن

مقام

برکات

عبادت



مقامات

د۔ڈ۔ر۔ز

س۔ش۔ص

ف۔ق۔ک۔گ

ن-و-ہ-ی



کتابیات

تفسیر

قرآن کریم

موضح القرآن از شاہ عبد القادر

تفسیر ابن کثیر

تفسیر کبیر للرازی

تفسیر عینی

روح المعانی

اتقان

حدیث

جامع صحیح بخاری

صحیح مسلم

صحاح جوہری

ابوداؤد

الدر المنثور

بیہقی

ترمذی

نسائی

دار قطنی

واقدی

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

براہین احمدیہ

ازالہ اوہام

کتاب البریہ

فتح اسلام

آئینہ کمالات اسلام

توضیح مرام

تصدیق براہین احمدیہ از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل

تصوف

فتوح الغیب للسید عبد القادر جیلانی

اخبارات

الفضل

الحکم قادیان

البدر قادیان

ضمیمہ اخبار بدر قادیان

لغت

المفردات لغریب القرآن

قاموس

کتب عیسائیت

تورات

انجیل

تاریخ وجغرافیہ

ابن ہشام

ابن خلدون

معجم البلدان

کتب ہندو مذہب

ستیارتھ پرکاش

متفرق

فتاویٰ عالمگیری

خطبات الاحمدیہ از سرسید احمد خان

مثنوی میرحسن

فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب

سیرت ابن ہشام

نورالدین بجواب ترکِ اسلام

حیاتِ نور

تحقیق الایمان از پادری عمادالدین

عدم ضرورت قرآن از پادری ٹھاکرداس

